

الکھنکری

ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الکھنجرى

”علی پور کا ایل“ کا دوسرا حصہ

ممتاز مفتی

ناشرانِ قمبرانِ مکتب
عزیز شریف آباد و لاہور

الفیصل

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

928 Mumtaz Mufti
Alukh Nagri / Mumtaz Mufti - Lahore:
Al-Faisal Nashran, 2005,
1120p.

1.Sawaneh 1. Title card

ISBN 969-503-077-7

محترمہ ڈاکٹر عفت شہاب

محترم خواجہ جان محمد

محترم سید سرفراز شاہ

کے نام

جن کی کرم نوازیوں نے

مجھے کیا سے کیا بنا دیا

ممتاز مفتی

۱۹۹۲ء

اگلی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے فوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ثبیت سے رائی

جملہ حقوق محفوظ

دسمبر 2005ء

محمد فیصل نے

میٹروپولیٹنز سے چھپوا کر شائع کی۔

UrduPhoto.com

AL-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan

Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387

http : www.alfaisalpublishers.com

e-mail : alfaisal_pk@hotmail.com

پہلی بات

ملتی کوئی ذات نہیں بلکہ خاندان مفتیاں اپنے لکھنے لکھانے کی صفت کی وجہ سے مشہور تھا جو بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کے درباروں سے وابستہ لکھنے لکھانے کا کام کرتے تھے۔ درباروں میں تاریخی حالات و واقعات، احکامات، شاہی لکھنے والے یہ قلم کار لکھنے کے اس حد تک عادی تھے کہ گھر میں بھی اپنے معمولات زندگی کو لکھ کر (Document) کر لیا کرتے تھے۔ ممتاز مفتی کے والد مفتی محمد حسین گھر میں موجوداً لویا کی تفصیلات بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے لکھنے لکھانے کی یہ ضروری صفت ممتاز مفتی کو بھی منتقل ہوئی مگر اس کے ساتھ ہی حالات و واقعات کی تبدیلی کا ایک انعکاس بھی انہیں پہنچا۔ قیام پاکستان، ہندو مسلم فساد، بے گھر ہو کر در بدر کی ٹھوکریں، خونی رشتوں اور باپ سے بغاوت، ہجرت، پھر اپنے وطن میں مسلسل سیاسی عدم استحکام اور سب سے بڑھ کر انقلابی، سماجی اور معاشرتی قدروں میں یک دم اتنی بڑی تبدیلی، غرض یہ کہ ممتاز مفتی کو تبدیلی زمانہ کے بہت بڑے ٹھیلے کھانے پڑے۔ غصہ تو ان میں تھا ہی، پھر تبدیلی کی اتنی بڑی لہر نے باپ سے بغاوت کو رشتے داروں، معاشرے، سماج اور مکہ بند روایات سے بغاوت تک پھیلا دیا اور ان کی ساری زندگی اسی لڑائی اور بغاوت کو نبھاتے گزر گئی۔ یہ ان کی معاشرے کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔

ممتاز مفتی کے لکھنے کو یہ داد تو دینی پڑے گی کہ ان پر جو جیتی وہ انہوں نے کسی لگی لپٹی کے بغیر سچ لکھ دی۔ لوگوں کا خیال ہے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ میں بھی جو ہر واقعے کو دلیل، عقل اور سائنس کی روشنی میں دیکھنے کا عادی ہوں پہلے میرا بھی یہی خیال تھا اور میں شرماتا رہتا تھا۔ اس کی حقیقت تو اس وقت معلوم ہوئی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی ذاتی ڈائریاں دیکھیں۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بالخصوص پہلی روزنامہ لکھنے کے عادی تھے حتیٰ کہ یہ تک لکھ لیتے تھے کہ آج کون سی دو کتنی قدر میں کھائی۔ ان کی ڈائریاں پڑھ کر ”علی پور کا ایلی“ اور ”الکھ نگر“ میں درج واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ نہیں یہ محض داستان آرائی نہیں۔ ممتاز مفتی کی اس سرشت کو اپنی آپ بیتی میں بڑی شدت سے برتا اور

رواج سے ہٹ کر نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی ذات پر کوئی طمع چڑھائے بغیر وہ لکھ دیا جو حقیقت تھی۔ اس انکشاف حقیقت کے بعد مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ اگر میں نے حالات و

دیباچہ برائے بار دوم

۱۹۹۵ء

گذشتہ تین سال کے دوران مجھے الکھ نگر کی کے حلقہ اسے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ
ہوئی ہے اس بات پر کہ گراس قیامت ہونے کے بعد جو اسے لوگوں نے الکھ نگر کا مطالعہ
کیا ہے۔

مجھے علم ہے کہ ہر خط کا جواب لکھو لیکن خط و کتابت کی عیاشی میں پڑنے سے گریز کرو۔
پندرہ روزہ تقریباً پندرہ دن میں خط موصول ہوتے ہیں۔ بیشتر خطوں میں الکھ نگر کے حوالے
سے سوال پوچھے جاتے ہیں۔

در حقیقت میں الکھ نگر سے مطمئن نہیں تھا اس کی دو وجوہات تھیں ایک یہ کہ یہ
کتاب میں نے پہلے میں عمل کی تھی مجھے یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ شاید میں کتاب عمل نہ کر
سکوں۔ اسی وجہ سے میں اسے "رش" کرنے پر مجبور تھا۔ دوسری وجہ ظاہر ہے کہ ایک اسے
پانچ سال کا مطالعہ کرنے کے لئے میرا قلم بہت چھوٹا تھا۔

قدرت اللہ کی ایک اسطور پر بیٹے تھے۔ میں صرف ایک سنگ مرمر وود تھا
جس نے کئے ہیں قرآن حکیم کا ہر لفظ "منسوب" کے حوالے سے کتاب کے پھول کے ہند ہوتا
ہے۔ ایک "نکمرسی" لفظ تو نیچے ایک اور "نکمرسی" ہوتی ہے۔ اس لفظ تو نیچے ایک اور "نکمرسی"
ہوتی ہے۔ "نکمرسی" "منسوب" میں جی حال بزرگوں کا ہے وہ ایک وقت کی ایک
اسطور پر بیٹے ہیں۔

قدرت اللہ شاپ ابھ سے آکر نکا کرتے تھے مفتی صاحب! عقیدت کوئی اچھی چیز نہیں اس
جی شاپ ہے اور شاپ کوئی اچھا وصف نہیں آپ عقیدہ پالنے چو کہ عقیدے میں توازن
ہے۔

اباب بھی میں نے اسے کہا تھا کہ شاپ صاحب میرے اندر تو عقیدت ہی عقیدت ہے

اگر قدرت اللہ شاپ ہند میں آخری باب کا اضافہ نہ کرتا تو میں الکھ نگر لکھنے پر مجبور نہ
ہوتا۔

میں قدرت اللہ سے اس لیے سنا نہیں ہوا تھا کہ وہ بزرگ تھا یا اس لیے کہ اس کی زندگی
میں چوتھی ست کو دخل حاصل تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ بڑا انسان تھا۔ اس کا مسلک محمد پڑ
(Mohammad Hood) تھا۔

وہ قدم افغان سے پہلے سوچا کرتا تھا کہ ایسے حالات میں حضور علیہ السلام کا رد عمل کیا ہوتا۔ اس
کے نزدیک افضل ترین مہارت (Identification with Mohammad) تھی۔

اس کتاب کے پہلے تیس باب اعلیٰ کی زندگی کا تسلسل ہیں۔ اس کے بعد میری زندگی میں
کا پلاٹ قسم کی تبدیلی واقعہ ہوئی اور پھر اعلیٰ کی قدرت اللہ شاپ کے گرد گھومتی رہی۔

اس کتاب میں واقعات کو تسلسل کے مطابق نہیں بلکہ موضوعات کے مطابق تحریر کیا گیا
ہے۔ تسلسل کے مطابق لکھتا تو یہ کتاب ڈائری کی شکل اختیار کر لیتی۔ یہ بات مجھے پسند نہ تھی۔

موضوعات کے مطابق لکھنے میں کہیں کہیں زنان و مکان کی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔
۱۹۵۶ء سے میں نے باقاعدہ ڈائری لکھنی شروع کی تھی۔ اس کتاب کا قدرت اللہ شاپ
سے حلقہ حصہ ہن و انگریزوں سے لکھا گیا ہے۔

میں نے اپنی دیگر تحریروں میں اپنی آپ بینیدوں کا جبکہ جبکہ تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب
میں مجھے ہن واقعات کو دھرا پڑا۔ یہ ایک مجبوری تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

شدت ہی شدت۔ میں عقیدے اور توازن سے محروم ہوں۔ جو چیز میرے اندر ہی موجود نہیں وہ میں کیسے پال سکتا ہوں۔

شباب صاحب عام بزرگوں کی طرح نہ تھے وہ دانشور بزرگ تھے۔ وہ محبت کو برداشت کرنا جانتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ ٹیڑھی لکڑی کو زبردستی سیدھا کیا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

لگتا ہے وقت کے بعد وہ زیادہ فعال ہو گئے ہیں زیادہ پر اثر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میرے دل میں وہم پیدا کر دیا کہ جب تک میں عقیدے پر کتنا چپ نہ لکھوں گا تجھے چھٹی نہیں ملے گی۔ چونکہ میں جاننا چاہتا ہوں اس لئے مجبوراً میں نے عقیدے کا مطالعہ شروع کر دیا۔

مشاہیر نشر و اشاعت کا خیال ہے کہ شباب نامہ گزشتہ پانچ سال میں بسٹ سِلر (Best Seller) رہا ہے ایک اندازے کے مطابق گزشتہ پانچ سال میں شباب نامے کی ایک لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ اسلام آباد کے ایک مقامی کتب فروش کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ساڑھے چار ہزار جلدیں فروخت کی ہیں۔

شباب نامے کے حوالے سے الگھ ٹگری کی فروخت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سنگ میل نے الگھ ٹگری کی پہلی ایڈیشن جو دو ہزار کاپیوں پر مشتمل تھی ۱۹۹۲ء میں بڑی محنت اور محبت سے شائع کی تھی۔ دوسری ایڈیشن انہیں دسمبر ۱۹۹۳ء میں شائع کرنی چاہیے تھی لیکن سنگ میل کا مصنف کے ساتھ معاہدہ کرنے کا رویہ بدل گیا ہے، معاہدے میں وہ کاپی رائٹ کو رہن رکھ لیتے ہیں۔ یہ بات مجھے گوارہ نہ تھی۔ اس پر قدرت اللہ نے گورے کو میرے پاس بھیج دیا۔ لہذا اب دوسری ایڈیشن طاہر اسلم گورا اپنے اشاعتی ادارہ گورا پبلشرز، پیش کر رہے ہیں۔

ممتاز مفتی
جون ۱۹۹۵ء

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پاکستان



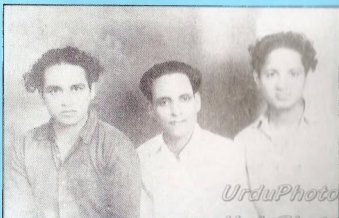
خوشید بیگم (بیگم اشفاق حسین)

۱۔ ہوں نہیں ہوں

۲۔ ۲۶ ہندیاں

۳۔ پرمیلا، پریتے، شکنتلا

۴۔ شاہ کا کو کا بارکا



اشفاق حسین (۱۹۲۳ء) ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

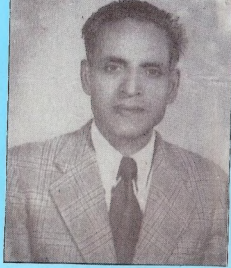
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

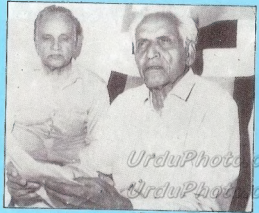
اہوں نہیں ہوں

وہ رہ کر مجھے خیال آتا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان کیوں چلا آیا؟ ملائکہ بہنیں میں
مجھے ہر ایک کانٹریکٹ مل چکے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ہزاروں روپے کمانے کی صورت پیدا ہو
گئی تھی۔ اس کے باوجود میں بہنیں میں مسلمان نہیں تھا۔ ساسا۔ اکھڑا کھڑا۔
لاہور پہنچ کر میں یوں مسلمان ہو گیا تھا جیسے کبھی گھونسلے میں آ بیٹھا ہو۔ ملائکہ لاہور میرا
کوئی گھر نہ تھا۔ ذریعہ معاش نہ تھا۔ کیا میں اس لیے مسلمان ہو گیا تھا کہ پاکستان میں آ گیا تھا۔ میں
یہ کہتا ہوں کہ مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی لکھو نہ تھا۔ میں نے کبھی پاکستان کو اپنا یا نہ تھا۔ جب قیام
پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو میں حیران ہوا کہ آقا کا کہنا تھا کہ مسلمان پاکستان بنانے کے لیے کیوں
تیار ہو رہے ہیں۔ ملائکہ مجھے اچھی طرح شعور تھا کہ ہندوؤں کے دل مسلمانوں کے خلاف
تسلیم سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کسی میدان میں آئے۔ ہندوؤں کے دل
میں ان کی رکاوٹیں کھڑی کرنا ہندو اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے قیام
پاکستان سے نفیس ہو رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ میں نے خود کو کبھی مسلمان نہ سمجھا تھا۔ میں
وہاں ۱۴ مسلمان قلم حرم شہری کا مسلمان۔

میرے دل میں ہندوؤں کی بڑی عزت تھی۔ بحیثیت قوم وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان
کی فکر تھا۔ احساس تھی، عقل تھا۔ رکھو تھا۔ استقامت تھی۔ وہ مسلمانوں کی طرح ہڈیاں نہ



میرزا مصطفیٰ (۱۹۴۷ء)



تھے۔ جوش میں نہیں آتے تھے۔ اپنی مومن حق دونوں سروں پر چلانے کے شوقین نہ تھے۔ میرے ذہن میں سیاست کا غلطہ سرے سے غلط ہے۔ سیاسی خبوں سے مجھے قطعی طور پر دلچسپی نہ تھی۔ سرسری طور پر سرخیوں پڑھ لیتا اور متن کو نظر انداز کر دیتا۔ مسلمانوں کے اظہارِ جذبات میں رنگے ہوتے تھے اس لیے میں روزنامہ شمعین پڑھا کرتا تھا۔ قائد اعظم مجھے پسند نہ تھے۔ ان میں بجز نہ تھا۔ خلی و قادی و قادی پھر اس قدر خود اعتمادی اور اصول پرستی، اصول انسان کے لیے بنتے ہیں۔ انسان اصولوں کے لیے نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر مجھے یہ احساس تھا کہ قائد بچا "سیکڑے"۔ مسلمانوں کی فلیڈ کی کرتے تھے، "نہیں" اسلام سے باخبر نہ تھے۔ فضیلت پر اسلام کا رنگ نہ تھا۔

مغربی مفکر

درحقیقت میں خود سیکولر خیالات کا مالک تھا۔ مذہب کو اچھا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے مذہب پر شرمناک تھا۔ میرے دل میں شک و شبہات ہوں جن جن کرتے جیسے بھڑوں کا چمٹا لگا ہو۔ یہ چمٹا میں نے بڑی سخت سے چلا تھا۔ مغربی علماء نے میری رہبری کی تھی۔ کالج میں میں ایک خاک کو کا تھا۔ مشکل سے بی اے پاس کیا تھا۔ پھر محبت کا ایک دست بڑا بلبلا پھرتا تو غم فراق کرنے کے لیے اتفاقاً میرے ہاتھ کتاب لگ گئی اور میں مطالعے میں ڈوب گیا۔ یہ ایک رولہ قرار تھی۔ علم حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ اس نائنے میں اردو کی کتابیں عام نہ تھیں۔ سکولوں میں اردو صرف آٹھویں جماعت تک پڑھائی جاتی تھی۔ نویں جماعت میں اردو زبان لازمی نہ تھی۔

کالجوں میں اردو زبان سرے سے رائج ہی نہ تھی۔

مشرق و مغرب کی درس گاہیں لگ گئیں۔ اے اے کے بعد واپس لوٹ کر آئے۔ اے اے کے بعد صرف انگریزی میں بی اے پاس کرنا پڑا تھا۔ پھر کمر لیا۔ اے کی ڈگری حاصل ہوئی تھی۔

ایک ظاہر کو جو مشرقی علوم کے بعد بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرتے تھے۔ اور انجمن تفسیر دلیا، بنیاد لگا جاتا تھا۔

میں مشرقی زبانوں اور ادب سے قطعی طور پر کور تھا۔

اس لیے میرا مطالعہ صرف انگریزی تک محدود تھا۔

اور کے علاوہ جو کہ اس کی حیثیت قرار کی تھی۔ اس کی کوئی منزل نہ تھی۔ سرت نہ تھی۔

اس مطالعہ سے مجھے صرف ذہنی آوارگی حاصل ہوئی۔ میرے خیالات سیکولر ہو گئے اور میں

نہیں رہا۔ دور ہو گیا۔

اللہ میاں

میرا ذہن مغربی مفکروں نے ترحیب دیا تھا۔ جس گھر میں میں نے پرورش پائی تھی۔ وہاں اللہ کا نام بچوں کو ڈرانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل کہیں نہ نہ یہ نہ کہو اللہ میاں ناراض ہوں گے۔ داری لیں کہیں ایسا کرے تو اللہ میاں غصے ہوں گے۔

ان دنوں میرے ذہن میں جو اللہ کا تعریف تھا اس میں دو آئیں پیش پیش تھیں ایک تو اللہ ہمیشہ بہت بڑے تھے۔ بڑے زبردست تھے دوسرے وہ بڑے خود مجھے تھے بات بات پر ناراض ہو جاتا کرتے، لیکن اللہ میاں کی ناراضگی کی دھوئی بیڑوں پر نہیں صرف بچوں پر چلتی تھی۔ پھر یہ اہل تھا کہ گھر میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ میاں اس بات پر خوش ہوتے ہیں۔ بچوں لگتا تھا کہ اللہ میاں خوش ہو جاتے ہی نہ تھے۔

کتاب میں داخل ہوا تو وہاں جاکر اللہ میاں کی ایک اور بات ظاہر ہوئی۔ پتہ چلا کہ اللہ میاں نے ایک دماغ تخلیق کر رکھا ہے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی بھٹی پتا رکھی ہے اور ان کا واحد غرض یہ ہے کہ بھندوں کو پکڑ پکڑ کر اس بھٹی میں ڈالنے جائیں۔

لیکن یہ ہوا کہ بھٹی میں میں ذہنی طور پر اللہ کا شکر رہا اور جذباتی طور پر اللہ سے خوف زدہ رہا۔ عقل ہی کہ میری فضیلت کا بنیادی جذبہ خوف تھا۔ میں ایک ڈرا ہوا سہا ہوا تھا۔ اگرچہ اللہ ہی تھا۔ یہ خصوصیت صرف بچپن پر محدود نہ تھی۔ زندگی بھر میں ایک ڈرا ہوا سہا ہوا فرد رہا۔ رات بھٹی اندھیرا چھا جاتا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا اس وقت خدا یاد آ جاتا۔ دن کے

اجالے میں خدا کی کوئی حیثیت نہ رہتی۔ بلکہ دن کے وقت میں خدا کا مذاق الایا کرتا تھا۔

لاہور پہنچ کر دوسرا چنڈہ جو میرے دل میں پیدا ہوا۔ حیرت کا قاضی حیرت کی بات تھی کہ میں صحیح سلامت لاہور کیسے پہنچ گیا۔ پہنچنے کے امکانات بہت کم تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس خیال کو قوجہ سے چٹا دوں۔ دوسری باتوں کی طرف توجہ مبذول کروں، لیکن جتنا میں اس خیال کو ذہن سے نکالتا اتنی ہی دوسلا ہو جاتا۔ پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسے ہوتا ہے۔ خوف یا تو خطرے کے آنے سے پہلے اور یا اس کے گزر جانے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ خطرے کے وقت انسان چند ساعت کے لیے بے خوف ہو جاتا ہے۔ خطرہ گزر چکا تھا، لیکن اب اس کی ایک ایک تفصیل میرے ذہن میں آ رہی تھی۔ خوف طاری ہو رہا تھا۔ خوف اور حیرت۔ دو کوائف جو خطرے کے دوران دھندلے پڑ گئے تھے۔ اب وضاحت سے سامنے آ رہے تھے۔ سوچنا کہ قتل و خون کے اس جھگڑے میں میں کیسے بچ نکلا۔ حیرت بہت جلد جاری تھی۔

اتفاقات

تیسری جگہ کو میں ترک لے کر لاہور سے بنالے پہنچا تھا، جو چٹاگوٹ روڈ پر امرتسر سے ۲۳ میل دور۔ ضلع گورداسپور میں واقع ہے اور جو خلاف اصول توقع ہجارت میں شامل کر دیا گیا تھا۔ تاکہ اپنے والدین بھائی بنوں اور بیٹے کو پاکستان لے آؤں۔ بنالے کے بندوؤں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ تیسری جگہ کے بعد مسلمانوں کو سمجھ لیں گے۔ پہلی آؤتور کو بنالے کے مسلمانوں پر بہت بڑا حملہ ہونے والا تھا۔ اگرچہ تقسیم چورہ آؤت کو بد ہو چکی تھی، لیکن شہر میں مسلمان فریئر فورس مقیم تھی جسے تیسری جگہ کی رات کو وہیں سے چٹایا بنا تھا۔

اگر میں ایک دن کی تاخیر سے ہالے پہنچتا تو منیجر محلے کی اینٹ سے اینٹ بھاگتا ہو جاتا۔ اور وہاں پہنچے ہوئے زحیر کے سوا کچھ باقی نہ ہوتا۔ میرا عین وقت پر پہنچ جانا کیا محض اتفاق تھا۔

پھر جب ہم ٹرک میں سوار ہالے سے امرتسر کی چاب آ رہے تھے: سو ٹرک پر کوئی بلوائی نہ تھا، صرف کوئے تھے کہتے تھے: چیلپیں تھیں اور کدو تھے، جو ٹرک پر پڑی ہوئی لاشوں کو چھیڑ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بلوائیوں کو الحلال ل چکی تھی کہ گوردھارپور سے مسلمانوں کی

وہ بھی نہیں آتی ہے۔ یہ خبریں کہ تمام بلوائی رابطے لائن کے دو رویہ تقاضا میں سامنے نہیں آتے۔

۱۱۔ ہاتھوں میں درختوں کی ٹہنیاں اٹھا رکھی تھیں تاکہ دور سے جہازوں کی قطاریں
۱۲۔ اداں۔ سڑک سے ویل کی لائن صاف نظر آتی تھی۔

ملا، ان دنوں ہمارے ملک کو سڑک پر چلنے والے دیکھا تھا، دیکھ کر غصے بھی لگے تھے۔
 ہمارے سے جانے نہ پائے، لیکن وہ ڈرتے تھے کہ اگر سڑک کی طرف آئے تو ماریوں ٹہریں
 نکل جائیں گی۔ ٹہریں میں سوار ہزاروں مسلمانوں کو تھپتھپانے کے لئے لٹاتے
 تھے کہ چند ایک مسلمانوں کو قتل کرنے کی کیا حیثیت تھی۔

وہ وہ! مجھے خیال آتا کہ اگر اس روز ملاوچی ٹرین کی آمد آمد نہ ہوتی تو ہم سب کی بوئیں
کتنی تھیں ہوتیں۔ کیا یہ بھی ایک اتفاق تھا۔

مگر جب ہم امرتسر میں داخل ہو رہے تھے تو سپاہی نے ہاتھ دکھا کر ہمیں روک لیا تھا اور ہمیں روک کے پہلو میں چبھے ہوئے بلوائینوں کو اشارہ کر دیا تھا۔ بلوائی نرک کی طرف دوڑے۔ ہمیں نہیں کیا۔ بلکہ چوک کے سپاہی کی جگہ ایک روٹی والی امرتسر آیا۔ اس نے ہمارے کو راستہ دے دیا تھا۔ نرک چل پڑا اور بلوائی چبھے ہو گئے۔ پھر نرک ڈرائیو نے جو ایک گاڑی نرک کو روک کے اتار کر کہتیں میں داخل دیا تھا۔

وہ روٹی ٹوٹا دیا کون تھا۔ سکھوں کے گڑھ میں روٹی ٹوٹی۔ بات میری سمجھ سے باہر تھی۔

کیا یہ سب اتفاقات تھے۔

پھر مجھ سے بھیجی سے لاہور آنے سے متعلق تفصیلات یاد آجائیں۔

پاکستان میں احمد بشیر اور مجھے قتل کی صورت پر علم نہ تھا کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی پاکستان کو جانے والے ہندو کر دیے جائیں گے اور مسلمانوں کے قتل و خون کا بازار گرم ہو جائے گا۔ ہمیں

میں ہمارے پاس روپیہ ختم ہو گیا تھا۔ ضروری تھا کہ لاہور جا کر پالشیر سے رقم حاصل کی جائے۔
میں نے احمد پشیرے کا تم چلو۔ وہ نہ مانا لہذا مجھے خود لاہور آنا پڑا۔ وقت یہ تھی کہ دارے پاس
کرایے کی رقم بھی نہ تھی۔ لہذا ادھار مانگنا پڑا۔ پہلی میں ادھار حاصل کرنا آسان کام نہیں۔
جس گاڑی سے میں لاہور پہنچا۔ وہ آخری گاڑی تھی۔ اس کے بعد امرتسرے لاہور کا
راستہ بند ہو گیا۔ سارے شروع ہو گئے اگر قرض حاصل کرنے میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی تو میں
کبھی لاہور نہ پہنچ پاتا۔ اگر میں لاہور نہ پہنچتا تو ترک لے کر مٹانے نہ پہنچ سکتا تو میں ممکن تھا کہ
میرے تمام عزیز مٹانے میں ہی ختم ہو جاتے۔
اتنے سارے الفت تھا۔

میری حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ اگر میرا اللہ پر ایمان ہو تا تو سمجھتا کہ یہ سب لفظ کا کرم ہے۔
یوں حیرت شکر گزاری کے جذبات میں بدل جاتی لیکن میرے ذہن میں اللہ کے کرم کا کوئی
مفہوم نہ تھا۔ لہذا میں حیرت کے سمندر میں ڈبکیں کھانا رہا کھانا رہا۔

لاہور

یہ ان دنوں کی بات ہے جب برصغیر دورہ میں جہلا تھا۔ پاکستان کی پیدائش کا اعلان ہو چکا
تھا۔ لیکن عمل جاری تھا اور یہ عمل اس قدر جریں کن لیتیت ناک اور خوشیوں تھا کہ مسلمان
شاک کے عالم میں تھے۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔
مسلمانوں نے کئی سال آزادی کی جدوجہد میں گزارے تھے اور اب ان کی کوششیں
کامیاب ہو چکی تھیں۔ وہ آزادی کی جدوجہد میں اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے کبھی سوچا
ہی نہ تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو دشمن انتظامی کارروائی کر سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر
بھی توجہ نہ دی تھی۔ کہ دشمن منصوبہ بندی سے کام لے رہا ہے اور اپنے پٹان کو عملی صورت
میں لا رہا ہے۔ وہ شیخون مار کر قیام پاکستان پر ضرب مار سکتا ہے۔ ایسی ضرب ہو تو دنیا بھر ملکیت کو
اس قدر کمزور کر دے کہ وہ سارے سال اپنے قدم تھانے میں ڈھلے رہے۔ اس شیخون کی وجہ
سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہنگامہ لاہور کی طرف تھا۔ لاہور
نہ ان کی بو سے متاثر نہ رہا تھا۔ امرتسر اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں نے وہ وہ کچھ دیکھا

لاہور میں ان دنوں کی حالت تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کو لٹا رہے تھے۔ انتقام
پر تھی۔

میں لاہور میں پہنچ کر کھانا کھا کر سونا گیا۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ چاروں
لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

لاہور میں تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کی تھی۔

ہر ایک کے پاس ہے جو مالک پر ہے۔

سچ کا وہی ہے ایک بولا۔

گھر میں: نو بجی ہے دوسرے نے کہا۔

اس کی ہانسیں پکڑ لو اچھی طرح مضبوطی سے آزاد

44. 1997

اول: او بکاید۔ یہ زلت کی انتہا تھی۔ پھر مجھے پتہ نہیں۔ گرد و پیش پر اندھیرا چھا گیا۔

۱۱۔ اے کے بعد ”سب مجھے چھوڑ کر قتلے لگاتے ہوئے سڑک کی طرف بھاگے جا رہے

تلاش کی انتہا تھی۔ میرے اپنے شرم میں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں۔ میرے اندر ایک

ہاگ۔ من ہائے میں میں چلایا۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ پھر

کب مائیکل اٹھایا۔ کب وہیں سے چل پڑا۔

والی آلات دیکھا کہ میں ریلوے اسٹیشن کے سامنے کھڑا ہوں۔

گوشیہ کی تہذیبیں

اساتذہ کرام! میں 'فٹ پاتھ' پر سڑک پر سماجی مرد عورتوں اور بچوں کا ایک بھوم زمین

ہاں کی کرنا نہیں ملتی ہوئی تھیں۔ کندھے مڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں یوں کھلی

انہوں نے کی قوت نہ رہی ہو۔ چہرے حیرت اور خوف و ہراس سے بدلتا ہو رہے

امرتسرے گاڑی آگئی۔ امرتسرے گاڑی آگئی۔ سب لوگ پیٹ فارم کی

میں نے کہا: 'مہاجر ہوں کے توں بیٹھے رہے، جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔'

سائیکل کو تھمکایا اور ان چالے میں اندر کی طرف چل پڑا۔ پلیٹ فارم پر پہنچا تو

وہاں تک کہ لوگ ٹانگ پر روہاں رکھے گاڑی کے ڈبوں میں داخل ہو رہے

۱۱۰۶۔ تو چوراپہ راہت کے انچر ملیاں ہوئے۔

میں نہیں ہاتا تھا کہ گاڑی میں داخل ہوں۔ اس کے بازو میں لوہر کھنچا جا رہا تھا۔ یوں

نہیں تو کیا۔ میں غصے میں ہوں۔

۱۷۱ ہے۔ ۱۷۲۔ پکڑ لو پکڑ لو ایک لڑکا چلایا۔

کلمہ پڑھ کر سنا لیڈر نے رعب جھاڑا۔

نہیں سنا تا میں فحشے میں پولا۔

ہندو ہے ہندو۔ آوازیں آئیں۔

وہ سب میری طرف بڑھے دسے دیکھے کے ٹوڑا دینا کر پیچھے رہ گیا۔

میرا دل چاہتا تھا کہ یہ بی بی کے ہاتھوں میں آجائے۔ اور اس کے ہاتھوں میں آجائے۔

۱۰۰ -

اے جا جا ہم نے

سلاٹس مل چلاکیاں کرتا ہیں

کچرا لو کچرا لو چھوٹے بچے چھپے

مجھے پینہ آمیزہ مانگیں کاٹنے لگیں۔

اگر میں ابتدائی میں کلمہ پڑھ کر شروع

اچار ہاتھ۔ میری انا مجروح ہوئی تھی۔ لیکن لوگوں کو روپیہ سے مراد پانچ روپہ

ایک نوجوان پھر اتر آیا۔

اس وقت سڑک پر ایک گاڑی

روح القدس، تازہ و حیات جاگتا۔

علماء علی، زوجہ انور نے فرمایا۔

میری لٹا کی ساری پھونک نکل گئی۔

جسوتا کر، جسوتا کر، چھوٹے بچہ

اس پر سب مجھے ٹھنڈے مارنے لگے۔ دو ایک نے کھوٹے بھی مارے۔

اس وقت سامنے مجھے سے ایک نوجوان بھاگا ہوا تھا

UrduPhoto.com

جیسے خوف نے چٹائی پر رکھا ہو۔ پائل خانوستان میں ڈبے کی طرف بڑھا۔ دروازے میں رک گیا۔ وہاں خون کا چھپر لگا ہوا قتلہ سامنے ایک بوڑھی عورت چٹوڑی کی طرح پڑی تھی۔ آنکھیں چڑائی ہوئی تھیں دونوں ہاتھ پیٹ پڑے تھے۔ سامنے پیٹ سے نکلی ہوئی آنکھوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دیر تک میں بڑھیا کو گھورتا رہا خون کی بو سے طبیعت ہلش کر رہی تھی۔ سر پکرا رہا تھا۔ نظر دھندل پڑی جا رہی تھی۔ گاڑی کے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی دروازے میں کھڑے کھڑے ڈبے کا جائزہ لیا سارے ڈبے میں کئے ہوئے گوشت کی ڈھیریں لگی ہوئی تھیں۔ دو ڈنڈے اوپر تختے سے لٹک رہے تھے دو کئے ہوئے سرفرش پر لڑھک رہے تھے۔ ایک چھک سے لٹک رہا تھا۔

گھبرا کر میں باہر نکل آیا اور پلیٹ قلم کی ایک بچہ دھڑام سے کر گیا۔ مٹی کچا ہو رہا تھا۔ پلیٹ قلم قلم ہوا تھا۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔

جب طبیعت سنبھلی تو قریب ہی سے آوازیں سنائی دیں یہ گاڑی شلے سے آئی ہے۔ سنبل گورنمنٹ کے ملازموں کی گاڑی ہے۔

قریب ہی دو شخص آہیں میں باہم کر رہے تھے۔ یاد ہے جب لاہور سے ہندو گورنمنٹ سروس کی گاڑی مٹی تھی تو ان کے گلوں میں بار والے گئے تھے۔

شاہد خیلے میں ان کے گلوں میں بھی بار والے گئے ہوں۔

ہاں۔ اور ساتھ ہی امرتسر کے غزٹوں کو بھیار کر دیا گیا ہو کہ پچھنے نہ پائیں۔

یہی ہندو مسلمان کا فرق ہے مسلمان اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے ہندو دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔

ہر دو لعنت ہر دو لعنت میرے دل سے آواز آئی۔

میں اس وقت ایک شخص گاڑی سے نکل کر بیٹھے لگا۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ اس کے منہ سے کٹ جاتی تھا آگھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

چند نہیں اس وقت مجھے کیا ہوا۔ میری مٹھیاں از خود بند ہو گئیں۔ ہاتھوں میں لڑیا۔ کوئی بچہ نہ جانے میرے منہ سے جیسی نکلی اور میں جوش میں اٹھ گیا۔ میری کتھیاں پھڑک رہی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

الہ آباد کے گوشت کی کھڑیاں بندھی پڑی تھیں۔

تو کیا اس نے پوچھا۔

تو تم کیا کرو گے۔

کچھ بھی نہیں دو یوں۔

اگر فدا کرتا تو بھی بڑھتے گئے تو۔

بڑھتے جائیں اس نے بے پرواہی سے کہا۔

تم بھارت جانے کا تو نہیں سوچ رہے۔

میں کہاں جاؤں گا۔ میں اسی دھرتی کا بونا ہوں اس نے جواب دیا۔

واقعی فکر تو نسوی اسی دھرتی کا بونا تھا۔

جس ادارے میں ہم دونوں کام کرتے تھے اس کا ہنگ چودھری برکت علی ایک وسیع القلب شخص تھا وہاں کا کڑواہات کا کمر اور منہ پر آئی کہ دینے والا۔

اس نے فکر تو نسوی سے کہا تھا۔ فکر تم ہمیں چھوڑ کر چلنا چاہو تو بے شک چلو تمہاری مرضی، لیکن ہم ہمیشہ کے لیے جنہیں پاس رکھیں گے۔ اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ کسی کی جرات نہ ہو گی کہ تمہاری طرف آگے اٹھا کر دیکھے۔

پھر ایک روز فکر شکر نظر آ رہا تھا چونکہ جس ہندو محلے میں وہ رہتا تھا وہاں کے سب لوگ بھارت جا رہے تھے۔ یہ پلا دان تھا کہ اس کے چہرے پر فکر کے آثار نظر آئے۔

چند ایک روز کے بعد دفتر کی سائی سڑک پر غنڈے رکوڑ کرنے لگے تھے۔

لوہارے کا میٹر کلر قسم کا مسلمان تھا۔

یہ کہہ کر وہ لوٹا۔

اس وقت اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔ اندر ہم سب پر گھبراہٹ طاری تھی، لیکن فکر تو اس کا ہونا تھا۔

اس وقت اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔ اندر ہم سب پر گھبراہٹ طاری تھی، لیکن فکر تو اس کا ہونا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ کیا میں ایک رہا تھا۔

راست کے وقت دوبارہ آؤ۔ گھر میں بڑی چھری موجود ہے پھر جہ میں نے دیکھا تو میں لالہ جی کو لے کر گھر کے پاس کھڑا تھا ہاتھ میں روٹی کا ٹکٹ تھا۔ دو روٹیاں اور دال۔
 صبح اٹھ کر کوئی تھوڑے سا وقت مار کر ہینڈ تو اتارے روٹی کھا رہا ہے۔ اس کے پیٹ میں چھرا کیسے
 کھنکھاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں سلسلے بڑول نہیں ہوتا اور پرک نہیں ہوتا۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔

اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔

اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔

مباراج میں بند ہوئے۔ دونوں سے یہاں چھپا بیٹھا ہوں۔
 یہ کیا ہے میں نے کالے صندوق کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا یہ میرا سامن ہے
 مباراج۔ بس یہی میری ڈیلا ہے۔ سارے جیون میں بس یہی کیا ہے۔
 ہوں میں نے چھپائی پھلا کر کہا۔
 مباراج بس مجھے لگتا تھا تو کہ کس طرح بھارت میں کچھ جاتوں۔
 امرتسر کو کوئی گاڑی نہیں جاتی میں نے جوب دیا۔
 تو مباراج میں کیا کروں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مجھے پھاڑ مباراج۔ پتا چن ہو گا۔
 یہ کہہ کر وہ میرے پاؤں پر گیا۔
 نہیں نہیں ایسا تم کرو۔ میں نے اسے ڈانٹا۔
 لالہ اٹھ کر رونے لگا۔
 قصہ میں نے کہا تم سیا کوٹ چلے جاؤ۔ وہاں سے جوں کچھ چاہا۔
 سیا کوٹ کی گاڑی کس وقت جائے گی مباراج۔ رات کی گاڑی ہو۔ آج رات کی۔
 میں پتہ لگا ہوں۔ ابھی آؤں گا۔ تم یہیں بیٹھے رہنا یہاں سے چلا نہیں۔
 میں شیخ کی طرف چل پڑا۔ کلا صندوق میرے سامنے معلق ہو گیا۔ پھر اس کا ڈھکنا کھل
 گیا۔ وہ سونے کے زیورات سے بھرا ہوا تھا۔
 کوئی کچھ نہ جانے میرے دل سے آواز بلند ہوئی۔
 اس کے ہاتھ میں آواز آتی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوالی کرے۔

پھبیس ہندیاں

جوں جوں میں چھری تیز کرے جا رہا تھا توں توں میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ خیال آتا یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ ایک بے بس نئے لالہ کے پیٹ میں چھری بموکن ہمارے کام نہیں۔ مسلح تو جنگ کرتا ہے۔ میدان میں کھڑا ہو کر لڑتا ہے۔ "ٹٹی" میں پیچھے ہوئے ہندو کو چھرا نہیں مارتا۔ پھر میری نگاہ میں نکلا صندوق امیر آوران جانے میں چھری تیز کرنے کا عمل تیز تر ہو جائے۔ دروازہ زور سے کھلا۔

میرے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ کہیں پولیس تو نہیں آگئی۔ شاید انہیں لالہ اور کالے صندوق کی خبر مل گئی ہو۔ میں نے چھری کو شفت پر برتنوں میں چھپا دیا اور نیچے از گیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے اشفاق حسین کھڑا تھا۔

تم اشفاق حسین تم تم تو گوردار پور میں تھے۔ وہاں سے کیسے آئے۔ کب آئے۔ کیا امر تر کے راستے سے آئے تھے۔ میں نے پوچھا۔

مکی دت بیٹہ کر بیٹوں گا اس نے جواب دیا۔ بڑی لمبی کہانی ہے۔ میں تو قیامت سے گزر کر آیا ہوں۔ وہاں کے مسلمانوں پر کیا جی؟ پلو آتا ہے تو روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مددہ کام لہا بہہ جاتا ہے۔ دل کو مزکن لگ جاتی ہے۔ احمد بشیر بھی بیٹنی سے آگیا ہے۔

احمد بشیر آگیا ہے؟ کب آیا؟ کیسے آیا۔ کہاں ہے؟
وہ نہیں ہے۔ کیسے آیا۔ ملے تو پوچھ لینا۔

اوہ ہے کہاں۔ میں نے پوچھا۔

وہاں لپٹ۔ جس گاڑی سے وہ آیا تھا وہ لاہور میں رکی تھی۔ سیدھی گوجر خانوالے چلی گئی تھی۔ اس نے کہیں جایا ہے۔

کہاں جایا ہے۔

شراری کام ہے۔ ابھی جانا ہے۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

میرے سامنے نکلا صندوق مسلح ہو گیا۔ کل۔ میں نے کہا کل چلیں گے۔

کل جانا ہے کار ہو گا۔ اشفاق حسین نے کہا۔

جیس نہیں پتہ۔ لوہے کا تاشیں حسین بتاؤں۔

میں اسے سیدھا برقی خٹے میں لے گیا۔ چھری دکھا کر بولا۔ یہ دیکھو یہ۔

وہ چھری کو دیکھ کر حیران نہ ہوا۔ بولا یہ تو چھری ہے۔

میں اسے تیز کر رہا ہوں۔ مجھے ثابت کرنا ہے کہ میں مسلح ہوں۔

اب بات سمجھ میں نہ آئی۔

میں نے اسے اسرار لٹا کر دیا۔ وہ ہندو ہے۔ ریلوے سٹیشن کی ایک "ٹٹی" میں چھپا بیٹھا

ہے۔ میں کالے صندوق کی بات کرتے کرتے رک گیا۔ فور میں آج رات یہ چھری اس کے

ہاتھ میں گھومے دوں گا۔

اشفاق حسین ہنسنے لگا۔ بولا۔ کل۔ تم نے اس ہندوؤں کے پیٹ میں چھرا گھوم دینا۔

اب اس کا پاس۔ بٹہ چاہو۔ لیکن لپٹ میں میں جس ایک گاڑی میں دوں گا۔ پانڈی کی طرح کھٹے

لوہے کے تاشوں۔ لوہے کے تاشوں۔ جتنا سونا چاہو لوٹ لینا۔

اس آواز کے ہندوؤں کو لوٹنا ہے کیا میں نے پوچھا۔

وہ کہتا ہے۔ کیا میں اس نے سرگوشی کی۔ وہاں کوئی ہندو نہیں رہا۔ کل لیکن آباد

ہندو وہاں کی گاڑی گزر رہی ہے۔ بڑے بیٹنوں پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہاں فوج موجود ہوتی

ہے۔ کہہ رہا ہے۔ لوگوں نے لیکن آپ کو خبردار کر دیا ہے کہ گاڑی لاہور نہ پہنچے۔ لیکن آباد

ابو الہر شہزادوں کی جگہ پر تھے۔

ابو الہر کی ہمار ایک خصوصیات تھیں۔ خوش شکل تھیں۔ اچھی پوشاک پہنتی تھیں۔ سزا
 دینے کے فن میں ماہر تھیں۔ انہیں بننے سنورنے کا شوق تھا۔ بن سنور کر وہ میاں کو
 دیکھ کر ہنسنے لگتے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں ابو الہر میں شہزادوں کی چلتی تھی۔

کی عزت کا سوال ہے۔ اگر ہم گاڑی کو نہ روک سکے تو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔
 گویا ان کے لوگ طے دیں گے۔

— ۱۰ —

فہم میں آئیں۔

اگر آپ کو کچھ اور شیعوں کو کچھ علم نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آئندہ سے ایسا نہیں

اپنی طاقت کا احساس قسوں میں خوں دوڑاتا ہے۔ کل گال ہو جاتے ہیں۔

پھر میں برکتے کہتی۔ آخر ہم نے ہندو دھانوں کو بھی پتلا لیا تھا یا ہے۔ وہ تو مشکل کام تھا۔

گاڑی کو پتلا دینا مشکل تو نہیں۔

اگر تو چاہے۔

اگر تو چاہے تو میں یہ خبر پھیل گئی کہ ہندو راجپوتوں کی گاڑیوں کی آمد ملتوی ہو گئی ہے
 اے مسلمان زمینوں کی گاڑی آ رہی ہے جو سیدھی جہلم چائے گی۔

اسی سے کم ہوئی تو بات میں بنے گی۔ جگ ہنسائی ہو گی۔

جب اشفاق اور میں اماٹے میں پہنچے تو حلف اٹھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی۔

اشفاق حسین کو دیکھ کر اندر ہنیر کا خوش و خروش اور بڑھ گیا۔

۔ شاہ کی شیش ماسٹر صیلا پڑ گیا۔ گاڑی کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کا دستہ ہو گا۔ وہ قاتل

نہیں کہہ لیں گے۔ شاہ نے کہا اور جھانڑیوں میں چھپے ہوئے لوہوں کو اشارہ کیا۔

اللہ ستر لوہوں باتوں میں کھاڑیاں اٹھائے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے یاٹ

کہا۔ سکتل ہوتے ہی ہمیں شیش پر رش کرنا ہے۔
وہ دیکھو احمد بشیر نے کہا شاہ شیش پر پہنچ چکا ہے۔

شاہ اور میجر

میں بھی ہوں شاہ نے جواب دیا۔

گاڑی آگے جانے کی میسر چلائی۔

دھاری لاشوں پر آگے جانے کی۔ صوبے نے لکڑی چانگ سے ہٹ لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ پرواہ میں مجبور ہوا چاہے لاشوں پر جانے مگر جانے کی۔

مسلمانوں کی بیسیوں گاڑیاں کٹ چکی ہیں شاہ نے کہا۔

یہ گاڑی ہر سال نہیں کٹے گی۔ مجبور ہوا۔

ہم مسلمانوں کے خون کا بدلہ لیں گے صوبے نے کہا۔

ہم قازق کاکھم دیں گے۔ مجبور ہوا۔

دسے دو حکم۔ شاہ بولا ہم تمہاری ہندو قوتوں سے نہیں ڈرتے۔ یہ کہہ کر شاہ نے اللہ اکبر کا

نعرہ لگایا۔ جواب میں سرور فوجوں کے غرے سے بھی لڑ گئے۔ فوجوانوں نے پیٹھ کر فوجی

سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا۔

گاڑی میں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اندر ہندو بھائی چچ رہی تھیں۔ باہر حملہ آور

پتھرا پڑے تھے۔ درمیان میں مجبور فیسے سے ہٹ کر رہا تھا۔

کھوٹو قازق شاہ شہ میں چلائی۔ مسلمان لوہر فوجوں کے ہاتھوں کٹ رہے ہیں لوہر فرض

شناس افسروں کے ہاتھوں کٹیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس کے منہ سے کلف جاری تھا۔ مارو

مسلمانوں کا مارو۔ لاشوں کے پٹے لگا دو۔

میر غلام شاہ کھڑا تھا۔ سپاہی اڑے پھینکے ہوئے تھے۔ لشکر صوبہ مجبور کو کٹ کر داخل ہوا۔

میر' وہ بولا۔ آگے دیں کی پشروی آگزی ہوئی ہے۔ گاڑی آگے نہیں جاسکتی۔

کہاں سے آگزی ہوئی ہے خوالد مار بولا۔

یہاں سے ایک ڈیڑھ میل دور صوبے نے جواب دیا۔

تمہارا مطلب ہے ہمارے قتلے کی حدود میں۔ جس میں یہ نہیں ہو سکتا ساری مصیبت

ہمارے سر پر آ پڑے گی۔ پولیس کا ہیڈ کوارٹریل چلائی۔

مصیبت تو مسلمانوں کے سر پر پڑی ہوئی ہے۔ لوہر بھی کٹ رہے ہیں۔ لوہر بھی کٹ

رہے ہیں۔ لوہر تم۔ تم کو اپنی فوجیوں کا گھر ہے۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کی لڑاکا کھوٹو۔ منہ کیا تک رہے ہو۔ شاہ بولا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

لوہر کا لڑا نہیں۔ ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ مجبور ہوا۔

ہندو ہاتھ جوڑ کر منتیں کر رہے تھے۔ حملہ آور اپنا جوش و خروش قائم رکھنے کے لیے چنگاڑا رہے تھے۔

دیہ تک خون خرابہ جاری رہا پھر حملہ آوروں کی توجہ لوٹ کی طرف مبذول ہو گئی۔
مندوق سوٹ کیس بستر تو کھریاں دھڑا دھڑ پٹ قارم پر ڈھیر ہونے لگیں۔

میری پٹیاں

اس وقت اس بڑے کاروانہ کھلا ہے اخلاق اور بشر کا لڑائیوں سے مٹ رہے تھے ایک
لوہیز عسکر بھائی باہر گئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈول تاجاس میں بٹیل تھیں۔
بھگوان کے واسطے مجھے نہ مارو۔ بھگوان کے واسطے مجھے نہ مارو۔ وہ ہاتھ پاندھ کر ان کے
دوروں کو گڑے ہو گئے۔ مجھے لے کر ایک کھ لو۔ تو کہتا ہوں کہ مارو نہیں۔

وہ باقی گھوڑوں سے اشتقاق کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے چھپے چھپے کسی ایک لٹی پٹی بھنڈا پر دیکھا بہنیاں کو کیوں میں آئیں وہ سب ہاتھ جوڑے خستہ کر رہی تھیں۔ بچھڑوں کا واسطہ نہ رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اندھیرا کا جوش دم گرم کیا۔ اتنا خون دیکھ کر سیرا مل ہاش کرنے لگی جانتا تھا کہ اس منظر سے دور بھاگ جاؤں۔

پلیٹ فارم پر اس وقت بہت سے کالے صندوق پڑے ہوئے تھے، لیکن مجھے کلا صندوق
 ہی نہ رہا تھا۔

عمر رسیدہ ہفتی نے جبک کراشتق کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ میں جندگی بھر تیری سیوا کروا
گی۔ مجھے ساتھ لے چل۔

اشفاق لاجل پڑھ رہا تھا۔ کیوں نہ کر۔ پیچھے ہٹ جاتا۔ وہ مسخرفی فیس میں چلا رہا تھا۔
اس انڈیا میں دو درجن اشفاق حسین کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے ہاتھ بڑھا
ہندنی کے ڈول سے ایک پیٹنی اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔

ہندو شہنشاہ کی طرف سے بیٹھی۔ میری پیٹیاں میری پیٹیاں وہ دھول کی طرف لپکی۔
 نوجوان کا منہ جس نے اپنی منہ میں ڈال لی۔ کھلے کا کھلوا کر گیا۔ اس نے اپنی ہاتھ پر
 دی۔ اپنی میں سے سونے کا بوند نکل آیا۔ اُسے وہ چٹائی ان پیٹیوں میں سونے کے زیور پہنا

UrduPhoto.com

اشفاق نے کلمہ چھپ چاہا۔

ہم تینوں رک کے اور سڑک کے کنارے اکی ہوئی جہازوں میں چھپ گئے۔ جہازوں میں ایک اویسر عمر ہندی چھپی ہوئی تھی۔

جب ہم ایکن آباد پہنچے تو کوئی رات کا وقت ہو گیا۔ بازار ویران تھا لیکن گھروں میں جتلیں جل رہی تھیں۔ لوگ چاک رہے تھے۔ شیتلیاں ہاتھ پٹا چاک رہی تھیں۔ جب شیتلیاں نے جہازوں کو پر اٹھے دے کر شیش کی طرف رشت کیا تھا تو وہ بہت خوش تھیں۔

بھری شیریں

پھر صوبہ کی بن سے بھاڑا چھوڑ دیا۔ اس نے سرداروں کو بتا دیا کہ صوبہ سرداروں چھرے اور کھانڈیاں ڈھونڈ رہا ہے۔ یہ سن کر شیتلیاں کو شک پڑ گیا پھر لو ہمارے صاف کہہ دیا کہ مسلمان رابطہ جیوں کی ضرورت جہازوں نے اس لیے اڑائی تھی تاکہ مزاحمت سے بچیں اور تصادم نہ ہو۔

اس پر شیتلیاں غصے سے لال ہو گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ ان کی توہین کی گئی ہے۔

انہوں نے گھر گھر پیغام پہنچا دیا کہ فیروں اور قاتلوں کو ڈیل کیا جائے۔ ان سے ایسا برتاؤ کیا جائے کہ عمر بھر یاد رکھیں۔

اگرچہ شیتلیاں قتل و غارت کے خلاف تھیں لیکن اس وقت ان کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ نوجوانوں نے گھروا دیوں کی دشنامدی حاصل کیے بغیر قدم کیوں اٹھایا تھا۔ یہ گھروا دیوں کے اقتدار کے خلاف سازش تھی۔ اگر اس کا سدباب نہ کیا تو ان کی صدیوں پرانی برتری کی روایت ختم ہو جائے گی۔

اس کے باوجود گھروا دیوں بیڑوں بھائیوں کے لیے فکر مند بھی تھیں۔ ہمیں چراغ لے دروازوں پر بٹھائی ہوئی تھیں۔ ہمیں کھڑکیوں سے جھانک رہی تھیں۔

نوجوان لڑکوں کے دل مرکز رہے تھے۔ لب خاموش تھے۔ اقبال کی اجازت نہ تھی۔ جب ہم گھر پہنچے تو اشفاق کی بیوی شورشید بیڑیوں میں کھڑی تھی۔ اس نے خون سے

نوجوان لڑکوں کی طرف اشارہ کیا۔ اوچتر عمر ہندی آہستہ آہستہ بیڑیوں پر پہنچے گی۔ گھروا دیوں نے گفتاری ہوئی گفتاری کو دیکھ کر سارا غصہ بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی اور اڑائی پر مرکوز ہو گئی۔ ایک دودھ گرم کرنے کے لیے دوڑی دوسری دوپٹہ پھاڑ کر پٹی بنانے لگی۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں چپ چاپ کھڑے دیکھ رہے تھے جیسے گاڑی لوٹ کر نہیں بلکہ خود گھروا دیوں کی طرف اشارہ کیا۔ سردیہ عمر ہندی دروازے سے باہر رشتن پر بیٹھ گئی تھی کسی نے اس کا شوش نہ کیا۔ وہاں دشمنی ہندی کے دشمنوں کے مرہم پٹی سے فارغ ہو گئیں تو انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ وہاں کی طرف دیکھا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں رشتن پر کیوں چھٹی ہے۔ ہم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ دوسری نے اٹھ کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

نوجوان لڑکوں کی بیڑیوں نے اس کو دودھ نہیں پلایا۔

ہندنی مل جاتی تو اسے ساتھ لے آئیں اور کسی ذمہ دار شیکنے کے سپرد کر دیتیں۔ یہ لے ماسی انت
تو اپنے گھر میں رکھ لے۔ انہیں صرف ایک غلط فہمی تھا کہ انہیں ایڈ میں کسی ہندنی کی آبرو نہ لٹ
جائے۔

اس رات شیکنے والوں کا چلوں ایکن آباد کی گلی میں گھوم رہا۔

اس رات ایکن آباد سے کل چھپیں ہندنیوں پر آمد ہو گئی۔

پرمیلا، پیتے، شکنتلا

ایڈ میں ہندنیوں کی آمد نے مل جل چڑادی۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

ایڈ میں ہندنیوں نے جب دیکھا کہ شیکنے والے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

سے چندوں دلچسپی نہ تھی، لیکن لوٹ کاہل۔ کیا مصافحہ ہے۔ اپنی حیثیت کو معکم کرنے کا بغور موقع تھا۔

اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ شیخ نو مسلم تھے اور بیڑوں کے خواص ابھی ان میں باقی تھے۔ لیکن ہوتا تو ہاتھ آگے بڑھاتے۔ دینا ہوتا تو ہاتھ پیچھے کر لیتے۔

شیخوں کی اس خصلت پر کسی زندہ دل شیخ نے ایک لطیفہ ٹھکڑ رکھا تھا کہ ایک شیخ کسی گزرمے میں کر گیا۔ بہت کوشش کی، لیکن باہر نکل نہ سکا۔

اسنے میں ایک آدمی اور سے گزرا۔ شیخ نے ہاتھ اٹا کر بلند شور مچایا کہ مجھے اس گزرمے سے نکالو۔ راہ گیر نے اپنا ہاتھ بڑھایا بولا شیخ بیٹھے اپنا ہاتھ دیں۔ لیکن شیخ چپ چاپ کھڑا رہا۔

راہ گیر نے کئی ایک بار کھل شیخ بیٹھے اپنا ہاتھ دیں، لیکن شیخ نے ہاتھ نہ دیا۔ راہ گیر حیران تھا کہ گزرمے سے نکلتا تو چاہتے ہیں، لیکن ہاتھ نہیں دیتے۔

اسنے میں ایک بوڑھا شیخ آگیا۔ راہ گیر نے کامیاب سے کہہ رہا ہوں کہ دیجئے اپنا ہاتھ۔ لیکن یہ ہاتھ بڑھاتے ہی نہیں۔ اس پر بوڑھا بیٹھے لنگ بولا برخوردار شیخ دے گا نہیں۔ تم کو شیخ بیٹھے میرا ہاتھ۔ تو وہ جھٹ اپنا ہاتھ بڑھا دے گا۔

بہر حال لیکن کھار کے شیخ سوڑے کے کچے تھے چاہے منہ زبانی ہو۔ گواہ کوئی نہ ہو۔ سودا ہو گیا تو ہو گیا۔ پیسے بھر پر تکیہ پر مکی۔ وہ اہانت میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ بے شک ان میں مال کی حرص تھی لیکن دوسرے کے مال کو ہتھیانے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

نو بہارن تنصیلت کو اچھی طرح سے جان تھا اس لیے شیخوں کو اتل بکھڑانے کے لیے اس نے اپنی بات کی وضاحت کی بولا بھائیو لوٹ کاہل ہم پر حرام ہے۔ ہمیں اللہ نے کھانے پینے کو بہت دے رکھا ہے۔ وہ دلی دراصل ان مسلمانوں کا حق ہے جو ہجرت سے لے پٹے یہاں آئیں گے۔

شیخ ہم نے کلمہ بے شک بے مال ہم پر حرام ہے ہمارے پاس اللہ کا دیسا ب کچھ ہے۔ شیخ ہم کے پاس اللہ کی دی ہوئی ایک بچی کو کھری تھی۔ جو ہر سات کے دنوں میں چوٹی تھی اور شیخ ہم اسے نکال کرنے کے خواب ایک مدت سے دیکھ رہا تھا۔

سب نے شیخ ہم کی بات پر رولہ وا کی۔

ہمارے ہمارے میں معافی چاہتا ہوں۔ بوڑھا ہوں بہت نہیں کہ ہمارے ساتھ گھر گھر کاہل پر آمد کروں۔ یہ نیک کام تمہیں ہی کرنا ہو گا۔

کاہل۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

شیخ بیٹھے ہر مدت کر سنا ہوں تو ہمارا بولا کہ اپنی کوشش کا ایک کرہ اور دو ایک تجویزیں دینا۔ آپ نے وقت کر دیں۔ آپ سے فکر ہو کر مل آگیا کریں اور اسے بیت اللہ میں جمع ہونے کی فرصت بنا کر اپنے پاس رکھ لیں جب بھی چاہے پڑنکی کر لیں۔ میرا شیخ ہر جہز کا رکنے کے لیے ہم مل کی رکھو لی کریں گے اور جب مسلمان مابوہرین یہاں آئیں گے تو ہمارے ہمارے کر دیں گے تاکہ آپ اپنے ہاتھوں سے تقسیم کر سکیں۔

چاروں طرف سے سبحان اللہ۔ اللہ آپ کو بڑے خیر دے گا اور اگر تو ہمارے چہرے پر خوشی کی سرخی دو ڈھکی اور اس کی ہتھیلیوں میں کھلی ہونے

کاہل۔ طرف شور مچ گیا۔

سبحان اللہ بات پر متفق تھے کہ یہ کار خیر فی الفور شروع کر دیا جائے۔

شیخوں کی خواہش نہیں ہوئی تھی کہ انھیں گئے زمین روتی بیٹھی ہوئی حویلی میں داخل ہوں۔ اس کے ساتھ ایک دنوں لڑکا تھا۔ انھوں نے اس کے گلے میں دوپٹہ باندھ رکھا تھا۔ جسے انھوں نے اندر لایا ہی تھی۔ لڑکے کے منہ پر لالک لٹی ہوئی تھی۔

چند دنوں کے دورانے میں کمزری ہو کر انھوں سیلا کرتے تھے۔ کبھی دونوں ہاتھ چھاتی پر ہلاتی تھیں اور کبھی سر پر اور ساتھ قہقہے ہلاتی۔

لوٹ لٹ لگی۔ میرے گھر کی عزت خاک میں مل گئی۔ ہمارے منہ پر لالک لٹی گئی۔

انھوں نے انھوں انھوں سب جبرائی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

انھوں نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ بولی اس سے پوچھو۔ کیا کثرت کی ہے اس نے۔

انھوں نے انھوں انھوں اس نے دوپٹے کو کھینچ کر لڑکے کو کھینچا۔ اب بتائیں اپنی کثرت۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 پتہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 پتہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

گاہ میں میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

پھر شیوں نے ایک کھیتی بٹائی۔ انہوں نے ہاتھ میں قرآن کریم اٹھایا اور وہ مگر مگر دروازہ کھٹکھٹا کر لوہہ ہوا بل پر آؤ کرنے لگے تاکہ اسے بیت اللہ میں جمع کرادیں۔
ہم تینوں بھی ان کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔

تایا۔۔۔ شیارہ

پرلا دروازہ جو انہوں نے بنایا۔ گیسے ستار کا تھا۔ تپا ایک طویل بھاری کے بعد فوت ہو چکا تھا اس کا سارا علاج معالجے پر صرف ہو چکا تھا۔ آگے کے چار بیٹے تھے۔ جن میں سے تین بے کار تھے۔ سارا دن چٹکیں لوٹتے۔ کھلی ڈنڈا کھینچتے اور بازار میں سائزموں کی طرح جھوم جھوم کر گھومتے پھرتے۔ اس کا چوتھا بیٹا جو جرنالے میں کسی ٹکڑی میں کام کرتا تھا۔ اسی کے سارے گھر چٹا تھا۔

دروازہ بننا تو تینوں لڑکے باہر نکل آئے اور تینیں کھاتے لگے کہ ہم تو گاڑی سے کچھ بھی نہیں لائے نہ کوئی ہتھلی نہ سلاں۔

شر شرایسن کر ان کی بل چادر لیے باہر نکل آئی۔ اس کے ہاتھ میں جوتی تھی۔ باہر نکل کر اس نے بیٹوں کے سروں پر دھاریں دھاریں جوتاں مارنا شروع کر دیں۔ تھمارا سٹیاں ہو۔ تم پر قرآن کی مار پڑے۔ مرنا کھینچے پڑ جائیں۔

اندرا آج بھائی ہوئی۔ دونوں ٹرک کھچ سلامت پڑے ہیں اور ان میں سے یہ راجہ نکلے

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔
مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

مظاہر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فیسے میں اپنی بیوی خورد خور کو کولائیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں آئی بل ای تو باہر مورتوں میں بیٹھی ہیں۔

خونخوار قوم ہے جو گوشت کھاتے ہیں اور بات بات پر فحش سے بھرتی بن جاتے ہیں۔

کور نے کسی مسلمان کو قریب سے نہ دیکھا تھا اور اب اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کئی ایک دن اس کی آنکھوں پر خوف کا غلام چڑھا رہا۔ پھر خوف دور ہو گیا اور خلیا حیرت سے دو گرد و پیش کو دیکھتی رہی۔

اشفاق حسین روز صبح شہنشاہ کے کوٹھی کر کے اٹھا لیٹا اور ڈاکٹر شریف کی دوکان پر جا پہنچا۔ وہاں اسے دیر تک انتظار کرنا پڑا، چونکہ بہت سی ہندو تھیں جو اس روز انہیں آپد میں لائی گئی تھیں، دشمنی تھیں۔ جیسی ڈاکٹر شریف نے کہہ دیا تھا کہ زخموں کو دیکھنے کے لئے میں گھروں میں نہیں جاسکتا۔ انہیں اٹھا کر میری دوکان پر لایا جائے۔

ڈاکٹر شریف ہندو زخموں کی مرہم پٹی کی کوئی قیمت نہیں لیتا تھا۔ حالانکہ انہیں آپد کے شیوہ نے فیصلہ کیا تھا کہ زخموں کی دیکھ بھال کے لیے سیکل وار چندہ لگایا جائے اور چندے سے جو رقم موصول ہو وہ ڈاکٹر شریف کو ملانے کے طور پر دی جائے، لیکن ڈاکٹر نے رقم لینے سے انکار کر دیا تھا۔

صبح سویرے اس کی دوکان پر زخموں کو لایا جاتا۔ اس وقت انہیں آپد کے مقامی مریش ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرتے رہتے۔

چند ایک دنوں کے بعد شہنشاہ کی بیٹہ کا زخم اچھا ہوتا شروع ہو گیا۔ اس کی کر سیدھی ہوئے گی۔ پھر گھر والوں کو پتہ چلا کہ وہ بچی نہیں بلکہ نوجوان لڑکی ہے۔

اور شہنشاہ کو اشفاق حسین کی بیٹہ پر چڑھنے سے لاج آئے گی۔ اس نے ضد کرنی شروع کر دی کہ میں اپنے ہاؤس چل کر شریف کی دوکان پر جاؤں گی، لیکن اشفاق حسین نہ ہلا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ خود چل کر گئی تو اس کی بیٹہ پر دباؤ پڑے گا۔ اس دباؤ سے زخم کا پھرت ہرے ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اشفاق حسین کے مکان کے ملحق غلام سردار کا گھر تھا۔

غلام سردار

غلام سردار اشفاق حسین کی دور کی رشتہ دار تھی۔ وہ ایک پاک باز، خدا ترس، سگڑ

مرد تھا۔ اس کا دھرم سارے قصبے میں اس کا دھرم تھا۔ نوجوان اس سے ڈرتے تھے۔

جس بات پر غلام سردار اس کھڑی ہو جاتی اسے منوار دیتی۔ لیکن اس کا دھرم جہلم میں دکن کرتا تھا۔ دکن اپنی چھوٹی تھی کہ زیادہ آمدنی نہ تھی۔

لیکن غلام سردار بڑی فیر تھی۔ گھر میں دو بچی مسمیٰ کما کر باہر لے جاتا تھا۔ گوشت کما کر لٹی ہو۔ حالانکہ اسے پیوہ ہونے سات آٹھ سال ہو چکے تھے۔

اس کا دل دارا فرق نہ آیا تھا وہ بن خٹن کر باہر نکلتی۔ گردن اٹھا کر پٹلی اور اپنے

اس کے ہاتھوں کسی کی عقل نہ تھی کہ آٹھ اٹھ اکر اس کی

پر تیاران کو اٹھایا تھا۔ غلام نے بونے کو گھر میں داخل

اس کے ہاتھ پیر ہوا تھیں بچھا کر بیٹھیں کو بیٹھایا تھا اس کے جسم کا بند بند ٹھولا

زخم تو نہیں لگا پھر جب اس کی قہلی ہو گئی تو وہ پیتے کو بیٹھے

اور وہ بونے کی ہاتھوں میں گر کر بے ہوش

دیکھ کر بہتیں کل گئیں وہ اتنی شدت سے روئی کہ غلام

غلام نے غلام سردار کی طرف جا پہنچی۔ حالانکہ وہ غور شد کی غلام

غلام نے غلام سردار ہی کا کمر لٹکی۔ وہ سارے محلے کی غلام تھی ہر

غلام نے غلام سردار کی ہاتھوں سے غلام کے ہاتھوں سے دے دیے۔ تجھ پر خواہ مخواہ کا

چونکہ کرتے دو تاکہ ان کا دھرم بھرت نہ ہو۔

غلام سردار اس یہ سن کر شہین کی طرح پھر گئی۔ بہت بڑے بے پھرتے ہو۔ تم میں آئی ہوں۔ میرے پاس کھانے کو حلویے باندھے نہیں ہیں، لیکن آپ چاہے چٹنی کھاؤں اسے سو کافوال کھاؤں گی۔ غلام سردار ایسی کئی گزری بھی نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔

اس روز سارا دن غلام سردار اس کی آواز سارے محلے میں گونجتی رہی۔ کوسن لوہین وہ آتے جاتے سے قصہ چھیڑ لیتی۔

اسی روز اس نے، جیسا کہ اچھا چوٹا لنگ کر دیا۔

تیسرے دن غلام سردار اس کے چلنے پر پناہ بخشی۔ بولی بیٹی میں بھی تھرا پکایا ہوا کھانا لگی۔ تو میرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ میں تو تیسرے ہاتھ کا کھا سکتی ہوں۔ تیرا دھرم بھرت ہوتا ہے۔ پر میرا تو نہیں ہوتا۔

ساری عمر تک یہ کارزد رہی کہ میری ایک بیٹی ہو۔ غلام سردار ابدیدہ ہو کر بولی اب ملی بھی آخری عمر میں تو میں اسے اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتی۔ اسے مجھے کتنا چاہو تھا۔ غلام سردار دہائیں دہائیں کر کے روئے گئی۔

پریتیاں نے چھوٹا چھوڑ کر غلام سردار کو دونوں بازوؤں میں قیام لیا اور اس نے گنگے لگ کر روئے گئی تو میری ماما ہے تو میری ماما ہے۔ میری اپنی ماما بچپن میں سو رنگ باڑ ہو گئی تھی پھر بتاتی ہے دوسرا بیاہ کر لیا اور میں سو رنگی کے گھر گئی۔ پانی نے بھی منہ موڑ لیا جیون میں کسی نے مجھے اتنا پیار نہیں دیا تھا جتنا تو نے دیا ہے۔ تو مجھ سے پوچھتی ہے۔ پریتیاں تو میرے گھر میں اتنی زبان پریشان کیوں رہتی ہے۔ تجھے یہ کمر گھر نہیں لگنا کیا؟

میں تیسرے گھر میں اتنی زبان پریشان کیوں رہتی ہے۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں پناہ دیکھ رہا ہوں۔ ذرا ہی ہوں کہ آنکھ نہ کھل جائے۔

غلام سردار اپنا دانا بھول گئی اس نے پریتیاں کو اپنی باہوں میں سیٹھ لیا۔ مجھے بھی کسی نے پیار نہیں دیا تھا۔ پریتیاں بولی۔ پیار ماما بھی تو کھلا ملا۔

غلام سردار غریب عورت تھی۔ وہ مشکل سے اپنا گزارہ کرتی تھی۔ پریتیاں کے آسے اسے غاسی مشکل پڑ گئی تھی۔ کئی ایک دن تو وہ پریتیاں کو اچھا کھاتی رہی چونکہ اس

اٹھ گھر کی لڑکی ہے اور اچھا کھانے کی عادی ہے۔ پھر ایک دن وہ ہاتھ دھو کر کھانے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بولی پینتے میری عزت اب تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اسے اور ہونے کی چٹنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لڑکے نے جلم سے دو مینے سے کھانا کھا لیا۔ کچھ ہاتھ ہے۔ اچھا کھانے کی عادی ہے پر میں مجبور ہوں۔ اگر مجھ میں تو فیض

اس کے سامنے اسے لاکھوں روپے نہ دیا۔

غلام سردار اس کی گھر کا کام کرنے لگی۔ وہ کھانا پکاتی، برتن دھوئی، کپڑے دھوئی۔

غلام سردار اس کی گھر آگئی اور اشفاق حسین سے کہنے لگی۔ مجھے آپ سے ایک روز دو دنوں صحن میں جا کھڑے ہوئے اور دیر تک ایک دوسرے سے باتیں

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

کرتے رہے۔ وہ ایک اشفاق حسین کو جو رولے جا کر کھدو کے کرتے اور رنگین دھانا

سیڑھیوں کی طرف بھاگے دیکھا تو شکنتلے اور کور کے ساتھ ایک اور عورت کھڑی ہے۔

چونکہ شکنتلے کا بیٹہ کا دھم بھر چکا تھا اور ڈاکٹر نے اسے چلنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے اب اشفاق حسین کو اسے بیٹہ پر اٹھا کر ڈاکٹر کی دکان پر لے جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لہذا صبح سویرے ناشتے سے فارغ ہو کر کور شکنتلے کو ساتھ لے کر دکان پہنچ جاتی۔ وہاں وہ اپنی باری کا انتظار کرتیں اور پھر دوا لگوا کر گھر لوٹ آتیں۔

اس روز جب وہ دوا لگوا کر چکری چوک میں پہنچیں تو شکنتلے نے کور سے کہا کہ رات میں ذرا پانی پیا لوں۔

چکری چوک بازار کے عین درمیان میں واقع تھا وہاں سے چار ایک گلیوں کے راستے

تھے۔ ان کے علاوہ سلوٹری اور شکنتلے کے ٹاپ کی باتیں ہوتی رہیں۔

بھتیجی تھی کہ ماما جی سرگوش ہو گئیں۔ سلوٹری بھتیجی تھی کہ اس کی بیٹی مر گئی۔

لوں کو پائیں تو منے کی ساری شیتیں اکٹھی ہو گئیں۔

ہاں بیٹی ایک دوسری کو سینے سے لگا لگا کر رو رہی تھیں دوسری طرف شیتیاں

ماحول جذبات سے اس قدر چپ چاپ کر رہا تھا کہ اشفاق

انہما کر کھینے کے بدلے باہر نکل گئے۔

تھے اس لیے

یہ سارا کام گاڑی سے اٹھ کر لایا تھا تو اس کا باپ گھر پہنچا قبل اس روز احمد ان بھی
 اس کا ساتھ لے کر سہیل آباد گئی ہوئی تھی۔

شیخ حضرت شہد ہوئے، بیٹے چھوٹی چھوٹی چال بچھیاں کھڑا کوئی بتائیں مرادو جب ہے۔
کوئی دولا بھی بخار کر کے دکھائے۔

اس پر جیسا ہوا۔ لولا۔ شیخ جی اپنے سببباز میں ایک جتن ہے۔ یہ بدت۔ دلیراکی،
کوڑھوں کے واکو سببباز آئے تھے واکو والے۔ ایک واکو کی وجہ انعام جتن کے ہاتھ لاکو

ہالے کو لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر سرسری طور پر
سکراتا، جھوٹی مسکندہ آنکھیں چمکاتا اور آگے نکل جاتا۔

کام کے معاملے میں ہالا نے حد تک تھکا ہوا ہپ نے زبردستی اسے سکول میں داخل کر دیا تھا۔
وہ مشکل سے آٹھ مہینوں تک چل سکا پھر اس نے سکول چھوڑ دیا۔

اب اس کا کام آوارہ گردی کرنا۔ آٹھ ماہ سے میں ڈنڈ بیٹھ لگتا اور جوان لڑکوں کے ساتھ
گیند بٹا کھیلتا تھا۔

جب احمد اس دلی جانی ایمن آباد میں آنکے اور اس نے دیکھا کہ گھر میں ایک ہندو لڑکی بیٹھی
ہے تو اس نے جو تاغیا لیا اور مار مار کر ہالے کا بھر کس نکال دیا پھر وہ اس کا منہ نکال کر کے پھینک
کے سامنے لے گئی۔

وہاں سے واپس آکر اس نے ہالے کو گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا خیر اب جو تو نے اس گھر میں
قدم رکھا تو۔

پھر وہ پر میلائی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا منہ دھلایا۔ کپڑے بدلوائے کھانا کھلایا اور پھر بار
سے بولی۔ ہے بھائی کیا حال بنا ہے تیرا۔ ہے میں کیا کروں یہ لڑکا ہاتھوں سے نکلا ہوا ہے۔ میں
بس مار بیٹھ ہی کر سکتی ہوں۔ مار کھا لیتا ہے پر اپنا چلا نہیں چھوڑتا۔ یہ بتا لڑکی کل رات کو اس
نے۔

وہ رک گئی۔ پھر بولی۔ تو آجی تھی یا نہیں اس نے۔
وہ پھر رگ گئی۔

پر میلا نے سر جھکایا، جھکائے رکھا۔

اس کے بعد جب پر میلا احمد اس سے بہت باتوں ہو گئی تھی جب وہ اس کی ہر بات کا
آواز نہ جواب دینے لگی تھی۔ تب احمد اس نے کئی بار اس سے یہی سوال کیا تھا "بار بار کیا تھا"
لیکن جب بھی وہ یہ سوال پوچھتی پر میلا سر جھک لیتی۔ اس کے چہرے یا انداز سے کبھی پتہ نہ چلا
تھا کہ اس رات کیا ہوا تھا، کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ یہ تفصیل آج تک سرستہ راز رہی تھی۔

اگر پر میلا ابھی سی جنبش سے سر ہلا دیتی، چاہے فنی یا لہجہ میں یا اس کے چہرے پر نفرت
تھا تو "فصد" شرم کا جذبہ جھک جاتا تو انہیں اس کے سینے سے بوجھ اتر جاتا، لیکن ایسا نہ ہوا۔

وہ کسی قسم میں نہ تھی وہ ایک دلی پر دہلی لڑکی تھی۔ بی۔ اے کر چکی تھی۔ فصل و
تھیں اور وہ بھی اسے تو یہ صورت کما جائے، لیکن تھی بڑی چارم نظر اور اتنی جلیبی تھی
تھی تو اس کی طرف آنکھیں کھلتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برکت اور لذت نہیں کرتی کہ کوئی نے تو
دیکھا ہو یا نہ ہو اور اتنی وقتہ شیاں تھیں کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھیں۔

اگرچہ اس کی 'اوسے' لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکی کو لپٹنے ہاتھ کا کھانے پر مجبور کر رکھا

پھوڑ دیا۔ وہ نہ بیشتر وقت گھر پر گزارنے لگا۔

تو کوئی اسے نہیں لے پاس رکھتا۔

سکھ میجر بولا لڑکی کو کھلی میں لے آؤ۔

بریتھمن چلا کر بولی میں گئی میں نہیں آؤں گی۔

تم اندر آ جاؤ۔ سردار نے کہا۔

سکھ میجر داؤھی میں کھٹ پر بیٹھ گیا۔ خالہ سرداروں پریتھمن کو سارا دیکھنے لگا۔

میں لے آئی۔

سکھ میجر بولا۔ ہم لڑکی سے اکیلے میں نہیں گے۔

خالہ سرداروں بولی ساری بات میرے سامنے ہو گی۔ اے میں اپنی بیٹی کو غیروں کے ہاتھ

میں کیسے دے دوں بھلا۔

سکھ میجر نے پوچھا لڑکی تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

بریتھمن نے جواب دیا۔ کیوں کا کیا مطلب ہے بس میں نہیں جانا چاہتی۔

سکھ میجر نے کہا لڑکی تم پر دیکھ ڈالا جا رہا ہے۔

بریتھمن نے جواب دیا ہاں مجھ پر دیکھ ڈالا جا رہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلی چوں۔

پھر بڑے بوڑھے آ گئے وہ سب اصرار کرنے لگے۔ بولے تجھے کوئی زبردستی نہیں لے

جائے گا تو صرف اتنا بتا دے کہ تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

بریتھمن سوجھ میں بیٹھی۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر بولی میں صرف ایک صورت میں

کھنٹی ہوں کہ میرا بھائی جو امرتسر میں رہتا ہے وہ آکر مجھے لے جائے۔

وہ نہیں آسکا میجر فریلا۔ راستہ بند ہیں۔

تو نہ آئے وہ بولی میں یہاں خوش ہوں بہت خوش ہوں۔

یہ سن کر خالہ سرداروں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

تجھے ہم پر اعتبار نہیں کیا۔ سکھ میجر نے گویا دھمکی دی۔

نہیں وہ بولی۔

مجھے پر سکھ ملاری ہو گیا۔

مجھے چہ ہے کیوں میں کیا ہوتا ہے بریتھمن نے کہا۔

کہاں کہہ دیاں بولی پر گیا۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ ہونے لگیں تو قہقہے کے سب لوگ وہاں موجود تھے۔

کہاں کہہ دیاں پر چڑھ رہی تھیں۔ ہندوؤں کی کواڑیں گلو کیر تھیں۔

خالہ سرداروں کو دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

خالہ سرداروں نے اسے دواغ کر کے گھر لائی تو دیکھا کہ پر سیلا بیٹی کوئی کے کپڑے دھو رہی

تھیں۔ اس نے دواغ کر کے زمین کھنٹی کی بولی تو کہیں چھپی رہی پر پیٹے تو نے تو میری عزت

کھنٹی کی بولی۔

لیکن واڑھی والے میجر نے کہا۔ میں پٹار کے پار جا نہیں سکتا۔

تو پھر میں نہیں جاؤں گی، پریتیاں نے جواب دیا۔

اچھا بسن میجر بولا۔ چاہے کچھ ہی یوں نہ ہو جائے۔ میں خود تجھے امر تسرے کر جاؤں گا،

تیری بانہ تیرے بھائی کے ہاتھ میں پکڑا کر آؤں گا۔

پھر مہجر احمد ایں سے ملا اے سمجھایا کہ اگر ہندو لڑکیاں لوہرے نہ گئیں تو مسلمان لڑکیاں

اور ہرے کیسے آئیں گی۔ میں شام کو پھر آؤں گا تو سوچ لے۔

اسی شہم جب وہ سارے ڈانٹنگ نیکل پر بیٹھے چائے پی رہے تھے تو دراز می والا میجر پھر آیا!

بولے۔ بسن پر میلا میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

رمیلا نے آنکھ اٹھا کر میجر کی طرف دیکھا اور کہتی یہی رو گئی۔ پھر اس نے احمد اس کی طرف

دیکھنا۔ احمد ایں سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گال پر ٹپکنا۔

27

میجر ہولا اگر تو نہ جائے گی برمیلا تو لودھر کی مسلمان لڑکیاں نہیں آئیں گی۔ مسلمانوں کی

عزت کا سال ہے

تم مجھے مسلماً کہوں نہیں کر لیتے۔ رہمائی منت کا۔

میں نے اسے اس طرف دیکھنے لگا۔

برصغیر نے آخری مرتبہ احمدیوں کا خلاف دیکھا۔ ہوابہ مجھ سے کتنا بڑا مذاق کیا حارثانہ

میں نے یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ اب جب میں اس سے مل گیا تو مجھے مسلمانوں کی خوشحالیت سے حیرت ہوئی۔

میں نے تم مجھ سے زیادہ سکرچا کر کے یہ کہہ کر دوبارہ بار کر دئے گئے۔

ان کے لیے جو کہ ان کے لیے ہیں۔

بھول کر لکھنا لگا۔ لکھ لکھ کر وہ دواں دواں مائل مجھ پر نہ سہا کرے گا۔

پھر اس کے ساتھ پائیاں اور سینہ پر چڑھ کر اپنے سے بڑے

اس پر پڑھنا سے اس کی ہڈی نورانی ہو جائے گی اور اس کی ہڈی نورانی ہو جائے گی

شاہ کا کو کا بابا

بعد اثنائ حسین اور احمد بشیر مجھے لاہور کی گاڑی میں بٹھا کر چلے گئے تو

اللہ تعالیٰ ان کے لئے اجر بڑا کرے یہ بھی نہ بوجھا کہ وہ ہمیں سے ایمان آباد کیسے پہنچا

میں نے اپنی مصروفیت میں اس قدر شدت تھی کہ کوئی اور بات سوچتی ہی

۱۱۔ نثار اتر گیا اور ایک بے نام ڈیپریشن طاری ہو گیا۔

ہر شیشین پر رکتی تھی۔ ان دنوں عام طور پر لوکل گاڑیوں میں

نہیں کیوں اس روز گاڑی خالی خالی سی تھی۔ جس ڈبے میں

سب کو چاہیے۔ ہمارے مسافر تھے۔ سب چاہتے تھے۔ میں نے مسافروں کا

اور دیکھئے گا۔

از حرا پبلر، راقلم جاردن طرف لراى كى اهر لى هوى كى كى

1000

دیرین پڑے تھے۔ کہیں سے ہانسی یا ماسیجے کی آواز میں آ رہی تھی۔ ہنسی پر کوئی رادہ نہیں چل رہا تھا۔ نہ ہی دھور دھوروں کے گھگھکے کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جب میں لاہور سے چلا تھا تو میرے ذہن میں صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک کٹا صندوق اور ایک خوبصورت ہنسی، لیکن انہیں آپد میں دونوں چیزیں میرے دل سے نکل گئی تھیں۔

میں صرف اس لیے انہیں آپد کیا تھا کہ خود پر یہ ثابت کر دوں کہ میں مسلمان ہوں، مگر ہندو کے پیٹ میں چھرا گھونپ دوں، لیکن انہیں آپد میں یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ہندو

تقریباً ایک سال پہلے جب لاہور میں سکھوں اور ہندوؤں نے پہلا جلوس نکالا تھا، اس اذراہ اتفاق احمد بشیر کے ساتھ جال روڈ پر گھوم رہا تھا۔

اگر دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ اتنا بڑا جلوس نکلی کر پائیں۔ سکھ انہیں لہرا رہے

گئیں تھیں، نہ بازار وہ بازار تھے، نہ محلہ وہ محلہ تھا، محلے والوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔
ہندوؤں کے بی مہاراج میں دھولس مخلوف تھی جسی مہاراج، ذرا خرنیشور فرس کو رہا،
سے چالینے دو، جی مہاراج۔
سارے شہر کے مسلمان اپنے گھروں میں یوں بیٹھے تھے جیسے مسافر ہوں۔ ایک چھوٹے۔
اطلان نے مسلمان اکثریت کے علاقے کو یوں ہلا دیا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

سراب

دفترا، گاڑی کو خندید جبکہ لاک میں اچھل کر سامنے والی سیٹ پر جا کر۔ پھر میں نے اٹھ کر
کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا۔ پر ایسے ہوا۔ میں سمجھا لاہور آگیا ہے۔
اٹھا کر میں گاڑی سے اتر گیا۔ سوچنے لگا یہ کس پایت قادم پر گاڑی کھڑی کی ہے انہوں نے۔
ردنیوں کی طرف چلتے ہوئے دفترا، مجھے خیال آیا کہ وہ جو تلوں کی قطار میں نے کرا
سے دیکھی تھی۔ وہ کیا ہوئی اور وہ ٹی سٹل۔ گیٹ پر چلی حروف میں کلا شلہ کا لکھا ہوا تھا۔
مڑا کر گاڑی میں پھرے بیٹھ جاؤں، لیکن گاڑی جا چکی تھی۔ لائن خالی پڑی تھی۔ شیشیں دیر
تھا۔

پھر دور سے ایک جھلکتی ہوئی حق کھانسی دی جو میری چاب آری تھی۔ دب وہ قریب
تو میں نے دیکھا کہ ایک دلا پٹا نہ فرق آدمی میرے سامنے کھڑا ہے۔

یہ کون سا شیش ہے۔ میں نے پوچھا۔

کلا شلہ کاگو۔

لاہور یہاں سے کتنی دور ہے۔

دو شیش آگے۔

آپ کون ہیں۔

اشیش ماسٹر۔

لاہور کو گاڑی کب جاگے گی۔

دب پٹے آدمی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ بولا آپ تو لاہور کی گاڑی سے

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میں لاہور آگیا۔

میرے ساتھ چلے۔
 (اگر وہ چاہتا ہے)

پراسرار وہ

وہ میرے پاس آکر رک گیا۔ بولا آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے ساتھ چلے۔

[illegible]

سے، 'نہیں اتر آیا۔ تو نے دیکھا کہ تیلوں کی قطار کھڑی ہے۔ سٹال پر لوگ چائے پی رہے تھے۔
دیکھا تھا نہ تو سمجھا لاہور آگیا ہے۔ تو گاڑی سے اتر آیا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا فیورڈ اڑ گیا۔ کیا تم نے مجھے یہاں اتارا ہے؟ وہ اب دو۔

ڈھکے چھپے کوائف

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی ایک ایسے واقعے کی شہادت بن جاؤں گا۔ یہ واقعہ اس قدر عجیب تھا کہ اسے سن کر ہر آدمی کی زبان پر یہی سوال آتا ہے کہ کیا یہ سچ ہے؟

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی ایک ایسے واقعے کی شہادت بن جاؤں گا۔ یہ واقعہ اس قدر عجیب تھا کہ اسے سن کر ہر آدمی کی زبان پر یہی سوال آتا ہے کہ کیا یہ سچ ہے؟

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی ایک ایسے واقعے کی شہادت بن جاؤں گا۔ یہ واقعہ اس قدر عجیب تھا کہ اسے سن کر ہر آدمی کی زبان پر یہی سوال آتا ہے کہ کیا یہ سچ ہے؟

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی ایک ایسے واقعے کی شہادت بن جاؤں گا۔ یہ واقعہ اس قدر عجیب تھا کہ اسے سن کر ہر آدمی کی زبان پر یہی سوال آتا ہے کہ کیا یہ سچ ہے؟



ممتاز مفتی، مسعود، عماد، عمر، عکسی، انیس (چھتر بار)



ممتاز مفتی، مسعود، عماد، عمر، عکسی، انیس (چھتر بار)

دہی کی تھی مگر میں کمانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ دوکان دار غرض دینے سے ہٹ چکا تھا۔
تھے۔ پائشر نے مزید دیکھ دینے سے انکار کر دیا تھا ان دنوں کاروبار ٹھپ ہو چکے تھے۔ کوکڑ
کی توجہ یا تو ان دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے پر مرکوز تھی جو ہندو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یا
دھم لٹے پٹے مہاجرین کی طرف لگی ہوئی تھی جو مشرقی پنجاب سے لاہور بکچ رہے تھے۔

جاگتے کے خواب

ان دنوں نوکری تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میرے دل میں کتنی بار آرزو
پیدا ہوتی تھی کہ کسی ہندو کے مکان میں چپکے سے کس جاؤں اور وہاں سے سارا مال اکٹھا
کے لے آؤں۔

پھر لال آگئی۔ اسے دیکھ کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی تمام تر مظلومیت اور دکھ میرا
وجہ سے تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا اس کے باوجود میں محسوس کرتا تھا۔

میرے طور طریقے سے ناخوش ہو۔
مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی

خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

اس چلی گئی تو میں بڑے جاگتے کے خواب دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔
جاگتے میں خواب دیکھنا میری طبیعت کمزوری تھی ایک بیماری ایک کپٹن۔ فن خوابوں

تین موضوع تھے۔ دکان دولت شہرت۔
وہ بات سنا تھی میری جی۔ جو لوگ زندگی میں کچھ کر دکھانے کی ہمت نہیں رکھتے

حالت کی بے رحم دغا کو بنا کر فیئٹسی کی مدد سے ایک اپنا جہان بنا لیتے ہیں اور خوابوں
سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کرنا پڑتا ہے۔

جاگتے کے خوابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آنکھ نہیں کھلتی۔ جوں جوں چنگ
ترہوٹے جاگتے ہیں۔ ان دنوں خوابوں میں پائشر پیدا ہوتی جاتی ہے۔

کہے کہیں ہوتے ہیں آپ آجکل۔

فی الحال تو کہیں نہیں۔

کیا سکول ہاشی چھوڑ دی۔

ہاں چھوڑ دی۔

مختلفین مسائل سے متاثر ہوئے کیا۔

سب بچ گئے۔

اود بڑی خوشی کی بات ہے۔

آپ کی شادی کبھی رہی۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ آپ نے کسی سکول ٹیچر سے شادی

کر لی ہے۔

وہ فوت ہو گئی۔

اود۔ برٹنیل تذکرہ۔ ساوی کی شادی ہو چکی ہے۔ اس کے میاں ریاست کے نواب ہیں۔

چار بچے ہیں۔

اب کہاں ہے ساوی میں نے پوچھا۔

ریاست نے پاکستان سے الحاق کر لیا تھا، لیکن چونکہ پاکستان سے ملحق نہ تھی اس لیے علیٰ

نے بدور قبضہ کر لیا۔

اود وہ لوگ میرا مطلب ہے۔

ہاں وہ لوگ مشکلات میں ہیں۔ مشکلات تو ہوں گی۔ ہم نے جو اکیلا ہے۔ پاکستان بنایا

ہے اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ کر رہے ہیں وہ سکر لیا۔

ایک گھنٹہ ہم دونوں باتیں کرتے رہے۔

جب میں رخصت ہونے لگا تو اس نے ایک نانبہ خط میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ یوں یہ ایک

معمولی سی آفر ہے۔ معمولی سی آسانی ہے۔ اگر آپ کے کام کی بدولت ٹھیک ہے ورنہ بھانڑ رہے۔

ملاؤ بیوی کا مہر کی برآمدگی کے لیے مایک لگا کر ان سے باتیں کرنا ہوں گی، بدردی کی

باتیں، حوصلے کی باتیں، اسلام کی باتیں، جہاد کی باتیں، ہجرت کی باتیں۔

میں نے وہ خط پڑھا ڈھائی سو کی آواز تھی۔ ڈھائی سو میرے لیے بہت بڑی رقم

تھی۔ پہلے کیوں نہیں ملتی تھی کہ پ دیکھ آؤں میں نے سوچا۔

پندرہ سال کا بچہ

پندرہ سال کا بچہ تھا۔ اس سے دس بارہ میل دور واٹن میں واقع تھا۔ ایک وسیع میدان میں یہاں

تھا۔ بارہا بار میں جیس اور ہوائی جہازوں کے ڈنگر تھے، جو عرصہ دراز سے بے

استعمال تھے۔ ان پارکوں اور فیکٹریوں کے اندر اور باہر میدان میں جگہ جگہ پتھر گزروں کے

پتھر پڑے تھے۔ دس پندرہ افراد اس درخت تلے بیٹھے ہیں، جیس، مچیس، پارک کے باہر

اور اس کے باہر، ان تیس خلی میدان میں ڈھیر ہو رہے ہیں۔ جہاں تک لگاؤ نام کرتی تھی،

وہ تو بڑی بڑی نظر آ رہے تھے۔

پندرہ سال کا بچہ تھا۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

تھی۔ اس نے بیٹھے تھے، پندرہ سال کا بچہ تھا کہ اس کی طرف ٹھٹکی ہاتھ پڑی

۱۴۰۰ میں نے آنکھ اٹھائی تو سامنے وہ کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر میرے بچے بچے کچھ

میں سمجھتا تھا کہ عقل و دانش انسان کی واحد رہبر ہے " اس کا واحد امتیاز ہے۔ " (نور)

وہ ابھرنے لگی، ابھرتی گئی۔ حتیٰ کہ ساری کائنات پر چھا گئی۔ میں بھول گیا کہ کون کیوں وہاں آیا ہوں، وہ جگہ کون سی جگہ ہے، ساری کائنات میں صرف وہ فرد باقی رہ گئے ایک باشندہ، جو بالکل معدوم ہوا چارہ تھا اور ایک وہ جو فرش سے عرش تک محیط و مسلط تھی وہ گھٹاؤں کی ایک شیار تھی۔

اس کا قد لمبا تھا، جسم بھرا ہوا تھا، جوانی پہلی چاروی تھی، رنگ سانوا تھا، شخص چمکے آنکھیں مدھ بھری تھیں اور انداز میں بے نیاز کے انداز گئے ہوئے تھے۔ وہ کھڑی بات کی طرف دیکھ رہی تھی، کسی خیال میں اس قدر غور تھی کہ اسے پتہ بھی نہ تھا کہ سامنے کوا شخص سمٹ سمٹ کر ہاتھ بہن چکا ہے اور مسلسل اس کی طرف دیکھے جا رہا ہے۔ عام عورت کی طرف تنگی کی مانند کر دیکھو تو وہ دیکھ کر متوجہ ہوتی ہے جیسے کانٹا ہو، لیکن وہ لمبا، اتنی بے نیاز تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا۔

پھر دفعتاً گویا وہ جاگ پڑی۔ اس کی نگاہیں اتنی سے لوٹ آئیں۔ اس نے میری طرف دیکھا، کچھ اس طرح کہ یہ کیا ہے۔ پھر اس کی نگاہ میں حقیر بھرا جسم جھلک اٹھی، حقیر کاٹ کر رکھ گئی، جیسے اس کی نگاہ کہ رہی ہو تو کیا ہے۔ ایک پلٹا کیز۔

پھر وہ میری طرف دیکھ کر داخل ہو گئی۔ دفعتاً مجھے ہوش آیا۔ شیار کی اس ایک نگاہ نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ میں نے اپنے ٹکڑے پنے انہیں ڈوڑا اور پھر چپ چاپ بائیکل پر سوار ہو کر گھر کی چل پڑا۔

دو مظلوم

گھر جا کر میں چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔ میری بیوی اقبال بیگم میری طرف دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ بات کیا ہے۔ اقبال بیگم اور میں ایک ہی گھر میں آئے تھے، رشتے کے لحاظ سے ہم بھائی تھے، لیکن اس کے علاوہ ہم دونوں ایک دوسرے سے انہی تھے، ایک دوسرے سے۔

کرم اور ہمدردی سے بھرا ہوا جسم۔ اقبال نیک مجھے وہ کائنات کیسٹ میانہ کر سکی تھی۔

اس کی سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ میں اسے ہاتھ نہ لگائے لیکن اس کے پاس جذبہ باتیں کرے۔ باتیں سنے۔ چونکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھی اور مجلسی زندگی سے گریز کرتی تھی۔ اس لیے اقبال نیکس کی باتیں رسی باتیں تھیں۔ رکھ رکھاؤ کی باتیں، لین دین کی باتیں۔ مناسب اور غیر مناسب سے متعلق باتیں، ان باتوں سے مجھے قلبی دل چسپی نہ تھی۔ لہذا میں مجبور تھا کہ اقبال سمجھتی تھی کہ وہ ایک بد نصیب اور مظلوم عورت ہے۔

دراصل دونوں ہی مظلوم تھے۔

اقبال کو ان دنوں مجھ سے یہ شکایت تھی۔ کہ میں کھٹ پر پراسوج میں ڈوبا رہتا تھا۔ نہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

اقبال میرے سرانے آگھڑی ہوئی۔ بولی، آپ کچھ کرتے کیوں نہیں۔

میں چونک کر جاگا۔ کیا اکروں میں نے پوچھا۔

نوکری تلاش کرو۔ اس طرح کب تک گزارہ ہو گا۔

نوکری کو مل گئی ہے۔ میں نے کہا۔

مل گئی ہے، وہ حیرت سے چلائی۔

ہاں مل گئی ہے۔

مجھے کیوں نہ بتایا کہ مل گئی ہے۔

مجھے خیال نہیں رہا۔

ایسی بے خیالی بھی کیل۔

ہاں غلطی ہوئی۔ کل ہی تو ملی تھی آفر۔ ابھی اس کے جواب میں ہاں کرنا باقی ہے۔

ہاں کرنا باقی ہے۔

میں نے جیب سے مجیڈرٹک کا ٹکڑا نکالا۔ یہ آفر ہے، میں نے کہا۔

وہ کیا ہوتی ہے آفر۔

خدا ہوتا ہے، میں نے خدا لہراتے ہوئے کہا۔

نوکری منگوانا ہے، اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

اس لئے ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہروں میں کامیاب موجد تھا۔ بے وفائی کی لڑائی ہلکے بھی تھی اور بے پروائی اور اعتبار بھی۔
 وہ لوگوں لڑی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی اہلی تھی۔
 کچھ اپنی آئیڈیل عورت نہ تھی۔
 اس کا رشتہ ایک کپ کے پڑے ڈیگر کے باہر وہ کوئی تھی۔ وہ شہر جس کی مجھے
 دل تھی۔

اس نے میری جانب حقیر بھری نگاہ سے دیکھا تھا اور میرے ٹکڑے ہوا میں اڑنے لگے تھے۔ عروس ہوا تھا جیسے میں گھر آگیا ہوں، جیسے مجھے دنیا کی سب سے بڑی دولت ملی ہو۔ میں زندگی کے ایسے مقام پر کھڑا تھا جب بظاہر کسی عظیم جذبے سے متاثر ہونے لگا ہوں۔

لی مشیت سے اپنے والد "قادر با مشیت" کی وجہ سے "ایڈجسٹ منٹ" پیدائیں کر
انسانی میرے بندہ میں رہی تھی۔ جو اندر ہی اندر مجھے کماے جاری تھی۔
انعامات پیدائیں کر رہی تھی۔ ساج سے ایسے انعامات پیداکرنے سے منظور تھا
اندر رہ کر کیا تھا۔

معاذ اللہ! لوگوں سے بٹنے میں کوفت محسوس ہوتی تھی۔ "معاذ" میں سراج کے گھونٹنے

میں نے انہیں اس کی وجہ سے میں ٹوٹ چکا تھا اور اب اس میدان میں قدم رکھنے سے ڈرتا تھا۔

خصوصیات میرے ذہن کی آئیڈیل عورت کی خصوصیات تھیں۔ ہر مرد کے ذہن میں آئیڈیل عورت ہوتی ہے۔ جس کی تلاش میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔
میں نے زندگی میں کئی ایک محبتیں کی تھیں، لیکن مجھے کبھی اپنی آئیڈیل عورت نہ مل سکی۔

ہر موی کی ٹہٹ کے کونک مفروضہ ہوتے ہیں۔ میں کسی لڑکی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔
میرزا شاہ یوں بول لگتی تھی جیسے کیا بھل ہو، مجھے کچے بھل سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس پر
ایک لڑکی کے سپرد کر دیا میری وراثت میں ایک اقدار بات تھی۔ عورت کی سب
خصوصیت ایک گڑبے، ہر روزی بھری، متا بھری گود۔

وہ مرد، لڑکی کی محبت کے خواہاں ہو سکتے ہیں جو اسے اپنا لینے کے خواہش مند ہوں۔
کے آقا بننے کی آرزو رکھتے ہوں جو اس کے محبوب بننا چاہتے ہوں۔

میں محبوب طبیعت کا ایک نہ تھا۔ عورت کو اپنا لینے کا خواہش مند نہ تھا۔ انا میری
حق کر میں اپنا آپ صرف اس کے حوالے کروں، نئے شعور ہو کہ آپ سے کیسے برآ کر
آپ کے محبت کے مظاہر کیا ہیں۔ کس طرح آپ کو جذبہ محبت سے سرشار رکھنا ہے۔
جذبہ محبت کے قیام اور استحکام کے لیے صرف محبت کرنے کا عمل ہی کافی نہیں، بلکہ
کافی نہیں ہوتی تھے محبت کے جذبہ سے سرشار رکھنے کے لیے بے وقفہ کی دھمکی از بس
تھی۔

میری محبت کے کوائف میں عورت کا شمار ہونا ضروری تھا۔ میں صرف مستاجری سے محبت کر سکتا تھا۔

میری محبت کے کواکب کے حلق دوسری اسم یہ تھی کہ مجھ کے خلیفہ بنے ہوئے تار ہوں۔ میں اپنی قوت کا مالک نہیں تھا کہ خلیفہ کے زور پر ان ابھرتے ہوئے گھٹا رہتا۔ میرا مطالبہ تھا کہ محبوب عملی طور پر ان تاروں کو ابھارتے اور اپنے برتاؤ میں کی گئیں اس تک۔ انوار میں بے پروائی پیدا کرے اور اگر محبت کے پس منظر میں اشتیاق بھی ہو جائے تو نہیں البتہ۔

مجھے علم نہ تھا کہ عورت سے پار پارڈ سے جانا میرا مقدر ہے۔

اگر میں تمہارا نہ ہوتا تو ریشمی کپڑے کی اس خیال کو دیکھ کر وہیں دھڑلار کر بیٹھ جاتا جس طرح میرے دوست مسیح نے کیا تھا۔

سمیع اور خانہ بدوش

سچ بھی غور تامل و اذکار و اقلد اسے بھی میری طرح غور سے دے جائے گا جیون تھا۔ وہ بھی عبت کے میدان کا بارہا ہوا سچائی تھا۔ اس نے بھی اپنی زندگی کو نئے خطوط پر چلنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اس نے ایک ٹیکہ اور پانچ روز غور سے شادی کرتی تھی اور وہ عرصہ سات سال ہے۔ یہ سکون گریلی زندگی بسر کر رہا تھا اس وقت ان کے چار بچے تھے۔ میاں بیوی میں اتفاق تھا محبت تھی۔ گھر میں اہلین نور سکون کا دور دورہ تھا۔

پھر ایک دن دروازہ بجایا اس وقت سچ دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سچ باہر نکلا۔
 دروازے پر وہ ————— کھڑی تھی۔

وہ ایک خانہ بدوش عورت تھی۔

پہ میں اس ایک ساعت میں کیا کیا اسرار و رموز عمل میں آئے۔ خانہ بدوش نے اپنا
 ڈنک دیکھا۔ سچے نے لپٹائی ہوئی نظریں سے ڈنک کی طرف دیکھا۔ شاید اس مختصر سی ملاقات کے
 کوائف مختلف ہوں۔ برہنہ وہ کوائف ہے حد پر اڑتے۔ خانہ بدوش نے بے تہائی کی زبان
 میں جو کچھ کہا وہ سچے نے مثلاً اتنی توجہ سے سنا کہ وہ اس کے دل کی گمراہیوں میں الجھا رہا اس
 کے احساسات پر جھانکتے

پھر خانہ بدوش چل پڑی اور سب سے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس کے بعد سب اپنے گھر :
پہنچے۔ اس کے دوست اور رفیقے دار سب کی تلاش میں نکلے۔

سچی کی تلاش کچھ مشکل نہ تھی۔ شر کے لوگوں نے جگہ جگہ مکانوں کے دروازوں پر اس خانہ بدوش کے پیچھے پیچھے جانے ہوئے دیکھا تھا۔

پھر وہ خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ڈیرے کی حدود سے باہر سب

ہاتھ کی انگلیں جلدی انہیں احساس ہو گیا کہ مسیح سے بات نہیں کی
جاسکتی۔ آپ میں وہ ایک عجیب سی اطمینان مگر اہٹ مسکراہٹ تھا۔
اور ان دنوں کے سردار سے ملے۔

ہاں! اس کا یہاں بیٹا ہمارا ہی پڑا ہے۔ دیکھ لو ہم نے اسے
 آئے نہیں دیا۔ ہمارا قانون ہے کہ اگر کوئی ہماری بیٹی سے بیاہ کرنا چاہے تو اسے
 ہم سے ہم سب کا ہاتھ ملانے پڑے گا۔ پہلے دو سال تو ہمارے ذمے کی حدود سے باہر
 اس کی والدہ کی کفالت میں آجائے تو پھر دو سال ہمارے ذمے میں گزارے، پھر

پیش کشی: پروفیسر عثمان علی

اس سے کہیں کہیں کرئیں پڑی ہوئی۔ چلے جاؤ۔ بے کار ہے۔ اسے یہاں سے کوئی نہیں اٹھا
 (11) اس سے کوئی نہیں لے جاسکتا۔

$$-\frac{1}{2} \log \frac{1}{2} - \frac{1}{2} \log \frac{1}{2} - \frac{1}{2} \log \frac{1}{2}$$

...میں جانتی ہوں۔

میں نے کہا: "اے بیٹا! میں نے یہ سب سیکھ لیا ہے۔" وہ نے کہا: "میں نے یہ سب سیکھ لیا ہے۔" وہ نے کہا: "میں نے یہ سب سیکھ لیا ہے۔"

میں نے اس پر غور کیا۔ مگر اس کی وجہ سے اس کے پاس جو

علم جنس میں جانکا تھا۔

جنس کے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنس میں میری عملی دلچسپی کم سے کم تر ہو گئی۔ دل میں ایسا بھر آیا کہ نئی نوع انسان کے بیشتر مسائل جنس کی وجہ سے ہیں۔ ہر عورت کی طرف دیکھ کر میں اندازہ لگاتا کہ یہ کیسی عورت ہے، اس کا نظام آرزو کس رنگ میں رنگا ہوا ہے، اس سے "ایرو جنیک" ذہن کون سے ہیں، 'مطالبات' کیسے ہیں، 'کس حد تک' لاشعوری ہیں، 'کس حد تک' شعوری۔

کپ میں جا کر میں ایک عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ بڑی ہمدردی سے گرد و پیش کا جائزہ لیتا۔ جذبہ خدمت سے بھیک جاتا۔ لئے پئے مہاجرین کے دکھ کو شدت سے محسوس کرتا۔ پھر ان جانے میں کہیں مٹوں کی تک تک سنائی دیتی۔ چونک جاتا، احساس شرمندگی چاروں طرف سے گھیر لیتی، لیکن میں اس احساس کو خود پر طاری ہونے نہ دیتا تھا۔ تک تک کو ان سنی کر دینے کی کوشش میں لگ جاتا۔ نہیں نہیں، یہ عورتیں نہیں، یہ تو مہاجرین میں ظلم و تشدد کے بارے

علم جنس

دل میں ہر روز کو دیکھ کر بیٹے ہوئے دنوں کی یادیں آئے لگیں۔ ہاں یہ جیسی عورت تھی، جس کا جسم یہ جسم کے ہاتھوں سنائی ہوئی۔ ہر وقت کی تک تک تک نہ موقع کا غلط استعمال۔ جسم سے پیٹھ کر کوئی ظالم نہیں، 'مہاسنیا چاری' اور پھر اس قلم کا کسی کو شرم نہ آتا۔ لاشعوری اور لاشعوری کی امتیاز ہے۔ سرو کی ایک نظر بڑھ جائے تو اندر کی سنائی گھڑی کی حرکت سنائی دیتی ہے۔

زمانی کہتا ٹرلور مردانہ نگاہ پیام کے درمیان دل حائل ہوتا ہے۔ نگاہ سیدھی دل سے دل سے قبول نہ کرے، تو سنائی کہتا ٹرچلو میں ہوتا قبول کر لے، تو تک تک سنائی جاتی ہے، لیکن جیسی عورت میں نگاہ پیام کا تعلق براہ راست جسم سے ہوتا ہے۔ لوصحہ میں لاشعوری۔ تک شروع ہوئی۔ چٹاؤ کا اختیار نہیں ہوتا۔ جذبات کا دل سے نہیں بلکہ جسم

اس نے شعلہ کو دیکھ لیا۔

۱۰۱۔ اہل نعل رسی تھی، جمل داخل ہو رہا تھا۔ اس وقت جمل کو علم نہ تھا کہ

... ..

کرنے کے بعد وہ تجھ سے کہے اچھا جا اسے مل لے۔ یا میں آواز دوں اور تو سوچے سمجھے بنا

پوچھے بغیر فناک سے اپر نکل آئے۔ کس نے مجھے پکارا، کسی نے مجھے پکارا۔

... ..

ہلک کر چپ چپ کرتی ہیں، جیسے جتا اور ہل چپ چپ کیا کرتے تھے۔
میرے درود پڑھنا اور ہل آکھڑے ہوئے۔

پال سے میں بڑے گھریں حلف و امان تھا۔ ہل کا چہرہ ہلک ہی ہلکا تھا۔ اتنی لمبی اور ہلکی
نیچے تک پھیلی ہوئی ناک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چہرے پر تو ناک ہوتی
پال کے چہرے پر ناک تھا۔

شاید وہ ناک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھنا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، انداز دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بھڑک کر بیٹھ کر عامادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانی نہ بتاتا پتہ نہیں پال نے راز دانی کے لیے از خود میرا
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا لڑا ایک روز پال نے تنگ میں آکر کہہ دیا پتہ ہے میں جیسے کیا
چارا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھا کے گھر جا رہے ہو۔

پھوپھی تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھا کا گھر نہیں ہے پال۔

کہ۔

تو بھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نیتا

اس گھریں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک کتاب
بات ہو، اس کا ناک اور لمبا ہو گیا۔ حوالہ نکل آئی اور اس نے چہرے کو کات کر لو لہاں
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

مجھے ایسے لگا جیسے اونی ہوئی تیری کے پر بھڑکے ہوں اور وہ سنڈی
کرتی ہوئی تھی۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

پال نے مجھے گھر پہنچنے پر پتہ چلا کہ میاں بیوی اپنی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے پک
کرتی تھی۔ اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکی تھیں۔

تم سامنے نہیں آتی۔ پال نے اپنی ٹوپی سے پوچھا۔
کھڑی تو ہوں، پادلوں میں کسی نے سسکی بھری۔

روز آیا کرو۔
کوئی آنے دے بھی۔

سو تلی سے دہتی ہو۔
لوٹھوں۔

ہاں۔

کس سے۔

وہ گھر سے ٹکڑے کر دے گی۔

پھر کیا کرو گی۔
اللہ کرے۔

کچھ نہیں۔
رہ جائے گی۔

اس گھر میں رہنے کی نسبت اچھا ہو گا۔
 لہٰذا نہیں اپناتے کیا۔

اپنا تے ہیں۔ سوئی کو۔
اور جسیر۔

کوئی نہیں۔ ————— وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔

منہ زبانی ————— آواز میں پا کر دھار تھی۔

ایک جلیبی سی سری پس کچا کچا رہا خامی چھانے میں ۔۔۔ وہ مرچ مارے

بیگ جاتا۔

شروع شروع میں تو میں اس صورت حال سے گھبراہٹ سی محسوس کرتا رہا تھا، لیکن یہ لذت آنے لگی۔ عجیب لذت تھی وہ دکھ میں لپٹے ہوئے رومان کی لذت۔ میرا بی چاہتا تھا میں کسی لڑکی کو اپنا روگ بنا لوں اور پھر آسودوں سے بیگلی بیگلی باتیں کروں۔ آہوں اور اے کے چال میں پھنس کر رہوں۔ شاید اسی لیے میں نے بیٹا سے اکیلے میں ملنے کی کوشش کی دو ایک بار۔

ہائیں۔ تم بھی

بیٹا میں نے پوچھا تھا تم چاہتی کیا ہو۔

کچھ بھی نہیں۔

پھر بال سے ملاقاتوں کا مقصد۔

برہادی اور کیا۔

کیوں۔

بس۔

پل تم سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتا۔

پتہ نہیں۔

تم اسے کہتی کیوں نہیں۔

کیا۔

کہ مجھ سے بیاہ کر لو۔

بیٹا نہی، دبی دبی جتنی چلی گئی۔ میں نے پہلی مرتبہ اسے ہنسنے دیکھا تھا اس کا چہرہ اس طرح سرخ ہو رہا تھا یوں جیسے مسٹر کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اس کے ہاتھوں یوں گٹکا تھا جیسے دوسری قسم کے عالم میں ہو۔ خوشی اس کے آنکھ سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی جیڑی سے اسے دیکھتا رہا۔

میں نے اسے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

میں نے کہا کہ مجھ سے شادی کر لو۔

اس روز مجھے احساس ہوا تھا کہ دہلی عورت کی اپنی سستی خوشگوار اور جوانہ کن ہوئی
وہ اپنا ہند بند کر رکھ دیتی ہے لیکن اس کٹ میں سستی لذت ہوتی ہے۔
کمپ دہلی عورتوں سے بھرا ہوا قلعہ میراثی چاہتا تھا کہ ان کے پاس چاہیوں۔ دل
کے جذبات سے اس رہا قلعہ جتنا سیرے درپردہ آکھڑی ہوئی، اس کا بار بار قلعہ گونجنا۔
سارا بسپ، ٹنٹوس سے بھر جاتا مجھے ایسے لگتا جیسے دہلی عورت کا راز افشاں ہو گیا ہو۔

گڈ ٹائم

کمپ میں ہنوز عورتیں کہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ ہوں گی تو بہت لیکن بیچے
جاوالت نے ان کی ہنسی پر دیکھ کے غلاف چڑھا رکھے تھے ہنسی کی دھار رنگ آنسو ہو چکی تھی
ویسے بھی مجھے ہنوز عورت سے دلچسپی نہ تھی ہنسی فرحت ضرور پیدا کرتی ہے، لیکن
ایک سٹپٹی جذبہ ہے۔ اس کا گھٹا نہیں ہو کہ اس کے برعکس بھلا میں گھرے گھٹا کا گھٹا
تغلاب پر منوں پھول پیچیدگ دو تو وہ ارتعاش پیدا نہیں ہوتا جو ایک پتھر پھینکنے سے ہوتا ہے
اس لیے آج کل کی ٹوٹھ پیٹ مسکرائیں صرف گڈ ٹائم کی دعوت دے سکتی ہیں اور بس
ٹائم کے بعد تھلائی اور بھی گہری ہو جاتی ہے اور خاموشی اور بھی بوجھل
پرانے زمانے کی عورت بڑی سیاتی تھی وہ گڈ ٹائم سے دامن پھاتی تھی۔ اسے پتہ تھا
کے بعد خاموشی ستا بن جاتی ہے۔ جس سے بچنے کے لیے پھرے شور پیدا کرنے کی
جاتی ہے۔ اور یوں شور اور سانسے کا ساکین چلتا ہے۔ چلا رہتا ہے جس میں عورت ڈو
ہے، ڈوبے جاتی ہے۔

کمپ میں گڈ ٹائم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قلعہ ماجرین مددے کے عالم میں تھے۔
ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کا زانیہ سیر مددے میں بھی خاموش نہیں ہوتا۔ تک تک
ہے، لیکن ایسی عورتیں زیادہ تر تہذیب جدید کی پیدوار ہیں، وہ کمپ میں تو صرف

عورتیں تھیں۔
بہر حال کمپ کے کارکن مزہ بھی اٹھاتی اور قوی جذبات سے اس قدر پھینکے ہوئے

اس دن رات قلعہ کیسے رہتا؟ چاروں طرف دکھ کا سمندر تھا، خاص بار رہا ہو،
اور اڑا رہی ہوں تو خشکی کے چھوٹے چھوٹے جڑے بھی بچکے بغیر نہیں رہتے۔
میں نے گھڑوں میں کارندوں کے ہاتھوں زیادتیاں ہوتی تھیں، لیکن یہ زیادتیاں
میں نے نہیں۔ اس میں آتا ہے، جب دونوں فریق شعوری طور گڈ ٹائم کی طرف قدم

دلی

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت
وقت سے ہے کہ وہ بدل لیتا ہے۔ پٹ سے چٹ ہو جاتا ہے شہل کی طرف
پٹ کی طرف ہٹ جاتا ہے۔ پٹ کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس میں تیرے دلا جوڑا اٹھ جاتا
ہے۔ ڈوب جاتا ہے۔

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت
وقت سے ہے کہ وہ بدل لیتا ہے۔ پٹ سے چٹ ہو جاتا ہے شہل کی طرف
پٹ کی طرف ہٹ جاتا ہے۔ پٹ کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس میں تیرے دلا جوڑا اٹھ جاتا
ہے۔ ڈوب جاتا ہے۔

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت
وقت سے ہے کہ وہ بدل لیتا ہے۔ پٹ سے چٹ ہو جاتا ہے شہل کی طرف
پٹ کی طرف ہٹ جاتا ہے۔ پٹ کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس میں تیرے دلا جوڑا اٹھ جاتا
ہے۔ ڈوب جاتا ہے۔

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت

دلی میں ہندو کی تھی۔ جذبہ ہندو کی بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت

نوشابہ بات کیے بغیر روٹی رہی، روٹی یہی تھیں تک کہ ظفر محمود نوشابہ کے آنسوؤں سے ہر پاؤں تک بیگم گئے۔

پھر وہ بول گئے کہ وہ دیکھتے تھے اور ان کے سامنے موکا بیٹھی تھی۔

ظفر محمود نے زندگی بھر سے دیکھی لوگ دیکھے تھے، لیکن وہ دکھ سے کبھی سرشار نہ ہوئے تھے۔ چونکہ پریش کا سہارا تھا، ان کی نگاہ میں صرف ایک زاویہ نظر تھا، قانونی دہانہ ان کی توجہ کبھی موکل کے دکھ پر مرکوز نہ ہوتی تھی۔ دکھ کے چھیننے اڑتے رہتے تھے اور وہ قانون کی چمڑی لگاتے، بیٹھتے سے محفوظ رہتے۔

اگر اس روز نوشابہ بھی آتے ہی بات پیچیدہ رہتی تو ظفر محمود کی توجہ بات کے قانونی پہلو پر نہ ہوتی۔ قانون کی چمڑی مکمل جاتی، پھر چاہے نوشابہ کتنے ہی آنسو بھائی، چاہے آہوں اور کراہوں سے سارے کمرے کو بھر دیتی، اس سے کچھ فرق نہ پڑتا۔

بے چاری نوشابہ بھی نہ جانے میں ماری گئی تھی۔

نوشابہ ادویہ عری عورت تھی۔ ان عورتوں میں سے تھی جن پر ادویہ عریں ہمار آتی ہیں۔ اس نسائی ہمار کے متعلق کوئی اصول نہیں چلتا، کسی پر تو جوانی میں آجاتی ہے، کسی پر جوانی ہی آتی ہے، کسی پر ادویہ عریں، کسی پر سرے سے آتی ہی نہیں۔

آج کل تو خیر "لڑکی دور" ہے۔ ہر لڑکی خوف زدہ رہتی ہے کہ کہیں نسائی ہمار نہ آجائے۔ وہ اس کو کشش میں لگی رہتی ہے کہ سدا لڑکی ہی رہے۔

پر اسے قانون میں صدیوں خیال کا دور و بار، نسائی ہمار کی دھوم رہی۔ لوگ لڑکی کو دور نہ اقتنا نہیں سمجھتے تھے، اس لیے لڑکیوں کو دماغ میں مانگتے تھیں کہ جوانی ہی میں ہمار آجائے۔ ان دنوں یہی ہمار باہم عورت کی کائنات تھی۔ یہی خواہش تھی کہ جلد عورت بن جائیں۔ وقت کی بات ہے۔ آج کل لڑکی کو صرف ایک ڈر ہے۔ ہر وقت کا ڈر کہ کہیں عورت نہ بن جائے۔

بہر حال بات تو نوشابہ کی ہو رہی تھی۔ نوشابہ پورے جین پر تھی۔ اس جین میں چھپو، رہا پن نہ تھا۔ وہ ایک مزوز خانہ تھی۔ وہ ظفر محمود کے ہاں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کام میں لانے کے خیال سے کہیں گئی تھی، لہذا اسے تو اس راز کا پتا ہی نہ تھا کہ ہمدردی کا جذبہ کام

نوشابہ بات کیے بغیر روٹی رہی، روٹی یہی تھیں تک کہ ظفر محمود نوشابہ کے آنسوؤں سے ہر پاؤں تک بیگم گئے۔

پھر وہ بول گئے کہ وہ دیکھتے تھے اور ان کے سامنے موکا بیٹھی تھی۔

ظفر محمود نے زندگی بھر سے دیکھی لوگ دیکھے تھے، لیکن وہ دکھ سے کبھی سرشار نہ ہوئے تھے۔ چونکہ پریش کا سہارا تھا، ان کی نگاہ میں صرف ایک زاویہ نظر تھا، قانونی دہانہ ان کی توجہ کبھی موکل کے دکھ پر مرکوز نہ ہوتی تھی۔ دکھ کے چھیننے اڑتے رہتے تھے اور وہ قانون کی چمڑی لگاتے، بیٹھتے سے محفوظ رہتے۔

اگر اس روز نوشابہ بھی آتے ہی بات پیچیدہ رہتی تو ظفر محمود کی توجہ بات کے قانونی پہلو پر نہ ہوتی۔ قانون کی چمڑی مکمل جاتی، پھر چاہے نوشابہ کتنے ہی آنسو بھائی، چاہے آہوں اور کراہوں سے سارے کمرے کو بھر دیتی، اس سے کچھ فرق نہ پڑتا۔

بے چاری نوشابہ بھی نہ جانے میں ماری گئی تھی۔

نوشابہ ادویہ عری عورت تھی۔ ان عورتوں میں سے تھی جن پر ادویہ عریں ہمار آتی ہیں۔ اس نسائی ہمار کے متعلق کوئی اصول نہیں چلتا، کسی پر تو جوانی میں آجاتی ہے، کسی پر جوانی ہی آتی ہے، کسی پر ادویہ عریں، کسی پر سرے سے آتی ہی نہیں۔

آج کل تو خیر "لڑکی دور" ہے۔ ہر لڑکی خوف زدہ رہتی ہے کہ کہیں نسائی ہمار نہ آجائے۔ وہ اس کو کشش میں لگی رہتی ہے کہ سدا لڑکی ہی رہے۔

پر اسے قانون میں صدیوں خیال کا دور و بار، نسائی ہمار کی دھوم رہی۔ لوگ لڑکی کو دور نہ اقتنا نہیں سمجھتے تھے، اس لیے لڑکیوں کو دماغ میں مانگتے تھیں کہ جوانی ہی میں ہمار آجائے۔ ان دنوں یہی ہمار باہم عورت کی کائنات تھی۔ یہی خواہش تھی کہ جلد عورت بن جائیں۔ وقت کی بات ہے۔ آج کل لڑکی کو صرف ایک ڈر ہے۔ ہر وقت کا ڈر کہ کہیں عورت نہ بن جائے۔

بہر حال بات تو نوشابہ کی ہو رہی تھی۔ نوشابہ پورے جین پر تھی۔ اس جین میں چھپو، رہا پن نہ تھا۔ وہ ایک مزوز خانہ تھی۔ وہ ظفر محمود کے ہاں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کام میں لانے کے خیال سے کہیں گئی تھی، لہذا اسے تو اس راز کا پتا ہی نہ تھا کہ ہمدردی کا جذبہ کام

زندگی بھر میں اس کی تلاش میں سرگرداں تھا۔
 آج وہ میرے دربار کھڑی تھی۔
 کتنا عظیم اتفاق تھا۔
 مجھے اپنی نگاہ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
 دیر تک میں اپنے آپ کو چٹکیاں بھرتا رہا کہ سو تو نہیں رہا یہ عالم خواب تو نہیں ہے۔

خند ملی والیاں

میرے دل کی تاریکی وہی تھی تو مجھ پر حوا کی اور سپردگی کا جنون مسلط ہو جاتا تھا۔
 میں ایک مجذوب ہوں۔ محبت کا جذبہ طاری ہوتا تو اندر کا مجذوب، عقل و
 حواس کو ہار کر ہار لکھ آتا۔ اس وقت صرف ایک خواہش بھوت بن کر سوار ہو جاتی
 کہ مجھ کو وہی محبت کے قدموں میں رکھ کر خود کو پیچ کر دوں۔ سب کچھ دیوی کی بھیشت

میں صرف ایک خواہش پیدا ہوتی تھی صرف لمس کی خواہش "ہیشن"
 ازاں پڑ لوں یا ہاتھ تھم لوں۔ میری زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جب میں
 ایسا رہتا تھا یا اس کے پاؤں سے کیلا رہتا تھا اور شزارے کے جسم کی خوشبو
 میرے گتے گھیرے رکھتی۔ چھٹی رات تھی۔

خواہش مروانہ میں، بلکہ نہائی خواہش ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا ہائے کہ
 اس کا نام نہ لے سکے اور نہ لے سکے۔

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا املا آئے، دوسرا املا آئے نہ آئے۔ طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں میں ہو، لہجے میں ہو، ٹھنڈی ہو، ٹھنڈی ہو، ہوتا ہے، روانی میں ہوتی، جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پچھلے زلزلے میں گڑ رہ جاتے۔ شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنے نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔

بہر حال مجھ میں نسائی کلیں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ لہجہ کمزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری نگہبانی کا دار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ اہل صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دنوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔

محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی شکوک پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہے، شکوک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ بیچارے میرے اندر شکوک پیدا ہو گئی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔

بارگاہ میں چانا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لے کر اسے میرے فٹ کر دو اور پھر صاحبزادے سے باتیں کرنا شروع کر دوں۔ ایسی باتیں جو ان میں سے دیا جائے، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکالا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا املا آئے، دوسرا املا آئے نہ آئے۔ طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں میں ہو، لہجے میں ہو، ٹھنڈی ہو، ٹھنڈی ہو، ہوتا ہے، روانی میں ہوتی، جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پچھلے زلزلے میں گڑ رہ جاتے۔ شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنے نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ بہر حال مجھ میں نسائی کلیں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ لہجہ کمزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری نگہبانی کا دار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ اہل صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دنوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی شکوک پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہے، شکوک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ بیچارے میرے اندر شکوک پیدا ہو گئی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔ بارگاہ میں چانا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لے کر اسے میرے فٹ کر دو اور پھر صاحبزادے سے باتیں کرنا شروع کر دوں۔ ایسی باتیں جو ان میں سے دیا جائے، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکالا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا املا آئے، دوسرا املا آئے نہ آئے۔ طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں میں ہو، لہجے میں ہو، ٹھنڈی ہو، ٹھنڈی ہو، ہوتا ہے، روانی میں ہوتی، جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پچھلے زلزلے میں گڑ رہ جاتے۔ شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنے نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ بہر حال مجھ میں نسائی کلیں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ لہجہ کمزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری نگہبانی کا دار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی بجائے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ اہل صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دنوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی شکوک پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہے، شکوک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ بیچارے میرے اندر شکوک پیدا ہو گئی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔ بارگاہ میں چانا میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لے کر اسے میرے فٹ کر دو اور پھر صاحبزادے سے باتیں کرنا شروع کر دوں۔ ایسی باتیں جو ان میں سے دیا جائے، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکالا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے

ہے تاؤ دیکھتے دے۔ حیرا کیا لیتا ہے پھر وہ تن کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "اے دیکھ" اصرار سے دیکھ "وہ پلٹاؤں تھا جب اس کے ہونٹوں پر حقیر نہ تھی۔
 "دیکھتے سے کیا ہوتا ہے۔" چاہا۔ وہ بچکا سے مخاطب ہو کر بولی۔ "تو قاتلوں کو کہہ دے۔" اے دیکھ "وہ میری طرف اشارہ کر کے بولی "یہ بے چارہ کیا دیکھے گا۔۔۔۔۔۔
 پھر خرابی خرابی چل پڑی۔
 ساری بارک کے لوگ منہ اٹھا کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"میرا اپنا بے چارہ"

مجھے یاد نہیں کہ کب اور کیسے میں اپنے پائیکل تک پہنچا وہ راستہ کیسے لے گیا۔
 پھر جب میں بڑی سڑک پر سائیکل چلاتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا تو میری گردن اٹھی
 تھی "آنکھوں میں چمک تھی" ہونٹوں پر ہلکا سا مسخ تھا۔
 عام حالات میں اس روڈ کے واقعہ کو میں اپنی توہین سمجھتا۔ میری گردن اٹک جاتی "اگر
 دھندلا جائیں دل دھک دھک کرتا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس روڈ مجھے تو جین کا لباس نہیں
 میں تو اسے اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔ غبار نے پہلی مرتبہ میرا فوٹس لیا تھا" مجھے اچھا لگا۔ مجھے
 چارہ" پر غصہ نہیں کیا تھا۔ جب اس نے بے چارہ کہا تھا تو اس کی ساری بات اس کے چہرے
 ابھر آئی تھی۔ "نہیں نہیں" اس نے غلی بے چارہ نہیں کہا تھا۔ "میرا اپنا بے چارہ" کہا تھا۔
 کوئی بے چارہ کہہ کر اپنا لے "تو پھر بے چارہ" بے چارہ نہیں رہتا۔ بے چارہ تو وہ ہے۔ "اے
 کاندہ ہو۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ وہ کسی طرح جنت بھر کر
 تھی۔" مجھے ہی دیکھتا ہے تاہم ہارا کیا لیتا ہے۔" اور پھر اس نے نگاہوں سے کہا "اے،
 "اصرار سے بھی" اصرار سے بھی۔" "دیکھ اندھے دیکھ۔۔۔۔۔۔" بارک جی پیشہ،
 کسی شخص کو جرات نہ ہوئی تھی کہ اسے ٹوکه۔

میں نے اپنے دل سے کہا "اے دیکھ" اصرار سے دیکھ "وہ پلٹاؤں تھا جب اس کے ہونٹوں پر حقیر نہ تھی۔
 "دیکھتے سے کیا ہوتا ہے۔" چاہا۔ وہ بچکا سے مخاطب ہو کر بولی۔ "تو قاتلوں کو کہہ دے۔" اے دیکھ "وہ میری طرف اشارہ کر کے بولی "یہ بے چارہ کیا دیکھے گا۔۔۔۔۔۔
 پھر خرابی خرابی چل پڑی۔
 ساری بارک کے لوگ منہ اٹھا کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔
 "میرا اپنا بے چارہ"
 مجھے یاد نہیں کہ کب اور کیسے میں اپنے پائیکل تک پہنچا وہ راستہ کیسے لے گیا۔
 پھر جب میں بڑی سڑک پر سائیکل چلاتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا تو میری گردن اٹھی
 تھی "آنکھوں میں چمک تھی" ہونٹوں پر ہلکا سا مسخ تھا۔
 عام حالات میں اس روڈ کے واقعہ کو میں اپنی توہین سمجھتا۔ میری گردن اٹک جاتی "اگر
 دھندلا جائیں دل دھک دھک کرتا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس روڈ مجھے تو جین کا لباس نہیں
 میں تو اسے اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔ غبار نے پہلی مرتبہ میرا فوٹس لیا تھا" مجھے اچھا لگا۔ مجھے
 چارہ" پر غصہ نہیں کیا تھا۔ جب اس نے بے چارہ کہا تھا تو اس کی ساری بات اس کے چہرے
 ابھر آئی تھی۔ "نہیں نہیں" اس نے غلی بے چارہ نہیں کہا تھا۔ "میرا اپنا بے چارہ" کہا تھا۔
 کوئی بے چارہ کہہ کر اپنا لے "تو پھر بے چارہ" بے چارہ نہیں رہتا۔ بے چارہ تو وہ ہے۔ "اے
 کاندہ ہو۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ وہ کسی طرح جنت بھر کر
 تھی۔" مجھے ہی دیکھتا ہے تاہم ہارا کیا لیتا ہے۔" اور پھر اس نے نگاہوں سے کہا "اے،
 "اصرار سے بھی" اصرار سے بھی۔" "دیکھ اندھے دیکھ۔۔۔۔۔۔" بارک جی پیشہ،
 کسی شخص کو جرات نہ ہوئی تھی کہ اسے ٹوکه۔

میں نے اپنے دل سے کہا "اے دیکھ" اصرار سے دیکھ "وہ پلٹاؤں تھا جب اس کے ہونٹوں پر حقیر نہ تھی۔
 "دیکھتے سے کیا ہوتا ہے۔" چاہا۔ وہ بچکا سے مخاطب ہو کر بولی۔ "تو قاتلوں کو کہہ دے۔" اے دیکھ "وہ میری طرف اشارہ کر کے بولی "یہ بے چارہ کیا دیکھے گا۔۔۔۔۔۔
 پھر خرابی خرابی چل پڑی۔
 ساری بارک کے لوگ منہ اٹھا کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔
 "میرا اپنا بے چارہ"
 مجھے یاد نہیں کہ کب اور کیسے میں اپنے پائیکل تک پہنچا وہ راستہ کیسے لے گیا۔
 پھر جب میں بڑی سڑک پر سائیکل چلاتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا تو میری گردن اٹھی
 تھی "آنکھوں میں چمک تھی" ہونٹوں پر ہلکا سا مسخ تھا۔
 عام حالات میں اس روڈ کے واقعہ کو میں اپنی توہین سمجھتا۔ میری گردن اٹک جاتی "اگر
 دھندلا جائیں دل دھک دھک کرتا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس روڈ مجھے تو جین کا لباس نہیں
 میں تو اسے اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔ غبار نے پہلی مرتبہ میرا فوٹس لیا تھا" مجھے اچھا لگا۔ مجھے
 چارہ" پر غصہ نہیں کیا تھا۔ جب اس نے بے چارہ کہا تھا تو اس کی ساری بات اس کے چہرے
 ابھر آئی تھی۔ "نہیں نہیں" اس نے غلی بے چارہ نہیں کہا تھا۔ "میرا اپنا بے چارہ" کہا تھا۔
 کوئی بے چارہ کہہ کر اپنا لے "تو پھر بے چارہ" بے چارہ نہیں رہتا۔ بے چارہ تو وہ ہے۔ "اے
 کاندہ ہو۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ وہ کسی طرح جنت بھر کر
 تھی۔" مجھے ہی دیکھتا ہے تاہم ہارا کیا لیتا ہے۔" اور پھر اس نے نگاہوں سے کہا "اے،
 "اصرار سے بھی" اصرار سے بھی۔" "دیکھ اندھے دیکھ۔۔۔۔۔۔" بارک جی پیشہ،
 کسی شخص کو جرات نہ ہوئی تھی کہ اسے ٹوکه۔

کنڈی والیاں ایک گھون تھا؟ جس ہم شادی پر مجھے تھے۔ ساری شرارت ارجمند کی تھی۔

کنڈی والیاں

کنڈی والیاں میں ارجمند کے دوست محمود کی بیوی بمن کی شادی تھی۔ محمود نے اپنا بیٹا ارجمند آگیا جانا میں چاہتا تھا اس لیے اس نے شادی سے چند روز پہلے والیاں کا پارٹی بلڈ کرنا شروع کر دیا تھا۔

محلے کی کسی لڑکی کو دیکھ کر ارجمند حسب عادت سینے پر ہاتھ رکھ لیتا۔ پھر روٹ کر اٹھانے کے بہانے ہوں جھٹکتے کورٹس پہنا رہا ہو۔ جب وہ چلی جاتی تو حسب عادت "جی جی ہے پیاری مطلب ہے خاصی ہے" ایسے کراٹھڑی رچانے کے لیے گزرا رہا۔ کنڈل والے ہوتے تو شاید بات بن جاتی۔ ارے یار کنڈل کے کچے دیکھتے ہوں تو کبھی کنڈل چلو۔ بے کیا نیار میں ہیں وہاں کی، جیسی تو گھوں کھانم ہی کنڈی والیاں بڑ گیا ہے۔ ہاں ہاں ہاں جیسے چل نکھ رہے ہوں "چڑا چڑ دو چڑ" اور اصرار "اور حرم" اور جوں "اور ہاں" بے کیا نقشہ ہے اور پھر اتنی جیسے چاکن کنڈی مار کر بیٹھی ہو۔ لو حرم تم نے سر نہ لگایا ہے لیکن پھیلا۔ یہاں محلے میں تو سب عورتیں ہیں "نہ با کچن" نہ بچن" نہ پھل" یہاں تو کچھ ہے ہی کچھ ہے ہیں" بے چارے رنگتے ہوئی سنڈیاں۔

میں سوچنے لگا کہ ارجمند کنڈی والیوں کے گمن کیوں گانے لگا ہے۔ ہر بات میں کنڈی والیوں کے ساتھ ہے؟

ایک روز میں نے کہا "یار یہ کنڈی والیاں کہاں واقع ہے۔ کتنی دور ہے تو؟"

بے چارے "وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا" یہی تو قیامت ہے کہ اپن وہاں مجھے ہی نصیبی۔ ہانگل ہنصیبی کنوئیں پر بیٹھے ہیں پر تیا سے ہیں۔ محمود نے کئی بار یہاں کپ کپ میں اپنے مصروف رہے کہ محل و فرد جواب دے گئی۔ دیکھ لو! انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب تیار ہو اور میں کوس پر تیار ہوں ہاتھ سے لکھا جا رہا ہے۔ نیار میں ہیں کنڈی والیوں کی۔ اب پھر محمود نے بلایا ہے۔ اس کی بمن کی شادی ہے۔

ایسا۔ یعنی دیکھنے دیکھنے کی جنت" لئے لگائے کے مواقع، کہنے سننے کے بہانے، ایسا اور دوسرے شادی، سونے پر ساٹھا، ارے اتنی شادی کے دوران تو اس کی ہر بات ہے، پھر میری ہوئی کے کیا کہنے، اندازہ لگا لو۔

ایسا کہ "وہ رشتہ بولا" چل یار اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دیں "دونوں کے لیے محلے کی کسی لڑکی کو دیکھ کر ارجمند حسب عادت سینے پر ہاتھ رکھ لیتا۔ پھر روٹ کر اٹھانے کے بہانے ہوں جھٹکتے کورٹس پہنا رہا ہو۔ جب وہ چلی جاتی تو حسب عادت "جی جی ہے پیاری مطلب ہے خاصی ہے" ایسے کراٹھڑی رچانے کے لیے گزرا رہا۔ کنڈل والے ہوتے تو شاید بات بن جاتی۔ ارے یار کنڈل کے کچے دیکھتے ہوں تو کبھی کنڈل چلو۔ بے کیا نیار میں ہیں وہاں کی، جیسی تو گھوں کھانم ہی کنڈی والیاں بڑ گیا ہے۔ ہاں ہاں ہاں جیسے چل نکھ رہے ہوں "چڑا چڑ دو چڑ" اور اصرار "اور حرم" اور جوں "اور ہاں" بے کیا نقشہ ہے اور پھر اتنی جیسے چاکن کنڈی مار کر بیٹھی ہو۔ لو حرم تم نے سر نہ لگایا ہے لیکن پھیلا۔ یہاں محلے میں تو سب عورتیں ہیں "نہ با کچن" نہ بچن" نہ پھل" یہاں تو کچھ ہے ہی کچھ ہے ہیں" بے چارے رنگتے ہوئی سنڈیاں۔

میں سوچنے لگا کہ ارجمند کنڈی والیوں کے گمن کیوں گانے لگا ہے۔ ہر بات میں کنڈی والیوں کے ساتھ ہے؟

ایک روز میں نے کہا "یار یہ کنڈی والیاں کہاں واقع ہے۔ کتنی دور ہے تو؟"

بے چارے "وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا" یہی تو قیامت ہے کہ اپن وہاں مجھے ہی نصیبی۔ ہانگل ہنصیبی کنوئیں پر بیٹھے ہیں پر تیا سے ہیں۔ محمود نے کئی بار یہاں کپ کپ میں اپنے مصروف رہے کہ محل و فرد جواب دے گئی۔ دیکھ لو! انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب تیار ہو اور میں کوس پر تیار ہوں ہاتھ سے لکھا جا رہا ہے۔ نیار میں ہیں کنڈی والیوں کی۔ اب پھر محمود نے بلایا ہے۔ اس کی بمن کی شادی ہے۔

"اور کس بات کا؟" رضائے پھر اپنی ہانک تک گھمائی۔

"پتہ نہیں مل دھک دھک کرتا ہے۔"

"تو پھر کنڈلی والیاں نہ چلے۔"

"کیوں۔"

"اس علاقے کے لوگ اونچے لمبے ہوتے ہیں۔ لوہر جنبیاں واقعی ہیں۔"

لوہے تھوڑے سے بدن، ہاتھ پکڑ لیں تو چھڑائی نہ جائے۔

"اچھا۔" میرا دل دھک دھک کرنے لگا میری آنکھوں کے سامنے لوہی لمبی بھرے۔

جنبیاں آکڑی ہوئیں۔ جی چاہئے لگا کہ کوئی میری ہاتھ پکڑ لے، ایسی پکڑ لے کہ پھر ہاتھ

جائے۔

"یہ جی آکھیں کہ ہر گنگھیں۔" رضائے کہا۔

میں چونک پڑا۔ "میں نہیں کچھ بھی نہیں۔"

"ہول پھر جانا چاہتا ہے کیا۔"

"کیوں۔"

"لوہر کنڈلی والیاں ہیں۔"

"کیا وہاں واقعی کنڈلی والیاں واقعی ہیں۔"

"مجھے کیا پتہ؟" رضابولا۔ "چل چل کر دیکھ لیں گی۔"

"اور اگر وہاں چلائی ہو سکتی تو۔"

"میں جو تیرے ساتھ ہوں گا۔" رضائے مجھے حوصلہ دیا۔

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ ساری رات کنڈلی والیاں میرے گرد بختی رہیں اور

امید پر کھڑا رہا کہ کوئی میری ہاتھ پکڑ لے، ایسی کہ چھڑائی نہ جائے۔

دراہٹ میں ایک تخیلی فرد قہار میرا جسم لٹکا اور ذہن گرم۔ سارے جسم

ذہن میں ہلکے ہو گئی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

"میں نہیں کنڈلی والیاں پہنچے تو دوسرا کا وقت قلم محمود ہمیں بڑے تپاک سے

اٹھائے گا۔"

"لوہے کی دور تھی" جسے وہ لوگ مروانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

اس علاقے کے لوگ اونچے لمبے ہوتے ہیں۔ لوہر جنبیاں واقعی ہیں۔"

لوہے تھوڑے سے بدن، ہاتھ پکڑ لیں تو چھڑائی نہ جائے۔

"اچھا۔" میرا دل دھک دھک کرنے لگا میری آنکھوں کے سامنے لوہی لمبی بھرے۔

جنبیاں آکڑی ہوئیں۔ جی چاہئے لگا کہ کوئی میری ہاتھ پکڑ لے، ایسی پکڑ لے کہ پھر ہاتھ

جائے۔

"یہ جی آکھیں کہ ہر گنگھیں۔" رضائے کہا۔

میں چونک پڑا۔ "میں نہیں کچھ بھی نہیں۔"

"ہول پھر جانا چاہتا ہے کیا۔"

"کیوں۔"

"لوہر کنڈلی والیاں ہیں۔"

"کیا وہاں واقعی کنڈلی والیاں واقعی ہیں۔"

"مجھے کیا پتہ؟" رضابولا۔ "چل چل کر دیکھ لیں گی۔"

"اور اگر وہاں چلائی ہو سکتی تو۔"

"میں جو تیرے ساتھ ہوں گا۔" رضائے مجھے حوصلہ دیا۔

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ ساری رات کنڈلی والیاں میرے گرد بختی رہیں اور

امید پر کھڑا رہا کہ کوئی میری ہاتھ پکڑ لے، ایسی کہ چھڑائی نہ جائے۔

دراہٹ میں ایک تخیلی فرد قہار میرا جسم لٹکا اور ذہن گرم۔ سارے جسم

ذہن میں ہلکے ہو گئی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

”زبانی سے ڈرتا ہے۔“ ارجمند نے منہ ہٹایا۔

”ہاں۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی اور دیرانتی ہے کہ اہل دو جوانوں کا حوالہ کر کے بڑے رشتے آئے پر وہ نہیں مانی۔ شرم کا ایک غٹھا پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے دھمکیاں دیں، شادو نے ڈانگ مار کر کسی کی ہانہ توڑ دی۔“

نہ نہ نہ ارجمند بولے! اپنی توسل پسند آدمی ہیں، اس پہلو ان کو چھوڑ کر کسی اور کی بات
رضا اور میں بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ رضا کے انداز میں یہ
تھی۔ لیکن میرا دل دھک دھک کر رہا تھا میں چاہتا تھا کہ مرد اس "پتہ" یا "قاصد" سنانا
دیر عورت پر میری جان بھتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں شرما کر بیٹھے ہیں جانے والی عورت
دلچسپی نہ تھی۔ ————— آگے بڑھ کر بانہ نہ پکڑ لینے والی عورت سے مجھے عشق
اتنے سارے مردوں میں آگے بڑھ کر کہے۔ "مجھے ہی دیکھتا ہے۔ ٹا۔ دیکھتے دے" تجھے کیا
ہے۔"

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ میں جرات نہ تھی۔ میں ہنچک کر اڑ کر پیچھے ہٹ
 والا دروازہ تھا۔ اس لیے میری آرزو تھی کہ کوئی ایسی ہو جو آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑے 'ایسے'۔
 چنر کی نہ جاسکے۔

پھر محمود ہمیں اپنے کھیتوں میں لے گیا۔ وہاں ایک بار پھر شاہو کی بات چل پڑی اور سارا وجود گویا کلن بن گیا۔

”شادی پر میرے بڑے بھائی کی نظر تھی۔“ محمود زیر لب یوں ”لیکن اس نے نہ کہا،
 ہاتھ دھو کر میرا گرازا نہیں، میں تو کسی اپنے بیسے کے گرجاؤں کی۔“ غمیل پر ہنسا۔
 ”نہیں تھی۔“

بھائی نے کہا "غلل کی تو تو خود ہے۔" کہنے لگی "تو مجھے ایسا دیکھے ہے جیسا میں دکھاؤں دیکھنے پر نہیں جاتے، اصل پر جاتے ہیں، تو مجھے نہیں جانتا۔"

محمود نے پھر سے بات شروع کی، اس علاقے کا جانا پچانا نا کو جڑا ہے۔ حیرے نے کہا شادو وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے تو۔ یہاں آ جا میرے پاس، میرے گھر والی بن کر۔

میں نے اسے

والہی محمود نے جواب دیا۔ چرا پھر گید اس نے کہا پھر جو آپ نہ آئے گی تو
 اداں گا۔ شادو نے کہا کہ اسے دہا بے شک آجیہ پر اکیلے آنا بے خبری میں
 اداں گا۔ اس کی طرح۔ میں بھی کسی دوسرے کو خبر نہیں دلاں گی پھر جو تو بے جا ہے تو
 اداں گا۔ تو پھر نہ ہر ملک ملے رکھاں جیون بھر۔"

”اما“ نمود و بولا: ”شاید آجانبے کسی روز آجانبے پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو“

ملق میں جنسی ہوئی تھی، بولنا مشکل ہو رہا تھا۔
 "نہ لگتا کہ تم کو کُرش اور گوبیوں جیسا ملاپ چاہتے ہیں، دنگا فسلو نہیں۔ یہ
 "میں سورا ہے۔"

ہی ہوتی ہیں، جی دار، نڈر، کروکھلے، ول شکر کی بنی گئی
 و شکر کی بنی گئی۔

میں گاؤں میں گھومنے گئے تو وہاں ہی عجیب حالت تھی۔

میں نے وہی سے سونا چیتکا چارہ اٹھا۔ ارشد گھبرا گھبرا اٹھا۔ مجھے میں نہیں
 لگا۔ وہ روپ بھرے یا خیر کی سے پتا چائے، جیسے وہ بزرگوں کے رویہ کیا کرتا تھا۔
 اسے ہن پر سرخ خوشیوں سے رنگ رہے تھے۔ سریوں میں جن کر رہا تھا جیسے

۱۱۱. الیٰ اعدائکم فاعلموا انکم
مکذوبون

ہم سو فی لکڑی کی طرح سخت سے پٹنے سے ہوتے ہیں۔ ہم سو فی لکڑی کی طرح سخت سے پٹنے سے ہوتے ہیں۔

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

اور عین تو ہاں ہیں ہاں نہ جینینا نہ بھانا نہ آکھیں مٹکانہ نظر میں

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بیگنوں کو دیکھ کر جینپ کر بیچے نہیں مٹی تھیں، بلکہ ہوا
بے باکی سے کھڑی رہیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے وہ کتنی شرمیلی ہی نہ ہوں۔ جس طرح
شہری بیگنات خرابے والوں کے دروہیوں کھڑی رہتی ہیں جیسے وہ مردی نہ ہوں۔

وہ ایک نے تو مجھ کو نہیں دیکھا تھا اور پھر محمود نے پوچھا تھا کہ کون ہیں یہ محمود کے ہوا
پر کہ مہمان ہیں شہر سے آئے ہیں، تو ان کی نگاہوں میں نری آگئی تھی۔ ہم لکھتے کہ وہ اپنا
کلم کلاج میں مصروف ہو گئی تھیں۔

ارے! ارشد انہیں دیکھ کر چلایا۔ یہ کیا چیزیں ہیں نہ ہائے، نہ لونی لٹہ۔ نہ کھر پھر
شرم نہ جینپ انہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ کون تھیں ہیں۔ یہ ہم کہاں آجینے ہیں۔

”میں پتہ نہیں“ محمود بولا۔
تو پھر یہ مردوں کو دیکھ بھائی کیوں نہیں۔

”یہ شہر والوں کو مرد نہیں سمجھتی۔“ محمود بولا۔

”بڑا پیمان ہے ہمارا“ ارشد بولا ”عورت ذات تو محبوب ہوتی ہے“ اسے تو ہر مرد کو
کھینچنا چاہیے۔ محمود بولا ”شہری عورت محبوب ہوتی ہے۔ گھڑوں کی نہیں۔ یہاں کی عورت

تو عاشق ہوتی ہے۔ کوئی ہلدار وہاں بے نیاز مرد کو مرکز ہائے تو اسے دیکھے گی۔ ہر کسی کو نہ دیکھتی ہے
نہ اپنا آپ دکھاتی ہے۔“

کچھ دیر ہم گھڑوں میں گھومتے پھرے۔
مجھے صرف ایک لگن تھی ہوئی تھی کہ کسی طرح شادو نظر آئے، لیکن اس کے گھر کا دروازہ

باہر سے بند تھا۔
”کیس باہر گئی ہوئی ہے۔ شادو“ محمود نے بند دروازے کو دیکھ کر کہا۔

شادو کے گھر کے سامنے کچھ دیر تک ہم منڈلاتے رہے، لیکن وہ نہ آئی۔ گھڑوں کی گھول
میں اول تو گھومنا پھرنا بہت میوہ ہوتا ہے، کھڑے رہنا تو پاگل ہی جہانم فعل ہے، لہذا وہاں

زیادہ دیر کے لیے رکا ممکن نہ تھا۔
چہاں سے میں پہنچ کر میں تو لیت گیا شادو گوند دیکھنے کی وجہ سے، مجھ پر ایسی چمٹکی ہوئی

تھی۔ ارشد تو گھڑوں میں آکر اپنی تمام تر حیثیت کو چھوڑ چکا تھا۔ ”لا حول ولا قوہ“ وہ مٹکنا رہا تھا یہ

نکلیں۔

میں چپ چاپ کھڑی سے لگا دیکھے جا رہا تھا۔

"تو کیا دیکھ رہا ہے بھو۔" رضیہ بار بھجھ سے پوچھتا۔

"اے کیا پتہ کہ دیکھنے والی چیز کیا ہوتی ہے۔ بالکل کورا تھا یہ۔ وہ تو میں نے آٹا
باقاعدہ بسن دگر سکھائے، پھر کہیں کچھ سدھ بدھ پیدا ہوئی۔ کیوں بے جا ہے یا نہیں
میری تمام تر توجہ پردوس کے گھر کی طرف مرکوز تھی۔ میں اس امیہ پر کھڑی سے آٹا
کہ شاید شاید نظر آجائے۔

پردوس والے گھر کا صحن چاندنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ صحن کی ایک جانب درخت
چھپر سا پڑا تھا۔ چھپر میں چڑھا ہوا ایک اندھی لالہ سین کے گرد دوسلے حرکت کر
تھے۔ کبھی کبھی ایک سایہ درمیان والی دیوار پر آکھڑا ہوتا اور دیوار کے اوپر سے محمود کے گھر
جھانکتا، لیکن ایسے دوسلے سے دیکھنا کہ گیس کی روشنی اس کے چہرے پر نہیں پڑتی تھی۔
"اوسے نیچے آرجنہ چلایا، کیوں اپنی آنکھیں خراب کر رہا ہے تو؟" ہوا دھڑکھائی
تھے تو دیکھ رہا ہے۔"

"یہ شاید کوڑھوڑ رہا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"سبہ انہی میں بیٹھی ہو گی کس نے یہ جو قہر ڈکلاں ملے نیچے صحن میں ڈھیر ہو رہا ہے۔
کچھ آئی امیں کو یہ محمود ہے۔ تامل جھوں میں رہ کر اس کا شیڈرو کتنا ہو گیا ہے۔

ارجنہ نے لپک کر گئے اٹھایا اور چارپائی پر سے مارا۔ کیوں خواہ مخواہ اپنا پھول خرچ
ہے تو دھڑکھائی حرکت نہیں ہوگی۔ بیٹھ میں تاش کھیلے آرام سے۔
کچھ دیر تک ہم تاش کھیتے رہے پھر آکر سو گئے۔

جیراڈا کو

رات کو کسی نے میرے شانے جھنجھوڑے۔ میں ڈر کر اٹھ بیٹھا دیکھا کہ رضیہ جھجھکا رہی تھی۔
ہے۔

"کیا بات ہے۔" میں نے پوچھا۔

کہہ رہی تھی۔ "رضیہ نے کہا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"تو کیا دیکھ رہی ہے؟" رضیہ نے پوچھا۔

عورتوں کا شور من کر اورد گرد کے گھروں میں حرکت ہوئی۔ ایک دروازہ کھلنے کی آواز
اس پر گلی میں کھڑے ایک ڈاکو نے چلا کر کہا "کوئی گھر سے باہر نکلا تو خیردار۔ اپنے اپنے گھر
کے اندر رہو۔ کسی نے دخل دیا تو جیڑا بھی نہیں بٹھے گا۔
اس اعلان کے بعد چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں "مدم تو آوازیں۔"

"یہ تو جیڑا ہے۔"

"جیڑا آیا جیڑا۔"

"باہر نہ نکلا جیڑا ہے۔"

پھر آہستہ آہستہ وہ آوازیں مدم پر پڑتی گئیں۔

بچے عورتوں کی آوازیں بھی ختم ہو گئیں۔

سارے گھوک پر سنا چھٹا۔

میری نگاہیں شلو کے گھر پر گئی ہوئی تھیں۔

محسن دیرین پڑا تھا۔

پھر دیوار پر ایک سایہ سامنے لگا اس کو نے کی چمب جہاں درخت تلے ڈاکو کھڑا تھا

آہستہ آہستہ سایہ ابھرا نکلیا۔

پکڑو دھکڑو

دلچسپ کسی نے چھٹا لگ ماری۔ درخت تلے کھڑا ڈاکو چونکا "کون ہے۔" وہ چلا آیا۔ اس نے

آواز میں رعب تھا "دھکی تھی۔ پھر ایک ساعت کے لیے درخت کے نیچے پکڑو دھکڑو سنائی دی۔

"اگر یہ تو عورت ہے۔" اور جھنڈ چلا آیا۔

"اس نے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی ہے۔" رشا بولا۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

ڈاکو نے بہت کوشش کی کہ بیٹی چھڑا لے۔ وہ دونوں لاکھڑائے ہوئے محسن کے درمیان

آہستہ

دھکڑو دھکڑو پلٹے پلٹے دھکڑو دھکڑو ہو گیا۔ اور مرنجھن سے کٹ کر چمٹ سے جا گیا

ہاں کی ہانڈی میں شلو کھڑی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ہار پھر اپنی کھائی چھڑائے کی کوشش کی۔ شلو نے ٹپ کر اس کے چہرے کا

پھر

"اوپر۔" "اوپر۔" "تو ہے جیڑے۔"

وہ اعلیٰ کھڑا رہا۔ وہ تھک کر لمبے سانس لے رہا تھا۔

"مدم گاؤں پر ہی پڑنا تھا تو نے۔" شلو بولی۔

"مدم گاؤں پر تو نہیں پڑا میں۔"

"اوپر۔" "اوپر۔" "تو ہے جیڑے۔" اس گھوک کے سارے گھر میرے ہیں۔"

"اوپر۔" "اوپر۔" "میں تیرے گھوک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

"اوپر۔" "اوپر۔" "تو میں تیرے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

تو نے ایک بار پھر کھائی چھڑائے کی کوشش کی۔ شلو گیند بن کر اس کی ہانڈ پر ٹپ

کر دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں گھٹڑ رہے، لیکن بیٹی نہ چھٹی، پھر دونوں اپنے اپنے گھر

پھر

تو نے اپنی ہاتھ پوری کرتی ہوئی۔ مدم کھانا میں اپنے ہاتھوں سے کروں گی اور

تو نے اپنا ہاتھ چھڑا کر دھکڑو دھکڑو کر دیا۔ "کبھی۔"

"اوپر۔" "تو ہے جیڑے۔" "تو ہے جیڑے۔"

مدم کے ہاتھ پر پڑنے لگے۔ اگر مدم ہے۔

"اوپر۔" "تو ہے جیڑے۔" "تو ہے جیڑے۔"

مدم کے ہاتھ پر پڑنے لگے۔ اگر مدم ہے۔

مدم کے ہاتھ پر پڑنے لگے۔ اگر مدم ہے۔

مدم کے ہاتھ پر پڑنے لگے۔ اگر مدم ہے۔

"اوپر۔" "تو ہے جیڑے۔" "تو ہے جیڑے۔"

مدم کے ہاتھ پر پڑنے لگے۔ اگر مدم ہے۔

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔

"خیردار" شاد چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چمڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔
"خیردار" شاد چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چمڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

زنانی اور جنسٹرا

میں ۲۵ سال پرانا واقعہ ہے ملازمین کے ساتھ "از سر نو چٹا جا رہا تھا۔" چپے کی طرح انگریزی لے کر کھڑی ہو گئی۔ رک چلا وہ کپ والوں کو حرکت کی تو میں نے اسے لہان دی ہے۔ مجھے اپنا وعدہ بھانا ہے ہار چھوڑ کر آتی ہوں "چل وہ مجھ سے بولی "ڈر میں میں جبرے کے پیچھے چل پڑا، جس طرح کنڈلی والیاں میں جبراشد کے پیچھے چلے گئے اور گھبراہٹ ہوا کہ اور پیچھے چلی ہوئی تھو مجھ سے چلی جا رہی تھی "دور ہے" اور دور ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ "آئی پو چ رہی تھی۔"

میں نے کہا کہ "نہ کمر کر کلا۔"

میں نے کہا کہ "پہ تھے۔"

میں نے کہا کہ "میرت سے پوچھا۔"

میں نے کہا کہ "دور سے اور دور سے۔"

میں نے کہا کہ "میں کہا کہ۔"

میں نے کہا کہ "میں تھی۔"

میں نے کہا کہ "میں آواگ۔"

ساری رات کنڈلی والیوں میں چہ پارے سے شلو کو دیکھا رہا۔ چاندنی سے بھرے درخت کے نیچے شلو میری بنی پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ میرا جی ہار ہوا تھی میری بنی پکڑے بیٹھی رہے "بیٹھی رہے" اور اسی طرح زندگی بیت جائے۔

جائے سینے

چہ پارے کی کمری سے میں خودی اس منکر کو دیکھ رہا تھا اور ویزے میں "درخت" سے خودی شلو کے ہاتھوں میں اپنی کلائی تھامے بیٹھا تھا ہر چند منٹ کے بعد میں کلائی چھڑانے کی شدید جدوجہد کرتا ساتھ ہی ڈرتا کہ کہیں وہ کلائی چھوڑ نہ دے۔ کھیل گڑ نہ جائے "کہیں لمس ٹوٹ نہ جائے" کہیں شلو اس کھیل سے آگاہ نہ جائے۔ "جائے" کہیں اس پر یہ بھید نہ کھل جائے کہ یہ مقابلہ میں کھیل ہے "ایک ایسا کھیل" کی ساری پیچیدگیاں تھیں کی چارپائی میں۔

یہ شلو جس نے میری بنی پکڑ رکھی تھی کنڈلی والیوں کی شلو نہ تھی بلکہ تھی۔ سائلو رحمت، "تھیلے نقش" کھانے والی آنکھیں اور ایک عجیب شان ہے نیازی

میں نے کہا کہ "پہ تھے ہیں" جائے کے خواب "کئی دلوں سے دیکھ رہے ہیں آپ۔" پتہ "میں نے کہا کہ "میں آگاہ تھیں۔" ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "میں آگاہ تھیں۔" وہ ایک نیک پاک اور پرہیزگار عورت تھی۔ "میں نے کہا کہ "میں آگاہ تھیں۔" وہ شہر کی محتاج تھی "جس طرح عورتیں ہوتی ہیں" میں نے کہا کہ "میں آگاہ تھیں۔" وہ خواب دیکھا اور ان میں کوئی عورت پیش پیش ہوتی تھی "میں نے کہا کہ "میں آگاہ تھیں۔" پتہ چل جاتا تھا۔ کتنی عجیب بات

میں نے کہا کہ "میں آگاہ تھیں۔" خیر میں آتی۔ خیر نہ آئے تو ڈراؤ نے خواب آتے

ہیں۔
یہ تو سارے خواب معلوم دیتے ہیں، وہ بولی۔ پیٹ خراب نہیں کچھ اور خراب ہے۔
کر وہ نہیں پڑی۔
دوختا، ٹٹو سامنے آنکھیں ہوتی، بولی یہ بے چاری تو معصوم ہے، اسے کیا پتہ خوابوں سے
سے بحث کیوں کرتا ہے تو۔

نہیں نہیں جہاز و ہم ہے، میں نے اقبال بیگم سے کماگئی بات نہیں۔
بات تو آپ کے ہاتھ پر رکھی ہوئی ہے، اس نے جواب دیا۔
کچھ کہتی ہے، ٹٹو مسکرائی، بات ہاتھ پر رکھی جاتی ہے، چھپانے سے نہیں چھپتی۔ اور
بات تو اتنا بڑا ہے۔
میرے ہاتھ پر تو کچھ بھی نہیں لکھا ہوا، میں نے اقبال سے کہا۔

ٹٹو قہقہہ مار کر نہیں۔
آپ سے کون سر کھپائے، اقبال بیگم نے آہ بھری۔ آپ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔
بے وقوف ہوں جو بات کرتی ہوں۔ جب سننے والا ہی موجود نہیں، تو بات کرنے کا فائدہ...
ہوتی چلی گئی۔

اگلے روز صبح سویرے ہی میں کیمپ کی طرف چل پڑا۔ صبح کے وقت میرا دہلی ہوئی
تھا۔ اور کام تو میں نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ کام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس
میں کیمپ میں باقاعدگی سے جاتا تھا۔
حسب معمول میں کیمپ مینٹ سے نکل کر اوپر کو چل پڑا۔

اتنی قریب۔ اتنی دور

دوختا، میں دگ گیا۔ دنگر سے باہر، بالکل ایک طرف، وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی
ہی تھی۔ ایک دو ٹانگے لگا کر پھر دور نہ چلے کہ درخت کیسے گتے، دیکھتی رہتی، دیکھتی رہتی،
جیسے کوئی ہوا اور سلائی کا کپڑا وہ میں پڑا رہتا، پڑتا رہتا، پھر وہ چوتھی، لمبی، آہ بھرتی اور پھر
دوختا، میں دگ گیا۔ دنگر سے باہر، بالکل ایک طرف، وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی
ہی تھی۔ ایک دو ٹانگے لگا کر پھر دور نہ چلے کہ درخت کیسے گتے، دیکھتی رہتی، دیکھتی رہتی،
جیسے کوئی ہوا اور سلائی کا کپڑا وہ میں پڑا رہتا، پڑتا رہتا، پھر وہ چوتھی، لمبی، آہ بھرتی اور پھر
دوختا، میں دگ گیا۔ دنگر سے باہر، بالکل ایک طرف، وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی
ہی تھی۔ ایک دو ٹانگے لگا کر پھر دور نہ چلے کہ درخت کیسے گتے، دیکھتی رہتی، دیکھتی رہتی،
جیسے کوئی ہوا اور سلائی کا کپڑا وہ میں پڑا رہتا، پڑتا رہتا، پھر وہ چوتھی، لمبی، آہ بھرتی اور پھر

میرے ہندو مذہب کا رہنے والے تھے۔ میں نے جواب دیا۔
کیا اے گاجے! اس نے پھر کانٹا لگاتے ہوئے کہا۔
نہ۔ میں کیا مانگا ہوں، کچھ جھجک سے۔ کچھ کتابوں۔
کیوں نہیں کتاب کچھ؟ وہ بولی۔ کیوں نہیں مانگا۔
تو ناراض ہو جائے گی! اس نے۔
وہ گفتہ مار کر کسی میں کیوں ناراض ہونے لگی خواخوڤ۔
پھر مجھ سے گھبرائی کیوں ہے۔
خواخوڤ! وہ مسرکاری۔

شرابی جو ہے۔
 چھہ سے؟ اس نے قہقہہ لگایا۔ کوئی کھجور کا جینز ہوتا تو شرابی بھی 'دورک' مگنی۔
 لوریہ جو اسنے سارے مردوں کیپ میں ہے جینز۔ تمہیں جین کیا کہنے نے پوچھا۔
 یہ تو شرکے ہیں، وہ بولی۔
 شرکے جینز۔ تمہیں ہوتے کیل۔
 یہ تو بڑے ہیں، چٹانوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تو بھی تو بڑے ہے۔
 اجمل۔

یہ بار کچھ نہیں کہتے۔ تو بھی تو کچھ نہیں کہتا تھا ————— رو چپ ہو گئی۔
 آواز میں بول۔ جو کچھ میں انگلیاں نہیں کہتا اس سے کیا شراعت
 میں سمجھا تھا کہ کچھ نہ مانگا ایک بہت بڑی خبیث ہے جو صوفیوں کے خلاف ساری بدکاریاں
 دعو دیتی ہے۔ اس کی بات سن کر میں ہلکا ہلکا رہ گیا۔

وہ بھی مرو ہوا ہے کیا وہ بھی جھکی نگاہوں سے سینے ہوئے پوئی جو کچھ نہ مانے
کے اور یہ پاؤ لوگ ناکیں بھی تو مت کر کے اٹھتے ہیں۔ کبھی مرو بھی منت کرنا ہے بھلا
میں نے کبھی اس ڈاؤن سے نہ سوجھا تھا۔ میرا سارا فلسفہ دھجیاں بین کر اڑا گیا اور

UrduPhar.com خاموش ہو گیا

نہ جانے کب تک ہم دونوں خاموش رہیں گے؟

UrduPhoto.com

کہیں، دیکھتا جب میری نگاہوں میں باغی نہ تھی تو کیسے دیکھتا میں
 اس کی تو کئی، تنہا باندھ کر دیکھتا مرد کا کام نہیں، اس کا کام ہے
 اس کو دیکھنے اور دیکھنے کو دیکھنا ہوتا ہے۔
 ہوتا ہاں اس کی خوشبو سے گرد پیش ہوا تھا۔ اس کی موجودگی
 ہوا کا تھا، چھپ چھپ۔

$$-\frac{1}{4}V_1^2 \ln \frac{1}{2}$$

ہم نے انہیں پاپوں کا ایسا نہیں۔

$$-\frac{1}{4} \left(\frac{1}{4} - \frac{1}{8} \right) = -\frac{1}{32}$$

-e M'

... کہ میں تو سب مجھے چڑی کہتے ہیں۔

میں نے حیرانی سے دہرایا۔

١۔ لڑائی تھی۔ چڑی، اس کے پروں پر کالے سفید ٹمکنے تھے۔ کالا پاری تھی۔ پالائے میرا نام بھی چڑی رکھ دیا، وہ بھنے لگی، بس۔

اس طرح مضموم باتیں کر رہی تھی۔ شیرنی پتہ نہیں کیا ہوگی تھی۔ اس
بھڑکا چھوٹا سا لیلہ ہو، جو کھا نہیں بھرتا ہے، شوخاں کرتا ہے۔

۱۱۔ میں نے پوچھا۔

پولی۔

$$-\frac{1}{2} \Delta^2 \left(\frac{1}{\Delta} \right) = \frac{1}{2} \Delta$$

۱۱۔ سہ ماہی: یہ ایک خاص قسم کی مچھلی ہے جسے کھانا لکھنا، وہ خاص طور پر کھاتی ہے۔

اگر میں اچھی نہ لکھی تو کتنا اچھا تو ہے نہ خون خرابا
 دل چاہتا ہے کہ میں آپ کو بھی لکھ دوں۔

میں نے بھی نہیں دھوا کرتی تھی۔ بڑے کپڑے نہیں پہنتی تھی کہ

پہلے کے بعد اس نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔ ہمارے گھڑوں میں ایک تو

پہلے سے بات۔ چمن زمیندار ہے، پیسے والے سے چٹ پیسے والے ہیں۔
 وہ دیکھ کر مڑ کر کہتے تھے۔

ایک اور شخص نے پوچھا۔

و گفتا: "وہ سنجیدہ ہو گئی، لو اس۔ اب تو کہیں کی بھی نہیں" وہ آدھ بھر کر پانی پی کر۔
کہاں کی۔

میں نے محسوس کیا جیسے وہ ایک دم پتھر سے چینی کی بن گئی ہو۔ اور اور —
 کسی نے اسے چھیڑا تو وہ چور چور ہو کر گر پڑے گی اور وہاں درخت تلے چینی کے پورے
 لگ جائے گا۔

دیر تک میں خاموش بیٹھا رہا۔
 پتہ نہیں کہیں تھی وہ۔ اس درخت تلے نہیں تھی ہر محل۔
 آواز میں بولی جو میں نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔
 کیوں؟

نہ آیا، مں مرتے، نہ بھائی فزع ہوتا، نہ پٹھان مورچہ لگاتے، نہ جاٹ کٹ
بیرنگیا کرتے۔

یہ سب تو پاکستان بننے کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ فصلات تو مشرقی پاکستان کے

تجھے نہیں پہنچے وہ بولی۔

ہمیراسیاں

بھروسہ نہ تھا، چڑی نے بات بھرتے شروع کی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا، پہ نہیں لیا۔ بھروسہ نہ تھا، مار کر دھکے کے سامنے چٹکے لگا کر کہنے لگی، یہ میں کیوں چٹکے گا میری سیلیوں نے کہا چڑی ضرور یہ تمہارے لیے بیٹھا ہے۔ اس پر میں دڑ گئی، 'اب کیا میرے دل میں کھتر پہنچے ہوئے گی۔ یہ بھرتا میرے لیے بیٹھا ہے' میرے لیے۔ اس وقت کچھوں کے سامنے موہا پر کچھوں پر گئے ہوئے تھے کھائی کے دن تھے۔ آگے بچا کر باہر لگی۔ باہر چل کر تو وہ بٹ بٹ میری طرف دیکھنے لگا۔ میری طرف نہیں دیکھا ہے تو میں نے جموت موٹ پر چھاپ

پڑی تھی۔

کچھ دیر کے بعد نوجو نے لمبی سانس بھری۔ پھر پاکستان بن گیا اس نے کھلوا بیٹھا۔
بھی مان جاو رہے تھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گاؤں کا ایک آدمی بھی پاس
پہنچے گا۔ سیدھی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی تیرا سا ہوں۔

پھر میں نے بے لنگی سے پوچھا

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کہا اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کہ دکھایا اور کیا

کیا گاؤں کا کوئی آدمی نہ بچا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر لٹکی میں بلایا۔

تو کیسے چل گئی، میں نے پوچھا۔

نہ جیتی تو اچھا ہوتا چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کیوں؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ نہیں اُٹتی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگنی دنیا ہے۔ وہ بولی۔

اچھا ————— کیوں کیوں؟

بس یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں نہ جسے میں نہ دیکھتا۔

تو مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھر اد

پڑی تھی۔ میرے نے خاتون کو کھلا بیٹھا اگر چڑی کو

کچھ دیر کے بعد نوجو نے لمبی سانس بھری۔ پھر پاکستان بن گیا اس نے کھلوا بیٹھا۔
بھی مان جاو رہے تھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گاؤں کا ایک آدمی بھی پاس

پہنچے گا۔ سیدھی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی تیرا سا ہوں۔

پھر میں نے بے لنگی سے پوچھا

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کہا اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کہ دکھایا اور کیا

کیا گاؤں کا کوئی آدمی نہ بچا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر لٹکی میں بلایا۔

تو کیسے چل گئی، میں نے پوچھا۔

نہ جیتی تو اچھا ہوتا چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کیوں؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ نہیں اُٹتی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگنی دنیا ہے۔ وہ بولی۔

اچھا ————— کیوں کیوں؟

بس یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں نہ جسے میں نہ دیکھتا۔

تو مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھر اد

گھر اد

گھر اد

گھر اد

گھر اد

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

نصیبی 'اس نے کہ بھری' میں پھر بچ گئی۔
وہ پھر خاموش ہو گئی۔

ہم دونوں نہ چلے کئی دیر چپ چاپ بیٹھے رہے، یوں لگا جیسے صدیاں بیت گئی
آسمان پر گرد کی ایک تہہ سی بدلی کی طرح چھا گئی تھی، سورج اس کی آوت میں
فضا میں گرد کا گرد ارباب بھرا ہوا تھا۔ سب کچھ سمورا نظر آ رہا تھا۔ ہوا تیزی سے چلا
چاروں طرف گرد آلود دیر لپٹی چھا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے میرا شانہ پکڑ کر بھجوا دیا۔

میں نے چونک کر پیچھے دیکھا، پیچھے چڑی کا چانچا کھڑا تھا۔

ہوش کر، وہ بولا کچھ ترہے پتے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سب ترہے میری رو بہ رہے ہیں، یوزے نے کہا، بڑی ہاری آکر تجھے دیکھ گئی۔
کے پاس کیوں بیٹھا ہے۔

زنتی

کیوں نہ بیٹھے، شیرنی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ کولوں پر رکھے۔
سینہ تن گیا، آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

میں نہیں کہتا یوزے نے کہا، وہ کہتے ہیں۔

وہ کون ہیں، چڑی نے آگے بڑھ کر چلا کر پوچھا۔

وہ ————— جو سامنے کھڑے ہیں۔ یوزے نے اشارہ کیا۔

ہم سے ہیں جیسا کہ تم پر ہے، چہرہ مات کب کے کھڑے کھڑے ہمیں گھور رہے۔

یہ ہاتھ جو سامنے کھڑے ہیں، چڑی با آواز بلند حکمت سے بولی۔

انہیں دیکھا نہیں کالی یوزے بچا نے کہا، وہ اسے پکڑ لیں گے۔ وہ اسے

اکیلا ہے۔

کون کہتا ہے، یہ اکیلا ہے، شیرنی غرائی یہ اکیلا تو نہیں، میں جو اس کے ساتھ ہوں۔

ازاد کر دیتے، اٹھا دیا اور پھر پیچھے ان ہاتھوں کی طرف کھینچنے لگی۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔ کیا کہتے ہو تم، وہ غرائی۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آگیا، کسی طرف کی رو میں آگیا ہوں۔

میں نے اس کو دیکھا تھا۔

گھر میں سو کن آجی تھی۔ اور اہل اپنے ہی گھر کی نوکرائی بنادی گئی

وہ کہتا ہے کہ اگرچہ وہ کھانا کھا کر صحت مند ہو گیا تھا مگر اس کے دل میں اب بھی ایک گہرا غم تھا۔

سوئی سلائی کے کام میں لگ گئی۔ فارغ وقت میں وہ

میں نے اسے دیکھا تھا کہ وہ چور ہو چکی تھی۔ لیکن چورے کا ضمیر

پڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ اور میں نے اس کی ہر امید کو بڑی سچے
 سے چل ہاتھ تھک جب بھی میری زندگی میں کوئی واقعہ ہوتا تو لوگوں کو پتہ
 نہ چلا کہ یہ رو ہوتا ہے ابھی رہے تھے گی۔

ہاں صاحب کی بیعت کی تھی۔ حاجی صاحب اسے ہونے والی بات سے
 روک دیا کرتے تھے، حالانکہ حاجی صاحب دل میں رہتے تھے۔

یہاں اس کی کمی کے لئے کوئی پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن مجھے پتہ تھا کہ اسے
میں نے پتہ چل جاتا ہے اور وہ مشکل ہو جاتی ہے۔

میں نے اسے بھٹ نہ کی تھی، مجھے کبھی کسی بات سے روکا نہ تھا۔ میری بات

چراغ

چار چہرے دل گھر میں میں بے بارو مدد گھر پڑا رہا مجھے یوں پڑے دیکھ کر لیں گے
چور چور ہو گیا اقبال کو شب پڑ گیا کہ میری فکری جھوٹ پکلی ہے 'اب کیا ہو گا۔
کسی کچھ اور کو گویا گھر کی اداسی اور گمراہی ہو گی۔

شام کے وقت دروازہ بند

کھولا تو میرے دروازہ چراغ کھڑا تھا۔ جسے ہم بیارے گلی کہا کرتے تھے۔

گلی میرا بچپن کا دوست تھا۔ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ اور سونے کے سار

چل نہ سکتا تھا۔

گلی اگرچہ لنگڑا تھا، لیکن قہامت دلیر۔

جہت سے پہلے وہ امرتسر میں دکن کرتا تھا۔

تو گلی نے میرے سے پوچھا 'امرتسر سے کیسے آیا تو' امرتسر میں تو لکھنؤ
کر دیے گئے۔

کوئی بات نہیں 'وہ بولا' امرتسر کا کوئی مسلمان چار ہندوؤں کو مارے بغیر نہیں رہا۔
مارے تھے۔ اس کے بعد میں مارا بھی جاتا تو کوئی غم نہ ہوتا۔ لیکن میں بچ گیا تھا۔
گیا۔ اب ہم ٹوبے جارہے ہیں۔ چار دن کے لیے یہاں رکے تھے۔ میں نے کہا تجھے مل
گلی کے آنے سے گھر میں چل پھل ہو گئی۔

رات کو میں نے گلی سے کہا 'میرا ایک کام کرے گا۔ کپ میں جا کر پتہ لگا دو۔'
کیا حال ہے۔ میں نے اسے ہاتھ کی ماری گلی سنا دی۔

وہ ہنس بولا چور چوری سے چائے کا میز ابھیری سے نہیں جانے گا۔ تو کسی چیز
پنسا ہی رہے گا مرنے پر۔

اگلے روز وہ کپ سے لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک کاندھا تھا۔ کسے لگا چڑی تو
حوالی میں چلی گئی ہے۔ چائے ہوئے وہ۔ یہی اپنے چاہے کو دے گئی تھی۔ کہ اگر
آئے تو اسے دے دیتا۔

اور کھانا۔ وہ کی ماری۔ کھڑو لگا کھو 'ہائیں وکٹ۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے کہ تو ملنا چاہے تو۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے 'ہائے پکڑے تو چھڑائی مشکل ہو جائے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے 'لو پناہ داتا ہے مگر تو پناہیں چور ہو جائیں۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے 'دو رک گیا۔ پھر بولا 'ہم نے پرسوں ٹوبے جانا ہے۔ اگر تو کل

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

کھانا کھانا۔ کچھ کر دے گئی ہے۔

انہوں نے یہ پتہ دیا ہے۔ کھوڑا والے کھوہ کے پاس میرے کی ماڑی میں اپنی ماڑی
رہتی ہے۔

یہاں اجاڑ میں رہتی ہے کیا؟
پتہ نہیں لگائی بولا یہ جاٹ لوگ ڈرتے نہیں۔
لوہا کر دیا۔ نہ ملی تو۔

نڑا ہی بس سے والیں چلے جائیں گے یہ آخری بس ہے۔

ہمارے رائیں ہاتھ ڈنڈی سے پیاس ٹو کے قافلے پر چار ایک کچے گھر بنوئے
نے غور سے اس آبادی کی طرف دیکھا شاید کوئی آدمی نظر آجائے۔ وہاں وہاں
کسی گھر سے دھواں تک نہ نکل رہا تھا۔ درمحل سے کتے کدکی کے ڈھیر پلاؤں
میں بھونکنے کی جی سکت نہ تھی۔

یہ لگاؤں دیکھ رہے ہو میں نے گھنی سے کہا۔

ہاں۔

لٹاپا معلوم دتا ہے۔

ہاں۔ اب بارڈر پولیس آگئی ہے نا، گھنی نے کہا اب لوگ واپس اپنے گھر آ رہے ہیں۔
گے۔ "آہستہ آہستہ۔"

ہم پھر خاموش ہو گئے۔

کھوڑا والا کھوہ دیرین پڑا تھا۔

پھر ہماری توجہ میرے کی ماڑی کی طرف مبذول ہو گئی۔ میرے کی ماڑی ایک دو
چوٹی تھی۔ چار چاروں طرف سے بند تھی۔ باہر کی چار دیواری کے پیچھے ایک دو چوٹی
کے ایک طرف اونچی لوہر دیواریں کھڑی تھیں۔

پرانی ڈرائی سی چوٹی تھی۔ چلی خیل میں ایک بڑا سانپ کا دواڑہ تھا۔
جگہ جگہ تک کڑکھیں کھینچتیں تھیں جن پر سانپیں لگی ہوئی تھیں۔

باہر کی چار دیواری کا چار تک ٹوٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں داخل ہو گئے۔

صدر دروازے پر پہنچ کر گھنی نے دُور سے دروازہ بجایا۔ مکان میں سے

آواز، "آواز، کوئی ہے" وہ چلائی، پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔
"میں نے کہا" میں کوئی نہیں ہے۔
"لگاؤں" آواز نے کہا یہ دروازہ تو اندر سے بند ہے۔ یہ کہہ کر
پھر گھر پر آواز کھڑے رہے۔

ہاں! تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

یہاں تو اہر کی منزل کی کھڑی کھلی گئی۔ کون ہے "ایک زنانہ گھر"

ہو کر پوئنی کوئی بات اپنی سمجھ میں نہیں آئی آج توڑی۔ پھر وہ میری طرف سڑی۔
اب یہاں بکا کڑا ہے اس نے مجھے ڈانٹا۔

خود را ہم بے حد حیران ہوئے۔ کسی کمرے میں کوئی سامان نہ تھا۔ سارا گہرا رات ہو گیا تھا۔

میں نے ہنسی لے کر کہا، مجھے پتہ تھا تو آئے گا۔

حرام نہیں کیا ہے، ماسی نے کہا۔ اس بے چارے کی زندگی کیوں حرام کر دو؟

4315

عجیب و غریب چری نے کہا۔

پہا لہب 'مائی بولی' سب کچھ سامنے دھرا ہے۔ تجھے نہیں دکھاتا کیا 'اندھی' ہے۔

وہاں پہنچ کر بس اسی کا دم تھا، چڑی نے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی، پھر بول۔

لوہے پر سارے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کھانے کی چیز تھی ہر کوئی چاہتا تھا۔

$$-5^{\frac{3}{2}} \pi^{\frac{1}{2}} \frac{1}{\sqrt{2}}$$

... کیا میں نے پوچھا۔

— 100 —

...وہ ان پڑے ہیں، کٹنی بولا۔

۱۱۔ پھر (اگر چاہے گئے تھے) بارڈر جو بن گیا تھا۔ اب واپس آ رہے ہیں اپنے

اگلی ہے ہزار پر۔ ہاں ماسٹر بھی چلے گئے تھے۔ پر اب واپس آ گئے ہیں۔

اس کی ہاں کئی تھی۔

اب ایسا؟ میں نے پوچھا۔

11. 1. 1945 6 46. 1. 1945

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔ جب تک جی چاہے گا رہوں گی۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔ تو کیا پائے گا وہ نہیں۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گاٹی بولا۔

ڈٹنے کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔ بس اک جی کا بھید ہی تو ہوتا ہے جو وہ کل جانتے تھے۔

رہا کیا۔

گاٹی تترہ مار کر چلتی۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گاٹی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی، میں نے اسے چھیڑا۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی کیا تھا اور کب میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتا دی تھیں تجھے۔

وہ ہیرا سیں والی بات بنا۔

ہمارا تیرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آ گیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح۔ ماسی نے

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات ہاؤں نہ ہاؤں۔ غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، وہ جانتا

کر۔

اور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانے ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتائی ہی نہیں اسے۔

ماسی تارقی ہو کی گاٹی نے کہا۔

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔ جب تک جی چاہے گا رہوں گی۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔ تو کیا پائے گا وہ نہیں۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گاٹی بولا۔

ڈٹنے کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔ بس اک جی کا بھید ہی تو ہوتا ہے جو وہ کل جانتے تھے۔

رہا کیا۔

گاٹی تترہ مار کر چلتی۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گاٹی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی، میں نے اسے چھیڑا۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی کیا تھا اور کب میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتا دی تھیں تجھے۔

وہ ہیرا سیں والی بات بنا۔

ہمارا تیرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آ گیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح۔ ماسی نے

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات ہاؤں نہ ہاؤں۔ غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، وہ جانتا

کر۔

اور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانے ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتائی ہی نہیں اسے۔

ماسی تارقی ہو کی گاٹی نے کہا۔

قتل اس وقت نہ ہو رہی تھی نہ شیری۔ شاید اس لیے کہ کیپ میں وہ احساسِ امن
رہتی تھی۔ اسے اپنے گرد و پیش پر غصہ آتا تھا یا شاید اس لیے کہ کیپ میں لڑائی
اس پر مرکوز رہتی تھیں۔ اور ان لڑائیوں سے وہ ابھرتی اور ابھر کر رانی بن جاتی
کی لڑائی کے دیرانے میں وہ سٹ کر بیٹھی ہوتی تھی۔ اس چھائی ہوئی عثمانی نے
قتل پھر میرے کا خیال بھی تو قتل اس کی تمام تر توجہ میرے پر تھی ہوئی تھی۔
کے لیے قاتل قبول تھا یا نہیں، لیکن میرے کی مکن اتنی عظیم تھی، اتنی شدت، پوری
بھر پور لگن نے چڑی کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ اس آغوش میں وہ یوں محسوس
ہوئے ایک بچی ہو۔

سگری نے جگ کا قتل عورت صرف دو صورتوں میں مجبور ہوتی ہے، ایک
سارا دے، اعلانیہ سارا، ساری دنیا کے خلاف اٹھ کر ہانگ دلی سارا اور دوسرے
سے کسی سے چور چور ہو کر اس کا سارا مانگے۔

ہاں مایہ کی جگہ تھی، میں نے سوچا۔ میں نے چڑی کا سارا مانگا تھا۔ اسی لیے وہ
متوجہ ہوئی تھی۔ میں نے کبھی کسی عورت کو سارا نہیں دیا۔ مجھ میں سارا دینے کی
میں ہے۔ میں جینا نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنے پر سے کسی طاری کر کے
سارے کی بیک مانگی ہے۔ وہ شہزادہ تھی، وہ بھی سارا دینے کی شوقین تھی شاید اس
سارا دینے والا کوئی نہ قتل سارا صرف وہ دے سکتا ہے جو عظیم تر ہو۔ جس کی آواز
رکھ کر لگروں سے چھٹکارا مل جائے، اپنے دکھوں، غموں کی گھڑیوں اس کے کندھوں پر رکھ
کو نہات مل جائے۔

کیا ہے تجھے چڑی نے مجھ سے پوچھا کس سوچ میں پڑا ہے۔
میں چوٹا، کچھ بھی نہیں، میں نے جواب دیا۔

سگری اٹھ بیٹھی۔ بولی رات ہو گئی ہے۔ آج ہمیں دروازہ کھلا رکھنا ہے۔

دروازے کے پاس بیٹھ کر سو رہی تھی۔
کیوں کھلا کیوں رکھنا ہے۔ کل نے پوچھا۔

میرے کو دروازہ کھلانا ہے۔ جو رات کو لوہے کا دروازہ بجا تو پاؤں دار ہے۔

دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو

دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو

دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو

دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو

دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو

دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو
دو بھالے اور دو

۱۔ سنا گیا ہے، لیکن میرے دل میں نہیں بیٹھا۔ اسی سچ کہتی ہے، میرے دل میں

تجھے کیسے پہنچا کر نہیں بیٹھا، میں نے پوچھا۔
جو بیٹھا ہو تا تو میں یوں بھری ہوتی جیسے گاہن بھری ہوتی ہے، پر میں تو خالی ہوں،

آتا ہے، آتا ہے، میں نے جواب دیا، اتنا آتا ہے۔ جتنا کسی اور پر نہیں آیا کہی
مجھے بھی تجھ پر اتنا ہی محروس ہے جتنا کسی اور پر نہیں۔ میں تو دعائیں مانگتی تھی

بائے جلدی آجائے۔
کیوں؟
تجھ سے پوچھتا تھا۔
کیا۔

کہ میرے کو کیا جواب دوں۔
تیرا دل کیا کہتا ہے۔
میرا دل نہیں مانتا۔

تو پھر نہ کر دے، پوچھنے کا سہارا کیوں لیتی ہے۔
تجھ سے پوچھ کر دل "ہولا" ہو جائے ہے نہ۔
اب آج بھی جا چڑی، پیچھے سے اسی کی آواز آئی۔

وہ باز رہی ہے تجھے میں نے کہا۔
چڑی اٹھ بیٹھی۔
ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھ۔
جو تیرے کے ساتھ جانا چاہے تو یہ اسی سگری تجھے جانے دے گی؟ روکے گی؟
وہ تو نہیں روکتی۔ نہ زبانی چاہے جو مرضی ہے کہے پر روکتی نہیں۔ وہ تو تجھے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

1. $f(x) = x^2 + 2x + 1$ 2. $f(x) = x^2 + 2x + 1$ 3. $f(x) = x^2 + 2x + 1$

۱۳۸۵ خ. ۱۴۰۴ ه. ۱۴۰۴ ه. ۱۴۰۴ ه.

نہیں ان کے افسر نے کہا کہ ایک سیکھ لوہر آیا ہے۔

اس نے کہا کہ میں نے کہا

میں نے پوچھا

میں نے کہا

اس کی بہن کی لڑکی چڑی کا پتہ لگنے آئے ہیں وہ ایکپ سے ہم ہو گئی

میں نے کہا کہ چڑی کی تلاش میں رہی پھر وہ باس ہو کر چلے گئے۔

میں نے کہا کہ ان سپاہیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

میں نے کہا کہ چڑی کی طرف جا کر تلاش نہ کریں۔

میں نے کہا کہ اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا بیچے جا کر چور

میں نے کہا کہ

میں نے کہا کہ

میں نے کہا کہ

میں نے کہا کہ اس کے محل پر دو آنسو دھلک آئے۔

میں نے کہا کہ

میں نے کہا کہ

میں نے کہا کہ

میں نے کہا کہ اسے سارا بنا چلا تھا چڑی نے اس کا سارا لینے

میں نے کہا کہ اسے سارا دینے لگی ہے۔ خود اس کا سارا بن کر

نصیر میں پچھراؤ دیکھ لوں مای ہوئی۔ شاید پاؤرواٹوں نے حویلی کو گھیر رکھا ہو گا۔

کہا۔

چھڑ مای بہن جو ہودے سو ہودے۔ ہے جیونے روپے چڑو تے فیر تینوں پناہ

لے گئے تے ساڑاٹوں دی ہیرا میں یہ کہہ کر وہ چل پڑا۔

نصیر مای ہوئی پچھراؤ کے کی طرف ایک چور دووانہ ہے۔

ساڑوں پتہ اے ہیرا پناہ اسی میں چڑی پتہ پتہ کے آں اہلہ حویلی ساڑو۔

حتر گھ ہیرے دی اے۔ اچھا مای ہیرے نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے واہ۔

ساڑا سبید کوئی ٹٹ میں گیا مای اہلہ تے ختم ختم راہد من اے فیر ملاں گے ہے

روپے تے۔

لاج کی بات

نصیر جا ہیرے چڑی چلائی۔

کی کہنی میں تو ہیرا رک گیا۔

میں تینوں اٹکے جان میں دلاں گی۔

کیوں۔

تو ہیرے لئی آیا ہے ٹاہل میں تجھے خود چھوڑ کے آؤں گی۔

اوہاں کوئی ماروقی تے فیر ہیرے نے کہا۔

مارویں چل میں تینوں چھڑ کٹوں چڑی چل پڑی۔

کتنوں تک چلوں گی ساڑے ہاں ہیرا سکرایا۔

چد تو پاؤر پار پہنچ جائے گا تے میں آ جاؤں گی۔

مصل کر چڑی سگری نے کہا۔

میں مای اہلہ اکیلا نہیں ہائے گا میں ساتھ جاؤں گی یہ میری لاج کی بات ہے۔

اوہ دونوں چل پڑے آگے آگے چڑی تھی پیچھے ہیرا سیٹھ تھا۔

جب وہ چلے گئے تو چھٹی نے دوڑ کر مدد دووانہ کھول دیا۔ پولیس والے اندر آ گئے۔

میں ایک پناہوا موقوفہ زندگی کی بھینٹ سے گزر چکا تھا اور اب تھک ہار کر بیٹھ گیا۔
خوب 'استیلا' کا راجہ ہوا وقت کٹ رہا تھا۔

مٹی ان دنوں ایک گرین پلاٹھ تھا وہ بے حد خوب صورت تھا۔ دیر اس قدر غار
استیلا سے سرے سے واقف ہی نہیں تھا۔ ان جنگ تھا کسی سے دیتا نہ تھا۔ ذاتی طور
کبھی خیال نہ آیا تھا دنیا داری سے قلعی کرا تھا۔

میرے لیے مٹی کا ساتھ ایک بہت بڑی نعمت تھی، اس لیے کہ جب بھی میں چاہا
بے پناہ جذبے کا دار گزار رہتا۔ جن نمودار ہو جاتا، بول کیا چاہتا ہے۔ "میرا جو بھی میں کیا
سوچے مجھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتا۔

لیکن مٹی کے لیے میں ایک مسلسل رکاوٹ تھا۔ اسے ہر وقت 'ہر بات' پر فائدہ
لیے نہ کر دے نہ کر دے، یوں نہ کر دے، دوں نہ کر دے۔ دراصل مجھے ٹوکنے کی اور
کرنے میں لذت آنے لگی تھی۔ یوں میں ایک مغربہ بن گیا تھا۔

پھر ہم دونوں اکیلے جا بیٹھے۔ میں نے کہا، مٹی یہ جا کہ تو ہمیں سے بچ کر کیسے آگیا
کیسے ہوا۔

میں خود حیران ہوں، مٹی نے کہا کہ کیسے یہاں پہنچ گیا۔ میں تو سیدھا چلے آکر
گازی میں میں آیا تھا۔ وہ لاہور نہیں رکی تھی۔ سیدھی گورنر والے چلی گئی تھی۔

گورنر لاج

مٹی چار پائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی کہانی سناتے لگے۔ یاد تو چلا آیا تو میں
طرح سے پٹ گیا۔ نہ جیب میں چہرہ تھا نہ کوئی ساتھی، نہ مددگار۔ وہ حالت ہوئی میری کہ
مٹی، مگر سچی بات یہ ہے کہ بڑی بڑا آگیا۔

ہم نے گورنر لاج کے ہال کمرے میں بوسے ڈال لیے۔ اور میرا ہی تھا اور حیران اور
مراؤ، فکر اور درمیان میں میں۔ تجھے پتہ ہی ہے کہ وہاں ہمت ہمت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔
تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکل جاتے تھے اور سارا دن محو تھے جرتے تھے۔

میں ایک پناہوا موقوفہ زندگی کی بھینٹ سے گزر چکا تھا اور اب تھک ہار کر بیٹھ گیا۔
خوب 'استیلا' کا راجہ ہوا وقت کٹ رہا تھا۔

مٹی ان دنوں ایک گرین پلاٹھ تھا وہ بے حد خوب صورت تھا۔ دیر اس قدر غار
استیلا سے سرے سے واقف ہی نہیں تھا۔ ان جنگ تھا کسی سے دیتا نہ تھا۔ ذاتی طور
کبھی خیال نہ آیا تھا دنیا داری سے قلعی کرا تھا۔

میرے لیے مٹی کا ساتھ ایک بہت بڑی نعمت تھی، اس لیے کہ جب بھی میں چاہا
بے پناہ جذبے کا دار گزار رہتا۔ جن نمودار ہو جاتا، بول کیا چاہتا ہے۔ "میرا جو بھی میں کیا
سوچے مجھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتا۔

لیکن مٹی کے لیے میں ایک مسلسل رکاوٹ تھا۔ اسے ہر وقت 'ہر بات' پر فائدہ
لیے نہ کر دے نہ کر دے، یوں نہ کر دے، دوں نہ کر دے۔ دراصل مجھے ٹوکنے کی اور
کرنے میں لذت آنے لگی تھی۔ یوں میں ایک مغربہ بن گیا تھا۔

پھر ہم دونوں اکیلے جا بیٹھے۔ میں نے کہا، مٹی یہ جا کہ تو ہمیں سے بچ کر کیسے آگیا
کیسے ہوا۔

میں خود حیران ہوں، مٹی نے کہا کہ کیسے یہاں پہنچ گیا۔ میں تو سیدھا چلے آکر
گازی میں میں آیا تھا۔ وہ لاہور نہیں رکی تھی۔ سیدھی گورنر والے چلی گئی تھی۔

گورنر لاج

مٹی چار پائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی کہانی سناتے لگے۔ یاد تو چلا آیا تو میں
طرح سے پٹ گیا۔ نہ جیب میں چہرہ تھا نہ کوئی ساتھی، نہ مددگار۔ وہ حالت ہوئی میری کہ
مٹی، مگر سچی بات یہ ہے کہ بڑی بڑا آگیا۔

ہم نے گورنر لاج کے ہال کمرے میں بوسے ڈال لیے۔ اور میرا ہی تھا اور حیران اور
مراؤ، فکر اور درمیان میں میں۔ تجھے پتہ ہی ہے کہ وہاں ہمت ہمت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔
تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکل جاتے تھے اور سارا دن محو تھے جرتے تھے۔

پتہ نہیں۔

کب تک یہاں قاتلے کرے گا تو اس نے کہا دیکھ میں بہت غریب ہوں۔ اور کوئی امید نہیں دی۔ کیسے لے گا یہاں قلم کا کام رک گیا ہے قلم کے کام میں مسلمان ہیں پر اب وہ مسلمانوں سے کام نہیں لیں گے۔ پھر قلم کا کام کیسے چلے گا نہ چلے۔

راج کمار نے جیب سے دس کا نوٹ نکالا میرے پاس اس وقت صرف یہی ہے تیری روٹی چل جائے گی۔ میں ہنسم کر چیخے ہانا تو وہ بولا نہیں میں یہ تو اوجھار دے رہا ہوں میں۔ جب وطن پہنچے تو اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں تجھے کرلیہ دے دیتا تاکہ تو اوجھار اب تو یہاں نہیں رہ سکتا ہے۔ یہاں رہتا اب بہت مشکل ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے نوٹ میری جیب میں ڈال دیا۔

میراجی

پیسے ملنے پر میں نے پھر باہر جانا شروع کر دیا۔ صبح سویرے اشتا اور منہ دھو کر ہاں بیٹھے تیار ہوتے دیکھ کر کھٹ سے اٹھ بیٹھا اور میرے ساتھ چل پڑا۔ وہ بے ہمارا طرح تھا جیب میں پیسہ نہ تھا کام مٹا نہ تھا اس نے کبھی کوشش ہی نہ کی تھی کہ کام کایہ سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اس کی کیفیت اس کشتی کی تھی جو باریڈین بغیر چھوٹنے پڑی تھی نہ کوئی سمت تھی نہ جدوجہد تھی نہ آرزو تھی نہ امید تھی۔ گورو راج جاسے لوگوں کے ساتھ چل پڑا اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر گزارہ کر لیتا۔ لوگوں کو ہانا کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

خیر ملنے لگا تو ہم بے مقصد باہر نکل جاتے کبھی خواجہ غلام عباس کے گھر یا سیوا پری پارک میں رہتا تھا کبھی دھڑا حتر عامل کے ہاں پہنچ جاتے کبھی سارکے۔ سارا گرو دی کرتے۔ شام کو دادور میں سکھوں کے ہوٹل میں غوری روٹی اور دال کھاتے۔

مجموعی سٹریٹ یعنی جنہاں جلال ملتا تھا مسلمانوں کے علاقے میں تھا وہاں چھرا

ہم دونوں



منشی محمد حسین (والدہ) (۱۹۵۳ء)



(۱۹۶۷ء)

کا عالم غاری ہو گیا۔ فن رشتہ داروں میں ایک چدرہ سولہ برس کی لڑکی تھی۔
 ٹائلی جی، سفید دھوٹی پہنی تھی اور درگاکے ساتھ ہارنگ میں ٹھکانی لائی تھی۔
 درخت تھے جو کچے ہوئے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔
 چیکوؤں کے یہ بڑا ملک مکان کی ملکیت تھے۔ فن کی حفاظت کے لئے ہر ایک
 قہار ایک دن میں ہارنگ میں چلا نکلا دیکھا تو درگاکے ساتھ لڑکی لپٹی ہوئی تھی۔
 طرف دیکھ رہی تھیں۔
 میں نے درگاکے کما چڑھ کر چائے پلانے کے بلاتے ہوئے کہا: "اگر
 چیکو لے لیتا مجھ سے۔ اس شرارت پر ہم تینوں کا بچپنا خاک سے بھر دیتا ہوں۔"
 ہنس کر دوہری ہو گئیں۔

پھر یہ ہمارا معمول بن گیا۔ درگاکے کما چڑھ کر کوئی ہلے اور نہ ہالی لڑکی
 ساتوں کی جھولی بھرتا اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے پانی پینے جاتی۔
 مجھے وہ ساتوں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھیں۔ اس میں لڑکی بچپنا تھا، پھر ایک اور
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سولویں سال کی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لئے مجھے کہہ کر لیا۔
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے بڑے کھانے
 کرتے اور ہنسنے پلے جاتے اور ساتوں کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لگتی لگتی۔

ساتوں کی جھولی بھرتا اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے پانی پینے جاتی۔
 مجھے وہ ساتوں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھیں۔ اس میں لڑکی بچپنا تھا، پھر ایک اور
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سولویں سال کی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لئے مجھے کہہ کر لیا۔
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے بڑے کھانے
 کرتے اور ہنسنے پلے جاتے اور ساتوں کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لگتی لگتی۔

ساتوں کی جھولی بھرتا اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے پانی پینے جاتی۔
 مجھے وہ ساتوں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھیں۔ اس میں لڑکی بچپنا تھا، پھر ایک اور
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سولویں سال کی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لئے مجھے کہہ کر لیا۔
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے بڑے کھانے
 کرتے اور ہنسنے پلے جاتے اور ساتوں کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لگتی لگتی۔

تم تو جانتے ہو، لڑکیوں تو میں نے کئی ایک دیکھی ہیں، ان میں سے
 بھی کیں ہیں، کئی ایک مجھے اچھی بھی لگتی تھیں، مگر وہ ایسا لگا اور عجب
 میں اس سے ملتا تو میرا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی ہوا۔
 لڑکی کو دیکھا تو میرے دل میں خواہش ابھری، لیکن اسے دیکھ کر کبھی نہیں
 تم تو جانتے ہو، لڑکیوں تو میں نے کئی ایک دیکھی ہیں، ان میں سے
 بھی کیں ہیں، کئی ایک مجھے اچھی بھی لگتی تھیں، مگر وہ ایسا لگا اور عجب
 میں اس سے ملتا تو میرا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی ہوا۔
 لڑکی کو دیکھا تو میرے دل میں خواہش ابھری، لیکن اسے دیکھ کر کبھی نہیں

کا عالم غاری ہو گیا۔ فن رشتہ داروں میں ایک چدرہ سولہ برس کی لڑکی تھی۔
 ٹائلی جی، سفید دھوٹی پہنی تھی اور درگاکے ساتھ ہارنگ میں ٹھکانی لائی تھی۔
 درخت تھے جو کچے ہوئے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔
 چیکوؤں کے یہ بڑا ملک مکان کی ملکیت تھے۔ فن کی حفاظت کے لئے ہر ایک
 قہار ایک دن میں ہارنگ میں چلا نکلا دیکھا تو درگاکے ساتھ لڑکی لپٹی ہوئی تھی۔
 طرف دیکھ رہی تھیں۔
 میں نے درگاکے کما چڑھ کر چائے پلانے کے بلاتے ہوئے کہا: "اگر
 چیکو لے لیتا مجھ سے۔ اس شرارت پر ہم تینوں کا بچپنا خاک سے بھر دیتا ہوں۔"
 ہنس کر دوہری ہو گئیں۔

پھر یہ ہمارا معمول بن گیا۔ درگاکے کما چڑھ کر کوئی ہلے اور نہ ہالی لڑکی
 ساتوں کی جھولی بھرتا اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے پانی پینے جاتی۔
 مجھے وہ ساتوں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھیں۔ اس میں لڑکی بچپنا تھا، پھر ایک اور
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سولویں سال کی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لئے مجھے کہہ کر لیا۔
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے بڑے کھانے
 کرتے اور ہنسنے پلے جاتے اور ساتوں کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لگتی لگتی۔

ساتوں کی جھولی بھرتا اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے پانی پینے جاتی۔
 مجھے وہ ساتوں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھیں۔ اس میں لڑکی بچپنا تھا، پھر ایک اور
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سولویں سال کی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لئے مجھے کہہ کر لیا۔
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے بڑے کھانے
 کرتے اور ہنسنے پلے جاتے اور ساتوں کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لگتی لگتی۔

ساتوں کی جھولی بھرتا اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے پانی پینے جاتی۔
 مجھے وہ ساتوں لڑکی بڑی اچھی لگتی تھیں۔ اس میں لڑکی بچپنا تھا، پھر ایک اور
 پھر اسے یہ خبری نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سولویں سال کی تھی۔
 پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لئے مجھے کہہ کر لیا۔
 ہم صحن کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے بڑے کھانے
 کرتے اور ہنسنے پلے جاتے اور ساتوں کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لگتی لگتی۔

تم تو جانتے ہو، لڑکیوں تو میں نے کئی ایک دیکھی ہیں، ان میں سے
 بھی کیں ہیں، کئی ایک مجھے اچھی بھی لگتی تھیں، مگر وہ ایسا لگا اور عجب
 میں اس سے ملتا تو میرا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی ہوا۔
 لڑکی کو دیکھا تو میرے دل میں خواہش ابھری، لیکن اسے دیکھ کر کبھی نہیں

تھے، لگا ہوں میں دھمکی تھی، سوچیں کچھ زیادہ ہی آکڑی ہوئی تھی، پہاڑی میں لے کر آئے
 لنگ رہی تھیں۔

چھڑا کر خود چکڑ لیا۔ کچھ ایسے انداز سے جیسے وہ قاتل
 چل قتلے، وہ لڑکے کو گھور کر بولا۔ "میں نے

چون نہیں رہی تھی۔

بے زاری

ڈبے کے اندر چھلانے کے قریب ہی میں دھڑام سے گر گیا اور وہیں کچھ دیر کے لیے خاموش رہا اور پھر...

پہ نہیں مجھے کیا ناکر دہشتیں حکومت رہا تھا۔ لوگ میرے ارد گرد کھڑے آتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں گلاب تھے۔ آدم بو، آدم بو، وہ سب چلا رہے تھے۔ مجھے اچھا پیسہ وہ سب آدم خود لایا۔

میرے دل میں ڈر رہی تھی خوف نہیں تھا ایک عجیب سی بے داری تھی۔ میں نے محسوس کیا وہ کوئی چیز کے قتل میں رہی انسانیت کا جتنا وہ کل گیا۔ انقطاع ہو رہی سب ختم ہوئی۔

زندگی میں پہلی مرتبہ نے خود کو لڑچ محسوس کیا۔ بے بسی کے احساس نے مجھے ادا
دیا تھا، بیکار ہے، سب بے کار ہے۔

میں نے کچھ ایسے لڑکے یا سب کچھ بے معنی ہو چکا ہو۔ اب جو کچھ گزرا
پر گزر جائے، بے فکر گزرنے لگے۔ میں کوئی امید نہ رہی تھی، تڑپ نہ رہی تھی، وہ
نہ خوف نہ جینے کی خواہش نہ۔

۳۔ پتہ نہیں کتنی دیر عکس ہا ہے جان پڑا رہا۔

پھر یا ہر کوئی چلا رہا تھا

کوئی گولہ ہے، کوئی گولہ۔

کوئی ہے جس نے ملازمہ کو قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔

کوئی ہے۔

میرا جی چاہتا تھا کہ چاکو اُلی میں نے دیکھا ہے۔ میں نے اس ہندو لونگوں کو صاحب کے بیٹ میں چھرا لگے دیکھا ہے۔ میں نے اس لونگوں کو کمری سے چھرا لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا اس لونگوں کو پکڑ لیا تھا۔ میں نے اسے پولیس کے پاس لے گیا۔

قبلاً خود غل خواہورت تھے، ہوتے ہوں کے لئے تھے۔ جیسے مسکراہٹ دہائے پیشاد
سے خوش مزاجی کی پھوار اڑ رہی تھی۔ اس لئے مار کوئی شخص چادر میں لپٹا ہوا اور
لے اپنے منہ پر ٹھٹھا باندھ ہوا تھا، صرف عجیب غریب تھے۔ وہ مجھے یوں کہہ
نگاہوں سے قتل رہا ہو۔ لیکن اس کی نگاہوں میں غمخواری نہ تھی، نہ ہی ماتے کی گہری
دمکلی تھی، ہائی سیشین غلط پڑی تھیں۔

چند چلو مہاراج پنڈت نے مجھے طالب و کرکائیہ چلائی۔

میں نے پنڈت کی طرف دیکھا وہ مسکرائے، میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔
چاروں ہنگ۔ مجھ پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے، ان کی نگاہیں خاصی پریشان کن تھیں
کے باوجود مجھے خطرے کا احساس نہ تھا۔

تم جانتے ہی ہو، ملنی نے مسکرا کر میری لڑکچہ پتہ نہیں مجھے خطرے کا احساس
نہیں ہوتا۔ بس نہیں ہوتا۔ البتہ میں ہنگ سکھ کی کڑی نگاہوں سے مجھے گہرا ہت
ہو رہی تھی۔ جب بھی میں گھبرا جاتا تو چادر میں لپٹے ہوئے شخص کی طرف دیکھتا تھا
آنکھوں میں عجیب سی طعاس تھی۔

مڑلیا کا کا

کچھ دیر کے بعد ہنگوں کی ہنگلی سے گھبراہٹ میں لپٹے ہوئے شخص کے رابطہ پر
کوشش کی۔

مڑلیا سردار سی اندر فوجاں کہہ کر چلیں گے، انہوں نے اور بھی حق کر بیٹھے گئے۔

مڑلیا نے مجھے گھورا۔

مڑلیا پنڈت نے میری ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا، مگر میں پنڈت کی بات نہ سمجھا۔ اور
مڑلیا نے کہا۔

مڑلیا نے کہا۔

مڑلیا نے کہا۔

مڑلیا نے کہا۔ لاہور۔؟ دو ایک دہائی آواز میں سنائی دیں۔ پھر
مڑلیا نے کہا۔

مڑلیا نے کہا۔ چادر منہ پر لے لی اور وہ گھڑی بن کر لڑکھ گیا۔ من مہین
مڑلیا نے کہا۔ چادر ایک ساعت کے لیے ڈبے پر موت کی سی خاموشی طاری

مڑلیا نے کہا۔ اور۔ اور۔ سب پنڈت کی طرف دیکھنے لگے۔ پنڈت دیر تک اپنی ناگھوں پر ہاتھ
مڑلیا نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، پھر وہ بولا۔ کیوں ٹول کر تھے کا کا
مڑلیا نے کہا۔ آؤمی بات کیوں جانتا ہے انہیں۔

مڑلیا نے کہا۔ طالب ہو کر بولا، مہاراج یہ لاہوری سیال گاؤں کا رہنے والا ہے۔
مڑلیا نے کہا۔ میں کس پر ہے اس کا گاؤں۔

مڑلیا نے کہا۔ میں اس کی بات کو رد کرنے والا ہی تھا کہ
مڑلیا نے کہا۔ بازو کو شدید جھٹکا دیا۔ پھر مجھ سے پوچھنے لگا، کیوں کا کا میں کس سے ہے

2. 12. 2014. - 1. 6. 2015. - 1. 6. 2015. - 1. 6. 2015.

اس کا اور لوہا ایک چار پیٹ لی۔

پھر لگا تو گاڑی انبالے کے مشین پر رکی ہوئی تھی اور پنڈت
 کے پیچھے چھپے گاڑی سے اتر گیا۔

اب وہ اسے ہوئے کھڑے تھے۔ گیٹ پر کٹ لینے کے لیے

نروش، نرمل

جامنہ دھو، لکھن سیاں پنڈت نے کہا۔ میں نے منہ پر ہاتھ پھیر لیا میرا ہاتھ خون
 پائی نہ تھا۔ بلکہ تازہ خون تھا۔

میرا دل ہلش کرنے لگا اور میں غسل خانے کی طرف بھاگا۔

ابھی میں منہ دھو رہا تھا کہ پیچھے سے دروازہ کھلا۔ پنڈت کو دیکھ کر میں کمر

پھر اس نے منہ میرے کان کے قریب کر کے 'گاڑو اور ڈرائیو دونوں' کہا۔
 کرو تیزی سے چل رہا۔

اچھا تو میں ڈرائیو پر ہوں' میں نے سوچا یہ سب اگلا کھدے کے جو کیا سوٹ

مجھے نہ جانتا تو اب بھی میں پہلوں پہنے ہو تاکہ لوگ مجھے ٹک کی نظروں سے دیکھتے
 جب میں ڈبے میں پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ دو رنگ لوہے کے جھٹوں پر لیٹ گئے
 چلی سیٹ پر لیٹے غرائے نے رہے ہیں۔

ٹھانے والا جو پہلے گھڑی بنا ہوا تھا۔ میری سیٹ پر دروازہ تھا۔ اس کا سر میری ہاتھ
 اس کے قریب توڑی سی جگہ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل رہی۔ پھر شاید مجھے لگے کہ آگنی
 دفعتاً 'گاڑی کا زبردست جھٹکا گاڑو اور میں ٹھانے والے پر جا کر ل' اس کے بازو اور

گرفت میں لے لیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا
 اٹھے 'کی ہویا اے' ایک نے پوچھا۔ میں پتہ لانا نہیں کہہ کر دوسرا گاڑی سے نیچے اتر گیا
 اندر دونوں سوں گئے۔ پڑھا لنگ ہوا۔
 کون سوں گئے' اوپر سے رنگ نے پوچھا۔

کچھ دیر تو میں ہرے کے گرفت میں پڑا رہا۔ میں وہ رنگ دابوں آگیا اور
 کئی کل نہیں سرور ہی' اپنے ارمان تل سوں چاؤ۔

گڈی دی لین دیج کسی نے درخت کے سٹ و تاسی' وئی لٹی گڈی بڑا گڈی
 گئی۔ فیروزہ نہیں کے نے ڈرائیو سے گاڑو دوہاں لوں قفل کر دیا۔
 ٹیچر سن پڑے نے پوچھا۔

ہاں' وہ بولا' دونوں۔
 گڈی کیوں اسے چلے گی' ڈرائیو جو نہ ہویا' پڑے نے پوچھا۔

کے بٹے وقف نے اے کا کے' پڑھا لنگ ہوا۔ گاڑو تے ٹھیک ہے پر ڈرائیو رہے
 گڈی کون چلاؤ۔

میں ہاتھ دی آں۔ پنڈ پھان آں ہی۔ امبر توڑی تیرے
 کہہ لاؤ' وہ کچھ دقتے سے بولی تو میرے بل پنڈ چل' میرے کول رہو'۔

میں آپ جا کے تینوں چھڑ کر آوں گی۔ میرا اکھا من اڑیا۔ میں
 کے دی چل نہیں کہ ہر ہاتھوں دے مان سیاں مل آکھ ٹپک کے

میں اپنی کول آئی ہے۔
 ہوتا چلا۔ تیر ٹھیک ہے' پڑھا لنگ۔

ہر ہاتھوں نے میری جھڑپ کو بیکار نہ کیا تھا۔ انا میں ڈرتا تھا، کسے وہ کوئی دے۔ کسے پھر سے پہلے ہوئے وہ ہونٹ میرا نہ ٹھونکا شروع نہ کر دیں۔

سب سے بڑی بات تو ہر ہاتھوں کی محبت تھی۔ زندگی بھر کسی نے اتنی محبت سے میں کو لے نہیں والے تھے۔ میری اپنی ماں نے کبھی اتنی محبت سے نہیں کھلایا تھا اور پھر اس کا بچے، اڑیا، کتنا اس قدر بھرپور نظروں اور ہنسی جھلکی نگاہوں سے دیکھتا۔

صرف یہی نہیں، مانی نے مسکراتے ہوئے کہا، تجھے پتہ ہے میں لڑکھڑکھ کا راز دار ہوں ہر ہاتھوں میرے لیے ایک پر اسرار لڑکھڑکھ تھی۔ وہ ایک پر اسرار عورت تھی جو خدا کا سزک رہی تھی، اتنی دلبری تھی کہ صورت حال سے ذرا غافل نہ تھی، غصہ باندھ کر روپ میں سزک رہی تھی اور چادر کی کوٹ میں ایک مسلمان لڑکے سے عشق لڑا اور اسے مولیوں والے پرانے کے لولے کھلا رہی تھی۔ مانی بٹنے لگا۔

وہ ایک عجیب چھوٹا سن تھی، مانی نے چلا کر کہا، ہاں خون ہی خون تھا، لاشیں ہی لاشیں، کچا گوشت تھا اور چادر کے اندر ایک ایشی کی کھنٹی مسلمان سے عشق لڑا رہی تھی۔

میرا جی چاہتا تھا کہ وہ یونہی میرے منہ میں پرانے کے لولے ڈالتی رہے، ڈالتی ساتھ بچھے بے خفا کھائے دیکھ کر ہنسی رہے۔ میرا مذاق ڈالتی رہے۔ اپنے بڑے سے میرا سر سلطانی رہے، مانی کا امر ترسہ آئے ہی نہیں، یا اس کا گاڑی چلتی رہے۔ امر ترسہ نکل جائے، لاہور نکل جائے، ہندوستان نکل جائے، پاکستان نکل جائے، پھر نہ ہندو رہے، نہ مسلمان رہے، کچھ بھی نہ رہے، صرف اس چادر کا آسمان ہو، جو ہم دونوں کو بچھ کر رکھی تھی اور اس آسمان تلے وہ ہو نور میں ہوں، اور کبھی کہ وہ لولے نہ ڈالتی رہے، ڈالتی رہے۔

وے۔ اڑیا

اب خواب نہ دیکھو، میں نے مانی سے کہا، یہ بتاؤ کہ پھر کیا ہوا۔

مانی جیسا، بولا وہ دن کا کمرہ کا قتل۔

UrduPhoto.com

”مکہ تو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں ہو رہے تھے۔“ مائی نے کہا ”ہندو انیس استعمال کر رہا تھا اس لیے وہ

نے مکہ جینا چاہتے ہیں ممتاز وہ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں پیٹ بھر کر پیتے ہیں۔۔۔۔۔

کہتے ہیں۔۔۔۔۔ پیٹ بھر کر پیار کرتے ہیں۔ خون بہانے پر آئیں تو اولیٰ

رکشا کرنے پر آئیں تو سینے سے لگا لیتے ہیں۔ ہاں وہ جینا چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کر مائی

کہ

ہم دونوں دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔

”پھر تم ان کے ساتھ کھڑی کیوں نہ گئے“ میں نے پوچھا۔

”بس نہیں گیا۔۔۔ میں کیوں نہ گیا“ مائی نے آہ بھری۔

”پھر ہوا کیا“ میں چلا یا۔

بھر ہر ناموں کی آوازیں مدام بڑی گھنٹی ”حتی کہ خاموشی چھا گئی۔

میں ہاتھ دم سے باہر نکلا تو ذیہ غلی پڑا تھا ساتھ والا ذیہ بھی غلی تھا وہاں

ٹاٹھی۔ مجھے ایسے لگا جیسے ہر ناموں کے جانے کے بعد ساری زندگی غلی ہو گئی ہو

”لیکن وہ سب گاڑی سے اتر کیوں گئے تھے“ میں نے پوچھا۔

”اس وقت تو بات میری سمجھ میں نہ آئی“ مائی نے جواب دیا ”لیکن اگلے

بہ دوں مجھے پتہ چل گیا کہ فرنیئر فورس کے چھان سپاہیوں نے گاڑی کو اپنے ہاتھ

نہ اگلے شیٹن پر سیکڑوں کے پھینے لے پنے مسلمان مہاجرین کی بھیڑ گاڑی میں

چکہ ہمارے ذیہ میں قی و دھر نے کو جگہ نہ دی۔

”چاہیے تو یہ تھا کہ فرنیئر فورس اور مسلمان مہاجرین کو دیکھ کر مجھے

_____ مائی نے کہا ”لیکن انا مجھے تو دکھ سا لگ گیا تھا۔ مجھے وہ بھیڑی لگے

پتا تھا کسی کو لے میں پڑ کر اس بھیڑ سے خود کو محفوظ کر لوں۔

بھر دھننا“ میں نے دیکھا کہ میرے کندھوں سے ایک چادر لٹک رہی تھی۔

لکڑی سے لٹی۔ اس چادر سے خوشبو کا ایک ریلہ آیا ”میں جس دن رہ گیا۔

بہ اور گرد نہ ملائے گی۔ میں نے بڑھ کر جھپٹے پر بیٹھے ہوئے مہاجرین کو

میں نے جواب دیا۔

لڑا، اوشا، ہرناموں

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ
میرے پاس رہے، کتنی رہے، کتنی رہے، ہرناموں چارواکار اٹھ بیٹھی۔
اس کا منہ تنفس سے لیل ہو گیا۔ تو اس نے میری طرف
پھر وہ چڑی سے مخاطب ہوئی۔ "کیا یہ ہے میرا من سکھ؟"
"اے لڑا، اوشا، ہرناموں! ایک بار" "ہاں یہ میرا من سکھ ہے۔"

"یہ میرا ہے۔"
"ایک نئی خواہش ہے۔ مجھے علم نہ تھا کہ عورت یہ چاہتی
تھی۔ تو میری ہے۔"

"جسٹ" نہیں تھا اپنی بے نیازی
مکان پر اچھٹا تھا اسے بھی صرف ہاں کی گود میں آ سکتی تھی۔

ہرناموں کی بات کرتے کرتے "وہ تھا" لئی اٹھ بیٹھا "درا فھر" وہ بولا "ہاں"
"سے ہو آؤں۔"

ہرناموں کی بات نے مانی کے دل میں پہچان برپا کر دیا تھا۔ بیٹے ہوئے لڑا
تازہ ہو گئی تھی مانی کی ہرناموں نے میرے ذہن میں چنگاری لگا دی تھی۔ لڑا، اوشا، ہرناموں
دھواں نکلتے لگے۔

تھا اچھا اور صورت کہ اسے دیکھ کر دم لگا تھا۔ یہ محض اتفاق کی
ہاں سے دلچسپی نہ تھی، تھی بھی تو سرسری۔ مانی کو صرف ایک
لڑکیوں کو تاکنے یا مان سے چمیز چھاؤ کرنے سے اسے

چڑھ گیا۔

”مس“ اس نے اپنی طبی بے نیازی سے پوچھا، ”آپ کو پتہ ہے یہاں آقا“

”ہے۔“

”میں“ بڑی لڑکی بولی، ”ہو رہا ہے۔“

”کہیں ہو گا؟“

”نہیں ہو گا۔“ وہ شرارت سے مسکرائی۔

”یہ تو رہائی کو بھی نظر آتی ہے۔“

”ہوں۔ ہے۔“

”کس کی کو بھی ہے یہ۔“

”یہ کرنل صاحب کی کو بھی ہے۔“

”کون سا کرنل۔“

”جو انٹرویو کریں گے۔“

”تم بیٹھ جاؤ۔“ چھوٹی نے لقمہ دیا۔ ”چائے پئے گا۔“

”چلا دو تو ہائی لوں گا۔“ مائی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ چھوٹی نے ہیرے کو اشارہ کیا۔

چائے لگا۔“

اگر مائی نور سے ان لڑکیوں کو دیکھ لیتا، ان کے چروں کے اتار چڑھاؤ کی طرف،

تلقین لے سکتا تھا کہ وہ دونوں شرارت پر آمادہ ہیں۔ لیکن وہ وہاں یوں

بیٹھا گرد و پیش کی طرف دیکھ رہا جیسے وہ لڑکیاں ہی نہ ہوں۔ حالانکہ وہ دونوں نام

زیادہ چوڑے نظر تھیں۔

دیر تک وہ وہاں بیٹھا نہیں ہاں تھا رہا حتیٰ کہ باقاعدہ انٹرویو جو ایک قریبی بارگ

رہا۔ ان لڑکیوں کو دیکھ کر وہی تھیں۔

”اگر آپ یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”دونوں لڑکیاں اس سے لپٹی ہوئی تھیں۔“

”کھڑا ہو گیا۔ کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

”کھڑا کر پولا۔“

میں کو انٹرنیشنل کرنے سے پہلے اپنی ان دونوں کو انٹرنیشن کرے۔

”جی کس لٹ ڈیڈ“ بڑی بولی۔
 ”جی اڈو سٹیگ“ چھوٹی نے کہا۔
 ”میں ڈیجیٹل کی لنگ۔“ کرنل نے تیری چڑھائی۔
 ”نفل آف ڈیجیٹل پلے ڈیڈ۔“
 ”تم انٹرنیشنل بننا پسند کرے گا“ کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 ”انٹرنیشنل؟“ ہانی نے دہرایا۔
 ”سولین آفسر“ کرنل نے وضاحت کی۔
 ”میں سولین آفسر“ ہانی نے کہا۔
 ”یہ تو پتہ ہے ڈیڈ“ بڑی بولی۔
 ”ہیف“ کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 ”نو نو۔“ لو پوٹ سر۔“ ہانی چلایا۔
 ”تم شراستہ کیوں ہو“ بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 ”جی اڈو ہسبل ڈیڈ۔“ چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کندھے سے لنگ گئی دوسری گردن سے ل۔
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔
 ”کل رائٹ آل رائٹ۔“ بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ کا
 ”تم سولین آفسر ہے“ تمہارا کم انٹرنیشنل منٹ پوٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڈ گنگش
 ہے“ پوٹ۔“

میں ہی میں
 ان دونوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی دیوار
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ حکم ابھی بنا میں قتل لڑا کم کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نے جو ان لوگوں اس کے گنگے کا ہار بنی رہتی تھی

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کندھے سے لنگ گئی دوسری گردن سے ل۔
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔
 ”کل رائٹ آل رائٹ۔“ بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ کا
 ”تم سولین آفسر ہے“ تمہارا کم انٹرنیشنل منٹ پوٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڈ گنگش
 ہے“ پوٹ۔“

میں ہی میں
 ان دونوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی دیوار
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ حکم ابھی بنا میں قتل لڑا کم کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نے جو ان لوگوں اس کے گنگے کا ہار بنی رہتی تھی

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کندھے سے لنگ گئی دوسری گردن سے ل۔
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔
 ”کل رائٹ آل رائٹ۔“ بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ کا
 ”تم سولین آفسر ہے“ تمہارا کم انٹرنیشنل منٹ پوٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڈ گنگش
 ہے“ پوٹ۔“

میں ہی میں
 ان دونوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی دیوار
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ حکم ابھی بنا میں قتل لڑا کم کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نے جو ان لوگوں اس کے گنگے کا ہار بنی رہتی تھی

میں سر۔

”جی کس لٹ ڈیڈ“ بڑی بولی۔
 ”جی اڈو سٹیگ“ چھوٹی نے کہا۔
 ”میں ڈیجیٹل کی لنگ۔“ کرنل نے تیری چڑھائی۔
 ”نفل آف ڈیجیٹل پلے ڈیڈ۔“
 ”تم انٹرنیشنل بننا پسند کرے گا“ کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 ”انٹرنیشنل؟“ ہانی نے دہرایا۔
 ”سولین آفسر“ کرنل نے وضاحت کی۔
 ”میں سولین آفسر“ ہانی نے کہا۔
 ”یہ تو پتہ ہے ڈیڈ“ بڑی بولی۔
 ”ہیف“ کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 ”نو نو۔“ لو پوٹ سر۔“ ہانی چلایا۔
 ”تم شراستہ کیوں ہو“ بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 ”جی اڈو ہسبل ڈیڈ۔“ چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کندھے سے لنگ گئی دوسری گردن سے ل۔
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔
 ”کل رائٹ آل رائٹ۔“ بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ کا
 ”تم سولین آفسر ہے“ تمہارا کم انٹرنیشنل منٹ پوٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڈ گنگش
 ہے“ پوٹ۔“

میں ہی میں
 ان دونوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی دیوار
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ حکم ابھی بنا میں قتل لڑا کم کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نے جو ان لوگوں اس کے گنگے کا ہار بنی رہتی تھی

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کندھے سے لنگ گئی دوسری گردن سے ل۔
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔
 ”کل رائٹ آل رائٹ۔“ بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ کا
 ”تم سولین آفسر ہے“ تمہارا کم انٹرنیشنل منٹ پوٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیڈ گنگش
 ہے“ پوٹ۔“

میں ہی میں
 ان دونوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی دیوار
 رہنے کے لیے ایک بنا سجا کر عارضی طور پر مل گیا۔ حکم ابھی بنا میں قتل لڑا کم کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نے جو ان لوگوں اس کے گنگے کا ہار بنی رہتی تھی

نہانی کی کاکل نہ تھی۔
 کرنل نے جب دیکھا کہ فرا کی توجہ انیس پر مرکوز ہے تو وہ چوکنا ہو گیا۔ بیٹا، انیس پر مرکوز ہونا اور بات تھی۔ لیکن لڑائی ہی تھی۔

ایک روز وہ لڑاکے پیچھے پیچھے انیس میں آیا اور پردوں کے پیچھے چھپ کر دیکھا۔
 فرا نے کاغذوں پر کرتے کرتے ہار کر چلی گئی تو وہ پردے سے باہر نکل آیا۔
 ملائی نے کرنل کو دیکھا تو اس کا دم خشک ہو گیا۔ کرنل بولا "دیکھو یہ تم نے انٹرنیشن کرنا ہے، تم نے فک کو انٹرنیشن کرنا ہے، ہماری سیم صاحبہ کو نہیں سمجھا۔"

"آپ سیم صاحبہ کو روک لیں۔" ملائی نے مظلوم بن کر ہمدردی طلب لکھوں کی۔
 "ہم سیم صاحبہ کو نہیں روک سکتے کرنل بولا، لیکن ہم تم کو روک سکتے ہیں۔ یہ کرنل نے ہسٹل نکل لیا۔ "ڈکڑ بڑ، نو، بیٹکی بیٹکی" نہیں تو اس نے ہسٹل کی طرف اشارہ کیا۔
 انیس سے باہر نکل گیا۔
 اگلے روز جب سیمیں ملائی کے ہاتھ کے ساتھ انیس میں داخل ہوئیں تو کمرہ خالی تھا۔

لوچ ہی لوچ

ملائی کے اخراج کی وجہ صرف کرنل کا ڈر نہیں تھا۔ اگر صورت حالات رسمی انٹرنیشن تک محدود نہ ہوتی۔ اگر اس کیمبل میں ایڈیٹر کا مضر شال ہو جاتا تو کرنل کا ڈر جھاگ جاتا۔
 بلبلوں کی طرح اڑ جانا۔ بالکل ایسے جیسے لوشار دانی کے ساتھ ہوا تھا۔
 ملائی کو لوشار دانی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے نزدیک وہ ایک رشتہ جیٹیں کھیل تھی۔
 اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوشار خوبصورت نہ تھی۔ خوبصورت تھی یا نہیں، دل آویز نہ تھی۔ بے انداز دل آویز تھی۔ وہ بیج کر باہر نکلتی تو ایسے گنتا جیسے رشتہ میں "وہ میں"۔

ملائی اپنے ہاتھوں اشفاق حسین کے گھر آیا تھا تو بیشک کی صورت مایہ کیجہ کر

ایک بہت بڑی دیوہ دلیری کی۔ وہ لوشار کی طرف پیچھے کر کے بیٹھ گیا۔
 "ہستوں نے نہیں کس" دھمکیاں دیں کہ وہ راکوٹ نہ بنے، لیکن ملائی پر کوئی

”مکن مین آج اس کے ساتھ میں تھا“ مہلی نے جواب دیا۔

”اب اس کے ساتھ میں تھا“ مہلی نے جواب دیا۔

"پھر" رنجی نے ہونٹوں پر دبان پھیری۔

"کافی دیر تک وہ ڈری ڈری رہی کم سم بیٹی رہی۔"

میں نے کہا ڈرتی کیوں ہے رہی، میں تجھے کھا میں جاؤں گے اور دیکھ میں

یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔ وہ اب بھی کھڑی

ارد کوئی بیٹری ہو تو دینا میں اسے ہلا کر ٹاکر لوں۔"

میں نے کہا، "خواتین کا قصہ ہے۔ ہر سال اس کے لئے ایک ایسا قصہ ہے۔۔۔"

ان دنوں کرشن مکر دویرا پڑا تھا۔
کرشن مکر ہندوؤں کا متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات۔

کرشن مکر کی طرز پر بنے ہوئے تھے۔
کرشن مکر کے ہندو منظم طریقے سے ہجرت چاہتے تھے۔ تمام مکانات۔

مقتل۔ یہ مکانات سازو سامان سے بھرے ہوئے تھے۔
منظم انتظام کے باوجود ہندو صرف وہیں ہی رہتے اور دوسری جگہیں نہیں جاتے۔

جب وہ گئے تھے تو انہیں پورا تعین تھا کہ صرف چند ہفتوں کی بات ہے۔
کے بعد وہ اپنے اپنے گروں میں لوٹ آئیں گے۔ سلمان شاید لٹ لٹا جائے۔

خطرہ نہیں۔
چند نہیں اس پختہ تعین کی بنیاد کیا تھی، لیکن ان کے دلوں میں خفا

نے بٹھایا تھا، معلوم نہیں شاید کسی سیاسی پارٹی نے بٹھایا ہو۔ بہرحال قرآن

ہندوؤں کو یقین تھا کہ تقسیم ایک عارضی چیز ہے اور چند ماہ کے اندر اندر پھر

پہنچ جائیں گے۔
چند نہیں اس پختہ تعین کی بنیاد کیا تھی، لیکن ان کے دلوں میں خفا

نے بٹھایا تھا، معلوم نہیں شاید کسی سیاسی پارٹی نے بٹھایا ہو۔ بہرحال قرآن

ہندوؤں کو یقین تھا کہ تقسیم ایک عارضی چیز ہے اور چند ماہ کے اندر اندر پھر

الاط منٹ

ان دنوں کرشن مکر دویرا پڑا تھا۔
کرشن مکر ہندوؤں کا متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات۔

کرشن مکر کی طرز پر بنے ہوئے تھے۔
کرشن مکر کے ہندو منظم طریقے سے ہجرت چاہتے تھے۔ تمام مکانات۔

مقتل۔ یہ مکانات سازو سامان سے بھرے ہوئے تھے۔
منظم انتظام کے باوجود ہندو صرف وہیں ہی رہتے اور دوسری جگہیں نہیں جاتے۔

جب وہ گئے تھے تو انہیں پورا تعین تھا کہ صرف چند ہفتوں کی بات ہے۔
کے بعد وہ اپنے اپنے گروں میں لوٹ آئیں گے۔ سلمان شاید لٹ لٹا جائے۔

خطرہ نہیں۔
چند نہیں اس پختہ تعین کی بنیاد کیا تھی، لیکن ان کے دلوں میں خفا

نے بٹھایا تھا، معلوم نہیں شاید کسی سیاسی پارٹی نے بٹھایا ہو۔ بہرحال قرآن

ہندوؤں کو یقین تھا کہ تقسیم ایک عارضی چیز ہے اور چند ماہ کے اندر اندر پھر

پہنچ جائیں گے۔
چند نہیں اس پختہ تعین کی بنیاد کیا تھی، لیکن ان کے دلوں میں خفا

ہم قانونی طور پر مکان لاث کرانیں گے۔

اس فیصلے کے بعد ہم دونوں کرشن گھر میں محوم پھر رہے تھے۔ اپنے اپنے کاموں کے لئے نکلے۔ اس وقت تک کہ کوٹش کر کے اسے اپنے نام لاث کرالیں۔

جوں جوں میں سلاٹن سے بھرے ہوئے مکان دیکھتا توں توں میرے اندر کی ہر آنکھوں تلے ہل خزانے کے ڈھیر لگ جاتے۔ میرا ہی چاہتا کہ جانی مجھ سے پہلے وہ مکان کے اندر داخل ہو جائے اور مکان پر قبضہ کرے۔ مجھے اس بات پر فخر نہ آتا تھا کہ میں اس مکان میں رہتا ہوں۔

اس کے برعکس جانی سے سمجھتا تھا کہ میرے لیے اس کی تجویز ناقابل قبول تھا۔ جاگوار گزرتی ہے اور وہ نہایت سے سر لٹاک کر آگے چل پڑتا۔ چلو نہ سہی، جیسے تم کہو، اس روز محوم پھر کر ہم نے چار پانچ مکان پسند کیے، ان کے نمبر نوٹ کیے اور دیکھے۔

زیور سے لدی چندی ہندنی

ساری رات مجھے نیند نہ آئی۔

ساری رات میں ان مکانات میں گھومتا رہا۔

کبھی ساڈو سلاٹن کا جائزہ لیتا، کبھی الماریوں کی صفائی لیتا، کبھی مچن کے کونے میں لٹکے زین کو دیکھتا، زین سے آوازیں آتیں، ہل ہل میں بیٹیں ہوں۔ قہوڑی سی گرائی اور کھوڑو۔ اور کھوڑو۔

ایک مکان میں گھومتے پھرتے تو ایک حادثہ رونما ہو گیا۔ میں اس وقت چھٹی کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے سوچا شاید اس کا کوئی دوسرا دروازہ ہو۔

دفعۃً میں نے دیکھا کہ سامنے ایک کھڑی ہے، جس میں بیٹھ لگا ہوا ہے۔ چوٹ ماری بیٹھ چور ہو گیا، بازو اندر ڈالا۔ چھٹی کھولی اور اندر داخل ہو گیا۔

ارے میں حیران رہ گیا۔ سامنے بیٹھ کے ایک کونے پر، ریشمیں چادر میں لٹا

ایک شخص تھا، وہاں پر ہاتھ کر کے آگے بڑھا۔ دفعتاً چادر میں حرکت ہوئی، ایک شخص نکلا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

وہ گھڑی ایک جیتی جاگتی ہندنی تھی۔ اس کا جسم سونے کے دیو رات سے

سب کچھ لے لو کر مجھے مارو نہیں۔

دیکھا تو وہ خلی ہندنی ہی نہیں تھی۔ وہ ایک حسین و جمیل دامن تھی، جس نے اس وقت میرے قدموں پر پڑا تھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

میں نے اس شخص کو دیکھا۔

بجسٹریٹ لویز عمر کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی بے تعلقی اور بے ہوشی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اس کے روزمرہ کپڑے ہو کر اپنی بد قسمتی کا رونا روٹے، تو وہ ان کے

اگر جمع ہو گئے۔ چپ بولا۔ ضروری کارروائی مکمل ہو چکی ہے۔ اب وہ

نام بیان الاٹ کیا گیا ہے۔ اس پر ایک موٹا تازہ مٹول ٹھنک آگے

اول تو اسے سنائی نہیں تھا۔ مجبوراً سناتا تو وہ آنکھیں موندھ کر بیٹھ رہتا۔
یوں لگتا جیسے گہرا صدمہ میں مصروف ہو۔ ہر حال سناؤں کی منتوں، سناؤں کے
صرف ایک لفظ کا کہنا تھا، یعنی ہو جائے گا۔ اور نہیں۔

اس کا طریق کار ایک سرست راز تھا۔ جس کی کبھی کتاب کے ہاتھ میں تھی۔

تپ ایک چن پر وہ ہوشیار آدمی تھا۔ وہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ جب کوئی کام
وقت بھی اس کے انداز سے لیا جاتا جیسے شدت سے مصروف ہو۔

سوتا مجسٹریٹ جاگتا تپ

تپ کے ہاتھوں میں ہر وقت کلنڈر کا ایک پلندہ پکڑا رہتا۔ ہر چند ایک منٹوں
اس پلندے کو کھولا، دیکھا، اس روز تریب دتا اور پھر سے لپیٹ کر ہاتھ میں لیا۔
مجسٹریٹ سویا سویا تھا، اتنی ہی تپ جاگتا جا رہتا۔ بلکہ بعض اوقات ٹک پڑنے لگا۔
سے کچھ زیادہ ہی جاگ رہا ہے۔

وہ مجسٹریٹ کا تپ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ مجسٹریٹ کو یوں چلاتا تھا جیسے اس کے ہاتھ
ہو۔ اب یہ یہ کرنا ہے۔ چلیں۔ اب لوہر جانا ہے۔ چلیں۔ اب بی ۳۳ کی لائن منٹ ہے۔
اس کا لہجہ تھکا ہوا تھا، لگتا تھا جیسے بار بار چلتا تپ کہہ کر وہ اسکاتل کو شوگر کوٹ لگا رہا ہے۔
مجسٹریٹ بغیر چوں و چرا کے تپ کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ یوں جیسے سڑکیں کو
انجن مسٹری ڈرائیور کے طالع فریض ہو۔

سناؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہا۔
'میں بد ملی بڑھتی جا رہی تھی۔ چونکہ لائن منٹ آرڈر ایسے لوگوں کو مل رہے تھے
نے بھی دیکھا نہ تھا۔

ہر روز وہ ایک نئے لوگ انجم میں شامل ہو جاتے اور لائن منٹ آرڈر لے کر چلے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیچھے پیچھے پھرتے والے لوگ اور ہیں اور لائن منٹ حاصل
اور۔ اس کے علاوہ انجم کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہر اسرار مال خانہ جس میں ہر مکان کی
منتقل کی جاتی ہیں۔ مہاجرین کا مال خانہ نہیں، بلکہ مجسٹریٹ، تپ، پولیس اور کارڈ ۱۱۱۱

ہم دونوں مجسٹریٹ کے گھر چلے جاتے اور وہاں انتظار کرتے۔ جب مجسٹریٹ



اشفاق احمد



باہر لھتا تو ہائی روڈ کر اس کے دوہرہ کھڑا ہو جاگ۔ روڑ سے پاؤں زمین پر مارا۔ ہر
 قوی انداز سے سلوٹ مار کر کتا، صاحب ہم بھٹوں سے آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔
 پھر ہم سیدے کرشن نگر چلے جاتے۔

جب بھی مجسٹریٹ لائٹ منٹ کرنے کے لیے مکان سے باہر لھتا تو ہائی روڈ پر
 جہر کر اس کے دوہرہ جا کھڑا ہو گا۔ زمین پر پاؤں مار کر اٹیشن ہو جاتا اور پھر قوی
 حضور ہماری طرف بھی توجہ فرمائیے۔

اس طرح دن میں ساتھ ساتھ آٹھ مرتبہ مجسٹریٹ کو سلوٹ کیا جاگ حتیٰ کہ جب وہ
 کے مقام سے فارغ ہو کر گھر پہنچتا تو دروازے پر ہم دونوں استہدہ ہوتے اور حسب
 اٹیشن ہو کر سلام مارا۔

پہلے روز ہی 'چھپے سلام پر' مجسٹریٹ نے چونک کر پہلی بار غور سے ہائی کی طرف
 پہلی مرتبہ تھی۔ جب اس نے پوری طرح جاگ کر کسی سائل کا جائزہ لیا تھا۔
 تیسرے روز مجسٹریٹ کی قوت برداشت نے جواب دے دیا۔ اس کی بے بسی
 مٹی۔

اس وقت وہ مکان سے قیمتی اشیاء کے اخلاء کے بعد لائٹ منٹ آرڈر دیتا ہے
 لگا تھا اس روز بھیڑ بست زیادہ تھی۔ ہائی نے اللہ اکبر کا ایک نمونہ لکھا۔ مجمع سیم کا
 دنگے دیتا ہوا غنڈوں کی طرح آگے بڑھتا مجمع کر پیچھے ہٹ گیا۔

مجسٹریٹ کے دوہرہ پہنچ کر اس نے خود پر ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کی۔
 حضور

میں اور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مائی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا، مریجہ مائی سے کہہ چکا تھا۔

میریجہ نے کہا اور گلی کی کھڑکی کی طرف چل پڑا۔
 آگے چل رہا تھا اور بائیں پیچھے پیچھے وہ پٹلا دن تھا کہ
 آگے چل رہی تھی ساتھ چل رہا تھا، یوں جیسے تھیں بجا رہا ہو۔ وہ پٹلا دن جب
 آگے چل رہا تھا ان کے بائیں کی لائٹ منٹ ہو رہی ہے۔

میریجہ نے کہا کہ مریجہ نے مکان کے باہر پر لکھا تھا "مولی لایج"
 آگے چل رہے تھے یا آواز بلند پڑھا یہ ٹھیک ہے ماس نے پوچھا۔

میریجہ نے کہا کہ اور پھر ضروری کارروائی شروع ہو گئی، فہم مکان کے سامنے دوسرے
 آگے چل پڑا۔ اس نے غلط پلاٹ میں بیٹھ گئے۔ چند دکانوں کی ڈیڑھ ٹیوں کی دھلیڑوں میں
 آگے چل رہے تھے، لوگ چیزوں کے انحصار کے عمل کو دیکھتے تھے۔

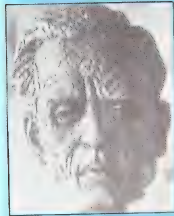
میریجہ نے کہا کہ وہ چیزوں کے انحصار کو دیکھتے تھے تو ان کے دلوں میں حسرتیں
 آگے چل رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کے لئے سالانہ اکٹھا ہو رہا ہے۔

میریجہ نے کہا کہ اس شروع ہو گئے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ بلی خانہ بند رہا نہ تھے
 آگے چل رہے تھے، ان کی نگاہوں میں حسرت جھلکتی تھی۔

میریجہ نے کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔
 آگے چل رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

میریجہ نے کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔
 آگے چل رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

میریجہ نے کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔
 آگے چل رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ مریجہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔



فدوی کا بنایا ہوا بسٹ (۱۹۳۹ء)



ادو اجعفری - ادبی تنظیم



منشی یاد - ادبی تنظیم رابطہ

جو ہر سائل کے دل میں ہفتوں سے اچھل رہی تھی۔ وہ بات جو دلوں میں رستا رہا ہے۔
تھی۔

مائی کی باتیں سن سن کر سائیکوں کے دلوں میں ہمت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ دلی دلی

اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اتفاق سے نائب ڈاٹر نکلا۔

مائی چلا کر بولا 'نائب صاحب دیکھئے کوئی چیز انہر نہ رہ جائے' ساری نگاہیں

لے چائیں 'لے چائیں میرے گھر کو پاک کر دیجئے۔'

نائب کو یہ سن کر پیش آگیا۔ اس نے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر

کرنا ہمارا فرض ہے، رہ بولا اور۔

ضروری کارروائی، کوئی قہر۔ مار کر جلا۔

ضروری کارروائی، ایک گروہ چلایا۔

ضرور کیجئے ضروری کارروائی، اوسر سے آواز آئی۔

ضروری کارروائی ہمت ضروری ہے، کوئی بولا۔

نائب صاحب ہمت سیانے ہیں، غیر ضروری کارروائی نہیں کرتے۔

کچھ زیادہ ہی سیانے ہیں۔

اللہ بچائے اس سیانے سے۔

بے زبان زبانیں

چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

نائب نے ہوا کا رخ دیکھ کر تفرق کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور چپ چاپ اندر ہار دیا۔

ہر ایک نے عجیب تبدیلی عمل میں آئی۔ لوگوں کو گویا زبان مل گئی۔

میں پندرہ دنوں سے مجسمیت کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہوں، ایک نے کہہ

بارہ دن ہو گئے ہیں، وہ میری بات ہی نہیں سنتا۔

یہ مکان آخر کے الٹ ہو رہے ہیں۔

پتہ نہیں، میں ایک بار آئے ہیں اور مکان لے کر چلے جاتے ہیں۔

UrduPro.com

کہا کہ اگر ہمارے ہاں تم نہ برو۔ تم اپنا دھرم بھرشت نہ کرو۔ اپنا تو کوئی دھرم
 رکھو۔ اس کی ہے اس کے پرانے پکا دیکھو، روز جمع شہم۔
 کہتے ہیں ہندو جاتے وقت کھانے پینے کی چیزوں میں دھرم لگاتے
 ہیں۔ برا حال ہے جسے ہیں وہ مرگئی گئے ہیں۔

کہا کہ اس کا نام رکھ لی۔

کہا کہ اس کا نام رکھ لی۔

کہا کہ اس کا نام رکھ لی۔

کہا کہ اس کا نام رکھ لی۔

کہا کہ اس کا نام رکھ لی۔

کہا کہ اس کا نام رکھ لی۔

لولی لاج

کہ ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

لولی لاج کی ریلوے کے پلو کا گھر تھا جو بالکل نیا بنا ہوا تھا اور ابھی تک اس
 گھر کے پچھلے ترخانہ تھا جو عمارتی سلاں سے بھرا ہوا تھا، لوہے کے گھڑاؤ
 بنائے چپ لڑکیوں، کابل، کچل، چپاں، کچلی کی تاریں، سوچ ہو لڈر، جیٹر
 مریں گی بولی جس۔

لوٹ کابل

بارہویں کے ششوار میں پھر کے چار تھا میں گئے ہوئے تھے۔ کسی میں اس
 میں چکی مرگئی تھی، دالیں، چاول، مکر، پھیاں، کھنڈیاں، چینی اور چائے کیا اس
 پلوہ پینے کی ہڈی روٹی کا سلاں تو ہو گیا، لالی نے چکیاں بھاتے ہوئے کہا۔
 نہ نہ قابل لالی، میں تو یہ سب چھینکوا دوں گی۔

کہا کہ لالی نے چھینکوا۔
 نہ نہ میں نہیں گئے ہندوؤں کی چیزیں۔
 کہہ دو سلاں بہت عمدہ تھا، نہ تو نازک تھا نہ خوب صورت، ہماری تھا

بھرا تھا، مضبوط تھا۔ اس میں انگریز کے دور کے سیکڑ گلاس وینٹگ روم کی دھانی

نو دلی

سلان دیکھ کر مجھے اندر ہی اندر دکھ ہوا میرا ڈرائیونگ روم کا خوب ہمارا
لے، لیکن پھر بھی میں بہت خوش تھا، چلو ڈرائیونگ روم نہ سہی۔ بیشک تو اس
اگرچہ غائب نہ تھا، لیکن فریج تو تھا۔
بڑے روز میں بہت ہماری نواری پنگ تھے، بڑے بڑے آئینے
ہوئے موٹے ڈگ قسم کے میز۔

مصدق کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں کی قیمت ان
لڑے بازار کے فٹ پاتھ پر کپڑوں کے ڈھیر گے ہوتے ہیں اور پرچوں فروش
دروپے کا آواز لگتے ہیں۔

بہر صورت ہم محسوس کر رہے تھے جیسے دفعتاً غمت سے لہارت میں آدرا
ایک صاف ستھرا مکان ایک الگ بیشک، اتنے سارے برتن اور طرح طرح کے
ہر سائز کے کپڑے، سٹے ہوئے، اگلے سے اگلے۔

اس لہارت میں صرف ایک قسم کی وہ یہ کہ گھر میں بکلی نہیں لگی ہوئی تھی
بکلی کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا تھا لیکن اتنے خوبصورت گھر کو لائے۔

میرے لیے قابل قبول نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ بکلی کے پول کی تدریس مکان کی
سے گزر رہی ہیں۔ میں نے تہہ خانے سے تین رطلے گلوب لپٹ لگائے، ان میں
کے تدریس لگائیں۔ مچن میں گئے ہوئے پیڑ پپ سے ٹیکو کرٹ حاصل کی
بیٹھ گیا۔ جب شام کا دھندلا ہوا تو میں نے ایک لیے ہاس سے تار لٹکایا جس کے
تھا۔ ہاس کی مدد سے کپ پول کی تدریس لگایا۔ تینوں بلب روشن ہو گئے۔

پھر جارا معلوم ہو گیا رات کو ہم میں لاش پر کب کب دیکھتے اور صبح سویرے
کر دیتے مشکل یہ تھی کہ اسنے اپنی خوب کی وجہ سے میں تینوں کو کھانا ڈال دیا
لیے گھر میں مدہم روشنی رہتی، ملتی اس پر سخت نہیں سمجھیں ہو کہ کتنا تھا، کھلم کھلا

سلان دیکھ کر مجھے اندر ہی اندر دکھ ہوا میرا ڈرائیونگ روم کا خوب ہمارا
لے، لیکن پھر بھی میں بہت خوش تھا، چلو ڈرائیونگ روم نہ سہی۔ بیشک تو اس
اگرچہ غائب نہ تھا، لیکن فریج تو تھا۔
بڑے روز میں بہت ہماری نواری پنگ تھے، بڑے بڑے آئینے
ہوئے موٹے ڈگ قسم کے میز۔
مصدق کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں کی قیمت ان
لڑے بازار کے فٹ پاتھ پر کپڑوں کے ڈھیر گے ہوتے ہیں اور پرچوں فروش
دروپے کا آواز لگتے ہیں۔
بہر صورت ہم محسوس کر رہے تھے جیسے دفعتاً غمت سے لہارت میں آدرا
ایک صاف ستھرا مکان ایک الگ بیشک، اتنے سارے برتن اور طرح طرح کے
ہر سائز کے کپڑے، سٹے ہوئے، اگلے سے اگلے۔
اس لہارت میں صرف ایک قسم کی وہ یہ کہ گھر میں بکلی نہیں لگی ہوئی تھی
بکلی کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا تھا لیکن اتنے خوبصورت گھر کو لائے۔
میرے لیے قابل قبول نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ بکلی کے پول کی تدریس مکان کی
سے گزر رہی ہیں۔ میں نے تہہ خانے سے تین رطلے گلوب لپٹ لگائے، ان میں
کے تدریس لگائیں۔ مچن میں گئے ہوئے پیڑ پپ سے ٹیکو کرٹ حاصل کی
بیٹھ گیا۔ جب شام کا دھندلا ہوا تو میں نے ایک لیے ہاس سے تار لٹکایا جس کے
تھا۔ ہاس کی مدد سے کپ پول کی تدریس لگایا۔ تینوں بلب روشن ہو گئے۔
پھر جارا معلوم ہو گیا رات کو ہم میں لاش پر کب کب دیکھتے اور صبح سویرے
کر دیتے مشکل یہ تھی کہ اسنے اپنی خوب کی وجہ سے میں تینوں کو کھانا ڈال دیا
لیے گھر میں مدہم روشنی رہتی، ملتی اس پر سخت نہیں سمجھیں ہو کہ کتنا تھا، کھلم کھلا

سلان دیکھ کر مجھے اندر ہی اندر دکھ ہوا میرا ڈرائیونگ روم کا خوب ہمارا
لے، لیکن پھر بھی میں بہت خوش تھا، چلو ڈرائیونگ روم نہ سہی۔ بیشک تو اس
اگرچہ غائب نہ تھا، لیکن فریج تو تھا۔
بڑے روز میں بہت ہماری نواری پنگ تھے، بڑے بڑے آئینے
ہوئے موٹے ڈگ قسم کے میز۔
مصدق کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں کی قیمت ان
لڑے بازار کے فٹ پاتھ پر کپڑوں کے ڈھیر گے ہوتے ہیں اور پرچوں فروش
دروپے کا آواز لگتے ہیں۔
بہر صورت ہم محسوس کر رہے تھے جیسے دفعتاً غمت سے لہارت میں آدرا
ایک صاف ستھرا مکان ایک الگ بیشک، اتنے سارے برتن اور طرح طرح کے
ہر سائز کے کپڑے، سٹے ہوئے، اگلے سے اگلے۔
اس لہارت میں صرف ایک قسم کی وہ یہ کہ گھر میں بکلی نہیں لگی ہوئی تھی
بکلی کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا تھا لیکن اتنے خوبصورت گھر کو لائے۔
میرے لیے قابل قبول نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ بکلی کے پول کی تدریس مکان کی
سے گزر رہی ہیں۔ میں نے تہہ خانے سے تین رطلے گلوب لپٹ لگائے، ان میں
کے تدریس لگائیں۔ مچن میں گئے ہوئے پیڑ پپ سے ٹیکو کرٹ حاصل کی
بیٹھ گیا۔ جب شام کا دھندلا ہوا تو میں نے ایک لیے ہاس سے تار لٹکایا جس کے
تھا۔ ہاس کی مدد سے کپ پول کی تدریس لگایا۔ تینوں بلب روشن ہو گئے۔
پھر جارا معلوم ہو گیا رات کو ہم میں لاش پر کب کب دیکھتے اور صبح سویرے
کر دیتے مشکل یہ تھی کہ اسنے اپنی خوب کی وجہ سے میں تینوں کو کھانا ڈال دیا
لیے گھر میں مدہم روشنی رہتی، ملتی اس پر سخت نہیں سمجھیں ہو کہ کتنا تھا، کھلم کھلا

لاحول ولا قوۃ

مادران میرے دل میں نیم چمتی کی حقیر تلواری طرح تھی راتی راتی۔

پھر جب رات کو ستر پر لیٹ کر پڑنے کی کوشش کرتا تو کتاب پر چبھے ہوئے دل

تھے پچھتے اور نایاب کر بائیں دیکھ کر لیتے تھے نیم چمتی کی کتاب،

کتاب سے نکل کر نکلیں ہاتھ لٹا۔ پھر دوش آتا تو سامنے وہی نیم چمتی کی کتاب

سی آواز آتی۔ تھکے لوٹ جاتا۔ کمر کی کے پٹ چلوں کر کے لیتے

بن جاتی اور اس درز سے درز رات کے اڑے جھاگتے۔

چار چہ دن تو یہ کھنکھن گئی رہی۔ آخر ایک رات کتاب پیچیک کر میں اللہ

میں کیا صبح ہے۔ یہ تو حق کیراشی ہے، لالچ تو میں۔ کیراشی تو ایک صبح

دیکھتا تو صرف یہ ہے کہ اس نیم چمتی میں ہے کیک۔

لیکن سرسبز تھکے۔ اگر تالے کی مرثوت بھی تو کیا ہو گا،

نہیں نہیں فضل ہے۔ خلوہ بخلوہ خود کو ذلیل کر لے میں

پھر دھن۔ خیال آتا، دیکھوں تو سنی نیم چمتی کتنی بدی ہے، اگر

کوئی درز تو ہوگی۔ میں اٹھ بیٹھ۔

نیم چمتی کی کوئی کمرے کے دروازے کے عین اوپر تھی۔ اس میں داخل ہو

کوئی زینہ نہ تھا۔

اگر وہ اونچا سٹول جو ہے۔ ہاں یقیناً وہ سٹول اسی لیے بنایا گیا ہے کہ میں

سکے۔

پہلی مرتبہ جب میں نے وہ سٹول دیکھا تھا تو حیران ہوا تھا کہ اونچا سٹول

نہیں آ سکتا۔ پھر اٹھ اونچا پائے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

سے شرفوں کی تلاش کی تھی تو اقبال جینک سے وہی سٹول اٹھا کر لے آئی تھی

نے غور سے دیکھا تھا کہ سٹول کی ایک طرف اوپر تک ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔

لاحول ولا قوۃ

مادران میرے دل میں نیم چمتی کی حقیر تلواری طرح تھی راتی راتی۔

پھر جب رات کو ستر پر لیٹ کر پڑنے کی کوشش کرتا تو کتاب پر چبھے ہوئے دل

تھے پچھتے اور نایاب کر بائیں دیکھ کر لیتے تھے نیم چمتی کی کتاب،

کتاب سے نکل کر نکلیں ہاتھ لٹا۔ پھر دوش آتا تو سامنے وہی نیم چمتی کی کتاب

سی آواز آتی۔ تھکے لوٹ جاتا۔ کمر کی کے پٹ چلوں کر کے لیتے

بن جاتی اور اس درز سے درز رات کے اڑے جھاگتے۔

چار چہ دن تو یہ کھنکھن گئی رہی۔ آخر ایک رات کتاب پیچیک کر میں اللہ

میں کیا صبح ہے۔ یہ تو حق کیراشی ہے، لالچ تو میں۔ کیراشی تو ایک صبح

دیکھتا تو صرف یہ ہے کہ اس نیم چمتی میں ہے کیک۔

لیکن سرسبز تھکے۔ اگر تالے کی مرثوت بھی تو کیا ہو گا،

نہیں نہیں فضل ہے۔ خلوہ بخلوہ خود کو ذلیل کر لے میں

پھر دھن۔ خیال آتا، دیکھوں تو سنی نیم چمتی کتنی بدی ہے، اگر

کوئی درز تو ہوگی۔ میں اٹھ بیٹھ۔

نیم چمتی کی کوئی کمرے کے دروازے کے عین اوپر تھی۔ اس میں داخل ہو

کوئی زینہ نہ تھا۔

اگر وہ اونچا سٹول جو ہے۔ ہاں یقیناً وہ سٹول اسی لیے بنایا گیا ہے کہ میں

سکے۔

پہلی مرتبہ جب میں نے وہ سٹول دیکھا تھا تو حیران ہوا تھا کہ اونچا سٹول

نہیں آ سکتا۔ پھر اٹھ اونچا پائے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

سے شرفوں کی تلاش کی تھی تو اقبال جینک سے وہی سٹول اٹھا کر لے آئی تھی

نے غور سے دیکھا تھا کہ سٹول کی ایک طرف اوپر تک ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔

برتنوں کے اس ڈھیر کے پاس ہی کپڑوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ چہرہ لے کرستے، قیض، انگوٹ، رومال، زیب کن، ڈسریہ

ایک لڑکی، اگل رکھ کر اقبل کو اشارہ کیا۔ وہ ڈبے

اور ان گھروالیاں بین مسنود کر بیٹھ جاتیں تاکہ میاں کی توجہ کلادہ پار سے الٹا ہڈول کرےں۔ چھٹے ہارے میاں کو از سر نو ناگہی بخشیں اور اس میں سادہ سادہ مل کے تجرے کے ہٹا دے لیکن آہو کی گھروالیاں اس فن میں

یہاں توجہ کی طلب ضرور تھی۔ لیکن اس کی خواہش تھی کہ وہ توجہ مدہم مدہم
ہیڈ لائن ہو کہ شعلہ بھڑک اٹھے اور ملاپ کی مصیبت پڑ جائے وہ ملاپ
میں۔ ملاپ اس کے لیے ایک تکلیف دہ امر تھا۔

اس پر گزرا تھا۔ اس نے ملاپ کی خواہش کا گھما گھونٹ دیا تھا۔ ہمیشہ کے

اپنی اپنی دھن

۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴۷۲
 ۴۷۳
 ۴۷۴
 ۴۷۵
 ۴۷۶
 ۴۷۷
 ۴۷۸
 ۴۷۹
 ۴۸۰
 ۴۸۱
 ۴۸۲
 ۴

اے ان دونوں چیزیں یا شے میں بری طرح سے مصروف تھی۔ سارا دن وہ کمر
چیزیں اکٹھی کرتی رہتی۔ برتن، کپڑے، کھلونے سب کچھ۔ پھر وہ انہیں یا شے
اندراج دیاں بناتا ہے۔

تقسیم کے بعد ۱۸ لاکھ روپے، ۱۲ لاکھ روپے، ۱۰ لاکھ روپے، ۸ لاکھ روپے، ۶ لاکھ روپے، ۴ لاکھ روپے، ۲ لاکھ روپے، ۱ لاکھ روپے، ۵۰ ہزار روپے، ۲۵ ہزار روپے، ۱۰ ہزار روپے، ۵ ہزار روپے، ۲ ہزار روپے، ۱ ہزار روپے، ۵۰۰ روپے، ۲۵۰ روپے، ۱۰۰ روپے، ۵۰ روپے، ۲۵ روپے، ۱۰ روپے، ۵ روپے، ۲ روپے، ۱ روپے، ۵۰ پैसे، ۲۵ پैसे، ۱۰ پैसे، ۵ پैसे، ۲ پैसे، ۱ پaise

اور میں ایک تھا ہمارا مسافر تھا۔ میں نے کئی ایک محبتیں کی تھیں اور بہن دوستیوں

یہ دھار کر دیا تھا۔ مجھے باتیں کرنے کا شوق تھا لیکن بلند بخت کو سامنے بیٹھنے والے کی بات بھول جاتی تھیں۔ وہ ذاتی صورت نہ تھی۔ اس کے خیالات رسمی اور مجید تھے۔ اس خیال ممکن نہ تھا۔ اپنی آکھٹ کو دور کرنے کے لیے 'ذاتی شدت' سے نجات پانے میرے پاس دو گھنٹی کے جیسی ملاپ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہ تھا، لیکن بلند بخت ہمارا نظام ملاپ سے غائب تھا۔ اس کا سارا جسم اس کے خلاف احتجاج کرتا تھا۔

اسی وجہ سے آقبل نیگم کی تمام تر توجہ گھر پر مرکوز تھی۔ سارا سارا دن وہ گھر کے کمرے میں بسر کر دیتی۔ فرصت کے اوقات اس فلم میں آئیں بھر مرنے میں کٹ پاتا۔ کوئی اس سے باتیں کرنے والا نہ تھا۔

لولی لانج میں آکر وہ بالکل ہی گھر میں کسوٹی تھی 'جو کچھ پہلی مرتبہ اسے چھوئے گا وہ اس کا کیا تھا۔ چڑوں کو بنا سجا کر رکھنا اور پھر پھرتے کے بعد ترتیب کو بدل دینا اس کا بھی کام تھا۔

ڈرا، سہا

لولی لانج میں کئی بہت خوش تھا۔ پہلی بار اسے کھینچنے کے لیے ایک لہجہ چڑا دیا تھا۔ وہ سارا دن چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھی کر کے مچن میں کھینچتا رہتا، آٹا چائے تو ہمارے گھر اور اس کے سامنے چوگان میں کھیتے ہوئے بچوں کو دیکھتا رہتا۔ اس میں اتنی جرات پیدا نہ ہوئی کہ وہ دروازے کو پار کر کے چوگان میں اتر جائے۔

انہی طور پر کئی ایک ڈرا ہوا، سہا ہوا۔ اس کی عمر صرف چھ سات سال کی تھی۔ اس نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا تھا۔

بالیسنے میں گھر میں بیٹھ تھی، ہمیں نہیں بھائی تھے، انہی تھی، 'ایو تھا۔ اور وہ اس سے محبت کرتے تھے اور لاؤ لڑاتے تھے۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا، ابو چلا گیا۔ پچھلے گھر میں آ گیا، جیسی کہتے تھے کہ وہ اب دلیں نہیں آئے تھے۔ پھر ابو دلیں آ گیا اور چھپ چھپ کر اسے مل رہا وہ اسے چھپ چھپ کر کہتا تھا۔

میں وہ بلا ہم مکتس میں رہتے تھے، فیروز پور ضلع میں میر کرنے کے کرتے تھے۔ دن قہر میں چڑھ جاتے تھے اور قصور اتر جاتے۔

میں نے حیرت سے سینہ صوری میدان سے بنی ہوئی خانوں کی طرف دیکھا۔
ملنے آئے ہیں آپ۔ میں ساتھ والے کپ میں کھرک ہوں اس نے جواب دیا۔
لوہر۔

داستان گو

پہلی مرتبہ میں اشفاق احمد سے ملا تو ایسے لگا جیسے گلابی ٹھل پر سرے آگے۔
کڑھے ہوں۔ اس کی بھر پور بولائی، جھل جھل کر رہی تھی اور اس پر انبساط کی
ٹانگی ہوئی تھی۔

پھر ہم کہیں ملنے لگے۔

پہلے اتفاقاً برسرے راہے۔ پھر اترا ملے شدہ جگہوں پر فن دونوں ایسی
احمد نہیں بنا تھا۔ ابھی بننے کا عمل شروع نہیں ہوا تھا۔ غالباً ملاحتیں ابھی خوابہ
ایک خصوصیت اپنے جوہن پر تھی۔ وہ دوسرے طور پر داستان کو تھا۔

مگن غالب ہے کہ آپ داستان کو "کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھتے"۔
کبھی روایتی لوگ داستان کو نہیں دیکھے، نہیں سنے۔

روایتی داستان گوئی میں غنہ ہوتا ہے، ساز ہوتا ہے، ڈرامہ ہوتا ہے، ساز ہوتا
ہوئے ہیں۔ داستان گو داستان سناتا ہی نہیں داستان پر قائم کرتا ہے۔ اشفاق احمد
طور پر پر قائم رہا۔ اسے بہت سے لطیفہ کہانیاں داستانوں کے ککڑے، ڈراموں کے
ایسی بیسیوں چیزیں یاد تھیں۔ پہلے وہ محفل لگا تھا، لگ جاتی تو خود سٹیج بن جاتا اور
پڑاؤں دینا کہ محفل باغ ہو جاتی۔

اشفاق کی پاؤں میں تھیلیات کی چاشنی تھی۔ بات میں تھیلیات کی پھول چٹائی،
اس کی شخصیت سے انبساط کی پھوار اڑتی، یوں ابھی جیسے فوارہ چل رہا ہو۔ اور وہ

میں نے اپنی کتاب "داستان گو" کی پہلی کتاب لکھی۔

کلاسیک اس کے آثار خانے میں طرح طرح کے نقش تھے۔
کلاسیک سے بنے ہوئے گورکھ دھندے تھے۔ جنہیں دیکھ کر
کلاسیک کہہ کر اور کہا۔ کیا ہوتا تھا مجھے سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں ہوتا تھا؟ یہ تو خیر
کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی

کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی

کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی
کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی

کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی
کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی

کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی
کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی

کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی
کلاسیک شہور تھا کہ کچھ ہوتا ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے میری نئی

یہ سرسبز گھٹن 'لارنس' باغ کی ایک پر فضا پہاڑی پر ایک پھٹی سی لڑکی اور ایک چھوٹے سے موسم تھی۔

ادین ایئر ٹیکسٹر فذبی نے قبضہ ہمارا تھا؟ جہاں دو چھوٹے چھوٹے لڑکے اور کنگ سٹوڈیو بنایا تھا۔

انوکھا کاروباری

فذبی سارا دن اپنے گھر کے مخصوص کمرے میں جس کی حیثیت ڈھنگا کی کرتا تھا کتاب کا سردار، بوقلمون کا لیلی، اشتہاری تصویر نہ جانے کیا آیا۔

پتہ نہیں اسے گھر بیٹھے بیٹھے کام کیسے مل جاتا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ سمجھتا تھا کہ کام وہ تو ہے جو چلی کر گھر آئے، وہ نہیں جیسے حاصل کرتے تھے۔ جانا پڑے۔

فذبی نے فیصلہ نہ رکھا تھا کہ وہ کنواں ہے، پیا سائیں۔ ملائکہ اس چٹک تھا، نہ بیٹیں تھا۔ اس کے باوجود اسے کل کا گھر نہ تھا۔ روزانہ بیٹے تھا۔

ایک کمرشل کام مل جاتا تھا جو وہ بڑی آسانی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اعلیٰ عوض وہ ساٹھ بیٹھ روپے کما لیتا تھا۔ ملائکہ اس میں وہ کام سمجھتی تھی۔ فذبی کا دوسرا اصول یہ تھا کہ منگنا پتھر، خریدار کو خاطر میں نہ لاؤ۔ کوئی کام

نیاز ہو جاتا۔ فذبی کو پیسے کی جس قدر شدت سے ضرورت ہوتی اسی قدر وہ کام سے پیش آتا۔ معاوضہ بازار سے دگنا یا گنا اور کسی صورت میں گانگ کو ہمارا بھولے یا پھیلنے کا ذمہ نہ لیتا۔

مجھے فذبی کی باتیں عجیب لگتی تھیں۔ اقتصادیات کے اصول جو میں نے اعلیٰ تھے فذبی کے کاروباری اصولوں کو دیکھ کر ایک ایک کر کے 'یوں' جھجھکتے تھے۔

UrduPhoto.com

ہاں تو دن بھر فذبی گھر کی بیٹھک میں کمرشل کرتا۔ شام کے وقت وہ فذبی

UrduPhoto.com

یہ وہاں ایئر ٹیکسٹر میں پہنچتا۔ جہاں اشتقاق اور میں پہلے سے

ادین ایئر ٹیکسٹر فذبی نے قبضہ ہمارا تھا؟ جہاں دو چھوٹے چھوٹے لڑکے اور کنگ سٹوڈیو بنایا تھا۔

فذبی سارا دن اپنے گھر کے مخصوص کمرے میں جس کی حیثیت ڈھنگا کی کرتا تھا کتاب کا سردار، بوقلمون کا لیلی، اشتہاری تصویر نہ جانے کیا آیا۔

پتہ نہیں اسے گھر بیٹھے بیٹھے کام کیسے مل جاتا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ سمجھتا تھا کہ کام وہ تو ہے جو چلی کر گھر آئے، وہ نہیں جیسے حاصل کرتے تھے۔ جانا پڑے۔

فذبی نے فیصلہ نہ رکھا تھا کہ وہ کنواں ہے، پیا سائیں۔ ملائکہ اس چٹک تھا، نہ بیٹیں تھا۔ اس کے باوجود اسے کل کا گھر نہ تھا۔ روزانہ بیٹے تھا۔

ایک کمرشل کام مل جاتا تھا جو وہ بڑی آسانی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اعلیٰ عوض وہ ساٹھ بیٹھ روپے کما لیتا تھا۔ ملائکہ اس میں وہ کام سمجھتی تھی۔ فذبی کا دوسرا اصول یہ تھا کہ منگنا پتھر، خریدار کو خاطر میں نہ لاؤ۔ کوئی کام

نیاز ہو جاتا۔ فذبی کو پیسے کی جس قدر شدت سے ضرورت ہوتی اسی قدر وہ کام سے پیش آتا۔ معاوضہ بازار سے دگنا یا گنا اور کسی صورت میں گانگ کو ہمارا بھولے یا پھیلنے کا ذمہ نہ لیتا۔

مجھے فذبی کی باتیں عجیب لگتی تھیں۔ اقتصادیات کے اصول جو میں نے اعلیٰ تھے فذبی کے کاروباری اصولوں کو دیکھ کر ایک ایک کر کے 'یوں' جھجھکتے تھے۔

ہاں تو دن بھر فذبی گھر کی بیٹھک میں کمرشل کرتا۔ شام کے وقت وہ فذبی

پچھ ہو کر رہ گیا۔ اندھیرے اجالے پھر سے گڈو ہو گئے اور ایک ایسا دھندلا پن چھا گیا
راستہ کوئی ڈنڈی بھٹکی نہ دیتی تھی۔

میں سوچتا یا لکھتا یہ کیا بھید ہے۔ اس پتھر کے بت میں وہ کون سی بات ہے؟
پکاروں میں تبدیل کر دیتی ہے 'روح کی پکار میں' 'ذہن کی' 'جسم کی'۔
دائیاں بلیاں۔

اس شخص میں وہ کیا بات ہے جسے دیکھ کر نسلی پھول چٹاں جھڑ جاتی ہیں؟
اُبھرتا ہے اور پھر مسلط و محیط ہو جاتا ہے۔
ایک لمبا نچہ لگتا، چنلخ دو سرا۔

جہاں سے۔
یہ تو غیر معمولی اور عام سی باتیں تھیں۔ مرویثت مگر کاروبار میں کرنا شروع کیا۔
کے استادوں پر چاہتے رہے ہیں۔
حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گھر میں کوئی کوئی جوان لڑکی یا لڑکھنڑ آجائے
ہوتی یا دور کی 'چاہے وہ ایک گھنٹے کے لیے یا ایک دن کے لیے آئی، اس کے لیے
ہر فرد کو جانا امتیاز دیا۔ گھر دامن گیر ہو جاتا کہ چروں میں بیٹھ جاتا
نہ پائے۔ اس وقت ہر فرد کھڑی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تھنے میں
لوہر سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تھن دو۔ لوہر ایک سوراخ ہے اسے
میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پردوں کو چھیننا دے کر بھگو دو۔ اس
تقلی سنڈی بن کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے۔ دیو تاکڑا دور بیٹھا آگ شام ہے
انتہام کو دیکھا رہتا۔ پورے ہی اس کے ارد گرد لپکاتے پرستے میں مصروف رہتے ہیں
بچے جاتی۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا۔ دل میں ذہنی سے لڑنے
لیں میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا۔ ذہنی کی شخصیت کی
بند میں لہریں لہتی تھیں، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔
دروازہ بند۔

ایک روز میں مختصر بیٹھا رہا کہ کب ذہنی کے ٹیوٹر پر کاروروا کھلے
اس روز ایک مختصر قسم کی غلطی ذہنی سے ملے آئی تھی۔ ابتداء سے معلوم ہو
مرتبہ آئی ہے۔ اس وقت وہ لبرل لگائے ایک پٹل سکے بیٹے میں مصروف تھا۔
غلطی صوفے پر بیٹھ گئی۔ ذہنی کچھ بیٹے میں مصروف رہا۔
آپ آکر ذہنی ہیں غلطیوں کے پچھا
میں اس نے کچھ سے سرائے بغیر کرکے
آپ کو کچھ سے دلچسپی ہے، مگر سے یا ڈھنگ سے۔ وہ بڑی بے غمازی۔
UrduPhoto.com

جہاں سے۔

یہ تو غیر معمولی اور عام سی باتیں تھیں۔ مرویثت مگر کاروبار میں کرنا شروع کیا۔
کے استادوں پر چاہتے رہے ہیں۔
حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گھر میں کوئی کوئی جوان لڑکی یا لڑکھنڑ آجائے
ہوتی یا دور کی 'چاہے وہ ایک گھنٹے کے لیے یا ایک دن کے لیے آئی، اس کے لیے
ہر فرد کو جانا امتیاز دیا۔ گھر دامن گیر ہو جاتا کہ چروں میں بیٹھ جاتا
نہ پائے۔ اس وقت ہر فرد کھڑی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تھنے میں
لوہر سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تھن دو۔ لوہر ایک سوراخ ہے اسے
میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پردوں کو چھیننا دے کر بھگو دو۔ اس
تقلی سنڈی بن کر بیٹھنے پر مجبور ہو جائے۔ دیو تاکڑا دور بیٹھا آگ شام ہے
انتہام کو دیکھا رہتا۔ پورے ہی اس کے ارد گرد لپکاتے پرستے میں مصروف رہتے ہیں
بچے جاتی۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا۔ دل میں ذہنی سے لڑنے
لیں میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا۔ ذہنی کی شخصیت کی
بند میں لہریں لہتی تھیں، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔

دروازہ بند۔

ایک روز میں مختصر بیٹھا رہا کہ کب ذہنی کے ٹیوٹر پر کاروروا کھلے
اس روز ایک مختصر قسم کی غلطی ذہنی سے ملے آئی تھی۔ ابتداء سے معلوم ہو
مرتبہ آئی ہے۔ اس وقت وہ لبرل لگائے ایک پٹل سکے بیٹے میں مصروف تھا۔
غلطی صوفے پر بیٹھ گئی۔ ذہنی کچھ بیٹے میں مصروف رہا۔

آپ آکر ذہنی ہیں غلطیوں کے پچھا
میں اس نے کچھ سے سرائے بغیر کرکے
آپ کو کچھ سے دلچسپی ہے، مگر سے یا ڈھنگ سے۔ وہ بڑی بے غمازی۔
UrduPhoto.com

ریڑ کی گڑیا چوں چوں کرتی ہوئی پل پر چڑھ جاتی۔

آخر میں 'ہی ہی ہی ہی کی آواز آتی۔

پھر ایک معنی خیز خاموشی چھا جاتی۔

اور پھر 'چراں کھٹ' سے دروازہ بند ہو جاتا۔

پھر گھر کے سارے در و دیوار سرگوشیاں کرتے 'دروازہ بند ہو گیا' دروازہ بند ہو گیا۔

سرگوشیاں میرے کانوں کے ارد گرد منڈلاتیں 'میرا منہ چڑا دیتی' 'خسرو اڑا دیتی' 'دروازہ بند ہو گیا' مجھے غصہ آئے لنگ میرے نزدیک دروازہ بند ہو چلا آگوشی کا گناہ

کا نشان قلم میں بند دروازے والے کمرے کی طرف دیکھتا اور محسوس کرتا ہے وہ گناہ

ہو جس سے پیپ رس رہی ہو۔ یہ جب کی بات تھی۔

اب بند کمرہ میری نگاہ میں پھوٹا نہ رہا قلم اس میں سے پیپ میں رہتی تھی

چلتی ہوئی مجھے بند کمرے پر غصہ ضرور آتا تھا 'اس لیے نہیں کہ میرا احساس پاکیزگی

لب میں خود آگوشی سے اس قدر لت پت ہو رہا تھا کہ کس منہ سے پاکیزگی کا تصور

اب بند کمرے کو دیکھ کر مجھے اس لیے غصہ آتا تھا کہ میرے علم کے منہ پر پانچ

پانچ میرا احساس ہر دلی چور چور ہو جاتا تھیں مجھ سے نہ آتا کہ دروازہ کس اصول

ہوا ہے۔

ذہنی کی شخصیت اور جسم میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ اس کی باتوں میں کوئی کشش

اس کا ہر ٹکڑے نیاز ہی 'بے پرواہی اور آکسٹ سے بھرا ہوا قلم پھر دروازہ کیسے بند ہوا

معصوم فنکار

اس روز میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ذہنی سے بات کروں گا۔ اسی لیے میں دروازہ

پیشا قلم

دروازہ کھل گیا۔

محترمہ باہر قلم۔ میں نے غصہ بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ یوں دھوئی دھالی

دیکھنے لگی جیسی کوئی بات ہی نہ ہو۔ جیسے وہ پار سے کو کا کولہ پانی کر آئی ہوں۔ اربت

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

یوں بھرا ہوا تھا جیسے ابھی ابھی اگر جی بھی ہو۔

کوا قلیق میں مصروف تھا 'بے نیاز' 'بے لاگ' 'بے لگاؤ۔

میں نے غصے میں کہا۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

وہاں سے کمرے ہوا کو سونگھنے لگا تھا ہے۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

بہت سی بات کی لاج کیا ہوئی۔

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زیر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے، کھینچے، خدائی میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی، نہ نہ نہ نہ نہ، وہ بولا، میری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ، فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔

ہوں، معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا، میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا، میں تو برا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تجھے پس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں، یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں، وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کہ تو ہم
دول گا جھیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی صفت ہے، جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں، اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
چپکے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔

میری آواز دہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لفت نہیں

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زیر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے، کھینچے، خدائی میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی، نہ نہ نہ نہ نہ، وہ بولا، میری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ، فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔

ہوں، معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا، میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا، میں تو برا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تجھے پس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں، یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں، وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کہ تو ہم
دول گا جھیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی صفت ہے، جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں، اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
چپکے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔

میری آواز دہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لفت نہیں

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زیر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے، کھینچے، خدائی میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی، نہ نہ نہ نہ نہ، وہ بولا، میری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ، فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔

ہوں، معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا، میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا، میں تو برا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تجھے پس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں، یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں، وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کہ تو ہم
دول گا جھیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی صفت ہے، جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں، اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
چپکے لگی۔

میں نے ہر صفحے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔

میری آواز دہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لفت نہیں

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زیر لب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

پھر بڑی محنت سے اس نے جہیزت لکھ کا نام لکھ کر قبلی رکھ دیا۔

تعمیل ہے شروع ہونے کے بعد، آذر قبلی نے کرشل کام شروع کر دیا،
انہی دنوں قبلی نے لکھن شاعر فیض میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش گو

جب ذیلے جہیزت بنا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا ذیلی،

شر ہے۔ جیو کا کارڈ میں بتنا اس سے متاخر ہوتا ہے۔

اچھا وہاں آواز اگڑا ہو گیا ہے۔

حقے نظر لی آٹا میں نے پوچھا۔

میں تو ہلا۔

کیا نظر آئے؟ میں نے پوچھا۔

کتنے کنگلے جو ٹمکا ہے، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش سال ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل مگرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبلی کہنے لگے کہ بت کے میں مطابق تو ناجا رہا ہے۔ دیکھا ہوں،

یالہ یہ غصے نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

غم خور۔ دکی

قبلی نے قبلی اور جہیزت بنا تو میں چچے جھاڑو اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ کارڈ لے۔

کیا بنا دیا ہے؟

یوں بنا دیا ہے، یاد رکھیں پڑی ہو۔

اچھا وہ جہیزت بنا دیا ہے پڑی ہے۔

جس کا آٹا میں نے پوچھا۔

بھی سسٹر ہے، اس نے جواب دیا۔

پھر بڑی محنت سے اس نے جہیزت لکھ کا نام لکھ کر قبلی رکھ دیا۔

تعمیل ہے شروع ہونے کے بعد، آذر قبلی نے کرشل کام شروع کر دیا،

انہی دنوں قبلی نے لکھن شاعر فیض میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

جب ذیلے جہیزت بنا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا ذیلی،

شر ہے۔ جیو کا کارڈ میں بتنا اس سے متاخر ہوتا ہے۔

اچھا وہاں آواز اگڑا ہو گیا ہے۔

حقے نظر لی آٹا میں نے پوچھا۔

میں تو ہلا۔

کیا نظر آئے؟ میں نے پوچھا۔

کتنے کنگلے جو ٹمکا ہے، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش سال ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل مگرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبلی کہنے لگے کہ بت کے میں مطابق تو ناجا رہا ہے۔ دیکھا ہوں،

یالہ یہ غصے نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

جب ذیلے جہیزت بنا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا ذیلی،

شر ہے۔ جیو کا کارڈ میں بتنا اس سے متاخر ہوتا ہے۔

اچھا وہاں آواز اگڑا ہو گیا ہے۔

حقے نظر لی آٹا میں نے پوچھا۔

میں تو ہلا۔

کیا نظر آئے؟ میں نے پوچھا۔

کتنے کنگلے جو ٹمکا ہے، میں نے وہی بتا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش سال ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل مگرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبلی کہنے لگے کہ بت کے میں مطابق تو ناجا رہا ہے۔ دیکھا ہوں،

یالہ یہ غصے نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

جب ذیلے جہیزت بنا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا ذیلی،

شر ہے۔ جیو کا کارڈ میں بتنا اس سے متاخر ہوتا ہے۔

نیم چھتی کا رابنس کروڑو

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڑ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔

ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں تھا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جاننا ہی تھا۔ اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقوں کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔

اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجہ بوجہ کی ملاحقیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کھانا ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر دی تھی۔ گھر میں بڑے خان کا حکم چنا تھا اور بڑی تنگ کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤں اشفاق احمد مزنگ روڑ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں تھا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جاننا ہی تھا۔ اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقوں کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔

اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجہ بوجہ کی ملاحقیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کھانا ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر دی تھی۔ گھر میں بڑے خان کا حکم چنا تھا اور بڑی تنگ کی حکمت عملی چلتی تھی۔

اشفاق احمد نے روڑے میں دو ملاحقین پائی تھیں، وہ اپنی بھائیوں سے بہت اچھے تھے۔ ان کی شخصیت کا رنگ سارے گھر سے مختلف تھا۔ اس لیے وہ گھر کا حصہ نہ بن سکا تھا۔

رابنس کروڑو

UrduPK

اشفاق احمد نے روڑے میں دو ملاحقین پائی تھیں، وہ اپنی بھائیوں سے بہت اچھے تھے۔ ان کی شخصیت کا رنگ سارے گھر سے مختلف تھا۔ اس لیے وہ گھر کا حصہ نہ بن سکا تھا۔

UrduPhoto.com

بھلا، اشفاق کی زندگی دکھ سے آزاد تھی۔ اسے ہر قسم کی سہولت اور آرام حاصل تھا۔ ایک الگ کمرہ میر قلم سنائی تھیں۔ وہ وقت کا کھانا پیچھے سے آجاتا تھا۔ ضرورت ہوتی، صرف آواز دینے سے موجود ہو جاتی۔ اپنی سہولت کے لیے اس کا ایک کونہ کھائے پکائے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہاں تیل کا چراگما تھا۔ نہ پانی نہ برقی کولر تھا۔ چائے کی گلی پیکی تھی۔ یہاں سے 'جب جی چاہتا چائے بنا کر' بظاہر وہ ایک بے فکر انجمن قلم کے رکن سے محفوظ قلم بن گیا۔

خیر قلم کوئی بری عادت نہ تھی۔ صرف وہ شوق تھے کہ کتاب اور مشین، مٹا کر کاغذ اور دلدلہ۔ دلو چلنے والی مشین کو دیکھ کر وہ جانتا کہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا جائے گا۔ کئی ہے۔ کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔

پھر بار بار دوسرے گزرتے۔ ہر بار مشین کو اٹھاتا اور وہ پردہ اس سے کھینچ کر اسے دوسرے میں پلایا تھا۔ وہ ایک پیدائشی مسرتی قلم تھیں اسے انجیر بننے سے

قائم آتش کا شوق تھا۔ ابتدا میں ادبلی سے متاثر ہو کر اس نے پیشنگ کا شوق آزایا تھا۔ اس زمانہ میں چوری پیشنگ کیا کرتا تھا۔ اس نے چار ایک عمل بنائے تھے۔

سب سے پہلا عمل جو اشفاق نے بنایا، اس کا نام کل عمل قلم اس میں مورخہ حصہ دیکھا گیا تھا۔ جسے پیچھڑنے سے جن بوتلی سے باہر آتا ہے۔ یہ عمل بھی اس لیے کہ خاتون کا چہرہ جو دیکھا گیا تھا، اس پر ایسی کیفیت لگائی تھی کہ جن (خاتون) اشفاق کا دوسرا عمل بھی ایک عورت تھی جس نے اپنی نہایت سے بھری ہوا کندھوں پر اٹھارہ کی تھیں۔

گہری اداسی

اشفاق احمد کے یہ خصلت بڑے معصوم تھے، وہ خود بھی معصوم تھا۔ اس لیے وہ کسی جواز نہ تھا۔ لیکن وہ دیکھی تھا بے وجہ دیکھی تھا اور صرف یہی نہیں وہ دیکھی تھی۔

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

بھلا، اشفاق کی زندگی دکھ سے آزاد تھی۔ اسے ہر قسم کی سہولت اور آرام حاصل تھا۔ ایک الگ کمرہ میر قلم سنائی تھیں۔ وہ وقت کا کھانا پیچھے سے آجاتا تھا۔ ضرورت ہوتی، صرف آواز دینے سے موجود ہو جاتی۔ اپنی سہولت کے لیے اس کا ایک کونہ کھائے پکائے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہاں تیل کا چراگما تھا۔ نہ پانی نہ برقی کولر تھا۔ چائے کی گلی پیکی تھی۔ یہاں سے 'جب جی چاہتا چائے بنا کر' بظاہر وہ ایک بے فکر انجمن قلم کے رکن سے محفوظ قلم بن گیا۔

خیر قلم کوئی بری عادت نہ تھی۔ صرف وہ شوق تھے کہ کتاب اور مشین، مٹا کر کاغذ اور دلدلہ۔ دلو چلنے والی مشین کو دیکھ کر وہ جانتا کہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا جائے گا۔ کئی ہے۔ کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔

پھر بار بار دوسرے گزرتے۔ ہر بار مشین کو اٹھاتا اور وہ پردہ اس سے کھینچ کر اسے دوسرے میں پلایا تھا۔ وہ ایک پیدائشی مسرتی قلم تھیں اسے انجیر بننے سے

قائم آتش کا شوق تھا۔ ابتدا میں ادبلی سے متاثر ہو کر اس نے پیشنگ کا شوق آزایا تھا۔ اس زمانہ میں چوری پیشنگ کیا کرتا تھا۔ اس نے چار ایک عمل بنائے تھے۔

سب سے پہلا عمل جو اشفاق نے بنایا، اس کا نام کل عمل قلم اس میں مورخہ حصہ دیکھا گیا تھا۔ جسے پیچھڑنے سے جن بوتلی سے باہر آتا ہے۔ یہ عمل بھی اس لیے کہ خاتون کا چہرہ جو دیکھا گیا تھا، اس پر ایسی کیفیت لگائی تھی کہ جن (خاتون) اشفاق کا دوسرا عمل بھی ایک عورت تھی جس نے اپنی نہایت سے بھری ہوا

کندھوں پر اٹھارہ کی تھیں۔

گہری اداسی

اشفاق احمد کے یہ خصلت بڑے معصوم تھے، وہ خود بھی معصوم تھا۔ اس لیے وہ کسی جواز نہ تھا۔ لیکن وہ دیکھی تھا بے وجہ دیکھی تھا اور صرف یہی نہیں وہ دیکھی تھی۔

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

ساری نیم چستی لوہی سے بھری ہوئی تھی اور وہ لوہن اتر ٹھہر دلا رول، وہ وہ نام

بہت سے مکئی کے دانے بھنوا کر لایا۔ پھر ان پر گڑ کی گرم پت چڑھائی۔

۱۱۔ لڑائے کر کے انہیں باہر جا ستو بنوائے۔ لہاں نے چٹیاں بنائیں۔ ہم سب

[illegible]

۱۔ اکی تو بولی شتو مجھے شیخین پر چھوڑے نہیں جاؤ گے کیا۔

اوتھوں۔

کیوں۔

بس خیال ہی نہیں کیا۔

تم لا کہو، کہ قسم، بکھڑے کیا۔

چمک کرتی ہوئی سامنے آئی تو پتہ نہیں کیا ہوا مجھے، میری آنکھوں سے آنسو پڑنے لگے۔
اور میری چٹا کر چٹ کر رووے۔ لیکن میں نے بڑا ضبط کیا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی، وہاں کھڑے ہو کر تائیں بناتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے آؤ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا، شتو نے کہا اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی، اس لیے

کر روتا رہا۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا، میں روتا رہا، روتا رہا، روتا رہا، دیوار سے لگ کر روتا رہا،

شیشوں پر چھوڑنے لگے تھے، وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہ میں کتے شیشوں پر ہاتھ

دیوار سے لگ کر روتا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، مجھے بالکل پتہ نہیں چلا۔ میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں، مجھے وہ

پھر کرن کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کھیل

پچکے سے چڑی چڑی کرکٹوں پر چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز

مہینوں میں جھری گاڑی کو دیکھ کر روتا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا، میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا، شتو نے کہہ کر کہا اس کا بیٹا وحید تھا اس نے

گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا دیکھا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو روتا نہیں ہے۔

میں نے کہا پتہ نہیں۔

سب سے روتا ہے تو اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

میں نے کہا جب سے وہ گئی ہے۔

اور اب وہی چٹا کر چٹ کر رو رہی، آواز میں بولا، میں بچوں کی بات ہے۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی،

وہاں کھڑے ہو کر تائیں بناتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے آؤ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا، شتو نے کہا اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی، اس لیے

کر روتا رہا۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا، میں روتا رہا، روتا رہا، روتا رہا، دیوار سے لگ کر روتا رہا،

شیشوں پر چھوڑنے لگے تھے، وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہ میں کتے شیشوں پر ہاتھ

دیوار سے لگ کر روتا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، مجھے بالکل پتہ نہیں چلا۔ میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں، مجھے وہ

پھر کرن کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کھیل

پچکے سے چڑی چڑی کرکٹوں پر چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز

مہینوں میں جھری گاڑی کو دیکھ کر روتا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا، میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا، شتو نے کہہ کر کہا اس کا بیٹا وحید تھا اس نے

گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا دیکھا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو روتا نہیں ہے۔

میں نے کہا پتہ نہیں۔

سب سے روتا ہے تو اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

اور اب وہی چٹا کر چٹ کر رو رہی، آواز میں بولا، میں بچوں کی بات ہے۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی،

وہاں کھڑے ہو کر تائیں بناتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے آؤ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا، شتو نے کہا اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی، اس لیے

کر روتا رہا۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا، میں روتا رہا، روتا رہا، روتا رہا، دیوار سے لگ کر روتا رہا،

شیشوں پر چھوڑنے لگے تھے، وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہ میں کتے شیشوں پر ہاتھ

دیوار سے لگ کر روتا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، مجھے بالکل پتہ نہیں چلا۔ میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں، مجھے وہ

پھر کرن کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کھیل

پچکے سے چڑی چڑی کرکٹوں پر چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز

مہینوں میں جھری گاڑی کو دیکھ کر روتا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا، میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا، شتو نے کہہ کر کہا اس کا بیٹا وحید تھا اس نے

گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا دیکھا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو روتا نہیں ہے۔

میں نے کہا پتہ نہیں۔

سب سے روتا ہے تو اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

اور وہ ————— اس کا کیا حال ہوا۔

کس کا شتو نے چمک کر پوچھا۔

کزن کا۔

پتہ نہیں وہ بولا۔

اسے پتہ چلا گیا۔

کس بات کا۔

کہ تم گاڑی کو دیکھ کر رو رہے۔

پتہ نہیں وہ بولا پتہ چل بھی جاتا تو وہ قہر مار کر فرس دیتی۔

ہوں اب وہ کہاں ہے میں نے پوچھا۔

میں ہے شتو نے جواب دیا۔ پانچ بجے ہیں۔ تین بجے تو کھولی بھر بائی

انگور

تمہاری اور کوئی کزن نہیں ہے کیا۔

جی ہمت سی ہیں۔

نوجوان ہیں۔

ہاں نوجوان بھی۔

تمہارے گھر آتی ہیں کیا۔

آتی ہیں۔

تمہاری طرف توجہ دیتی ہیں کیا۔

ہاں اتنی توجہ کہ میرا ہی گھبرانے لگتا ہے۔

کیوں گھبرانے لگتا ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کہیں۔ اس توجہ سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایسے لگتا

ہوتا۔ جیسے وہ یا تو خود کو پیش کرتی ہیں۔ کبھی ہیں۔ میں پتا نہ

لگا۔ اور یا پھر جیسے مجھے پتا ہوا انگور کچھ کر اپنا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔

میں نے پتہ نہیں کیا۔ جو خود کو پیش کریں۔ مجھے تو ایسے ساتھی کی تلاش ہے جسے یہ

پتہ نہ ہو۔ وہ انگور ہے۔ وہ نہیں جو آگے بڑھے۔ بلکہ وہ جو

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

لیکن ہم چپ چاپ اندھیرے میں بیٹھے

ہیں۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔ ہاں ہاں کر ایسے لگتا ہے جیسے ہم بھڑوے ہوں۔ کہہ بند کرنے اور کھولنے

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

پتہ نہ لگا۔

دیکھے۔

اس وقت وہ جسم کی جنت بنا کر بیٹھا ہوا ہے مگر کسی وقت روح بنا کر۔
 نفرت ہو جائے گی۔ تلاطم کا احساس جائے گا اور یہ جنت جہنم میں بدل جائے گی۔

نہیں آئے۔ ان کے آنے سے بڑے فائدے حاصل ہو جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے

نے خواب دیکھا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک فلیگ سٹیشن لاہور آگیا، نہیں نہیں یہ ممکن نہیں۔

پھر میرے دوستوں دلی کے ملحق صاحب آکر لے ہوئے جو کہ لاہور آگیا۔ لیکن اس نے بھی اسے درخور اعتناء نہ سمجھا

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، پانی نے قطعہ لٹکا، نوکری سے استغنے دے کر آگیا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

میں نے بھج سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

نوکیلا کنڈیشتر آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشتر تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرلہات تھیں۔

پھر چھوڑ دیوں دی نوکری۔

بس چھوڑ دی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں

مجھے دکھداری سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے کھانوں ایجن آپلو سے مراد

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکھدار لوگ ہیں۔ وہ دور دورہ چار گتے ہیں۔ وہ ہر جگہ

انہیں گھسنے کی تیار ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے

دور دور چار ہے اور کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں

ہوں۔ وہاں کپڑے کی بل بھی دور دورہ چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے

گتے، صرف دور دورہ چار گتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغنے دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری نوکری تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہٹا، یاد رہے، وہ بولا، تم بھی دور دورہ چار گتے ہو۔ مجھے بس ایک افسوس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

UrduPhoto.com

یوں؟ میں نے پوچھا۔

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری

UrduPhoto.com

میں نے ان کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔

میں نے ان کی آوازیں۔

میں نے ان کی آوازیں؟

میں نے ان کی آوازیں، بہت ہی شروع ہو چائیں تو سمجھ لو کہ وہاں ایک

میں نے ان کی آوازیں، اس محلے میں جہاں میں نے مکان لیا تھا، چاروں طرف سے برتن بجنے کی

آوازیں

آوازیں

میں نے ان کی آوازیں، قریب آتی تھیں اور قریب، اور قریب، حتیٰ کہ وہ کھڑکیوں میں آکھڑی

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر گئے دیکھنے لگیں۔

میں نے ان کی آوازیں، تو دکھاتی ہیں دیکھتی نہیں میں نے کہا۔

میں نے ان کی آوازیں، تم نے دیکھو تو پھر خود دیکھنے لگتی ہیں۔

میں نے ان کی آوازیں،

میں نے ان کی آوازیں، دیکھنا شروع کیا، سارا کھیل بگڑ جائے گا۔

میں نے ان کی آوازیں، دل سے آواز آتی ہوئی نہیں دیکھنا کتنا دل گروہ ہے ان لوگوں کا جو میں

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر مجھ سے استغنے دلوا دیا، حرام زباناں، پانی چلایا۔

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر تو انہوں نے جیسے وہیں رہنے پر مجبور کیا ہو

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر رہیں سے پہلے آئے پر تو نہیں۔

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر رہیں سے پہلے آئے پر تو نہیں۔

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر رہیں سے پہلے آئے پر تو نہیں۔

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر رہیں سے پہلے آئے پر تو نہیں۔

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر رہیں سے پہلے آئے پر تو نہیں۔

میں نے ان کی آوازیں، لنگ لنگ کر رہیں سے پہلے آئے پر تو نہیں۔

بس میں اسے بیوی نہیں مانتا، کبھی نہیں ملے۔ صرف تم اس بات پر یقین رکھو کہ میں تم سے کبھی نہیں بچتا۔
 بولا، 'صرف تم میرے ماں باپ نہیں سمجھتے' رشتے دار نہیں سمجھتے کوئی نہیں سمجھتا۔
 تم بات تو کرو۔

میں اور جیلہ ایک ہی گھر میں پلے ہیں۔ وہ میری کزن ہے۔ اس کے والدین نے اسے ہمارے گھر بھجوا دیا تھا۔ والدہ کو اس سے بڑا پیار تھا۔ اس لیے ہم اسے بہت سے اچھے اچھے کپڑے، لڑتے بھڑتے۔

والدہ نے اسے لیتا پیار دیا کہ جیلہ کے لیے میری ماں ایک بڑی سی سیڑھی بن گئی تھی۔
 میری ماں اس قدر اثر انداز ہوئی کہ جب جیلہ جوان ہوئی تو وہ میری ماں کی طرح بن گئی۔ اس کی طرح اچھی، اس کی طرح چلتی، اس کی طرح

پوچھا۔

میں نے کہا، 'میں بھی گھر جاتا ہوں' جیلہ سے بے تکلفی کا برتاؤ کرتا ہوں،
 'میں آتا ہوں' ہم آگے کھانا کھاتے ہیں، چڑی کھیتے ہیں۔ کھانے سنتے ہیں، ستار
 'میں رات کو میں بیچوں کی طرح منہ موز کر سوجاتا ہوں۔

کہا۔

میں نے کہا، 'میں بھی کوشش کی ہے کیا۔

کہا۔ وہ نہیں سمجھے گی۔

میں نے پوچھا۔

کہا۔

اس کی ایک ایک حرکت بولتی ہے۔ وہ تم سے اس قدر متاثر ہے کہ اس
 نکس لگا رکھا ہے۔ دوسرے میری چھوٹی ہنس ہے۔ وہ ابھی بست ہوا ہے۔
 ہے 'بڑی منگو ہے' وہ بھی تم سے متاثر ہے۔
 اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

پھر میری ماں ہے 'وہ دو دلی ہے۔
 دو دلی کیا مطلب 'میں نے پوچھا۔

ملغوف خاتون

وہ بظاہر رسمی ہے، لیکن اس کے اندر ایک باورن لڑکی چھپی ہوئی ہے۔
 رسالے پڑھتی ہے 'رومان پڑھتی ہے۔ اکیلے میں قلمی گیت گنگاتی ہے۔
 رہنے کی وجہ سے اس نے اپنا وہ حصہ دبا دیا ہے۔ اندر کا حصہ جو نکلتا ہے۔
 پڑو تمہاری باتوں میں دلچسپی لیتی ہے۔

حیرت ہے 'میں نے کہا۔
 ہاں 'وہ بولا 'خیرت ہے۔
 پھر بات کیا بنی 'میں نے پوچھا۔

کہنے لگا 'دیکھو تاہم دونوں دیکھائی انگڑے ہیں۔ یہ انگڑے کہیں سے آئے
 برف ہے یہ انگڑے لازماً 'ہمیں ماں نے دیے ہیں۔ اس میں جو دھنکی چڑی ہے
 ایلن کرکٹ بات بن جائے گی۔ رہی تو کوئی بات نہیں۔ اپنا کیا جاتا ہے۔
 دیکھیں۔

انہی دونوں اتفاق سے ملنی کی والدہ لاہور آ گئیں۔

بغیر اطلاع کے میں ان کے ہاں چلا گیا۔ دروازہ بجایا 'میں ملنی کی ماں
 بڑے تہذیب کے بعد وہ مان گئیں۔ پھر کر کے بیٹھ گئیں۔

میں نے پچھنے ہی پوچھا کہ 'میں نے کہا 'تو اپنے بیٹے ملنی کی ماں
 جیلہ بھی تو تھری بیٹی ہے 'تو نے اسے بڑے پیار سے پالا ہے 'اے بھالے 'وہ
 کہنے لگی 'اب کی وجہ سے خائف تھا۔

چراغ حسن حشر

مولانا چراغ حسن حشر عالم کوی قلم اس کا مطالعہ وسیع قلم دہاں دہاں
جہن اس کی لکھی میں رہے ہوئے تھے۔ رکھ رکھاؤ کا شیدائی قلم دہاں دہاں
کرنے کا سلیقہ جانتا قلم وہ انسانیت کا دلدارہ تھا اور پرانے نوابوں کی طرف
شدہ راگ سننے کا شوقین قلم۔

مولانا نے بڑے قلم سے احمد بشیر کی بات سنی، بولا، صاحب تمام جگہیں تو
روڈ پہلے آئے تو شاید کچھ ہو سکتا مولانا کا انداز اس قدر سنجیدہ اور فیصلہ کن تھا
میں اس وقت چڑا اسی چائے لے آیا۔ اگر چہ اسی کچھ دیر کے بعد آتا ہوں اور
اور مست رہتا، وہ صحافی نہ بنتا، احمد بشیر نہ بنتا۔

چائے پچھلے گا مولانا نے اتفاقاً کہا۔
مائی بیٹہ کیا لورہ دونوں چائے پینے لگے۔
کھر کی کریں گے آپ، مولانا نے کچھ کہنے کی غرض سے کہا۔

میں، مائی نے جواب دیا۔
لکھنے پڑھنے سے دلچسپی ہوگی۔
کچھ ایسی بھی نہیں۔
ترجمہ کر سکتے ہیں آپ۔

ہاں۔
کبھی کیل۔
جروم کے جروم کی کتاب ”دسے ایڈ آئی“ کا کیا تھا، مسودہ بہشتی رو کیا۔
کیسا قلم۔

خاصا لکھتا قلم
مولانا چونکے۔ آجکل کیا کر رہے ہیں۔
کچھ بھی نہیں۔

کپڑے اس کی بیوی دھوا دیتی ہے۔ سگریٹ اور دھوا
بیس کا انتظار نہیں کر سکتا، لہذا پیدل چتا ہوں کوئی خاص
پھیلپس اور پھر سمٹ گئیں۔ دیر تک وہ سگریٹ کے لیے
کھڑے رہے۔

مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔

مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔

مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔

مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔

مولانا نے فریڈ کا ذکر چھیڑا۔
 احمد بشیر نے بیوی لاک کی کیس ہسٹیاں سنائیں۔

مولانا نے کلام سوتا کی بات کی۔
 احمد بشیر نے آسن گنوائے۔

مولانا نے ملائی کی ریتوں کے پڑتائے۔
 احمد بشیر نے بیوہ وائیوں کی حواگی کی بات بتائی۔

دلفتن 'مولانا ترکب میں بولے' بات وہ جو بروقت ہو، برہنہ ہو۔
 طرف چل پڑے۔ اور احمد بشیر صفائی بن گیا۔

ملائی کے صفائی بننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آدمی آدمی رات کو کمر آئے۔
 والے اور بھی چڑھے اور مجھے یہ فکر دامن گیر ہو گیا کہ کیس گمراہ ہے۔

رنگ میں گمراہ ہے۔
 گمراہ آکر وہ قصہ چھیڑ لیتا آج یہ بولیں ہوں ایسے ہول اس کی آئے۔

کہ ہم دونوں رات کے دو تین بجے تک بیٹھے رہے۔ مجھے یہ بھی ڈر لگا رہا۔
 باتیں نہ سن لیں۔

دو تماشا بین

مولانا حسرت اور احمد بشیر کا حلق اپنی نوعیت میں اتوکھا حلق تھا۔ اس
 اور کشش کے دونوں جذبے کا فرما تھے۔ لغت 'ملائی کی ناچنگلی' تیزی اور کشش
 کو دیکھتے تھے۔ کشش اس کی بے بیجا جرأت پر جو مولانا کو نصیب نہ تھی۔

دفتر میں مولانا سو فی صد ایئر بڑھتے اور ملائی ایک خام صفائی۔ مولانا کی فار
 کٹ ہوتی۔ وہ ملائی سے کہتے، مولانا یہ کیا لکھا ہے آپ نے۔

ترکیب ایجاد فرمائی ہے۔
 معلوم ہوتا ہے، آپ صحافت کو نئے ذائقے بخشنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

خوبوں کو نام ختم ہوتا مولانا کے لیے کی جتنی کم ہوتی جاتی۔ آخر وہ 'ی' کی
 اور لگتا ہے۔

مولانا نے اس سے پوچھا کہ اس وقت رات کے دو بجے کھل سے آرہے
 آ رہے ہوں۔ رات کے دو بجے کون سا دفتر لگتا ہے۔

اگلی۔ پولا ہماری پولیس اتنی احمق ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ رات
 اور لگتا ہے۔

مولانا نے اس سے پوچھا کہ اس وقت رات کے دو بجے کھل سے آرہے
 آ رہے ہوں۔ رات کے دو بجے کون سا دفتر لگتا ہے۔

اگلی۔ پولا ہماری پولیس اتنی احمق ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ رات
 اور لگتا ہے۔

مولانا نے اس سے پوچھا کہ اس وقت رات کے دو بجے کھل سے آرہے
 آ رہے ہوں۔ رات کے دو بجے کون سا دفتر لگتا ہے۔

اگلی۔ پولا ہماری پولیس اتنی احمق ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ رات
 اور لگتا ہے۔

اور اس شخص کا علیہ دیکھو، سرشت ہے پاؤں میں جو تائیں ہے اور
میں نے کہا سترکی جی آپ کو علم ہونا چاہیے کہ یہ صاحبِ برکت
میں کام کرتے ہیں۔

یہ سن کر سپاہیوں کا رنگ اڑ گیا اور وہ سلام کر کے بھاگے۔

ابو بکر نے قتلہ لکھا، چنانچہ بولا، لومیں سپاہی آؤنا۔ بیٹھو جیسے ہا
میں نے کہا، تم نے انہیں جیلا کیوں نہ تھا کہ تم اخبار میں کام کرتے
وہ مسکرایا بولا، میں نے کہا ذرا تماشہ رہے گا۔

لیکن تمہارے پاؤں کیوں نیچے ہیں، میں نے پوچھا۔

کہنے لگا "رہنڈی کے چوہارے پر بوٹ اٹارے تھے" کوئی اٹھا کر لے آیا۔

پولیس شادی

اس کو ملانی کی عادتیں پائیند تھیں۔ اس پائیندگی کا اظہار وہ بات بات پر کرتا کہ وہ پائیندہ ہے، لیکن اس نے یہ بات مجھے کبھی نہ بتائی تھی۔ اسی ارادہ تھا۔

نئی، جو خواتین خانہ کو بہت ناپسند تھی۔ کرشن عسکر کی اس سبلی میں چلی

انہی کی تمام نوجوان لڑکیاں کمزیریاں میں آکھڑی ہو گئیں۔ جب وہ گلی میں
آئے، انہی کی ایک بالکونیوں سے، اس پر کھڑا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ وہ بلی نہیں کی آواز میں
"اے اے اے" سے آواز کے ساتھ بچے کو بلاتے تھے۔

ہاں! بہت خوبصورت تھا، اس قدر خوبصورت کہ سہارا نہیں جاتا تھا۔ ہاں! کس
 سا، اسے دیکھا جا پند تھا، عین وہ خود دیکھنا نہیں تھا۔ ایک لڑکی کو مٹھائیں 'سارہ'
 اس قدر متاثر ہوئی کہ سلیے کچیلے کپڑے پہن کر ہمارے گھر آئی۔ کتنے گلی، آپ
 اس قدر شرم سے کیا۔ اس نے اپنی بے چارگی کی ایسی کہانی سنائی کہ گھروالوں کو ترس آ
 گیا۔

میں سرلا دیا۔

— کہوں۔

میرا صاحب رام گھر میں رہتے تھے۔ وہاں انہیں ایک مکان لاث ہو چکا تھا۔

— صاحب سے جاننا۔

میرا صاحب میں بڑا قرق تھا۔ میں غریب تھا وہ متعلیٰ مزاج تھے۔ میں بات اگل دیا

— کہتے تھے۔

میں قید کے کہا، آپ ہمیشہ کی شادی کیوں نہیں کرتے۔

— لڑکے ہے ہمیں، وہ بولے۔

—

— رشتہ بھی ملے۔

— تو۔

— رشتہ پند بھی ہے یا نہیں، وہ بولے۔

— پند ہو، بلکہ اس کا اپنا چکو ہو تو۔

— اسرار ہو سکتا ہے، وہ بولے، لیکن میں بوڑھا ہو گیا ہوں، اگر تم میرا ہانڈو نہ

— اہل بی بی تھی۔ میں نے کسی لپا کا ساتھ نہ دیا تھا۔ کسی بیٹے کا حق لوٹ نہ کیا تھا۔

— لپا کا شکر تھا۔

— کہتے کہ میں بات چیت کروں، میں نے کہا۔

— وہ بولے۔

— وہ کرکھ آگیا۔

— میرے دو بھائی تھے اور میرے دو بھائی تھے۔

— اب کیوں روٹی ہو، اب تو بات ملے ہو گئی ہے۔

— انہوں نے مجھے بہت ڈانٹا ہے، جھڑکیں دی ہیں۔ کہتے ہیں، تو نے بھائی سے

میرا نے گھر کا کام اتنے شوق، چستی اور سلیستے سے کیا کہ گھر والے اس کے گھر

وہ سہولت تھی، مگر بڑی جاذبِ نظر تھی۔ میرا ہمارے ہاں تین مہینے بغیر جھکوا کے کام آ

پھر گھر والوں کو شک ہو گیا۔ پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسے نہ ہو

گن چھپانے سے نہیں چھپتی۔ گھر والوں نے محسوس کیا کہ میرا کچھ زیادہ ہی

ہے، سلیستے سے کام کرتی ہے۔ میرا سب سے کمال مل گئی تھی۔ لیکن مانی کی طرف

ہوئی تھی۔

یوں گھر والوں کے لیے مانی ناقابلِ برداشت ہو آگیا اور میری پوزیشن بہت ہی

مکی۔ مانی میرا واحد سارا تھا۔ اس نے ہر بات میں میرا ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ میں بڑا

ساتھ چڑچڑ کرتا رہتا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں میں اس کا بے حد شکر گزار تھا۔

پھر وہ واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے ہمارا اکٹھے رہنا ناممکن ہو گیا۔

ایک روز میری سوتیلی بہن میرے پاس آئی۔ وہ تعلیم یافتہ تھی، سکول میں پڑھاتی

بڑی ہڈیاتی لڑکی تھی۔ بڑی موڈی، اس میں قیام نہیں تھا، بات بات پر لوتی بدلتی رہتی تھی

بڑی شہی خور تھی۔

بہن

وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور ٹپ ٹپ دوئے لگی۔ اس بات پر میں گھبرا گیا۔ میں نے

بات کیا ہے، دو کیوں دی، اس نے میری بات کا جواب نہ دیا اور دو بجا چاری رکھ دی۔

چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ آخر میں کہنے لگی۔

اب میری بات، میں سمجھتی ہوں۔

کوئی بات، میں نے پوچھا۔

شادی کی بات، اس نے جواب دیا۔

تم شادی کرنا چاہتی ہو کیا۔

اس نے انہات میں سر ہلایا۔

کوئی پیش نظر ہے کیا۔

بات کیوں کی۔ خوار ہو کر پھر بھی سے بات کی تو۔

اس پر مجھے غصہ آگیا۔ میں نے کہا تو فکر نہ کر، ہم کوئی تدریج مقرر کر لیں۔ تمہارا نکاح ہو جائے گا پھر وہ انگل مناسب موقع پر ہو جائے گی، لیکن اس بات کو رو رو سے کہنا نہیں۔

گھیراؤ

ہم نے ایک تدریج مقرر کر لی۔ مشیر نے چند ایک صباؤں کو مدعو کر لیا۔

مقررہ تاریخ کو حسب توقع ہم نے انکشافات کر لیے۔ سہیلی خواتین آگئیں۔ اور ہونے والی ہی تھی کہ باہر گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ مجھے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ وہ گھیراؤ کر لیا گیا ہے۔ باہر کسی نے پاؤں اٹھانے کا تو لڑکی کو کچھ رہا ہے۔ اس پر ہم نے آئیں 'باہر لنگو اور گھر کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ یہ ہنگامہ 'شیر' سے روکنے کے لیے تھا۔

لولی لان میں کھینچ لی گئی۔ لہی قمر قمر کاٹنے لگی۔ میری بیوی سخت گھبرا گئی۔ ہم خواتین کو بچھلے دروازے سے نکال دیا۔ مٹی میرے پاس آیا۔ وہ خوشی کے جذبے سے تھا۔ 'یار' اس نے کہا مجھے باہر جانے کی اجازت دے دے۔

کیوں 'میں نے شے میں کہا 'باہر لنگو دھو رہے ہیں کیل۔
ہاں اس کی آنکھوں سے مسرت کی پھوار اڑ رہی تھی۔

میرا دل خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔

باہر جانے کا تو پتہ چلے گا ان کے ہاتھوں میں لٹھیاں ہیں 'میں نے کہا۔
پھر کیا ہوا 'وہ بولا۔

دیکھ 'یہ سارا غلام میری وجہ سے ہے۔ مجھے باہر جانا چاہیے 'میں نے کہا۔
تو باہر جا کر کیا کرے گا اس نے پوچھا۔

میں انہیں سمجھاؤں گا۔

باہر کراؤ ہے۔ کراؤ نہ سہتا ہے۔ نہ تھوہرے حملہ کو روک ہو جائیں گے۔

آپنی۔ انہیں دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا۔ میں سمجھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے
دراصل ہمارے مہمانوں میں آئی تھی پولیس کی ہیکم بھی تھی۔ جب وہ گھر
شور مچا دیا کہ کرشن عکرمیں قتل ہو گیا ہے، فوراً کچھ کیچھے۔ آئی تھی لانا
فورا جانے واردات پر پہنچے۔

پولیس نے آتے ہی ڈانٹ ڈھٹ کر کے لوگوں کو بھگا دیا۔ قتلہ دار
گھیراؤ کر لیا۔ اور خود مجھے گھر کے اندر لے گیا اور تحقیق شروع کر دی۔
لڑکی کو حاضر کر دیا۔

ہشیرہ اندر آ گئی۔

آپ کا نام وہ بولا۔

ہشیرہ نے اپنا نام بتایا۔

آپ درگت۔ وہ من میں کیا۔

ہاں وہ بولی، میں سکول میں منچر ہوں۔

آپ کی عمر۔

ہشیرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

مائی کہنے لگا قاتلہ دار صاحب لڑکیوں سے عمر میں پوچھا کرتے خود اندازہ لگا لیا
ہے، استہنی ہے۔

تم کون ہو، اس نے مائی کو گھورا۔

جناب میں جرنلٹ ہوں، امروز میں کلام کر رہا ہوں۔

قاتلہ دار لہجہ اڑا دیا۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا، آپ کیا کرتے ہیں۔

یہ رائیٹر ہیں، مائی نے جواب دیا۔

کیا نام ہے۔

ممتاز مفتی۔

قاتلہ دار سوچ میں پڑ گیا۔ ممتاز مفتی، اس نے خوب دھرا لیا۔

ممتاز مفتی نے اپنی بات کہتے وقت کہیں آپ کے خلاف جانے لگا۔

ممتاز مفتی نے کہا، میں جانے لگا، آپ کو آفر کروں گا مائی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ کب سے اس مکان میں رہتے ہیں۔

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، آپ رائیٹر نہیں ہیں۔ ہمارے رجسٹر میں کسی ممتاز مفتی

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے لگا، مائی نے بتایا کہ کیا نکاح آپ کی مرضی سے ہو رہا تھا یا۔

ممتاز مفتی نے کہا، لڑکی ہاتھ نہیں کر سکتا، وہ غصے میں ہوں۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ اب اندر جائیں۔

ممتاز مفتی نے کہا، آپ اس لڑکی کے سوتیلے بھائی ہیں کیا۔

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، میں دشمنانہی حاصل کیے بغیر، آپ نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، یہ دیکر خاموش رہا پھر کہنے لگا، معاف کیجئے گا۔ آپ بڑے

آکر لڑکی بیان دیتے وقت کہہ دیتی کہ اس کا نکاح زبردستی کیا جا رہا تھا، تو

ممتاز مفتی نے کہا،

ممتاز مفتی نے کہا، میں نے جواب دیا کہ وہ مجھ پر جمونا الزام دھرے آپ کیسے رائیٹر ہیں

ممتاز مفتی نے کہا، فرار سے قلعی عیادت ہیں۔ اب خیال رکھیے، لڑکی کو والدین سے لئے نہ

ممتاز مفتی نے کہا، آگے بڑھے پولیس کا دستہ آپ کی حفاظت کے لیے آجائے گا۔ اور جب تک

کلج کی رسم ادا نہ ہو جائے گی۔ مکان کے ارد گرد متعین رہے۔
چند روز بعد میرے ایک عزیز کا چاندلہ ہو گیا اور وہ مکان چلے گئے۔ چلتے ہوئے وہ
مجھے دے گئے۔ ہم نے مکان میں منتقل ہو گئے اور ملٹی لولی لاج میں اکیلا رہ گیا۔
جب ہم نے مکان میں منتقل ہو رہے تھے تو ملٹی نے کہا سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے
بریں یہ اکیلا کیسے رہے گی۔ سارہ بولی میں تو اپنے بچوں جیسا جا رہی ہوں۔ اس پر گھر والے
گئیں۔ سارہ نے اپنی گھڑی اٹھائی اور باری باری سب سے مل کر وداع ہو گئی۔
چار ایک دن کے بعد ملٹی مجھ سے ملا۔ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا، ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں
میں نے پوچھا، خیریت تو ہے۔
بالکل نہیں، وہ بولا، خیریت کی تو ایسی تھی ہو گئی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔
وہ کہہ بھر کر بولا، یار ہم بڑے احمق ہیں۔
ہاں، مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔

سارہ

وہ جو سارہ تھی، ہم اسے کیا سمجھتے رہے اور وہ کیا فعلی، اپنی نے کہا۔
بڑی ٹھیکسی تھی، سرجنل تھی، چلاک تھی، میں نے کہا۔
وہ تو کرانی نہیں تھی، اپنی نے کہا۔
تو پھر کیا تھی، میں نے پوچھا۔
اس نے تو کرانی کا سواگ، بھرا ہوا قاتل، وہ عیسائی تھی، تعلیم یافتہ تھی۔ انگریزی بول
تھی۔ آواز بڑی اچھی تھی، سر ملی، قلمی لکے خوب کاتی تھی۔ جب اس نے تو کرانی کا کپڑا پہنا
تو مجھے سے لکسی فن فٹری لکل آئی کہ میں ہکا بکا رہ گیا۔
چلو چلو زود اس بات کو وہ تو گاڑ پٹی گئی ہے، میں نے کہا۔
لوں میں وہ نہیں گئی۔ وہ میرے ساتھ ملٹی لاج میں رہتی ہے۔ ملٹی نے جواب دیا۔
نہیں، میں چاہتا، وہ تو ہمارے سامنے فدا مانتہ کہ کر وداع ہو گئی تھی۔

رنگیلی ساتھی

اس وقت لٹنی اور میں گول باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے لٹنی سے کہا کہ

نہیں اس نے جواب دیا، 'میں تو آج تک کنگش میں پہنچا ہوں، لیکن اسے بانڈوں پر اٹھا کر کسی ڈسٹ بین میں پیسنگ آؤں۔ لیکن پھر سہنا اور آؤں'۔
رنگیلی ساتھی ہے تو رک جاتا ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا۔

چند ساتیں خاموش رہا پھر بولا،

ممتازو! لا جواب کمپینین ہے۔ کیا ساتھی ہے۔ اتنی رنگ و شین گنگ، 'گائی' ہے، 'پہنچی ہے' لٹیفے سنائی ہے، 'چنگلیں بچائی ہے۔ اس نے بولنا
اکھاڑنا رکھا ہے۔

ایک ہفتے کے بعد لٹنی پھر مجھ سے آئی۔

میں نے اس کی طرف دیکھا کیا ہوا میں نے پوچھا، 'تو تو غصے ہو گیا ہے۔'

ہاں، وہ بولا، 'سارہ چلی گئی ہے۔'

کیسے گزشتے نے پوچھا۔

پرسوں ایک پیٹچر سا آوی آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، 'کننے لگا' میں نے

یہودی سارہ یہاں رہتی ہے۔

تم کون ہو، میں نے پوچھا۔

بول، میں اس کا سینیئر ہوں۔

میں نے کہا، پہلے یہاں رہتی تھی، اب جا چکی ہے۔

لگے روز ایک اور آدمی آگیا، میں نے کہا، 'تو کون ہے،' 'کننے لگا' میں نے

بول۔

میں حیران رہ گیا۔ یہ کہتے سینیئر ہیں۔ میں نے کہا،

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے شدید سر درد کا بہانہ بنایا، اسے کہا کہ جا جا کر بازار سے چین کھر
نے، 'صدر دروازے پر تانہ لگا دیا۔ اور خود لٹنی دروازے سے اندر آ

کہا، 'کننے لگا' میں چپ چاپ پڑا رہا۔

اچانک رسی، 'بچائی رہی۔ رات کے بارہ بج گئے، لیکن میں نے دروازہ نہ

کھولا، میں نے ڈال کر بجواؤ بلند کیا۔ اچانک پائی پائی، 'تھیک یو فار کال ویز

کہا۔

اب لٹنی نہیں رہا۔ میں تو اس قدر آگیا کسی میں ہوا تھا۔

اور اب تو لڑائی دینا لاہور کے ایجنٹ، منصور احمد، میری تحریر کے متعلق غلط
فہم لائی۔ انہوں نے مجھے تھوڑا دکھانے کے لیے ڈکڑکی بنادی۔
ایک ایک ملا ماکر ہم سناٹہ شائع کر رہے ہیں۔ از دلو کریم ہمارے لیے ایک

انہی کی میں لکھی دھماکہ بن گیا۔

میرے سے اہیت نہ ملی تھی۔ میریں کسی کو پروا نہ تھی کہ میں کیا کر رہا
تھی۔ اب آؤں گا۔ کل میں مجھے کوئی اہیت نہ ملی تھی، کہیں بھی تو نہیں ملی

میری اڑیاں زمین سے اٹھ گئیں۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بالکل یہ کیا ہوا

ہمارے قلم پر تین قلم کیے۔

انہی کی میں لکھی دھماکہ بن گیا۔
میرے سے اہیت نہ ملی تھی۔ میریں کسی کو پروا نہ تھی کہ میں کیا کر رہا
تھی۔ اب آؤں گا۔ کل میں مجھے کوئی اہیت نہ ملی تھی، کہیں بھی تو نہیں ملی

میری اڑیاں زمین سے اٹھ گئیں۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بالکل یہ کیا ہوا

ایک لڑائی لڑا تھا وہ بھی چل رہا۔

میرے سے اہیت نہ ملی تھی۔ میریں کسی کو پروا نہ تھی کہ میں کیا کر رہا
تھی۔ اب آؤں گا۔ کل میں مجھے کوئی اہیت نہ ملی تھی، کہیں بھی تو نہیں ملی

انہی کی میں لکھی دھماکہ بن گیا۔

انہی کی میں لکھی دھماکہ بن گیا۔
میرے سے اہیت نہ ملی تھی۔ میریں کسی کو پروا نہ تھی کہ میں کیا کر رہا
تھی۔ اب آؤں گا۔ کل میں مجھے کوئی اہیت نہ ملی تھی، کہیں بھی تو نہیں ملی

میری اڑیاں زمین سے اٹھ گئیں۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بالکل یہ کیا ہوا

میں نے عرض کی، عالی جاہ میں انکس میجر ہوں۔ اپنی کلاسز کو انگریزی پڑھاؤں
تاوقت ہوں۔ انگریزی پڑھتا ہوں، پنجابی بولتا ہوں۔

ہیڈ ماسٹر بولے، سینئر مسٹر میں اپنی بات دہراتا ہوں۔ ممتاز صاحب آپ
مضمون لکھیں گے۔

میں نے کہا، جناب دلا میں اپنی بات دہراتا ہوں۔

میرے یہ الفاظ دیکھ کر رگڑ ثابت ہوئے۔ جنی باہر نکل گیا۔ مجھ پر اس
نے ایک نفسیاتی مضمون لکھا۔ جو گھر کے موضوع پر تھا۔

ن م راشد

اس کے بعد چھٹیوں میں میں ملتان گیا۔ میرے والد ان دنوں وہاں پر ان
لیکچریشن تھے۔

ہمارے پردوں میں راشد رہتا تھا۔ انہی دنوں م راشد میں بنا تھا۔ ہم
ہوسٹیلنگ کے مریض تھے۔ اس کا باب بھی نکلے تعلیم میں تھا۔ میرا اور اس
پروفیشنل رقابت کے شکار تھے۔ جس قدر وہ ایک دوسرے سے اچھے تھے، اتنی ہی
قریب ہو جاتے تھے۔

راشد کا ایک دوست ملتان سے ایک اردو جریہ لکھتا تھا، نقسٹان۔

نقسٹان راشد کے دوست کو گاؤں چانا پڑا، جاتے ہوئے وہ رسالے کی اشاعت کی
راشد کو سوچ گیا۔ راشد کہنے لگا، ہمارے رسالے کے لیے مضامین کہیں ہیں، کچھ بھائی کی
کتنی پڑیں گی۔ تاکہ ضخمت پوری ہو جائے۔

راشد کے خاندان کے لوگ اردو فارسی دان تھے۔ میں نے کہا، کیا مشکل ہے۔ تو
بیش ہیں۔

میں یاد رہا، بولام از کم ایک مضمون تو لکھ دو۔

انہی دنوں ملتان میں ایک قلم چلا تھا، چٹلی دمن۔ میں نے چٹلی دمن کے

مضمون لکھ دیے۔

مجھے واپس لی گیا اس پر جا بجا سرخ چہل کی ٹیکرس اور موایہ نشانات تھے،
طبع دوا چڑھ گئی۔

عاشق بناوٹی بھی کیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ ایک ڈرا ڈرا سا سا
لڑکا جس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ سامنے کڑا ہو کر بات کر سکے اس میں اتنی
کتنی تھی کہ ایسے دھکے چپے لٹنیاتی موضوع پر قلم اٹھا سکے۔

عاشق نے سمجھا کہ وہ انسان سرتہ ہے، کسی مثلی انسانے کا چہرہ ہے۔
پھر اردو زبان کی بات تھی۔ عاشق اردو وطن تھا۔ وہ زبان کی پارکیوں کی
برعکس میں اردو زبان سے باہر نکلا تھا۔

میں نے اردو زبان صرف آٹھویں جماعت تک پڑھی تھی۔ اس زمانے میں
تھی۔ نویں جماعت میں طالب علم دوسرے مضامین لے سکتا تھا اس لیے میں
میں اردو چھوڑ کر سائنس اور ذرا اینک لے لیے تھے۔

زبان کے لحاظ سے میری دوسری کہانی "ڈاکٹر کا استعمال" خالص سے بھری ہوئی
عاشق حسین نے میری کہانی واپس کر دی تو میں گویا اندر سے کنکریں میں گر
کوں۔ کئی ایک دن وقت اٹھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارا رہا۔

پھر یہ نہیں کیسے "شاہد" نے مجھے ہاتھ ملانے سلائی دلی میں شائع کرنا گوارہ کر لیا۔
خوش قسمتی سے عاشق حسین بناوٹی، اہل دنیا میں زیادہ دیر نہ رہے۔ اس کا
صلاح الدین اور میراجی آگئے۔

صلاح الدین نے آتے ہی مجھے اہل دنیا کے لیے کہنے کی دعوت دی اور
سے اہل دنیا میں شائع ہونے لگیں۔

ایس ایم شریف

پھر سکول میں ہمارے ڈویژنل انسپکٹر ایس ایم شریف آئے۔ انہوں نے مجھ
کے "سرمستاز" پر افسانے لکھنے کا فضل ٹھیک نہیں، اگر بچوں کے والدین کو یہ پتا
بچوں کو پڑھانے والے جنسی تحریریں لکھنے میں پڑ مشکل پڑ جائے گی۔ میں نے ادا

کوئی اور صاحب ہیں۔ شریف مسکرایا، کہنے لگا "ہمارے ہاتھ بے کار ہیں۔"

اس نے ہاتھ دیا ہے۔ شریف میرے والد کے دوست تھے۔ میں لٹریچر پر کیا
ہوئے، اگر آپ لکھنا چاہتے ہیں تو انگریزی میں لکھیے۔ انگریزی میں
کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔

اس نے کہا کہ ان کی کی اشاعت کہ کہانی سن لیجے اگر چہ دوسری برکت ملی نہ ہو تو
میں لکھتا ہوں۔

علی

علی باہر تھا۔ سکولوں میں پبلشر آیا ہی کرتے ہیں، وہ بھی آیا کرتا تھا۔
دوسری برکت علی کی شخصیت نکلی ہے جس میں سے چند اقتباسات پیش کرتا

میں نے اسے سکول میں دیکھا تو خاص توجہ نہ کی۔ لویئر عمر کے پلہود، وہ ایک
بکول میں پبلشر آتے ہی رہتے تھے۔ بڑے سوہنے "منہب" جی جناب،
اس کا انداز مفاد تھا "جی، نہ میں سر" نہ جناب والا۔ آتے ہی وہ بے
توجہ ہو کر اپنے گویا دیکھ کر ٹھنڈا لگتا پھر اس کے قہقہے گونجتے۔

پہلاں دلچسپی نہ تھی۔ اگرچہ میرے ہاں محلات بہت خراب تھے۔ چٹخا
تھے، انفراد زیادہ تھے، قرض پر کڑا برہوتی تھی، لیکن یہ بات کبھی نہ سوچتی تھی کہ
وہ سائل کیا جاسکتا ہے۔

میں دوسرے میں آیا تو قرض کا وقت تھا۔ استاد شاف روم میں بیٹھے تھے۔ اس
دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف روم
کا ہمارے حیدر میں ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ میرے دھوکا تھا۔ اسلام علیکم کہہ کر وہ

تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے مجھ سے یوں پوچھا جیسے میں سینئر انگلش ٹیچر نہیں تھا۔
 قلم

مجھے اس کی سب سے تکلفی اچھی نہ لگی۔ لیکن اس زمانے میں میں بری طرح کا
 کاغذ تھا۔ میرا نام ممتاز حسین ہے۔ میں نے جواب دیا۔

ممتاز حسین، ممتاز مفتی

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولیٰ جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار چھپائے رکھی تھی۔ میرا
 دہلی علاقہ کے رہنے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنیت کا زلیوہ لیے ہو
 زلیوہ نظر ان دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے تھل قبول نہیں ہو سکتے۔
 انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو

میں کیا قرار دیا کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگا 'میرا نام چودھری برکت علی ہے۔ میں
 ام ایف اے ہوں۔ ہم دوسری کتابیں پھیلتے ہیں۔

ممتاز حسین نے 'دھما' پھیلتے ہو تو بڑے چھاپے 'لیکن خطا کا' یا آواز بلند کہا بہت خوب
 کے لیے خاموشی طاری رہی، پھر غصتا 'وہ جوش میں آ گیا
 اڑنا چاہتا ہوں۔

ممتاز حسین نے سوجھا

ممتاز حسین نے سوجھا کہیں بھی پھیلتے ہیں 'وہ بولا۔ تم مجھے میٹرک لیٹین کے لیے ایک
 میں جنہیں تمہاری تین سال کی تنخواہ سے زیادہ معاوضہ دوں گا۔ آج ہی
 کوئی رقم ابھی لو کر دوں گا 'اور آدھی چھ مہینے کے بعد' جب تم مجھے مسودہ

ممتاز حسین نے سوجھا کہیں بھی پھیلتے ہیں 'وہ بولا۔ تم مجھے میٹرک لیٹین کے لیے ایک

ساتھ چلو۔

اس پر مجھے بہت غصہ آیا۔ لیکن اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس کے پیچھے چلتے چلتے چار میل سوچ رہا تھا یہ کیا پیشتر ہے جو نہ میں آنے کا ہتھکٹا طبیعت کا چاہت ہے بازو اتھم برہیلے ہے بات بات پر ڈانٹا ہے بات بات پر بات کا کڑوا ہے لیکن ساتھ ہی بات سے سچائی اور غلوں کی برکاتی ہے۔ ایک ہوش پر جا کر وہ رک گیا بولا مجھے بھوک لگی ہے پہلے طعام پھر کام ان دنوں میں نفسیات کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا پتہ نہیں کس نے کیا تھا شخصیت کو جانا چاہو تو اسے کھاتے ہوئے دیکھو۔

میں چودھری برکت علی کو کھاتے ہوئے دیکھا رہا۔

وہ بڑی بے تکلفی اور اشتیاق سے کھا رہا تھا اسے یہ احساس نہ تھا کہ کوئی اس سے نچیل میز سے بے نیاز لگتی دیکھتا ہے تو پرا دیکھے اچھا چاہئے برابری کے ساتھ کھاتے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھی کھلا رہا تھا یہ کھو یہ عہد ہے یہ ایسا کیسے انہیں ہو۔ نہ جمیں بات کرنی آتی ہے نہ کھانا آتا ہے نہ چہہ کھانا آتا ہے فارغ ہو کر اس نے بڑے سرسری انداز میں کہا اچھا تو ممتاز ملتی آج تک تم نے لکھے ہیں۔

اس کے اچانک سوال پر میں گہرا گیا۔

اب آئیں آئیں شاہین نہ کرنا اس نے مجھے ڈانٹا۔ میں نے شاہراہ احمد ایئر سٹریٹ پر کرنی ہے ہمارے گیارہ انساے میں نے حاصل کر لیے ہیں سات انساے تم مجھے جمعہ چھاپیں گے۔

اس کی بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

کتنے لگاؤ ہم نے ایک ذیلی ادارہ بنایا ہوا ہے جو اپنی کتابیں چھاپتا ہے کتب خانہ میں نہ رہتا اپنی کتاب سے جمیں صرف ڈھائی ٹن سو روپے ملیں گے اس سے زیادہ

میں خاموش بیٹھا رہا۔

اور ہاں دیکھنے کے بعد وہ پھر بولا کہہ رہا تھا میں ہم کسی کو نہیں بتائیں گے کہ تم

کوئی قرض درخشاں نہیں وہ چلایا میری طرف سے خند ہے چاہا۔ وہ اس
ساتھ لے جاتا تو پھر دیا تو میں مرمت کرا کے نہیں دلاں گا۔ لوہے کے
سیٹ پر رکھنا۔
راستہ میں میں سوچتا رہا یا اللہ یہ شخص کیسے خلق ہے ایک طرف سے
طرف سے فائدہ۔ انسان کی شخصیت سے حلق میرا سارا علم غش و غشاغش
ہوا تھا۔
پیراؤ اس

اس کے بعد ہم دوست بن گئے۔ لیکن میں یہ تعلق دوستی کا نہیں تھا۔
ماتعلق تھا جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔
اگرچہ وہ میرا ساتھ دیتا تھا لیکن میں اس کی بات بات پر ڈانٹتا تھا۔
میں۔ آئندہ کرتا تھا مگر مہربانی نہیں۔ اگر کسی بات پر میں معذور احسان
اعتبار کرتا تو وہ فائدہ مار کر پیش دیا۔ یار تم کہتے احق ہو۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ
میں دھرم میں تو بڑس میں ہوں۔ صاحب کتب کا کیا نہیں۔ میں تو تم پر انور
چودھری برکت علی ایک قتل بڑس میں تھا۔ وہ اصراف کا قاتل نہ تھا۔
گستاخانہ لیکن وہ ایک عام بڑس میں نہیں تھا۔ بہت بڑس میں تھا۔ وہ
انٹرنیٹ کو بگ بڑس کے حوالے سے دیکھتا تھا۔ جی بات یہ ہے کہ چودھری
اور کردار کے لحاظ سے ایک بڑا آدمی تھا۔ حلیٰ اتنا کہ بالے کے کنارے پر رک
جائے۔ غنی ایسا کہ سوچے کیجے بغیر دیا پھانگ جائے۔ بگڑنے پر آئے تو پہلی
جائے۔ درگزر کرنے پر آئے تو بڑی سے بڑی بات کو نظر انداز کر دے۔ چودھری
شخصیت مجموعہ انفرادی تھی، لیکن اس میں حقی مضرت نہ تھا۔ اسے دل کر پہلی بار میں
پیراؤ اس کا معلوم نہ تھا۔

جان ہی جان

اس کا بڑا خوف مجھ سے ہی اس قومیت کا نہ تھا۔ اس کے تعلقات بہت

عمل کے حوالے عام طور پر سوچتے نہیں۔

وہ چنا چھوٹے مشورہ دے، میں چاہتا ہوں کہ باری کو کچھ دیں۔

اس میں کیا مشکل ہے، دینا چاہتے ہو تو دے دو، میں نے کہا۔

تم بھی نہ اسے ایسا ہو، اس نے باک پر زحار کہا، ممتاز مفتی دینے لگا،

انداز ہوتا ہے، یہ نہیں کہ دوسرے سے کہا ہاتھ پھیلا اور دے دیا، یہ کہ

اور چلا گیا۔

باری ایک اور سبب تھا، دانشور تھا، اس نے چودھری کے کہنے پر ایک کتاب

کی حکومت" جسے کتبہ اردو نے شائع کیا تھا۔ باری ملی مشکلات میں کہہ رہا تھا

دار چودھری نے کئی بار اسے کہا تھا۔ باری تو مت کما ہے۔ کچھ لکھ، پتہ لگاؤ

بیٹھا رہتا ہے۔ غلطی دانشورانہ باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن باری ہمارے

غلطی دانشورانہ باتیں کر کے گزر لو گات کر رہا تھا۔

ہزار روپیہ

وہ ایک دن کے بعد چودھری نے مجھ سے کہا، دیکھ باری کچھ نہیں لکھ کا

تصنیف "کتنی ہی حکومت" پر نظر ڈال کر دے۔

بڑی مشکل سے باری نظر ڈال کر پتہ پر رضامند ہو گیا۔

جب کتاب کی روچین مکمل ہو گئی، تو باری مجھ سے کہنے لگا، باری میں بھی

کتاب کی تصنیف پر مجھے صرف تین سو روپے ملے تھے۔ اس پر نظر ڈال کے

سو ڈیڑھ سو مل جائیں گے۔ خاندان میں نے تین سینے شائع کیے۔

جب چودھری نے نو سو کا چیک کٹ کر باری کو دیا، تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

کہ چیک نو سو کا ہے۔ نو سو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔

باری نے مجھ سے کہا، باری بلی میرے گھر آئے، بہت ضروری کام ہے۔

وہ ایک چھوٹی سی غم چینی میں بیٹھا تھا، کمرے میں کوئی سلمان نہ تھا۔

ہوئی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں۔ حیرت کی بات تھی کہ کہیں تو ہزاروں روپوں کی رقم بے درجہ ہو گئی۔

معدول رقم کی ادائیگی میں باقی بچر کسی کی کل لگا دی جاتی تھی۔

منٹو

پھر یہ بھی ہوتا تھا کہ مینے میں ایک یا دو بار منٹو مکتبہ اردو میں آ کر ملاقات کر لیتا تھا۔ چودھری گھبرا جاتا تو منٹو چلا تا، اسے دیکھتا تھا کہ وہ کدو سے کر جاتوں گا۔ یہاں تیرے پاس بیٹھ کر لکھوں گا، لیکن دیکھ جاتی اور اوسار نہ ہو۔ چودھری نڈر بکھراتے، گھبرائے چھپکچھپکاتے ہوئے، پڑتے۔ لیبوں کی مانگیں طرح طرح کی ہوتی تھیں۔ منٹو دھونس سے مانگیں بھی ہونٹوں تک نہ آئی تھی۔ صرف نگاہوں میں جھلکتی۔ اس میں بھی کبھی جلتی بھی جھج جاتی، یہ نہی جلتی بجتی رہتی۔

فکر تونسوی

فکر تونسوی کا ہی تھا، کوٹا تھا، لوب کا رواج تھا، یہ میں کہیں کہیں چودھری کے پاس آپہنچا تھا۔ چودھری بظاہر فکر کو گھاس نہیں ڈالتا تھا، کرتا تھا، اس لیے کہ چودھری کے اوارے میں فکر واعد کا ہی تھا، باقی چودھری کا ہی کی بڑی قدر کرتا تھا چونکہ سرمایہ دار ہونے کے بل بوتہ پر لابی سے کا ہی تھا۔

تقسیم کے بعد پنجاب اور ہندوستان سے آنے والے لیبوں کا تانا بانا بہت بوجھ بڑھ گیا مابین لیبوں کی مانگوں کا رنگ بدل گیا اور چودھری کی رنگ ملاقات سے اسے ڈی سلف کر دیا۔

اس کے فوجی عزیمتوں نے چار پرے نکال لیے اور وہ علیحدگی پر خند کرنا لگا، لہذا چودھری جیسی صلاحیت کا مالک نہیں تھا۔ وہ چودھری کے کاروبار کے

میسواں باب

چھ حسین لڑکیاں - میٹونی

ایسا بڑا مدھم اور میٹھا گوی تھا۔ بولا تو کمری بدلو گئے۔

میں نے خوشی بھری حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

اگر وہ یہاں کی نسبت زیادہ ملے گی اور کام اس قدر دلچسپ ہے کہ

کوئی ایسا پہنچا ہے کیا۔

چپ چاپ چناؤ ہو جائے گا۔ نوکری سرکاری نہیں ہے۔ لیکن بعد

کا میں نے پوچھا۔

میں نے فیاض محمود چناؤ کرے۔

مجھ میں گویا سیون اپ کی بوتل کھل گئی۔ جیلے ہی جیلے، خوشی بھری

میں نے اس کی طرف سے ایک لڑکی میں آکھٹے رہے تھے۔ ان دنوں کہاں آکر سکول میں

کلیج لاہور میں۔

میں نے فیاض کا نام چاہے اور نیا کیا کہا۔ بھانور چاہے۔

میں نے اس کی طرف سے ایک لڑکی میں آکھٹے رہے تھے۔ ان دنوں کہاں آکر سکول میں

کلیج لاہور میں۔

میں نے فیاض کا نام چاہے اور نیا کیا کہا۔ بھانور چاہے۔

میں نے اس کی طرف سے ایک لڑکی میں آکھٹے رہے تھے۔ ان دنوں کہاں آکر سکول میں

کلیج لاہور میں۔

میں نے فیاض کا نام چاہے اور نیا کیا کہا۔ بھانور چاہے۔

میں نے اس کی طرف سے ایک لڑکی میں آکھٹے رہے تھے۔ ان دنوں کہاں آکر سکول میں

کلیج لاہور میں۔

دو ایک حقیقی کہنی تھی۔ جو ٹھیکے پر حقیق کالام کرتی تھی۔ نکو۔ ایک انوکھی حقیق پر لگا دیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ حکومت کے ایکسپرت اٹکار، بازار کے ساتھ ستر ہزار امیدواروں سے انٹرویو کرتے تھے۔ انہیں ذہانت اور (Aptitude) کے ٹسٹ دیتے تھے۔ ساتھ ستر ہزار میں سے دو سو نو جوان جسٹائی کو آٹک ذہانت اور روحان طبع کے لحاظ سے موزوں ترین ہوتے۔ ان میں سے سال تربیت دی جاتی، لیکن بعد میں پتہ چلتا تھا کہ صرف دو یا تین افراد کی ملاجیت رکھتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یا تو انٹرویو میں مناسب لڑکے نہیں پتے یا ان طرح سے تربیت نہیں دی جاتی تھی اور یا امریکہ کے بنے ہوئے ٹسٹ پانچویں نہیں تھے۔

حقیقی کہنی کو ان سب باتوں کا کھوج لگا کر نشان دہی کرنی تھی۔

اس زمانے میں میں حکومت پنجاب کے ایک ہفت روزہ پرچہ لکھنے والا تھا۔

شمال تھا۔ اگرچہ میری دو کتابیں چھپ چکی تھیں۔ لوگ مجھے جاننے بھی لگے تھے۔

اس کی کواڑ میں ہلاکی کاٹ ہوئی۔ حقیر کی جھک ہوئی۔ اس کے ہاتھوں
 قتل اور فیاض کی کتابیں چرا کر، پھپھپ کر پڑھا کرتا تھا۔
 میں نے فیاض سے کہا، بھائی (اسے بھی دوست بھائی کہا کرتے تھے) میں فیاض
 ملازمت کے متعلق تفصیلات پوچھ لوں کیا۔
 بے شک پوچھ لو۔ لیکن اسے یہ بتانا کہ یہ اطلاع جن میں نے دی
 فیاض کا دفتر ایک بزرگ نما عمارت میں تھا۔ ملحقہ کمرے میں اس کا اپنا
 "نے کہا کہ آپ اپنا کارڈ اندر بھجوا دیں۔ میں نے کہا میرے پاس تو کوئی کارڈ نہیں
 اپنا نام پتہ اس سلیپ پر لکھ دیں۔

سلیپ اندر گئی تو میں سوچنے لگا، ابھی ابھی میں اندر جاؤں گا۔ وہ میری
 حیرت سے دیکھ کر چلا گیا۔ لگا کہ میری جانب بڑے کامیاب گئے۔ لگا کہ
 نصارت میں بنا لے سے کیسے لکھ لکھا تھا جسے اسے آئے تھے۔ کون کون بچا کر
 آجکل کہیں ہو گیا کر رہے ہو۔ پتہ نہیں میں کب تک سوچوں میں پڑا رہا۔
 پانی اُسے نے مجھے جھجھکوا دیا، چاہیے، آپ کو بلایا ہے۔ اندر داخل ہوا تو
 مطالعہ کر رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر پتہ پتہ "یو اے سیٹ۔" میرے
 دشمن نکل گئی۔ پھر پتہ نہیں وہ کیا کہ رہا تھا۔ یہیں سفارش میں چلی
 پہچان پر بھروسہ نہ کیجئے گا۔ ————— بہر حال اپنی کر دیجئے۔ ہم صرف
 گئے۔ جو کم از کم اہم۔ اسے ہوں۔ البتہ ہم آپ کو کنسٹرکٹر کر لیں گے
 کا مظاہرہ کر لیں پاس کرنا ضروری ہے۔ ————— کرونگ ہوا چارہ تھا۔
 تھا۔

آٹھ دن یہی کیفیت جاری رہی۔ سلیپ نکل گیا تھا لکیریں چلتی رہیں
 جانا کہ سلیپ کی سبب لکیریں زیادہ دھیر لٹی ہوئی ہیں، چنگل میں پڑ گئی ہیں۔
 دس چودہ دنوں کے بعد انٹرویو کی کل آگئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ
 ابھی تو پرائی کیسوں کا جہل ختم ہوا تھا، اب وہ کیسوں سے غافل تھا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

اور وہ پہلے بھائی آگیا۔

مجھے نفسیات کے عکس میں قیادت کیا گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اسی ادارہ میں
شٹ دوں۔

لاورک شاگ شٹ سیای کے وجوں سے بنا ہوا شٹ تھا۔ آپ کاٹنے پر
گرائیں پھر اسے فوڈ کر لیں تو سیای پھیل جائے گی۔ اس پھیلاؤ میں مختلف
اور ان میں سیای کی مختلف کیفیتیں ہوں گی۔ کہیں وجہ بہت گاڑھا ہو گا
کہیں پیچیدہ۔ کہیں کہیں کاٹنے کی سفید ی چھوٹ جائے گی۔ دور شاگ شٹ ایسی ہی
چھپے ہوئے سیای کے وجوں پر مشتمل تھا۔

پہلا امیدوار جو شٹ دینے میرے پاس آیا۔ ایک اونچا لمبا جوان تھا۔ اس کی
پاکیزگی کی مرہی ہوئی تھی۔ دیکھنے میں سراسر سستی نظر آتا تھا۔ ویسے لگتا تھا
ایک ضرورت ہے، مگر بیوقوف نہیں، حرکت کا دل دلا ہے۔ معلوم ہوا تھا کہ وہ پاکستان
میں نے اسے پہلا کارڈ دکھا کر کہا، دیکھیے تو آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ ایک ماہ
اس نے کارڈ کی طرف دیکھا اور لا حول پڑھ کر اسے میز پر پھینک دیا۔ اس نے
کارڈ دیکھے اور نفرت سے انہیں میز پر الٹا کر کے رکھ دیا۔
میرے اصرار پر، وہ بولا، جتنا ہی یہ تو قس ہیں۔

میں اس کے رد عمل پر بڑا حیران ہوا کہ معصوم سے سیای کے وجوں میں اس کی
نظر آئی، اتنا پاکیزہ شخص اور اس قدر جس آلود لگا۔

ان سیای کے وجوں پر امیدواروں کے رد عمل نے میرے ذہن میں ایک لہلہ
کسی کو ان وجوں میں یکہ نہ کچھ نظر آتا تھا، کسی کو جنگل نظر آتے کسی کو صحرا
دکھائی دیتیں۔ کسی کو ہنگامے نظر آتے جن میں مار جیت ہو رہی ہو تو کبھی اس سے
سے بات کرتے تھے۔ یوں نہیں کہ میرا اندازہ ہے کہ کیا لگتا ہے کہ بلکہ یوں اس
نہیں آ رہا کیا۔ یہ دیکھنے سے سکندر اعظم کی فوج ہے۔ سروں پر پلاٹن فیمیاں ہیں اور
فوجیں ہیں، دو میدان میں دو بارہا رہا ہے یہ دیکھنے دریا کی لہریں صاف دکھائی دے رہی ہیں
ایک درگیا امیدوار آیا۔ کارڈ دیکھتے ہی بولا، بھئی واہ، اس کی آنکھوں میں آن
رہی تھی۔ بھئی، وہ چاہا یہ تو پڑت کو کا کے آستوں کی تصویریں ہیں۔ اس

کا شروع کر دیا۔ واہ، اس خاتون پر کیا سرشاری کا عالم ہے اور یہ دیکھو یہاں
کاٹل ہو رہا ہے۔

تھی

نے میرے ذہن میں جھلک چا دیا۔ میں سمجھتا تھا کہ ہم سب ایک سادہ سمجھتے
ہیں۔ مجھے شک چلے گئے۔ اگر ہم عام سے سیای کے وجوں کو ایک سادہ سمجھتے
ہیں تو ایک سادہ سمجھتے ہیں۔ ہماری نظر کا رخ ایک دوسرے سے اس قدر
رخ ساری شخصیت کے رخ کا آئینہ دار ہے یا شخصیت کے کارڈ پر ایک دوسرے
نہیں، جس طرح سفید بری پر کالے دے ہوئے ہیں۔

جس کی بول بھلیاں میں یہ میری پہلی صفا تھی۔ اس سے پہلے میں انسانی
عام کے حروف سمجھتا تھا۔ انسانی شخصیت کو سمجھنے میں میں خود کو بنا پائے خان
شٹ نے میرا سارا کلف اتار دیا۔ میری مونچھ کر گئی۔ گردن ڈھلک گئی۔

اب میں ایک امیدوار کا دور شاگ شٹ لینے کی تیاری کر رہا تھا تو ڈاکٹر لطف آ
امارے عکس کے انچارج تھے۔

میں سر میں سر سمجھ کر کرنا دیا کرتے تھے۔ جس طرح سیکڑٹ میں بیورو
میں سر میں سر سمجھ کر کرنا دیتے کے علوی ہوتے ہیں۔

کی شخصیت ہی اتنی تھی۔ وہ چال ڈھال یا بول چال سے ڈاکٹر لطف ہی نہ تھے۔
ہی کے آؤ قی ہوں۔

ڈاکٹر احمد تھے، جو سہولت حسن متلو کے چاہتا تھے۔ ان کی شخصیت سارے
جائے رہتی، جیسے خیرہ لگا ہوا ہو۔ ڈاکٹر لطف کی طرح ان کے برتاؤ میں میں نہیں
تھے، پیڑو لہجہ تھا، انداز بے تکلف اپنے باحت لڑکوں کے ساتھ مکمل مل کر
ان کے انداز سے معلوم نہ ہوا تھا کہ وہ ڈبل ڈاکٹر ہیں، فرانسی کے ڈی ایس سی اور
ایچ ڈی۔ ان کا سیکشن ابگ تھا، جو ڈاکٹر لطف کے عکس میں تھے، حسرت
ان کی جانب دیکھا کرتے تھے۔

ہاں تو ایک روز جب میں ایک جوان امیدوار کا دروازہ شک لینے کی تیاری کر رہا تھا، ایک لطف آگئے۔

نوجوان امیدوار کچھ زیادہ ہی صحت مند تھا۔ چہرہ سرخی سے لہلہا رہا تھا۔ وہ ہوا جسم، سر پر سولہ سینٹ، لباس خاصہ، بن ٹخن، انداز میں خود اچھوڑی۔

ڈاکٹر لطف آئے تو نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لوپ کے لیے ٹوپی اتاری آئیے آئیے آپ میرے ساتھ چلیے، ڈاکٹر لطف نے کہا پھر مجھے مخاطب کر کے کہہ دیا کہ شٹ لینے کی پنداشت ضرورت نہیں۔

لیکن ڈاکٹر میں نے کہا ابھی تو میں نے انہیں شٹ کیا ہی نہیں۔

ٹھیک ہے ٹھیک ہے، وہ بولے۔ پھر مینڈا دی کہ کہہ دو نوجوان کو ساتھ لے آؤ، کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر لطف واپس آئے بولے، ”مشرقی چرخ کیس واضح ہو رہا ہو، آپ کو اس پر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن مجھے غلط فہمی ہو رہی تھی تو کئی ہے، میں نے کہا۔

ہیلتھ کنسرن

لکھے، وہ بولے، ”اے کیس آف ہیلتھ کنسرن۔

میں نے کہا، ”نوجوان تو بہت صحت مند تھا۔

صحت مند دکھتا ہے، وہ بولے، ”ہے نہیں۔ جو لوگ ہیلتھ کنسرن کے مادی

جنہیں ہر وقت اپنی صحت کا خیال دامن گیر رہتا ہے، یہ چیز صحت کے لیے اچھی

عمل صحت پر برا اثر رکھتا ہے۔ آج میری صحت گری کی سی ہے، ایسے لوگ بیمار

تیار ہوتے ہیں۔ اور ہیلتھ کنسرن جملہ بیماریوں سے زیادہ خوفناک ہے۔ ڈاکٹر لطف

قسم کے امیدواروں کو آؤٹ رائٹ ریجکٹ کر دیا کہ ”ہیلتھ کنسرن، خروس، اور دیگر

فکرائے صلاحیت۔ ایسے لوگ فوج کے قابل نہیں ہوتے۔

میرے لیے یہ باتیں تھیں، تو کئی جملے

صحت کا خیال رکھنے والے لوگ میرے نزدیک صحت مند لوگ تھے۔ پابلی۔

میں پر مرکوز ہونا بہت بڑی بیماری ہے، ایسا ہی فعل ہے جسے دانت کی جس

فکرائے

نوجوان میں حکم کرنا ہمارے لیے یوں تھا جیسے ایس وینڈر لینڈ میں جا پہنچی ہو۔ روز

حیرت انگیز حقیقت آجاتی اور ہم اسے دیکھ کر حیران رہ جاتے۔

ہمارے لیے ہمدردی کے پارے سے کم نہ تھا۔ صرف نفسیات کے طالب علم

آرٹس میں دلچسپی رکھنے والے بھی، عالم حیرت میں تھے۔

اس نے کہا، ”آئیے آپ کو خروس نوجوان کا قیاس دکھائیں۔ وہ ہمیں میڈیکل

ہاں امیدواروں کا میڈیکل شٹ ہوتا تھا۔

ہاں ہیکل انچارج سے بات کی کہ ہم خروس امیدوار کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے

ساتھ تعاون کریں۔ میڈیکل انچارج نے ہاں بولی۔

امیدوار کو بلایا گیا، اسے کہا کہ اب آپ کا میڈیکل شٹ ہو گا۔

انچارج نے کہا کہ بیسے ڈاکٹر صاحب تو مجھے ہوئے ہیں وہ کچھ دیر کے بعد آئیں

تو وہی نہیں گئے۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم غیر سرکاری طور پر امیدوار کے

نہیں ہیں۔

انچارج نے غیر سرکاری شٹ لیے گئے۔ اس کے جملہ کوائف اس شٹ میں داخل

کئے گئے، پلڈ پریشر، دل کی دھڑکن، ”پہنچنے والی سی سی“ سب داخل تھے۔

آواز بلند اعلان کیا کہ بیسے ڈاکٹر صاحب آگئے اور بائیں کے مطابق، میڈیکل

انچارج داخل ہوئے۔ انہوں نے امیدوار سے ہاتھ ملایا اور حکم دیا کہ نوجوان کے

شٹ لینے والا عمل دہرایا تھا جس نے امیدوار کے غیر سرکاری شٹ لینے تھے۔

لے گئے تو ہر چیز بہتر نظر آئی۔ نبض کی رفتار بڑھ گئی، دل کی دھڑکن تیز ہو

گئی، لی مشین کا پانیاباؤ تھوڑے بدل گیا۔ دونوں رائج ہمیں دکھائے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا

تھا کہ شٹ دو مختلف امیدواروں کے شٹ ہوں۔ ایک فرد کے نہیں۔

اس حقیقت کو دیکھ کر میرے دل میں استحقاق کا ایک نیا مفہوم ابھرا، ایک ڈھنگ کا مجھے اپنی شہرہ کے بیٹے ریاض کی بات یاد آئی۔ ریاض بڑا حق شناس اور پرستار تھا کسی قسم کی کوئی آوارگی نہ تھی، اتنا وہ خود عالی کردہ ڈسپن کا پابند تھا۔ وقت پر پڑھتا اور وقت پر سوتا تھا۔ اس کے والدین ذلت میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ اولاد کے مسائل میں دلچسپی نہ تھی۔

پی اسے کرنے کے بعد ریاض نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ریاض میں ایم اے کرے گا۔ اسے وہ سال تعلیم پانے کے بعد جب وہ استحقاق دینے کے لیے جا رہا تھا تو کامیابی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے امتحان کی تیاری میں کوئی وقت نہ اٹھا رکھا تھا۔ اس میں اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ سر پکڑنے لگا۔ سانس لینے کی تکلیف ہو گئی، اس لیے پھر بھر گیا۔

اگلے سال وہ پھر امتحان دینے گیا، لیکن پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ استحقاق میں داخل نہ ہو سکا۔

امتحان کے لیے اس کی تیاری مکمل تھی۔ اسے خود پر بھروسہ تھا کہ امتحان ہونے کی بظاہر کوئی رکاوٹ نہ تھی، لیکن وہ امتحان کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکا۔ تین چار مرتبہ امتحان کے کمرے میں داخل ہونے کی پورے عزم سے کوشش کی، کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اس نے ایم۔ اے کرنے کا ارادہ ہی چھوڑ دیا۔

پھر ہمارے تحقیقی سنٹر میں امتحان کا ایک نیا مفہوم سامنے آ گیا۔ سنٹر میں لیکچرر کے طلباء تھے۔

ان کے نفسیات کے پروفیسر ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ اگرچہ ان کا نام ہی تھا، لیکن اسے اسے علم اے تک وہ پھر امتحان میں قسٹ کلاس قسٹ دیا۔ پھر خود انہیں پاکستان میں کوئی ملازمت نہ ملی تھی۔ اس پر سنٹر کے علیک وفد کی سربراہی کے کمانڈنٹ کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ پروفیسر صاحب کو پاکستان میں ملازمت دی جائے۔

فصل

پروفیسر کے تعلیمی ریکارڈ کو اچھی طرح جانچا اور پروفیسر کی قابلیت کی بناء پر اسے ملازمہ ہو گئے اور اس بات کی اعجازت دے دی کہ پروفیسر کے جملہ شغلے

اس سے بخوبی واقف تھا، اس لیے لڑکوں کو تعلیم تھا کہ آسانی سے پاس ہو سکتا تھا۔ طلبہ گریڈ حاصل کر کے کامیاب وہ ذہانت کا مطلوبہ گریڈ حاصل کرنے میں اس بات تھی۔ پروفیسر کے شغلہ دوبارہ لیے گئے، پھر بھی وہ کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ دوسرا کیا، لیکن پروفیسر ذہانت کا مطلوبہ معیار حاصل نہ کر سکا۔

اس میں دلچسپی نہ تھی۔ ایک خصوصی کانفرنس بلانی گئی جس میں اس مسئلے پر بحث ہوئی۔ پروفیسر جس کا تعلیمی ریکارڈ نمایاں قابلیت کا حامل تھا، جو پھر امتحان میں کامیاب نہ ہو سکا اور کمال آتا تھا، جسے دس سال نفسیات پڑھانے کا تجربہ تھا اور جملہ ذہانت تھا وہ ذہانت کے شغلہ میں مطلوبہ معیار کیوں حاصل نہ کر سکا۔

اسے کیا معاملہ تھے جن کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اس کے لیے اسے ایک فرد کا فیصلہ نہیں دیکھنا ہے کہ کیا ہر قسٹ کلاس قسٹ طلبہ کیلئے ہوتا ہے یا نہیں۔ ایک تحقیقی مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ لڑکوں کا ایک ہی کلاس ہے، لیکن ایک کلاس میں پانچ لڑکے ہیں۔ ان طلباء علموں کو چنیں جو ان کے لیے مناسب ہیں۔ پھر انہیں ذہانت کا شغلہ دیں۔ بار بار دیں۔ اور نتائج ریکارڈ کر کے اس میں ترمیم کریں۔

اس کے بعد رپورٹ دی تو ہم سب پر حیرت طاری ہو گئی۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ اس کے ذہانت طلباء ذہانت میں عام طلباء علموں کی نسبت نیچے رہ جاتے ہیں۔

اس کے بعد حکومت کی طرف سے تحقیقی ادارے کے لڑکوں کو رسالہ پڑھانے کے لیے پاکستان آفر فز کو ایک عرض دی تھی کہ کبھی کے تحت جو تحقیق کر رہے ہیں انہیں موقع دیا جائے کہ وہ خود اڑ کر پابلیش کی

کے لئے نام تھا۔

یہ سیکورٹی کا معاملہ تھا۔

غیر از توقع ایذا تھی تو سنٹر میں شوئی بھرا شور مچا گیا۔ پھر دسپوور جانے کی ہمارے

ہو گئیں۔

یوسف ظفر

اے یوسف ظفر! میں نے اے اطمینان سے سبکوں کی فرست تیار ہے۔
تجربہ نہیں کہ ہم پائلٹ کی تربیت حاصل کرنے دسپوور چار ہے ہیں۔

پتہ ہے، بھائی نئی پتہ ہے، وہ بولا۔

تو تم تیاری نہیں کر رہے۔

تیاری تو میری بیوی کرے گی۔ میں تو ٹوٹی کر دیں گا، چھریں ہی بیک کرتی ہے۔

یوسف ظفر! ہمارا شمار تھا۔ اپنی حلقوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ وہ حلقہ ارباب ذوق

تھا۔ ہمارا شمار تھا، لیکن چھوٹے قد میں اتنی جان تھی کہ سنبالے نہیں سنبھالتی
تھا۔ شاعر ہونے کے باوجود گھر بیٹھو نہیں تھا، ایک شرور تھی، بے چین
تھی، لڑائی کی پسند پسند کے محور پر گھومتی تھی، جو پسند تھا وہ اچھا تھا، جو نا پسند تھا

روپے کی وجہ سے پاکستان ابھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔
پاکستان انٹر فورس کے پاس کتنی کے چند ایک پائینٹ تھے۔ اور وہ اس
پول تھے۔ چند ایک ٹوٹے پھرنے جہاز تھے۔

رسل پور میں چند ایک باریکیں تھیں۔ چند ایک مسکین، چند ایک بھری
ایک دیرانہ قہار وہاں صرف دو باتیں چاہتے تھے۔ ایک تو توبہ کی طرح چھوٹا
دوسرے آسمان کی طرح چھوٹا ہوا اور خان۔

نور خان رسل پور کا کمپنٹ تھا۔
لوگ نور خان سے ڈرتے تھے، لیکن ساتھ ہی نور خان کے لیے ایک مقام
کرتے تھے۔

نور خان نے اسٹی دوم میں ہم سے خطاب کیا۔ یوں، لڑکوں ہم یہاں کی

نہیں دیتے آپ کو ہم نے صرف اس لیے اجازت دی ہے کہ آپ پاکستان کی
اہم مسئلے پر تحقیق کر رہے ہیں۔ یہاں آپ کو دو باتوں کا خیال رکھنا لازم اور

ہمارے ڈسپلن میں ظن اندازی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ملک کی سیوری پر آج
رسلپور میں ہمارا قیام مختصر تھا۔ جس کے دوران پہلے ہمیں غلامنگ پور

گئے۔ پھر ہوائی جہازوں میں بٹھا کر کل پڑوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔
پائینٹ کے تحت کو پائینٹ کی حیثیت سے اڑنے کے چند مواقع فراہم کیے گئے

بائینٹوں کو چالیا دی گئیں۔ کہ ہمیں انکرو، بیک، فلائیک کی بنیاد
کیا جائے۔

کلی مرتبہ جب میں کو پائینٹ کی حیثیت سے جہاز میں بیٹھ کر اڑاؤ میں
میں کوئی بات ہوئی۔ جو جہل سر پہ گھونسا پیٹ پر کوئی تک پہ کیا۔

میں کوئی بات ہوئی۔ جو جہل سر پہ گھونسا پیٹ پر کوئی تک پہ کیا۔

چھ حسین لڑکیاں

رسل پور سے واپسی پر ایک ایسا لوٹ روٹا ہوا کہ حقیقی سنٹر جتنا تھا، اس لڑکی پر اس روز انپکشن ڈسٹ تھا۔ ہر مینے دو مینے کے بعد ایک انپکشن ڈسٹ کیا اور اسے بڑے اثر آکر سینٹر کا معائنہ کیا کرتے تھے کہ کیا سنٹر ٹیکہ طور پر چل رہا ہے۔ ان تو نہیں پڑی، سیکرٹری لوگ ہے یا نہیں۔ انپکشن ڈسٹ پر ہم سب ہائل الراد سحرے کپڑے پہنے ہوئے، عمارت سپک اینڈ چین ہوئی، ہائیپکے لائنوں پر لی ہوئی۔

اے یہ کیل سارے ریسرچ اسسٹنٹس کی آنکھیں غلاؤں سے باہر اٹھ کے چپے چپے قطار میں چھ لڑکیاں خرابی خرابی آ رہی تھیں۔

ان کے آتے ہی اعلان ہوا، "حقیقی سنٹر کے تمام افراد اسمبلی ہال میں آؤ" ایک اہم خطاب کیا جائے گا۔

ہال میں لڑکیاں بیچ پر بیٹھی تھیں۔ درمیان میں ایک افسر بڑے طور پر خطاب اس نے خطاب شروع کیا۔ بولایک مین۔ ہمیں افسوس ہے کہ پڑا ہے کہ حقیقی یونٹ کو تکمیل دینے وقت ایک اہم بات کو نظر انداز کر دیا۔

اس حقیقی یونٹ میں ہر مضمون کا ایک ماسٹر موجود ہے۔ جو اس مضمون کی ہے۔ اس یونٹ میں ہر مریضہ لوگ بھی ہیں، فنکار بھی ہیں، ادیب بھی ہیں اور آرٹ کی لمانڈگی کرتے ہیں۔ لیکن اس یونٹ میں کوئی خاتون نہیں ہے اور لمانڈگی کرتی ہو۔

آپ کو یہ جان کر خوش ہو گا کہ اگر کوئی لڑکی دیکھ لے۔

اس قدر حسین تھیں کہ ان کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔ یہ احساس ظاہری ہو رہا تھا۔ وہ میلی ہو جائیں گی اور اگر دیکھتے تو سانس لینا مشکل ہو جاتا تھا۔ صرف یہی تھیں۔ سونے پر ساگر اس وجہ سے تھا کہ انہیں علم تھا کہ وہ حسین ہیں۔ انہیں ان لڑکیوں کے دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن ان میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ "بچہ جاتے ہیں۔ وہ سب جانتی تھیں کہ ان کا حوصلہ کیسے بندھایا جاتا ہے۔ چوتھی نہیں تھیں۔ انہیں دیکھنے کا فن آتا تھا۔ ہندو بھگتوں کے دروازے پر راتی میں جیسے پیٹے ہی نہ ہو کہ دیکھا جا رہا ہے۔

ان لڑکیوں کا چھب مختلف تھی۔ ایک کتابی چوڑی تھی۔ ایک سیکرٹری تھی، ایک مسکراتی تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ کو ایک ذاتی پرائیویٹ فعل تھا۔ وہ اس بات نہ پہنچتی تھی۔ ایک نیلی آنکھوں والی تھی، وہ آنکھیں نہیں تھیں، ان میں وہ دو بونی نہ تھی بلکہ خود ڈوب جاتی تھی۔ ایک سار مرادی تھی، جسم بھاریوں سے نکل نکل کر جھانکنا تھا۔ ایک مرچیل تھی، اسے دیکھ کر سوں

ان میں ایک لڑکی متعین کر دی لیکن یکشن زیادہ تھے، اس لیے وہ تین لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو دیکھتے تھے۔ ہم حسرت بھری آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

سرکار کے بیٹے تھے کہ یوسف ظفر آئیڈیل یوسف ظفر کے انداز میں دعا کرتے تھے۔ اس روز "ای لیشن" کچھ زیادہ ہی چمکی ہوئی تھی۔ آتے ہی

اور ادا کرتی ہے، یوسف ظفر بولا، ہمیں صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

اور اس وقت پر تمام نوجوان بکڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

اور اس وقت پر تمام نوجوان بکڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

اور اس وقت پر تمام نوجوان بکڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

اور اس وقت پر تمام نوجوان بکڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

اور اس وقت پر تمام نوجوان بکڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

اور اس وقت پر تمام نوجوان بکڑ گئے۔ وہ بولے، ہم صورت حال سے بالکل مطمئن ہیں۔

اور کہہ کر میں نے شے میں کہا میں تو جا رہا ہوں۔

میں نے سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً نہ سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں

کہا۔

بنیاد کا شیرازہ

میں نے کتے ہیں بنیاد کے شیرازہ بھی نہیں جانتے چاہے وہ کتنی اونی

ہیں۔

طبی طور پر میری شخصیت کے بنیادی خواص چار ہیں۔ احساس کسری،

کے پردے میں چھپانے پھرنا ہوں۔

قدار ہو شیلی، جواب اتھارٹی ہو شیلی میں بدل چکی ہے۔

جیسی جنوں، جواب آنکھوں میں تو دم ہے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

اور آخر میں شدت تھے میں بیش ایک خوبی سمجھتا رہا اور غلط کیا۔

۱۹۸۵ء میں مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ شدت ایک عجب ہے،

کی ایک عقیم رکاوٹ ہے۔ اللہ کے راستے کی رکاوٹ نہیں، انسانیت کے راستے کی

۱۹۵۰ء میں جب میں اس حقیقی سفر میں کلام کر رہا تھا تو میری عمر ۲۵

نے مجھ پر ایک پراخانہ لڑے سے خرید لیا اور دو رکعت لگا رکھا تھا ساری زندگی

میں اس وقت رہنے کے بعد میں کتارے پر لگا سوکھا رہا تھا۔

اس کے بعد دو میری جذباتی جبلت ختم نہ ہوئی تھی، بلکہ وہ گئی تھی۔

سے بھی سناڑ ہوا تھا لیکن ان نوجوان بنے شے لوگوں کے مقابلے میں

تھی۔ میرا کوئی چانس نہ تھا، ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی جانب متوجہ

اسی وجہ سے صورت حال پر مجھے قدر آتا تھا۔

ایک دن بحری محفل میں میں نے کہہ دیا کہ یارو یہ مشراب ریسرچ منظر

ہے جیسے یہ بازار حسن ہو۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس لیے کہ ہم میں

میں رہا۔ ہم اپنی تدبیر پر خوش ہو رہے ہیں، پھولے نہیں مارتے۔

بالکل درست کہتے ہو، یوسف ظفر بولا۔

لیکن اس کا مل کیا ہے، کسی نے با آواز بلند پوچھا۔

میں اس وقت سے کہہ کر جا رہا ہوں، میں نے کہا۔

کم ان اور پھر ایک فائل کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ لک میں وہ بولا: "آزمائش ملازمت میں لے گی۔ سوچ لیجئے۔"

نیور ہائیڈر مسز میں نے آخری وار کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دفتر کا صدر دروازہ بند تھا، وہاں سیکریٹری کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ مجھے باہر جانا تھا۔ آپ وینٹنگ ہال میں بیٹھنے سر میں اجازت لے لوں۔

وینٹنگ ہال ایک لمبی پارک تھی جس میں دس پندرہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ابھی میں بیٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ یوسف ظفر داخل ہوا۔

اُسے تم "یوسف ظفر" میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

ہاں میں وہ بولا۔

تم تو استغنیٰ دینے کے حق میں نہ تھے۔

میں نے اپنا ارادہ بدل لیا، بھائی جی۔

کیسے میں نے پوچھا: وجہ۔

فیصلہ وجہوں کے محتاج نہیں ہوتے، بھائی جی۔

تیرا لڑکا داخل ہوا یا وہ قفسے میں بموت بنا ہوا ہے۔ جب دسواں لڑکا وینٹنگ ہال

مجاہد ریڈیو

در اصل کہانی کے افسانوں کے رویے کے خلاف ایک احتجاج تھی۔ خطرناک

الفران نے اپنی حسن پسندی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی رپورٹوں میں اسے

دل دے دی۔ تحقیقی کہانی ٹوٹ گئی۔ جن اراکین نے استغنیٰ نہیں بھی دیے

فیاض کے پاس جا کر اس کی منت کرنا مجھے گوارہ نہ تھا۔ پھر یہ بھی قرار دیا کہ فیاض بہت پڑھا لکھا عالم آدمی تھا اور وہ علم کے تکبر کا شکار تھا۔ ایک دن لاہور چرائے ہوئے کے باوجود اس نے بڑی تنگ دستی اور محنت میں زندگی گزار دی تھی۔ اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اور اب جب وہ ایک باعزت مقام پر پہنچ چکا تھا تو اس نے اپنے رشتہ داروں کو

مجھے جیتن تھا کہ فیاض میری بات نہیں مانے گا کسی کی بات نہیں مانے گا۔ پھر یہ تھا کہ اس زمانے میں مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا ایسا نہ تھا کہ وہ (سروا) اپنی تہذیب کو راکھ کرے۔

لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ساری بات پریس میں لائی جائے تاکہ لوگوں کو بہتر انداز میں تحقیقی کام جو قوم کے مفاد میں تھا صرف چند حسین لڑکیوں اور چند پاپوس (سروا) کا دیکھ

میں اس بات پر مصر تھا کہ بات پریس میں نہیں آئے گی۔ آگئی تو بات نہ لگے اور بگڑ جائے گی۔ میں نے بار بار انہیں سمجھایا تھا کہ پریس میں آئے گا وہیں کا تھوڑا سا ورہیلک لوہینین ہو جو حکومت پر اثر انداز ہو سکے۔ انہا ہمارے ہاں حکومت اس قدر ہے کہ وہ پبلک لوہینین کو اپنے کام میں لاسکتی ہے۔

میرا اندازہ تھا کہ افسران خود مخالف تھے کہ پریس میں نہ آجائے اور کہیں نہ تھا۔ سخت انتقادات پر قیامت مٹے تھے۔

ہم روز آہیں میں ملا کرتے تھے۔

پہلے تھوڑے خیریں سنائی جاتیں۔

پھر ان پر تہمید ہوتا پھر ساری پتویشیں کا جائزہ لیا جاتا۔

اور آخر میں بسٹ ظفر اور مجھ پر الزامات کی برچھاڑ ہوتی ہمیں مورد الزام نہ

مجھ پر مزید الزامات کی برچھاڑ لگائی جاتی تھی۔

ایک دن ایک ایسی ہی مجلس میں شمولیت کے لیے جب بسٹ ظفر اور بلال کے رستوران میں پہنچے تو دیکھا کہ چدرہ نوجوان چائے کے پیالے سامنے رکھے

راول دیس

ابا ریڈیو

بندی

دیں کالی بی



محمود نقشبانی



محمد عسر



سجاد حمید



ابو الدین



ابو الدین

یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔
 'چپ چاپ بیٹھے تھے۔ یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

'ناٹام پروڈکشنز کی اسٹ سے خارج کر دیا گیا ہے' اقبال نے کہا۔

اس کی اسٹیٹیوٹ کر دی گئی ہے، 'سعید بولا۔ اور ایک سرکولر گورنمنٹ کو لکھ دیا

کہ ان کی والوں پر بین لگادی جائے۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

'کسی کو سرکاری نوکری میں نہ لیا جائے۔

نہیں ہو سکتا۔' یوسف ظفر بولا، 'ہم سب کہنی کے ملازم تھے' سرکار کے

ملازم تھے۔

'اگر آپ نہیں ہو سکتا' اقبال فیسے میں چٹائی۔

یہ بات کہنے کی کوشش کی 'یہ بات قانون کے خلاف ہے۔

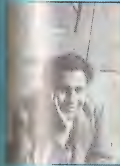
اقبال نے پوچھا۔

'قانون' سعید بولا۔

'اگر آپ نہیں ہو سکتا' اقبال فیسے میں چٹائی۔

یہ بات کہنے کی کوشش کی 'یہ بات قانون کے خلاف ہے۔

اقبال نے پوچھا۔



پریس



جید اعظمی



اے آپ نکالی صاحب، یوسف ظفر اے دیکھ کر چلایا، آپ یہاں دیکھ کر بھاگتے، نکالی نے جو ہاتھوں کو مخاطب کر کے کہا، چار دنوں سے میں ہوں، لڑھو کا کونہ کونہ چھان رہا ہے اور یہ کسی مصیبت سے بچ رہا ہے۔

میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ غل ہوا ہوں لیکن مجبوری کی بنا پر اجازت دیں تو میں ان سے بات کر لوں۔

نکالی کا انداز بڑا بے تکلف تھا۔ لیوان مسکرا کر بولے، 'بے شک' ان سے بات کر لیں۔ ہم اپنی بات چیت کل پر مبنی کر رہے ہیں۔ دوستوں کی طرف سے ان کے رہنے کے بارے میں شک کی جگہ نہیں رہی۔ یہ جپ کی ہے۔

یہ جپ تمہیں لینے آئی ہے، وہ ہنس کر بولے۔ لیکن ہم تو یہاں بری طرح سے بچے ہوئے ہیں۔ یوسف ظفر نے ہنس کر بولے، صورت لڑکیوں کی کمانی نکالی۔

نکالی کی آنکھوں سے مسرت کی ایک چھوٹی سی لڑکی نکالی۔ پھر خوبصورت لڑکی جس میں جگہ جگہ تھیں۔ تاکہ آپ یہاں سے فارغ کر دیے جائیں۔

نکالی صاحب، یوسف ظفر نے کہا، چند روزوں کے کیریز کا سوال ہے۔ اس وقت میں اس سے عین کر رہا ہوں۔ ہم انہیں چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں۔

افراد کا سوال اہم نہیں، نکالی نے کہا، اس وقت قوم کی خدمت کا سوال ہے۔ ضرورت ہے، آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔

میں نے پوچھا کہ مجاہدوں کے علاوہ وہ بولا۔

لیکن ہم تو یہاں آئے ہیں، یوسف ظفر نے کہا۔ دیکھو نکالی، نکالی نے کہا، یہ بین دیں کی باتیں وہاں جا کر ملے کر لیں گے۔

میں نے صرف یہ سن کر ہنس کر بولے، کل اس وقت ہم سڑک پر آئے۔

دل میں اسلامی جذبہ یوں بھرا ہوا تھا جیسے مائتار سے بھرا ہوتا ہے۔ نکلی کی یا ۔ اور غیر ریٹوئے انہوں نے کہا۔

دن میں تین یا چار بار بلاوا آجاتا۔ آجاتے ہو چلاؤ۔ بلاوا ۱۱۱
 جاتے، میٹنگ بھی لڑکھی میٹنگ ہوتی، کبھی درختوں کے جھنڈے، کبھی کسی گلی میں
 اوت میں اور کبھی کچھ میدان میں۔ سنو سنو نکلی دلی آواز میں کہنا: تازہ خبر ملا،
 کن دونوں ہمارے لیے سب سے اہم بات خبر تھی۔ چونکہ کواڑن کی کواڑن
 ترین خبر کو جانتا اہم تھا۔ زاریہ پر چونکہ اور قاصد بھی خبر کو غور سے سنتے تھے۔
 بولنا پڑے تو تازہ ترین حالات سے باخبر ہوں، یہ خبریں بھی عجیب نوعیت کی تھیں
 کسی عجیب کی جرات کی حیران کن داستان، کسی جاننا کی جان کی قربانی کی قصہ
 چلنے لگے۔
 میٹنگ ختم ہوتی تو سب اپنی اپنی جگہ سوچنے لگتے کہ خبر کو پروگراموں میں کیوں
 پروگرام کا کاروبار کیا ہو۔ نام کیا ہو۔

استاد معلم

دیے تو سب اہمیت میں ایک پر بولا کرتے تھے، لیکن ہمارے پاس
 فنکار موجود تھے۔ محمد حسین، تاج اور امیر خان۔
 محمد حسین چوٹی کا فنکار تھا۔ کن دونوں مجھے علم نہ تھا کہ یہ شخص صرف اس
 کہ ریڈیائی اور لٹری خبروں میں میری راہ نمائی کرے۔ میں بتائے، سمجھائے کہ
 کیا ہے۔ کردار کیسے بنے ہیں اور ڈرامے کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ آج تھے اس
 کہ محمد حسین میرا استاد تھا اور ریڈیو آزاد کشمیر میرا معلم تھا جس نے مجھے بات
 تاج اور امیر خان دو سمجھیز آوازیں تھیں جن کے پاس دل دلا دینے والی
 نور ایک امیر تھا اور افکار تھا جو بعد میں شہرت سے ہمکنار ہوا۔

آزاد کشمیر ریڈیو میں پروگرام عجیب انداز سے مرتب ہوتے تھے۔ ایک دن
 سنا کہ بعد کے کامیاب ہو۔ یہ کیسا وطن ہے، مجھے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔
 آگیا۔ یوں میں کھولیں گاؤں کے جھوٹ بولنا۔ مسعود چلایا۔ دھول کا پال
 کواڑن میں اور امیر خان۔

نے کہا ہاں دو آوازیں، ایک سنلا، دوسری دھلا۔
 اچھی چلایا، نلے پر دھلا عمر بڑا چلاخ چلاخ یوں جیسے چلائی ہو رہی ہو۔ نکلی
 اوت میں اس کے گھر پہنچا کر آتا ہو گا۔

پاول

اصل کا پاول ٹشو رہا تھا۔ تاج اور امیر خان شکر کرے تھے۔ ساتھ ساتھ
 یوں پر لائیں لکھ لکھ کر دیے جا رہا تھا۔ وہاں اتنی وقت میسر نہ تھا کہ سرکٹ پورا
 اور پھر ٹشو وہاں لیے۔ سرکٹ ساتھ ساتھ لکھا جاتا تھا اور شکر کرنے والوں کو یوں
 پاول کیوں کہ چوگا رہتی ہے۔

اصل کا پاول ٹشو رہا تھا، نلے پر دھلا پڑ چلاخ چلاخ چلائی ہو رہی تھی۔
 اہم یار یہ ہاتھ ذرا کمزور رہا، لگا ہاتھ سننے، ہسٹ ظفر کہ رہا تھا ہم نے کر
 اس چلاخ چلاخ کی کواڑن کی ایک سیل دلی میں کو جٹی رہی۔

محمد حسین میرے پاس آیا، بولا، مفتی بی، ایک پروگرام ذرا ہٹ کے ہو جائے۔
 میں چلائی تو ہوتی ہی رفق ہے، ایک پروگرام دھیمی کواڑن میں ہو جائے۔ میں نے
 لکھ لکھ بھارت کے دل کی باتیں باہر لائی جائیں۔ میں نے کہا سنلا پلٹ جی
 یوں بولا کہ ایک سے یوں۔ ایسا یوں بولا جو اوپر سے میٹھا ہو، اندر میں کھلی ہو۔ اوپر
 اندر کدود ہو غصہ ہو۔ کچھ پر ہنس ہو، بھل میں چھری۔ کچھ ایسا ہو۔ محمد

آزاد کشمیر سے ایک پروگرام ٹشو رہا تھا۔ بھارت کی نئی پینک۔ مندر کی
 حسین۔ محمد حسین پنڈت کی آواز میں پاگوں کو کر سکا رہا تھا۔ پاگوں بولنے سے
 اوت کا کام ہے کہ جو ملے ایسے تھیالے۔ دوجے کی پیچ پر اپنا حق جتانے۔
 کاؤٹ آگ ہے۔

اور محمد حسین آج تو رنگ لگا دیا۔
 میں نکلی بولا۔ پتہ میں کیا بات ہے۔ چاٹوں کی آواز سن کر بھارتیوں کے

انہاں اچھا کیا کہ آگیا دیر سے آیا پر آگیا

انہاں نہیں وہ کچھ دیر رک کر لو۔

انہاں کہ پڑھا کیا کہ رہا ہے۔

انہاں ہوا جا احسان دے۔

انہاں میں چوٹ لگے اسے کیسے پتہ چلا کہ مجھے انٹرویو دینا ہے کہ میں امتحان کے

انہاں کا یاد آگیا۔ وہ بھی یہی کہتا تھا اور چلا جا جس پھاڑوں ہیں، تجھے

راولپنڈی

انٹرویو ڈائی "سانے مری کی پھاڑوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔

انہاں میں رہتا ہے۔ نہیں میں یہاں نہیں رہوں گا، نہیں میں یہاں نہیں

انہاں پر ماڑ ڈالنے کے لیے انہاں شاپ بولے رہتے ہیں۔ ان کی باتوں

انہاں نے انٹرویو کے فوراً بعد میرے ہاتھ ایک حکم بند تھما دیا۔

انہاں انٹرویو کے ذیلی دفتر آڈو کسٹمر پیلی ڈائریکٹوریٹ میں اسٹنٹ

ہاں کر لیں۔

انہاں گیا کیوں کہ یہ حکم پبلک سروس کیشن کے دستور سے ہٹ کر تھا۔

انہاں میں بائیس سو چوبیس سوک پر سو لکھ سو بیس واقعہ تھا۔

انہاں میں صرف میں نہیں آؤں کلام کرتے تھے۔

انہاں ایک باغیاں مستعد آؤں تھا ایسے لگتا تھا۔ مجھے ابھی ڈرائی

انہاں میں بند ہو کر آیا ہے۔ فی الحال سلام پڑا تھی آؤں تھا۔ دو بج شام دفتر

انہاں لگتا تھا مجھے اسے کسی اور بات سے دلچسپی نہ ہو۔ اس کی بیوی

انہاں پڑی آئے اسے انکار کر دیا تھا۔ اسے یہاں ہوٹل کے ایک

انہاں شرو ورت تھا ترقی کی خواہش اس کے بند بند میں رہی ہوئی

میرا خیال تھا کہ چھ مہینے کے بعد میں واپس لاہور چلا جاؤں گا اور وہاں

گا۔

میرا راج محلہ ریڈیو سے فارغ ہوا تو تم سب پڑی آگئے۔ پڑی میں

پر وگرام تھا۔

ان دنوں پڑی ایک چھوٹا سا شہر تھا، چلی پٹی سڑکیں، کچ گلیاں، کچا

مکانات پر لٹی وشی کی دکانیں۔ ہوٹلوں کے سامنے بازار میں دو قاصد پھاڑا

جن پر پیٹہ کر لوگ چائے پیتے اور جتنے کے کش لگاتے۔

شہر سے ذرا قاصد پر صدر کا علاقہ تھا۔ جو مقابلہ صاف شہر تھا۔

لیکن وہاں کوئی چھلے راتی تھی۔

پڑی کو دیکھ کر میں بت لایس ہوا۔ بس کی بات ہوتی تو میں پڑی میں

دو چھلے پوسٹ فلٹر کوڈ میں نے پبلک سروس کیشن کو ملازمت کے

تھیں۔ انٹرویو پڑی میں ہوا تھا لہذا میں پڑی میں رہنا پڑا۔ انٹرویو

پیشے ہوئے ایک بڑے فطرت نے مجھے اشارہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ بھیک مانگے گا

پلو میں ایمان بندھا ہے، دوسرے میں سائنس۔ ایک جیب میں فنون کا شوق، دوسری دوا۔
 ایک سست ہے۔ ایک تیز ہے۔ ایک حذر ہے۔ ایک سست ہے۔

لوگ رسیا سیاحت کا زمانہ ہے۔ اس کا کتابہ ہے کہ پہلا بار...

اصل چیز تو لوگ ہیں۔ لوگوں کو دیکھو ان سے باتیں کرو انہیں سمجھو
ہے اس نے پاکستان کے دور دراز علاقوں کو دیکھا ہے۔ وہ سب...
کے بیچ میں بول اٹھتا ہے لاکھ جاکے تو یہ ہو گا لاکھ جاکے تو...
لیڈر کو اس بات پر فہم آتا ہے کہ انجینئری کیوں جانتا ہے۔ بات ہی
حق صرف لیڈر کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ نہیں جانتا تو بھی جانتا ہوتا ہے۔
یوں راولپنڈی میں اہل گماہمی اور پارلیمانی میں وقت گزارا۔
پھر محمد حسین اور ریڈیو کی مصروفیات تھیں۔

محمد حسین راولپنڈی کی مصروفیات تھیں۔
راولپنڈی آ کر جوں جوں مجھے محمد حسین کے قریب جانے کا موقع ملا۔
حسین کے جوہر کھلے۔
محمد حسین بنیادی طور پر گونا گونا گویا تھا۔ محفل میں بات کرنا...
ویسے دیکھنے میں وہ نہایت معتدل اور بشید آدمی نظر آتا تھا۔ ریڈیو کے...
سے بالکل مختلف تھے۔ مثلاً تاج تھا، نور تھا، امیر خان تھا۔
یہ تینوں عداوت پر بڑے پائے کے فنکار تھے۔ تاج کو اپنی کتاب...
ڈیپوڑی پر فخر تھا اور نور کو اپنی جو دہائی پر۔ بھروسہ تھا۔ یہ لوگ فنکار...
حسین بھٹا ان سے ہٹ کر تھا۔ نہ اس میں فخر تھا نہ جوش نہ ہنر۔
ی معمولی نوعیت کی تھی اور شاید اسی لیے وہ چھوٹی کواڑ کے ذریعہ ہم میں...
تھا۔ سسرل میں محمد حسین کا اداسیہ اور املاک، علم سا مکر، ستانی ونا تھا۔
ذریعے لاکڑ پتیکر سے لوا ہوتا تو میں اسے سن کر حیران ہو جاتا تھا۔
محمد حسین تیسریں ہی کام کر چکا تھا وہ چھپکر کب واپس...
ان دنوں راولپنڈی کا ریڈیو مشین پشاور روڈ پر واقع تھا۔ ان دنوں...
سڑک تھی۔ سرشام ہی میں ریڈیو مشین سے آگے چوڑھریال کی...

محمد حسین

راولپنڈی آ کر جوں جوں مجھے محمد حسین کے قریب جانے کا موقع ملا۔
حسین کے جوہر کھلے۔

محمد حسین بنیادی طور پر گونا گونا گویا تھا۔ محفل میں بات کرنا...
ویسے دیکھنے میں وہ نہایت معتدل اور بشید آدمی نظر آتا تھا۔ ریڈیو کے...
سے بالکل مختلف تھے۔ مثلاً تاج تھا، نور تھا، امیر خان تھا۔

یہ تینوں عداوت پر بڑے پائے کے فنکار تھے۔ تاج کو اپنی کتاب...
ڈیپوڑی پر فخر تھا اور نور کو اپنی جو دہائی پر۔ بھروسہ تھا۔ یہ لوگ فنکار...
حسین بھٹا ان سے ہٹ کر تھا۔ نہ اس میں فخر تھا نہ جوش نہ ہنر۔
ی معمولی نوعیت کی تھی اور شاید اسی لیے وہ چھوٹی کواڑ کے ذریعہ ہم میں...
تھا۔ سسرل میں محمد حسین کا اداسیہ اور املاک، علم سا مکر، ستانی ونا تھا۔
ذریعے لاکڑ پتیکر سے لوا ہوتا تو میں اسے سن کر حیران ہو جاتا تھا۔

محمد حسین تیسریں ہی کام کر چکا تھا وہ چھپکر کب واپس...
ان دنوں راولپنڈی کا ریڈیو مشین پشاور روڈ پر واقع تھا۔ ان دنوں...
سڑک تھی۔ سرشام ہی میں ریڈیو مشین سے آگے چوڑھریال کی...

تھے۔ شر کے پڑے اہل کاروں سے ان کا رابطہ تھا۔ وہ اکثر دوست اہل کاروں
 دیکھا کرتے تھے۔ مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس چوٹی میں
 لوہا کرتے اور وہ آٹا شر کے کیل پیش کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں اکثر
 بڑی اچھی طرح واقف تھا۔ انہوں نے چار ایک بار اندر سماجی پیش
 تر مکانے گیتوں کی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اندر سماجی
 جب محمد حسین نے اندر سما کا نام لیا تو میں حیرت زدہ ہو گیا۔
 عقل کی بات کہ محمد حسین میں نے کہا اندر سما کی پیشکشیں کون
 اس کا آپ فکر نہ کریں وہ یوں۔

تم گناہاں سے ہو میں نے پوچھا۔
 نہیں وہ یوں میں گناہیں سنا، لیکن میں اندر سما کے گناہوں کی نہ

آپ سکرپٹ کو ریڈیو کے مطابق ڈھال لیں، بس باقی میں سب سنبھال لوں گا
 میں نے سکرپٹ لکھ کر محمد حسین کے حوالے کر دیا۔

سکرپٹ لے کر محمد حسین سازندوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دس پندرہ

رہسریں کروا کر ایک دن کہنے لگا آج آپ قلعہ ہیں تو ذرا ہماری رہسریں
 رہسریں سن کر میں حیران ہو گیا۔ اندر سما کے گیتوں کی تمام دشمنیوں

محمد حسین نے ایسی عمدہ کاشت کی تھی اور میڈیک پائل کے پیڑ کے رنگ میں تر
 جس روز پیشین سے اندر سما شروع ہوا تو چاروں طرف سے لوگ بیٹھے۔ ہمارے

تھے۔ بھی لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اندر سما میں نے پروڈیوس کیا ہے۔
 محمد حسین کو کریڈٹ لینے کا شوق نہ تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک حکیم فن کار

محمد حسین کو میں نے سچے دل سے اپنا استاد بنا لیا۔
 آج محمد حسین اس دنیا میں نہیں ہے لیکن جب بھی میں کسی انسانے ادا

مکانے لکھتا ہوں تو محمد حسین میرے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور اپنا دم بٹاتا ہے
 ہے، نہیں مفتی جی یوں نہیں اگر ہوں وہ چاہتے تو کیا رہے۔ اس وقت
 چاہتا ہے کہ محمد حسین نے مجھے کیا سکھوایا ہے اور اس کی دین کا سلسلہ ختم نہیں ہوا

میں نے کہا مفتی جی مجھے ایک شیخ ڈرامہ لکھ دیں۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا ہے کہ راولپنڈی میں ایک ڈرامہ شیخ کروں۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

گزارہ ہو جائے گا۔

میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اچھا، سہ کن سی ہوئی ہوئے گا۔

وہ میں کروٹا، آپ سید کی زبان کھ دیں۔

میں یہ نہیں ہوتا، میں نے کہا۔

تو پھر۔

موسے کے طور پر تو سنے کی زبان بولنا چاہیں لکھتا جاتا ہوں۔

وہ بولنا کیا؟ میں لکھتا گیا۔ چار ایک دن میں وہ بولی یاد کرتا رہا۔

پھر ایک مہینے میں سہ کن تیار ہو گیا۔

میں نے کہا محمد حسین اب تو سہ رو باز کر دے۔

کہنے لگا میں نہیں مانتی تھی۔ جتنے لکھتے تھے میں جتنے بولتے تھے۔

یہ ایک عظیم حقیقت تھی، جو میں نے محمد حسین سے سیکھی۔

کہنے لگا جب میں ریسرل میں بولوں گا تو فقرے آپ بیٹھ جائیں گے۔

ریسرل میں فقرے بیٹھ گئے۔

پھر وہ کاسٹ کا انتظام کرنے کے لیے لاہور چلا گیا۔

دس دن کے بعد وہ چھ ایک گچی چوری عورتوں کو لے کر آگیا۔

میں نے ان خواتین کو دیکھ کر کہا، محمد حسین یہ کیا چیزیں لے آیا ہے تو

کہنے لگا مفتی کی یہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو سچ بولنے کی چیزیں ہیں۔

آٹھ دس دن وہ کاسٹ کو ریسرل کو روانہ کر دیا۔ پھر کہنے لگا، مفتی جی اب آپ

آ رہا ہے، آ رہا ہے

پہلی کامیابی کا ایک نیا انداز سوجھا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک وال پوسٹر لگایا۔ جس پر ایک بڑا سا سوال تھا۔

آ رہا ہے، آ رہا ہے۔

دوسرے پوسٹر پر لکھا تھا، چنڈی شہر میں آ رہا ہے۔ نیچے جلی عبارت تھی۔

UrduPhoto.com

بات واضح کر دی تھی۔ نظام، سند، ذہنی پر کار پادشاہ، ریلوے انشٹیٹیوٹ

اور ان کا کیا تھا کہ پڑھی کی انتظامیہ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ انہوں نے چھاپا

اور ان کی کاسٹ کو قہقہے میں لے گئے۔ قہقہے سے محمد حسین نے مجھے فون

پر فون کیا۔ انہوں نے دلائل میں سے ایک کھینچ لیا کہ یہ اشتہار بیچ ڈراے کا ہے۔

میں نے سر کردہ لوگوں اور لیکاروں کے لیے ایک خصوصی اعزاز کی شوق ہاں

اور ان کا کیا تھا، لیکن یہ نہیں اٹھ رہا تھا۔ ہاں میں سیٹیوں بیچ رہی تھی۔

میں نے بیچ کے اندر گیا۔ دیکھا تو پہلا منتظر بالکل تیار تھا۔ لیکن محمد

حسین نے کاسٹ سے مجھ سے شکایت کی کہ محمد حسین پر وہ اٹھانے نہیں دیتا۔

دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ وہ ایک بارے ہوئے جواری کی طرح سر

آ رہا ہے۔

میں نے ہر سکتا، وہ بولا۔

میں نے پے چاہا۔

میں نے سکت نہیں۔ جان نکل گئی ہے۔ آپ اعلان کر دیں کہ آج کھیل

آ رہا ہے، لیکن اس کی مدد بڑھ رہی ہوئی تھی۔ باہر ہاں میں لوگ

پہلی کیا اور پھر وہ انہوں نے۔

محمد حسین پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہلکے کو دیکھتا رہا۔ اس پر ہلکے

کار کا کار کا اور کھیل شروع ہو گیا۔

ای کے سلسلے میں مجھ سے جرح کرتے رہتے۔

میرا علم نامہ موصول ہوا کہ ممتاز مفتی فوراً سیکرٹری وزارت امور کشمیر کی خدمت میں

گئے کہ شاید سیکرٹری نے مجھے رپہ پمانڈ کرنے کے لیے بلایا ہے یا شاید وارننگ دینے

والے صائب صاحب نے یہ رسک ڈیا، تھو۔

پی آر ڈی

دفتر میں پہلے دو ایک سال تو ڈائریکٹر صاحب مجھ پر بہت خوش رہے۔

پھر دو ممتاز بلیئر کسی وجہ کے ضیاء الاسلام نے بات بات پر مجھ سے الٹا

ہر بات پر اعتراض کرنے شروع کر دیے۔ بدلتے بدلتے بات اس قدر بڑھ گئی کہ

کیوں۔

اللہ تعالیٰ آدمی قتل و دیانت دار تھا۔ ساتھ ہی منہ پھٹ قتل و سینٹر افسر قتل
کے لئے جس کا یہ اس جو نیز افسر تھا اسے اس لیے اہمیت حاصل تھی کہ وہ صدر کابینہ
کے لئے اس کی اس حوالے کی اہمیت سے متاثر نہ تھا اس لیے گمان غالب ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے بعد شباب کو فتن پر زبردست ڈانٹ پلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد مجھے یاد آیا کہ شاید اشفاق کے کہنے پر شباب نے میری سفارش کی
تھی کہ اپنے رویے پر بڑی عزت ہوئی لیکن حیران کن سے نکل چکا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے زبردست شباب سے ملنا ہمیشہ کے لیے ناممکن ہو چکا تھا۔

جو شخص بغیر وجہ مخالف ہو جائے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ
دیکھے جنہاں اگر وہ مجھے ناراضگی کی وجہ بتاتے تو میں اپنی پوزیشن صاف کر
کتا۔

اظفر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا، کہنے لگے۔

آپ اوتھ ہیں۔

جی۔

آپ قدرت اللہ شباب کو جانتے ہیں۔

صرف نام نہاں۔

ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے کبھی۔

جی نہیں۔

آپ ان سے کبھی نہیں ملے۔

جی نہیں، کبھی نہیں۔

اظفر پھر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اس میں سے ایک لاکڑہارا

اللہ شباب نے مجھے یہ خط لکھا ہے۔

لکھتے ہیں، ممتاز مفتی میرے عزیز دوست ہیں۔ وہ آپ کے ایک ذیلی وزیر ہیں
جس کو بڑی مشکلات میں گرفتار ہیں، ہو سکے تو ان کی مدد کریں۔

وہ خاموش ہو گئے، پھر میری جانب دیکھا کہنے لگے قدرت اللہ شباب کا
کے عزیز دوست ہیں، لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ انہیں نہیں جانتے۔

جی۔ میں انہیں نہیں جانتا۔ میں نے جواب دیا۔

پھر وہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ ان کے عزیز دوست ہیں۔ اظفر نے پوچھا۔

جناب یہ بات آپ ان سے پوچھئے کہ وہ مجھے کیوں دوست سمجھ رہے ہیں۔

سفارش کر رہے ہیں۔
ان سے بات تو میں کروں گا، اظفر نے کہا۔

دل میں شوق پیدا ہوا تھا کہ وہ بچے جاکر گھروں کی دھماچو کڑی میں حصہ

لے لے۔ اور اس کا کہنا لے کر نیم چمتی میں آئی تھی۔ وہ اشفاق کی منتیں کرتی کہ

تیرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن اشفاق اسے ٹل دیتا تھا۔

آقا تھا کہ اشفاق نیم چمتی میں رہیں کہ سوئی زندگی گزارنے پر کیوں مصر

نیم چمتی میں کالی بلی

اشفاق کی طبیعت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔

ایک حصہ اشفاق جو سارا دن نیم چمتی میں پڑا آہیں بھرنا رہتا یا اس کمرے میں بے مقصد

گھومنا کرتا رہتا جیسے وہ کمرے میں بلکہ دشت کا ایک حصہ ہو۔

دوسرا حصہ اشفاق جو چٹوں کا رسیہ تھا۔ چٹوں کے بھاڑ ٹانوس سجاگ۔ مہمکری یا اشفاق کے

بچے کے لیے سب رہتا ڈرامہ کھیلتا، ڈکڑی بجاتا اور لوگوں کو مسرور کرتا۔

لیکن آقا تھا کہ کون سا اصل ہے اور کون سا نقلی۔

نیم چمتی میں چپ چاپ پڑا رہنے کے بعد وہ اپنی پوجا پستیا اور ہونٹوں پر جسم

کا رنگ دیتا تھا۔

نیم چمتی کی فضا مزید کدور ہوتی چلی گئی، خاموشی اور گہری ہوتی گئی، آہوں

کا شور مچا دیتی گئیں، آہیں گہری آوازوں ہوتی گئیں، اشفاق احمد کی بادی بڑھتی گئی۔

نیم چمتی کے ایک روز مجھے الگ لے جاکر کہا، اشفاق جی یہ اشفاق کو کیا ہوا جا رہا ہے۔

جا رہا ہوا ہے، میں نے پوچھا۔

جا رہا ہے، وہ بولا۔

نیم چمتی کا اشفاق اشفاق ہے، اشفاق جی، اشفاق اور میں، ہم دونوں محمد حسین کے فن

کار ہیں، لیکن محمد حسین کی یہ صلاحیت صرف سچے اور مانیک تک محدود تھی۔ عام زندگی

راولپنڈی آجائے کے بعد بھی اشفاق سے میرے تعلقات انہوں کے قریب قائم

رہے، جب بھی میں لاہور جاتا تو اشفاق کے پاس ٹھہرتا تھا۔

۱۹۴۹ء میں اشفاق نے گورنمنٹ کالج میں ایم۔ اے کے لیے داخلہ لے لیا تھا

نیم چمتی ویران ہو چکی تھی۔ لدھی پینٹنگ کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے

تھا۔ لوہن انٹر جمیٹر واپس سرکاری تحویل میں جا چکا تھا۔ اس لیے اشفاق کی زندگی

چمتی تک محدود ہو چکی تھی۔ سارے لاہور میں اشفاق کا کوئی دوست نہ تھا۔

جن کی نیم چمتی میں رسائی تھی، محمد حسین اور میں۔

اشفاق سارا دن نیم چمتی میں یوں پڑا رہتا جیسے ہمیشہ جوڑے کے کچھڑ میں

ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہمیشہ لت پت کے عالم میں خوش رہتی ہے، اشفاق نیم چمتی

بلی آہیں بھرنا رہتا تھا اور ساتھ ساتھ مطالعہ میں مصروف رہتا۔

جب بڑے خان گھر نہ ہوتے تو بچے خان محل میں ہڑنگ بچ جاتا، اور

تقتے۔ بلی کے جانے کے بعد چوبے دھماچو کڑی کھاتے۔ لیکن شوری آواز میں

پہنچی۔ اشفاق کے گلن کمرے ہو جاتے، لیکن وہ حتیٰ الوسع بچے خان محل میں قدم

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مفہوم سمجھتا ہی نہیں۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر ہنسی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر مانا کرتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

سے کا ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

وہ اس بات نے کی اہلیت نہیں رکھتا، اکیلا تھا۔

اور

میں نے 'محمد حسین بولا' کوئی محبت و جنت کا جینھیٹ تو نہیں پالی جینھا۔

میں نے جواب دیا، یہ بات نہیں۔

اور وہ بولا۔

میں نے جواب دیا، اشتقاق کو لڑکیوں کا شوق نہیں ہے۔ وہ عاشق مزاج نہیں

ہو، تو وہ خوب طبیعت کا مالک ہے۔ اچھا یہ بتا محمد حسین۔

اور وہ بولا۔

میں نے خیال آیا کہ محبت کا جینھیٹ ہے۔

میں نے اس سوال کو سن کر گھبرا گیا۔ کہنے لگا جی وہ جو کالی ملی ہے اسے دیکھ کر میں نے

اور ان کو سن ہی چکی تھی۔

اور اسی لیے ہے۔ پتہ نہیں کس کی ہے۔ کہاں سے آتی ہے۔ وہ بلی شہم چستی میں آتی

تھی اس کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے دوڑھنگو آکر رکھتا ہے۔ جب وہ آتی ہے تو

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مفہوم سمجھتا ہی نہیں۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر ہنسی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر مانا کرتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

سے کا ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

آپ تو جانتے ہی ہیں، اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔ پہلے میں نے اسے

پورے طور پر نہیں جانتا تھا کہ اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔

میں بھی اشتقاق کی باتوں اور محفل آرائی سے اس قدر متاثر تھا کہ میں نے اسے

دوسرے پہلو کو قطعی اہمیت نہ دی تھی۔

زدلی نے جب لوہن اتر تھیں، میں اشتقاق کا مجسمہ بنایا تھا، تو میں اسے دیکھ کر

زدلی کے پیچھے بڑھ گیا تھا۔

میں نے کہا، زدلی یہ کیا بنایا ہے تو نے۔

مجسمہ ہے، وہ بولا۔

کس کا مجسمہ ہے یہ۔

اشتقاق احمد کا ہے۔

میں نہیں بلکہ، میں نے ہنسنے سے کہا۔

نہ مانو، وہ بولا، میں کب کہتا ہوں کہ مجھ سے۔

یہ اشتقاق کا مجسمہ نہیں ہو سکتا۔

اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

اس کو بڑے شوق سے دودھ پلاتا ہے، پھر اسے گود میں لے کر اس پر ہاتھ پھیرا کرتا ہے۔

میری ہنسی نکل گئی، اس سے کیا پتہ چلتا ہے۔

میں نے محمد حسین بولا، جب وہ بلی پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو چٹالوں میں گھویا ہوا تھا۔

جیسے اس کے ہاتھ تلے بلی میں کھینک لے گا اور وہ۔

محمد حسین بچا کہتا تھا۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا جیسے بلی محض ایک علامت ہو۔

چوکی بھری، چٹی سفید

مجھے پتہ تھا کہ اگر میں نے مکمل کربات کی تو وہ گھبرا کر خود کو سیٹھ لے گا۔

خاطرے کے وقت اپنا سر دل میں پھپھاتا ہے، اس لیے میں نے بائی وی دی ہے پتہ چلتا۔

میں نے کہا، یار تیرے گھر والے تیری شادی کا سوچ رہے ہیں۔

وہ چونکا، 'ج'، تجھے کیسے معلوم ہوا۔

میں نے کہا، نیچے ہاتھیں کر رہے تھے۔ میں نے جھوٹ بولا۔

کیا واقعی؟ وہ گھبرا کر پھر آگے بھر کر بولا، وہ اپنا چہرہ پورا کر کے رہیں گے۔

وہ تجھ سے منظور نہیں کریں گے کیا میں نے پتہ چلتا۔

کیا فرق پڑتا ہے، وہ بولا۔

کیوں تمہاری رضامندی سے ہو جائے تو کیا حرج ہے۔

تو نہیں سمجھتا، وہ آگے بھر کر بولا۔

تو سمجھنا چاہئے۔

خاندان میں سے کوئی لڑکی جن لیں گے۔

تمہارے خاندان میں کوئی خوبصورت لڑکی نہیں ہے۔

ساری ہی خوبصورت ہیں، سفید رنگ، چوکی بھر جاتی ہے۔

کیوں سفید رنگ کو کیا ہے۔ میری تو جان کتنی ہے، ہر چہ سفید رنگ پر۔

مجھے زہر لگتا ہے، اس نے بھر جھری لے کر کہا۔

تو خاندان سے باہر کی لڑکی نہ کر لیتا۔

چھایا۔

تقسیم سے پہلے میری ماں نے بتائے میں اپنے گھر کی چلی منزل میں لڑائی ہو
کھول رکھا تھا۔ مقصد صرف مصروفیت تھی۔ میری ماں انہی طور پر ایک کافی تھی
یہ سکول جیسے کیسے سات آٹھ سال چلا رہا پھر پینہ نہیں کیسے لڑائی لڑی
سکول کو باقاعدہ لے لے گئی۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم کے افسر سکول کا معاوضہ کر لے گئے۔

ایک بار مسز جنہ بھی آئیں۔

اس روز سے لہاں مسز جنہ کی مداح بن گئی۔ لہاں کی زبانی مسز جنہ کی شہرت
ہمارے گھر تک پہنچ گئی۔

لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی ہی بار
پانچ وقت کی نماز ان ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

میں سے کہا: 'یار اہل معاملے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ خاتون مسز جنہ
اشفاق کو کبھی قبول نہیں کرے گی' اشفاق کے ماں باپ کی رضامندی
اور انوں 'وہ تو جو تے مار کر ہمیں گھر سے نکال دے گی۔

ایک بار کہا گیا۔

وہاں آیا تو ہمارا خیال تھا کہ روم کی گماہمی میں وہیں کسی اور طرف لگ
اڑ گئی ہو جائے گی۔ لیکن اشفاق نے آتے ہی کالی بلی کی تلاش شروع کر دی۔
انہی بھائی بھائی ہو تا دو سال میں مجر مجر کر کے راکھ ہو جاتا لیکن وہ تو سنگن تھا۔
وہ تو گئی رہتی ہے۔ اور ہوا تو قد سید بھی خاتون تھی، مشرقی رنگ
سنگن تھی۔

ان اڑ سرفو سگنے لگا، 'مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو'

تو پر کچھ کر لیں۔

بولی میں کیا کر سکتی ہوں، میری کون سنا ہے، اس گھر میں۔

میں نے کہا، اہل تو اس گھر میں اسنے سارے جنوں کو سنبھال رہے ہیں۔

بات بن جائے۔

وہ بولی، میں بڑے خان نہیں بنائیں گے۔

میں نے کہا، کوئی مانے نہ مانے اگر تو مان جائے تو ہم کر دیں گے۔

وہ بولی، مجھے تو کسی اعتراض نہیں۔

میں نے کہا، دیکھ اہل تو ایک بار بچے دل سے کہہ رہے ہیں تو ا

تیک کلام کر دو۔

بولی اندر سے تو سارے ساتھ ہوں لوہے سے نہیں، مجبور ہوں۔

میں نے کہا، ٹھیک ہے ہمیں لوہے کی پرولہ نہیں۔ دل سے ہمارا ساتھ دے۔

کھکھو

اشفاق احمد کے بہت سے بھائی ہیں۔ سارے ہی ٹیلنٹڈ ہیں، فزنی ہیں۔

فیلنٹ کا رخ اور ہے۔ اس لیے وہ سارے خاندان سے وکرا ہے، بولے ہیں۔

براہمن ہو۔

اشفاق کا ایک بھائی تھے ہم کھکھو کہتے تھے منڈو کر دوار کا مالک تھا۔

منہ پر بات کہہ دینے والا، کڑوی سے کڑوی بات کہہ دینے والا۔ ڈانٹ کر

داری سے بے پرواہ، بات کا لپکا، خیر، سچ کا ساتھ دینے والا۔ کھکھو ایک

مالک تھا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کھکھو سے بات کی۔

میں نے وہ چلا کر بولا۔ میں شوق کی زندگی گزار رہے ہوں، میں دلوں کا

مانیں۔

میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی تمہاری جانب کبھی آنکھ سے نہیں

دل کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

کھکھو کی دہلی۔

کھکھو کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

کھکھو کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

کھکھو کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

کھکھو کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

کھکھو کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

کھکھو کی دھماکی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

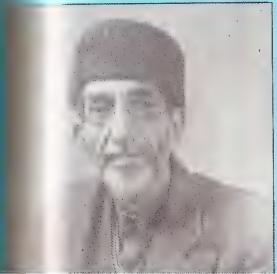
خواجہ جان محمد بیٹ

وہ بے شک مصلحت پر عمل کرتا ہے۔ اوبہ حکمت اور اسلام کے متعلق وہ بے شک گفتگو کر سکتا ہے۔

ملک بھٹ سے آکر لائے گئے معلوم ہوتا ہے آپ پریشان ہیں میں نے کہا کہ میں نے ملک کو دفتر کے متعلق تمام حالات بتا دیے۔ میری بات سن کر وہ بہت دعا کرتا ہے کہ آپ چاہیں تو میں کسی بزرگ سے درخواست کروں کہ آپ کے لیے دعا

کرائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ان دنوں نہ میں بزرگ کے مضمون سے واقف تھا نہ دعا

کرائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ان دنوں نہ میں بزرگ کے مضمون سے واقف تھا نہ دعا



اور اس نے پچھلے

چاہیہ کلمہ
چاہیہ کی کوٹھڑی سے صرف دو آوازیں گونجتی تھیں ایک فحش اور دوسرا
قنا میں تسخیر نہ تھا، مسرت نہ تھی، مسقت نہ تھی۔ اسے محروم۔ اس
ہی بے نیازی تھی۔ جب بھی کوئی چاہیہ سے کسی کی شکایت کرتا یا بد قسمتی
وہ ایک بھر پور قہقہہ لگاتی، یوں جیسے وہ شکوہ کرنے والے یا بد قسمتی کا رد
چھوٹی عروسیوں اور رنجشوں سے بے نیاز ہونے کی دعوت دے رہی ہو
چھوڑو، بھانہ، یہ رام لیا، ایسا ہی ہے۔ یہ نکلتی ہی تو اس چگتھت کی رنگ
والا ہولی کھیل رہا ہے۔ کھیلنے دو، اسے کھیلنے دو۔ جس رنگ میں چاہے کھیلے۔ اس
جیون ہے اس کے کھیل کی وجہ سے ہی دھرتی ہری بھری ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۶۱ء کا ہے جب میں چاہیہ کے گھر میں پنڈ گزین کی حیثیت سے گیا تھا
۱۹۶۱ء میں میٹرکولیشن کر کے میں اسلامپہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا تھا۔ ۱۱
ہاسٹل میں ایک میٹ ولادی تھی۔ لیکن ہاسٹل میں رہتا میرے لیے ممکن نہ تھا
کمیور ہی گھیرتے تھے۔ جن کے درمیان ڈرا ہوا، سا ہوا، ایک بالشتیہ

اس زمانے میں اسلامپہ کالج میں لڑکے نہیں بلکہ چودھری اور دامہ
لوچنے لپے، بڑی بڑی ٹوئیس، کلف دار طرے، جب وہ گھول سے لاہور آئے
پائین ان پر ایک کالی حقہ پکڑے بیٹھا ہوتا۔ ہوسٹل میں ایک کالی مٹی چابی
پاجامے کی جگہ چادر بٹھی ہوئی، بے کلف کچھا، قہقہے لگاتے، دوپٹہ مڑا
لگاؤں سے گھورتے، ایسی گھوڑی کہ دم رک جائے، جان نکل جائے۔

ایک ڈرا ہوا، سا ہوا، اکلیا، فوکرانی کا بیٹا، بھٹا ان گھوڑوں کے ساتھ
لے میں ہوسٹل سے بھاگ آیا تھا۔ اور چاہیہ کے گھر پہنچے پھر ہو گیا تھا
دروازے میں تھا اور بھٹا دروازہ، ہیرا منڈی کی شاہراہ قہقہہ لگاتے، ان دنوں
محبوب نہ تھا، لٹا لٹا ہوا تھا۔

ایک دن میں نے چاہیہ کی بوسے پر چھایا، یہ رانا کا فحش کیوں لگتی ہے۔
وہ بولے۔

چاہیہ کی کوٹھڑی سے صرف دو آوازیں گونجتی تھیں ایک فحش اور دوسرا
قنا میں تسخیر نہ تھا، مسرت نہ تھی، مسقت نہ تھی۔ اسے محروم۔ اس
ہی بے نیازی تھی۔ جب بھی کوئی چاہیہ سے کسی کی شکایت کرتا یا بد قسمتی
وہ ایک بھر پور قہقہہ لگاتی، یوں جیسے وہ شکوہ کرنے والے یا بد قسمتی کا رد
چھوٹی عروسیوں اور رنجشوں سے بے نیاز ہونے کی دعوت دے رہی ہو
چھوڑو، بھانہ، یہ رام لیا، ایسا ہی ہے۔ یہ نکلتی ہی تو اس چگتھت کی رنگ
والا ہولی کھیل رہا ہے۔ کھیلنے دو، اسے کھیلنے دو۔ جس رنگ میں چاہے کھیلے۔ اس
جیون ہے اس کے کھیل کی وجہ سے ہی دھرتی ہری بھری ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۶۱ء کا ہے جب میں چاہیہ کے گھر میں پنڈ گزین کی حیثیت سے گیا تھا
۱۹۶۱ء میں میٹرکولیشن کر کے میں اسلامپہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا تھا۔ ۱۱
ہاسٹل میں ایک میٹ ولادی تھی۔ لیکن ہاسٹل میں رہتا میرے لیے ممکن نہ تھا
کمیور ہی گھیرتے تھے۔ جن کے درمیان ڈرا ہوا، سا ہوا، ایک بالشتیہ

اس زمانے میں اسلامپہ کالج میں لڑکے نہیں بلکہ چودھری اور دامہ
لوچنے لپے، بڑی بڑی ٹوئیس، کلف دار طرے، جب وہ گھول سے لاہور آئے
پائین ان پر ایک کالی حقہ پکڑے بیٹھا ہوتا۔ ہوسٹل میں ایک کالی مٹی چابی
پاجامے کی جگہ چادر بٹھی ہوئی، بے کلف کچھا، قہقہے لگاتے، دوپٹہ مڑا
لگاؤں سے گھورتے، ایسی گھوڑی کہ دم رک جائے، جان نکل جائے۔

ایک ڈرا ہوا، سا ہوا، اکلیا، فوکرانی کا بیٹا، بھٹا ان گھوڑوں کے ساتھ
لے میں ہوسٹل سے بھاگ آیا تھا۔ اور چاہیہ کے گھر پہنچے پھر ہو گیا تھا
دروازے میں تھا اور بھٹا دروازہ، ہیرا منڈی کی شاہراہ قہقہہ لگاتے، ان دنوں
محبوب نہ تھا، لٹا لٹا ہوا تھا۔

ایک دن میں نے چاہیہ کی بوسے پر چھایا، یہ رانا کا فحش کیوں لگتی ہے۔

وہ بولے۔

میں والہیں گھر آجائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ سال میں محترمہ کی لڑائی میں اپنے
 بیٹے کی موت ہو گئی۔ وہ ملاپ میں چاہتی تھی۔ صرف یہ آرزو تھی کہ کوئی لڑکا پیدا
 آئے جسے 'جب محترمہ کا شوہر اکیلا اپنی ملازمت پر چلا جاتا اور جسے والدہ
 میں کوٹھے پہلا لگ کر وہاں جا پہنچتا اور پھر محترمہ کے پاؤں سے کھینچ کر لے جاتا۔
 اور بیروں سے کھینچ کر بڑا شوق تھا۔

ان وقتوں کے دوران میں انتظار کرتا کہ کب لڑی ہو جائے تو میں ہاتھ
 سے کھینچتا تھا۔ جب لڑی خرابے لینے لگتی تو میں دے پاؤں چل پڑتا۔ لیکن وہ لڑی
 قریب پہنچتا تو لڑی بڑبڑا کر کھینچنے لگتی اور بڑی منت اور لڑائی۔
 میں اپنی چارپائی پر لوٹ جاتا اور از سر نو انتظار کرتا کہ کب لڑی ہو کر
 پہنچ جائے۔

یہ واقعہ روز ہوتا تھا، کبھی رات میں دو دو تین تین مرتبہ۔

ایک دن میں نے لڑی سے کہا: لڑی یہ بتا کہ تو اس وقت کیسے ہوتی ہے۔
 تیری چارپائی کے قریب سے گزرتا ہوں۔
 لڑی نے کہا: مجھے خالی صاحب چنگ دیتے ہیں۔

یہ سن کر مجھے بے حد غصہ آیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں، جو عین موقع پر لڑی
 خواہ مخواہ میری زندگی میں دخل دیتے ہیں۔

پھر مجھے خیال آتا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑی کے بیٹوں کو بچے میں
 بڑھاکر بٹالے میں سوئی ہوئی لڑی کو چنگ سے اور وہ بھی اسی رات کے وقت،
 ہر صوبت خالی صاحب کے خلاف میرا دل غم و غصہ سے بھرا ہوا تھا۔

ایک رات جب لڑی خرابے لے رہی تھی اور میں دے پاؤں اس کی چارپائی
 تو لڑی کو حسب معمول خالی صاحب نے چنگ دیا۔ لڑی بڑبڑا کر اسی رات میرا ہاتھ
 متاثر نہ کیا، اس کا اہتمام اچھا نہیں ہو گا۔

میں نے کہا: لڑی ڈال سے لڑتا ہوا ابھی کسی جڑا ہے تو کیوں اپنے کپڑے
 رہی ہے۔ بات بھی صحیح تھی۔ قصور میرا تھا، لیکن لڑی میرے قصور پر غور نہ کیا۔

میں نے کہا: ایک کرے میں نے کئی اور ہاتھ پتھر کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں تو میرے ایک ہاتھ لے پھر جو مرضی ہے کرنا میں نہیں تو کوئی
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں لے پھر جو مرضی ہے کرنا۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں تیرے ساتھ بھیج دیتی ہوں، وہاں جا کر خالی صاحب کی بیعت کر لے۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں سے تو جا کر بیعت کر آ۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں اچھا کر آؤں گا، بیعت۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں جا کر خالی صاحب کی بیعت کر آ۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں سے تو جا کر بیعت کر آ۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں سے تو جا کر بیعت کر آ۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

میں نے کہا: وہاں سے تو جا کر بیعت کر آ۔
 (میں نے لڑی سے کہا)۔

کہا، "کنا، جناب ان کی والدہ نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ فرمائی ہیں کہ ان کو آپ کی خدمت میں لے جائیں۔"

ان کو سر آکھوں پر، حلقی صاحب پر لے۔

ان کو لے کر اپنے مریوں کی بات کو اپنے لیے حکم سمجھتا ہے، میں نے سوچا۔

وہ وقت حلقی صاحب سے مل کر میں بہت باؤس ہوں ساتھ خوش بھی۔ باؤس اس لیے

کہ وہ کوئی مسئلہ نہ تھا تو مجھے کیا سنبھالے گا؟ خوش اس لیے کہ یہ میرا کیا کاڑے لگے۔

اس وقت حلقی صاحب نے میری طرف دیکھا۔ وہ کھلی سیادہ سرے کی دھار والی، پاکی

اور نہ ہی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے پتہ نہیں کتنی بڑی دلچسپی

نہی۔

آئندہ

وہ اعلان تھا جب میں نے چشیرہ آکھ کو دیکھا تھا۔

وہ اعلان نہ میں چشیرہ سے واقف تھا نہ چشیرہ آکھ سے۔ نہ اللہ کا مہموم سمجھتا تھا نہ اسلام

کا۔ میرے نزدیک فرسودہ رسوں کا ایک گھٹا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ وہ ہوتا ہے جو

ان کے لیے، کل ہوئے دلی بات آج آئے، پھونک مارے تو بیماری دور ہو جائے یا فرق

نہیں کرنا حاصل ہو۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ ایک طرح کا ہدایتی ہوتا ہے۔

لیے یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ارے یہ حلقی صاحب تو ایک انسان ہے۔ عجیب

ان اس سے بات کی جا سکتی ہے۔ اس کی بات کٹنی جا سکتی ہے۔ اس پر میرے دل میں

آواز آ رہی تھی۔

اسی شام ہم تینوں حلقی صاحب، حیدر بخاری اور میں دلی کی جامع مسجد میں جا پہنچے۔

انہوں نے دلوں کر لیں، حلقی صاحب نے کہا۔

ان کو کراچی پر دھڑکے کو انک میں بھول چکا تھا۔

انہوں نے مجھے لولا کہ نہ نہ ایسے نہیں۔

ان صاحب نے حیدر سے کہا، "میں لوکیے نہیں، جیسے چاہیں وضو کریں۔"

کیا واقعی، میں نے حیرت سے پوچھا۔

بولی، "ہاں، اور میرا مرشد بڑا طاقتور ہے۔"

کیا کون ہے وہ۔

بولی، "تو جو ہے۔"

اس پر میں نے غموں کیا جیسے مجھے تخت پر بٹھا کر تاج پہنا دیا گیا ہو۔

وہ ایک دن میں اہل نے مجھے دلی بھیجے کے تمام انقلابات عمل کر لیے۔

دلی

دلی میں حیدر اور میں ایک عزم کے گھر تھے۔

لگے دن، ہم بلی ماراں گئے، ٹنگ اور گھومتی ہوئی گھیاں ہی گھیاں۔ حلقی صاحب

ایک بند گلی میں واقع تھا۔ ہم نے دروازہ کھٹکایا۔ ایک نو جوان لڑکا باہر نکلا۔

پتلاپ سے آئے ہیں۔

حلقی صاحب سے ملنا ہے۔ لڑکا ہمیں مشک میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ایک چٹا دانا پست قد آدمی داخل ہوا۔

ارے، میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میرے سامنے ایک نحیف و زار آدمی کھڑا تھا۔ اس کی ٹانگیں مشکل سے جسم کو اٹھا

ہوئے تھیں اور سر پہل دبا تھا۔ انداز میں بے بسی بھری ہوئی تھی۔ وہ ہمیں بڑے پتلاپ

اور مجھ سے ملے۔ پھر حیدر سے ہاتھ ملانے کی خبر پتہ چلنے لگے۔

میں نے سوچا یہ نحیف و زار بڑھا، جس کی ٹانگیں لڑکھاری اور سر جھول رہا ہے۔

ہاتھ کیسے پکڑے گا؟ چلو جو بھی ہے، متعجب دلی کو خوش کرنا ہے۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ حلقی صاحب تو بڑا پھیلائے، کچھ کچھ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

مریوں کی بیخیز ہوگی۔ جیسے ہمارے ہاں مریوں کا دھڑو ہے۔ سر دھڑل کر دلی، ٹنگ، دار

سے بات کریں گے، میدان انداز سے سر ہاتھ پھیریں گے۔ لیکن میں تو بات بالکل بالکل

خیر خیر پتہ چلنے کے بعد حلقی صاحب پر لے، فرمائیے کیا حکم ہے۔

وضو کے بعد انہوں نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔
 اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے دیجئے، وہ بولے۔
 ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔
 جی فرمائیے۔ حاجی صاحب بولے۔
 یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔
 آپ کی والدہ محترمہ کا حکم بھانڈا رہا ہوں۔ آپ کو بیعت کر رہا ہوں۔
 بیعت کیا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

اے ہا ہا، قلعہ مار کر ہوں۔ یہ صحیفہ و نذر پڑھا جس کی فائلیں لڑکھڑاتی ہیں اور سر
 پہ چھ پلاسٹک کے پلوے کا آکا ڈھیلا ہو گیا ہو۔ یہ بھلا مجھے دلی کی سیر کیا کرائے گا۔
 ہا ہا، ہاڑی بازار دلی کی واحد سیر گاہ تھی جہاں دلی کے بچے گھوما پھرا کرتے تھے۔
 اب میں نے کہا کیا آپ نے ہاڑی کی سیر کی ہے کبھی۔
 اب وہ بولے، ہم تو وہیں رہا کرتے تھے۔

آپ نے اسے آزمایا۔

ہاں صرف ایک بار وہ بولے۔

کیا واقعی عورت مطیع ہو جاتی تھی۔

ہاں وہ بولے۔

دوسری بار کیوں نہ لگائی۔

اس لیے کہ عورت کا ذہن شل ہو جاتا تھا، باقی ایک بے جان بت رہا تھا۔

کیا کہ بے جان بت کو کیا کرنا ہے، بھیجی ہوئی لائسنس کو دفعتاً پھرنے کا حکم دیا۔

وہ سربراہی میں پھینک دیا۔

پھینک دیوں دیا میں نے سوچا، کسی کو دے دیجئے۔

ممتاز صاحب، وہ بولے، ساری لذت طلب میں ہے۔

حصول تو اک بے جان کیفیت ہے۔

ایمان اور شکوک

دلی سے واپسی سڑ میں مسلسل سوچ میں کودا ہوا، حلقی صاحب کی کنبیوز کر کے رکھ دیا تھا، حلقی صاحب میں بزرگوں والی کوئی بات نہ تھی، وہ بڑا دلوری اور وسعت خیال۔ وہ ایک انٹلی انسان تھے، بزرگ نہیں۔

میرے دوروں ایک طرف حلقی صاحب کھڑے تھے دوسری طرف میرے اہل خانہ بڑے بڑے رسل، ایڈلر، فرایڈ، نیشے، کاکا، واسٹو و سکی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

کہ ہر بات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھو۔ اسے جانچو، پھر کو، ٹھوگ، ہمارے دور کا لڑا۔ بند آنکھوں سے جو ایمان لیا جاتا ہے اس میں استحکام نہیں ہوتا۔

حلقی صاحب کہہ رہے تھے۔ ایمان آنکھیں کھول کر حاصل نہیں ہوتا، ایمان دوسرے جانتے ہیں جو راہ کوئی کر دیتے ہیں۔ بند آنکھوں کا ایمان سچا ایمان نہیں ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الفاظ کا شرف حاصل ہوا، انہیں پاک و لالہ پلا کتے تھے۔ لہذا زبردستی

کی تھی۔ یہ واقعہ ۱۹۳۵ء کا ہے۔

پارہ، سبیل دور بڑی سڑک پر ایک گھاٹ ہے، جینسنی پور۔ ایک پلا جس

کا نام گڑی لپیٹ رکھی تھی، اپنی گھڑی اٹھائے جینسنی پور کی مسجد میں آکر

لوگ کھتے رہے کہ مسافر بے چارے جانے گا، لیکن چونے روز جینسنی پور

وہ نمبروار کے پاس گئے، کتنے گئے مسجد میں ایک ایک آ بیٹھا ہے اور اس کا

نہیں آتا، مسجد تو اللہ کا گھر ہوتی ہے۔ وہاں مستقل رہائش کر لینا ٹھیک بات

نہیں تھی، اور نہ غصہ آگیا وہ سیدھا مسجد میں گیا۔ پلا کو ڈانٹا ڈپٹا اور اس کا سامان نکل

آگیا۔

انہی کے اندر بڑی سڑک پر ایک گھنے درخت کی چھائوں سے جا بیٹھا۔

نمبروار کی ایک بیٹیس بلاوجہ مرگئی۔ اگلے دن دوسری بیٹیس بیمار پڑ گئی۔ نمبروار

نے کہا، یہ پلا کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ اس پر گھاٹ والے پلا کی خدمت میں حاضر

ہوئے، انہیں پلا ہم سے قلعی ہوئی نہیں معاف کر دے۔ یہ شک تو مسجد میں دیر

ہوئی تو ایک مکان خالی کر دیتے ہیں۔

انہوں پر کھن نہ دھڑ وہ خود سے باتیں کرنے میں لگا رہا، انگریز انگریز باتیں

کرتے، وہاں آئے تو پتہ چلا کہ نمبروار کی دوسری بیٹیس بھی مر چکی ہے۔

پلا میں پاک و لالے پلا کی دہشت پھیل گئی۔ پلا سارا دن درخت تلے ٹھل لگائے

باتیں کر رہا تھا۔ جب نماز کا وقت آتا تو قرآن مجید میں جا کر نماز پڑھتا اور پھر

نماز شروع کر دیتا۔ کسی نے بھی پلا کو لینے ہوئے پاسوے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

ان کی بات ہے جب میری زندگی کا وہ طوفان چل چکا تھا جس نے لہاں خانقاہ

میں حلقی صاحب نے کہا تھا کہ یہ ہو کے رہے گا۔

اور لکھنؤ میں رہیں محفل کہ رنگ رس میں ڈوبے بیٹھے رہو گے۔
 اے کے حجرے میں لے گیا۔

ایک کلی میں وہ ایک لپا سا کراہ قند قرش نور دیواریں مٹی سے لپے پتے
 چائیاں پھینچی ہوئی تھیں۔ دونوں دیواروں کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ
 بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے درمیان میں ایک پہلوئیاں نما کوئی بیٹھا
 تھا۔

کے جا رہا تھا۔ اس کی باتیں علامہ نہیں تھیں، لیکن وہ بڑی بڑی باتیں کہتا تھا۔
 رہا تھا۔

میں نے قوم سے پوچھا، یار یہ کیا چیز ہے۔
 وہ کہنے لگا، تجھے کیا لگتا ہے۔
 میں نے کہا، یار مجھ کو تو یہ جن لگتا ہے، جن۔

اس پر ہلے شور مچا دیا۔ کہنے لگا، دیکھو بھائی، یہ پہلا آدمی ہے،
 آیا ہے اور اس نے ہمیں پہچان لیا ہے۔ کہتا ہے، پاجن ہے۔
 سب کی نگاہیں ہماری طرف اٹھ گئیں۔

میں نے زیر لب کہا، یار اس نے تو سن لیا۔
 قوم بولا، اس کے کان کھڑے رہتے ہیں، بہت مست ہے یہ۔
 تجھے پتہ ہے، ہلے منہ موڑ کر ہمیں مخاطب کر کے کہہ۔
 بولنا لذت ہے، منہ نہ دکھ ہے۔

اوسے یہ جن تو بڑا حاضر جواب ہے، میں نے سوچا چلو اسے چھیڑو۔ میں
 پھلجیاں چلائی شروع کر دی۔

وہی محفل میں لوب اور احترام کی وجہ لوگ چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے اور
 ناگوئی بات چینی پڑتی تھی۔ میں نے باتیں شروع کیں تو سب میری طرف متوجہ ہو گئے۔
 عو کر بولا۔ تو بھئی ہمارے ڈیرے پر آج جلیبیاں ملنے والا آگیا۔
 ہلایا خوش مزاجی مجھے بھی پسند آئی۔

روز کی حاضری

اس کے بعد ہلے اور میں دوست بن گئے۔ ہلے لکھ لے کر میرے بیچے، بچہ
 ڈیرے پر آیا کہ۔ بس ہم نے تیری حاضری کی کر دی ہے۔ میری حاضری نہ
 تعلق تھا، نہ میری مریدی سے، نہ روحانیت سے۔ وہ حاضری تو لذت کا نام ہی تھا۔
 بے تکلف باتیں کیا کرتے۔ محفل میں روشنی پیدا ہو جاتی۔ ہلے اشفاق بھری نگاہوں سے

کہتا تھا، یار، نہ ہلے تھا، الٹا وہ بڑی گرم جوش ہے مجھے لگا۔ بات بات پر مجھ سے
 کہتا تھا، ہلے، میں روز ڈیرے پر جانے لگا۔ وہاں چائے عام ملتی تھی، مفت اور بار بار
 وہ کہتا تھا، میں نے دن ہلے کیادہ دیکھیں پکا تھا اور ہمیں بڑی محبت سے کھانا تھا بلکہ وہ
 اس کے خواب گھر لے جاتوں۔

میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ

میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ

میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ

میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ

میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ
 میں نے اسے بار بار سمجھایا تھا کہ

انہیں بہت اچھے لوگ ملیں گے۔

انہیں بہت اچھے لوگ ملیں گے۔

باگ والا بیلا بولا، چاہو، اونچے پانچوں کی طرف، وہاں لال ٹوپی والا،

امر سر کے چوک میں کھڑا سپاہی، تحلیل ہو گیا۔ اس کی جگہ دوسری ٹوپی والا

ہمارے ٹرک کو راستہ دے دیا۔ امر سر کے غلطے ٹرک کے پیچھے بھاگے، اسی طرح

دھنسا، میرے اندر بیٹھے اٹھے، ہوائی جلی، میں نے رشتہ کی منہ میں ٹھوس لی۔

پھر جو مجھے ہوش آیا تو دیکھا ہوں کہ بیوی سہانے کھڑی آپ ہی آپ

میں کی کواڑ کھیں سے آئی۔ میں نے بحث خرابے لینے شروع کر دی۔

کبھی میری طرف دیکھتی، کبھی بولہ بولہ کرتی۔

غلط بیلا۔ صبح بیلا

اچھے روز جب میں چائے پی رہا تھا تو وہ آکر میرے پاس بیٹھ گئی، بولی،

پوچھو، میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

بولی، آپ نے بیلا بولا کیا ہے۔

میں گھبرا کر کیا بات سمجھ میں نہ آئی۔

بولی، رات مجھے خواب میں اشارہ ہوا ہے۔

واقعی اسے خواب میں اشارہ ہوا کرتے تھے۔ مگر میں کوئی بات وقوع پذیر

اسے خواب میں اشارہ ہو چاہے تھا۔ اس بات پر مجھے بہت حیرت ہوئی کہ یہ کیا

مانتے انہیں اشارہ ہو چاہے ہیں، جو ماننے ہیں انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اس روز جب اقبال بیگم نے بیلا بولنے کی بات کی تو مجھے حیرت ہوئی۔

بہرحال میں نے معنوی تجب سے پوچھا، کیا اشارہ ہوا ہے، سچے بولی،

لوہ سوئی اردہ جاکے پڑی تھی تو کیا دیکھتی ہو، کہ ایک سبز پوش بزرگ اندر

سے کھنکھاتے ہوئے میرے میاں نے جو بیلا بولا، وہ صبح، پہلے والا غلط تھا۔

میں کھینچی تھی، بسا بی بی نے حیرانم ہے۔ میں نے کوئی بیلا نہیں



لائے گئے تھے تو عید محمد کا تقرر شاہی مجلس میں بطور پورچی ہو گیا تھا۔

مسجد میں آپ نے قرآن کریم کی تعلیم پائی۔ مدرسے میں پانچویں اور تعلیم سے دل اٹھات ہو گیا۔ بچپن سے ہی شغلی سے رغبت تھی بہت سے خدمت میں حاضری دینے کا اشتیاق تھا۔

لال کرتی میں فضل الدین تھکنڈی رہتے تھے ان کی خدمت میں مالک عقیدت ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بیعت کر لی۔ توجہ پہلوانی سے لے کر میڈل ہو گئی۔ ذکر الہی میں ایسا ہی لگا کہ باقی سب کچھ دھندلا گیا۔

وگدے مرنے سے پہلے اپنا فرض پورا کرنے کی غرض سے آپ کی نگاہیں پر استغراق کا عالم طاری تھا۔ شادی کے بعد دوبند کے پابند رہتا تھا۔ قتل کے بعد المیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اُسے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد ۲۵ مزاری۔

اس کے بعد استغراق اس حد تک پہنچ گیا کہ خود پر اختیار نہ رہا۔ مسجد میں کرتے، لیکن سچے میں جاتے تو سر اٹھانے کا ہوش نہ رہتا۔ نماز ختم ہو جاتی گھر پہنچ جاتے لیکن آب و ہوا، سکھ سے ملے، دے، سحر۔

پہلا احمد خان کی رفاقت کا بہت اثر ہوا۔

خاص مقام رکھتے تھے، آپ کو ہندو خان کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ ہندو

ایمان حاصل ہوا۔

آپ کی طبیعت اور موروثی خصوصیت اشہد کو آتا دیا نہ لگا جس کے کی کیفیت پائی تھی۔

ایک نو مسلم نیکائی خانوں سے عقد کر لیا۔ خانوں کی کچھ لگ بیٹی کے ذریعہ اختیار رہتی تھی۔ ماں نے چاہا کہ بیٹی کو اپنے پاس بلا لے۔ مشن کے خاتمے کے خاتمے کے لئے سے انکار کر دیا۔ پلوا صاحب نے عدالت میں چارہ جوئی اس پر پٹری کے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا لیکن لڑکی چرکے اس لیے پلوا صاحب کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ مسلمان مقدمہ ہار گئے۔

پہلی

ایسا تو ہمارے ساتھ کبھی نہ ہوا تھا۔

۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

سورہ الحمد کا بیان ہے۔

اللہ کی حمد ہے۔

۳۵ سال تجرد کی زندگی گزارنے کے بعد سائیں اللہ بخش نے (۱۱) مئی ۱۹۵۳ء میں ممبئی کے آخری پتے میں مختصر کی بیماری کے بعد انتقال فرمایا۔

حرم خانی ہستی تئیں کا باعث بنا اور آپ نے ان تئیں کو برواشت کیا۔

۱۹۵۳ء میں ممبئی کے آخری پتے میں مختصر کی بیماری کے بعد انتقال فرمایا۔

تذکرہ

عزیز ملک نے سائیں اللہ بخش کا تذکرہ "مرد قلندر" پر لکھا ہے۔

ملک جانے پچانے صاحب طرز لکھ ہیں۔

اس تذکرے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں رمی انداز میں لکھا گیا ہے۔

عالم مقام حضرت جیسے رمی احترام کے تقابلات سے سہل میں کیا۔

سے بوجھ میں بنایا گیا۔

عزیز ملک نے یہ تذکرہ مذہبی نہیں بلکہ ادبی انداز میں تحریر کیا ہے۔

میں اپنا سکہ میں نے تو مصلحت پیش کرنے کے خیال سے سادہ اور

سائیں اللہ بخش کی زندگی کے مومنوں واقعات پیش کر دیے ہیں۔

مرد قلندر کے مطالعہ کا مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا اس سے پہلے میں نے

تھا۔ کتب پڑھ کر میں نے سوچا "لیکھ ہے یہ ایک بزرگ کے مالا۔

بزرگ نے میری زندگی میں کیوں مداخلت کی ہے۔ کیوں ایسے مالا۔

مزار پر حاضری دوں اور پھر رقت ظاری کر کے میرا تشا بنادیا۔

ان دونوں میں اس واقعہ کو کم قرائنی میں بلکہ مداخلت ہے یا کیا

پھر مجھے یاد کیا کہ دل میں مانی رنج الدین نے فرمایا تھا "انہیں

سورہ الحمد کا بیان ہے۔

اللہ کی حمد ہے۔

۳۵ سال تجرد کی زندگی گزارنے کے بعد سائیں اللہ بخش نے (۱۱) مئی ۱۹۵۳ء میں ممبئی کے آخری پتے میں مختصر کی بیماری کے بعد انتقال فرمایا۔

حرم خانی ہستی تئیں کا باعث بنا اور آپ نے ان تئیں کو برواشت کیا۔

۱۹۵۳ء میں ممبئی کے آخری پتے میں مختصر کی بیماری کے بعد انتقال فرمایا۔

اس تذکرے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں رمی انداز میں لکھا گیا ہے۔

عالم مقام حضرت جیسے رمی احترام کے تقابلات سے سہل میں کیا۔

سے بوجھ میں بنایا گیا۔

عزیز ملک نے یہ تذکرہ مذہبی نہیں بلکہ ادبی انداز میں تحریر کیا ہے۔

میں اپنا سکہ میں نے تو مصلحت پیش کرنے کے خیال سے سادہ اور

سائیں اللہ بخش کی زندگی کے مومنوں واقعات پیش کر دیے ہیں۔

مرد قلندر کے مطالعہ کا مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا اس سے پہلے میں نے

تھا۔ کتب پڑھ کر میں نے سوچا "لیکھ ہے یہ ایک بزرگ کے مالا۔

بزرگ نے میری زندگی میں کیوں مداخلت کی ہے۔ کیوں ایسے مالا۔

مزار پر حاضری دوں اور پھر رقت ظاری کر کے میرا تشا بنادیا۔

ان دونوں میں اس واقعہ کو کم قرائنی میں بلکہ مداخلت ہے یا کیا

پھر مجھے یاد کیا کہ دل میں مانی رنج الدین نے فرمایا تھا "انہیں

۱۹۵۳ء میں ممبئی کے آخری پتے میں مختصر کی بیماری کے بعد انتقال فرمایا۔

اس تذکرے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں رمی انداز میں لکھا گیا ہے۔

عالم مقام حضرت جیسے رمی احترام کے تقابلات سے سہل میں کیا۔

سے بوجھ میں بنایا گیا۔

میرے ذہن میں مرتب ہوئی تھی، بھائی جان کی شخصیت اس سے بڑھ کر تھی۔
 سائیں اشد بخش میں شدت تھی، جذبہ تھا، دوا دوا غم و غصہ تھا، بھائی جان میں ہوش مندی تھی اور سب سے بڑی بات کہ توازن تھا۔
 اس زمانے میں میں بزرگ اور انسان کو دو مختلف کیفیتیں سمجھتا تھا۔
 انسان سے عقیدت پیدا ہو جاتی تھی۔

بھائی جان کی شخصیت کا بنیادی جزو انسانیت تھا۔ اس لیے اسی لیے اس سے کوئی بات نہ کر سکا۔ میں اس سے دو باتیں پوچھتا جانتا تھا یہ کہ اگر رقت کیوں ظاری کی اور کیا سائیں اشد بخش یا آپ ایسے لڑکے اور معبود ارادوں کے غرض پر بھیس بھیس کر کے روئے علیہ کر سکتے ہیں اس لیے نہ کر سکا کہ وہاں یوسف ظفر اور عزیز ملک موجود تھے۔ مزاج کا خاموش قاتل یوسف ظفر حسب عدالت محفل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ درہم از کے فن سے واقف تھا اور طبی طور پر سردار شخصیت ہونے کی وجہ سے اختیار کر لیا کرتا تھا۔

راجہ شفیق

میں اس وقت نیچے سے آواز آئی۔ یوسف ظفر، یوسف ظفر، بھائی جان، چنداں اہمیت نہ دی اور بھائی جان سے باتیں کرنے میں مصروف رہا۔
 تیسری چوٹی آواز پر بھائی جان رک گئے تھے تو کوئی صاحب آپ کو ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، یوسف ظفر نے جواب دیا۔ "اکیس"

لیکن یہ صاحب ہیں کون، بھائی جان نے پوچھا۔

میرے ایک دوست ہیں، محمد شفیق محکمہ ری، سبلیشن میں ہیں کہ وہ اس محفل میں شریک ہوں۔ یہ ماحول ان کے لیے سازگار ہے۔

یہ اللہ، وہ اللہ

ایک دن مجھ پر حاوی ہو گیا اور لینکڑا بیسی کی دیکھ چائے لگی۔
 مجھے لگا جیسے کوئی میرے کمرے میں داخل ہو گیا ہو۔ وہ چپکے سے دبے
 گئے۔ وہ ایک تیلی سی ہو گئی کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔
 روز باندھ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر وہ ہر چند ساعت کے بعد دم

سہاگہ کی چارپائی کے سرے میں بیٹھا۔ سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔
 کیا مجھے جیلو سی نہیں آنے لگے ہیں۔ کیا میں میٹل ہو گیا

کا دروازہ چاکھٹ گیا، ملک صاحب یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کون ہے جو دفتر
 میری چارپائی پر بیٹھ رہتا ہے۔ میری چارپائی کے سرے کھڑا رہتا ہے۔ جو ہر چند
 ہے، سب ٹھیک کہہ کر مجھے تسلیاں دیتا رہتا ہے۔
 تو مجھے اتنا ہے کہ آپ کا حوصلہ بندھ گیا جا رہا ہے۔

مجھے جھوٹی تسلیاں نہیں چاہئیں میں نہیں چاہتا کہ میرا حوصلہ بندھ گیا
 نہ ہونے لگا۔ ہاں ہے کوئی فرق نہیں پڑتا، ملک نے کہا۔ آپ کی قوت ارادی سے
 آپ کو ہر مسئلہ ہو گئی ہے۔

میں اپنی زندگی خود جیتا چلتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں میٹل
 نہیں ہوں، میری زندگی میں اللہ کیسے داخل ہو گیا ہے۔
 اللہ کیسے، مگر میں نہ کر سکتا۔

میں ایک متوسط مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔
 اور مری اسلام رائج تھا۔ بڑی بوڑھیوں کا راج تھا، جن کی زبانیں چھٹی کی
 لہجہ میں تھیں۔ ان لوگوں اور لڑکیوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی، کچلے کے سروں کے

رقت کی بات ختم ہوئی تو مجھے اللہ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مجھے جب کہ اللہ
 آسمان کی طرف دیکھتا تو ایک سمجیر آواز آتی تھی میں بولتا ہر ایسے عموں اور
 آسمان پر من کا تخت بچھا ہوا ہو۔
 درخت کی طرف دیکھتا تو یوں لگتا جیسے ہر پتے کے چپے اللہ چھپا بیٹھا ہو۔
 بنائے بھول رہا ہو۔
 ان دونوں دفتر میں میری کوئی حیثیت نہ تھی نہ ہی میرے پاس کوئی نام تھا۔
 میرے قریب نہیں آتا تھا وہ سب فیاض الاسلام سے خائف تھے۔ میں ان سے
 بشارت دیتا تھا۔

اجنبی ساتھی

جب فیاض الاسلام نے مجھے رازدار قرار دیا تھا تو میں نے سوچا تھا چلو اب کیا ہو گا
 میں اپنا کام کیا کروں گا۔ افسانے لکھوں گا یا سطرحد کروں گا۔ وہ ایک دن تو میں

کرتی تھی نگاہ اور ہلکی ہوئی گردن سے محلے کے میدان سے گزر جاتے تھے۔ ہمارے
جس گھر میں میں پیدا ہوا وہ نسبتاً کھانا پینا گھر تھا۔

جب میں نے ہوش سنبھالا تو گھر میں پانچ افراد تھے 'داوی لہی' 'اللہ'
داوی لہی بے شہرت تھے جیسے نماز پر بیٹھی رہتی تھی۔ لہی گھر کے مالدار تھے
اسی محلے کی نہیں تھی 'ہاں سے آئی تھی۔ بڑی خوبصورت' چاہے نظر انداز
دلوں میں کھلتی تھی نہ تھی۔ اور لہی کبھی کبھار نظر آتے تھے۔ گھر میں کسی
بچے کی کسی تھی کوئی پرچہ نہ تھا۔ البتہ کسی روک ٹوک چاری رہتی تھی

اللہ کا خوف

لہی کہتی 'نہ بیٹا ایسے نہیں کیا کرتے۔ ایسے کو گے تو اللہ' میں لہی لہی
داوی لہی کہتیں 'نہ نہ لڑکے ایسے مت کرو' اللہ میاں میں سے ہوں گے۔ لہی
والیاں بات بات پر اللہ کی دھمکی دیا کرتی تھیں۔ اور میں اس دھمکی کو لے لے لے
ان دونوں اللہ کے متعلق دو باتیں واضح تھیں۔ ایک یہ کہ اللہ
بڑے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ بڑے درد مند تھے۔ بات بات پر ناراض ہوا
چھوٹی بھانجور باتوں پر غصہ کھاتے تھے۔ مثلاً نعت خوانے سے پھرتے ہوئے پڑھ لیا
جالتے شام کو دیر سے گھر آتا تو ناراض ہو جاتے۔ شرمناک تو ناراض نہ جاتے
کرتا تو ناراض ہو جاتے۔ داوی لہی کی جیسے نماز پر بیٹھ جاتا تو ناراض ہو جاتے
خود سارا سارا دن جیسے نماز پر بیٹھی رہتی تھیں 'اس سے ناراض نہیں ہو
یہاں تو اللہ میاں ناراض ہو جاتے۔ ابا چھوٹ بولتے تو ان سے کوئی نہ لے لے لے
میاں ناراض ہوں گے۔ اللہ میاں کی ناراضگی کا کچھ بچہ نہیں پتا تھا۔

گھر میں اسنے سارے لوگ سے کوئی کسی سے نہیں کہتا تھا کہ میں نے اللہ
ہوں گے۔ اللہ میاں کی ناراضی کی دھمکی صرف بچہ پر چلتی تھی۔ شاید وہ
سب سے چھوٹا تھا۔ کبھی بھی کسی کو نہیں کہتا تھا کہ میں
ہوں گے۔ وہی بھی بات پر چھوٹوں کو ڈکا جاتا تھا اور اللہ کی دھمکی چلا

کرتی تھی نگاہ اور ہلکی ہوئی گردن سے محلے کے میدان سے گزر جاتے تھے۔ ہمارے

جس گھر میں میں پیدا ہوا وہ نسبتاً کھانا پینا گھر تھا۔
جب میں نے ہوش سنبھالا تو گھر میں پانچ افراد تھے 'داوی لہی' 'اللہ'
داوی لہی بے شہرت تھے جیسے نماز پر بیٹھی رہتی تھی۔ لہی گھر کے مالدار تھے
اسی محلے کی نہیں تھی 'ہاں سے آئی تھی۔ بڑی خوبصورت' چاہے نظر انداز
دلوں میں کھلتی تھی نہ تھی۔ اور لہی کبھی کبھار نظر آتے تھے۔ گھر میں کسی
بچے کی کسی تھی کوئی پرچہ نہ تھا۔ البتہ کسی روک ٹوک چاری رہتی تھی

اللہ کا خوف

لہی کہتی 'نہ بیٹا ایسے نہیں کیا کرتے۔ ایسے کو گے تو اللہ' میں لہی لہی
داوی لہی کہتیں 'نہ نہ لڑکے ایسے مت کرو' اللہ میاں میں سے ہوں گے۔ لہی
والیاں بات بات پر اللہ کی دھمکی دیا کرتی تھیں۔ اور میں اس دھمکی کو لے لے لے
ان دونوں اللہ کے متعلق دو باتیں واضح تھیں۔ ایک یہ کہ اللہ
بڑے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ بڑے درد مند تھے۔ بات بات پر ناراض ہوا
چھوٹی بھانجور باتوں پر غصہ کھاتے تھے۔ مثلاً نعت خوانے سے پھرتے ہوئے پڑھ لیا
جالتے شام کو دیر سے گھر آتا تو ناراض ہو جاتے۔ شرمناک تو ناراض نہ جاتے
کرتا تو ناراض ہو جاتے۔ داوی لہی کی جیسے نماز پر بیٹھ جاتا تو ناراض ہو جاتے
خود سارا سارا دن جیسے نماز پر بیٹھی رہتی تھیں 'اس سے ناراض نہیں ہو
یہاں تو اللہ میاں ناراض ہو جاتے۔ ابا چھوٹ بولتے تو ان سے کوئی نہ لے لے لے
میاں ناراض ہوں گے۔ اللہ میاں کی ناراضگی کا کچھ بچہ نہیں پتا تھا۔

گھر میں اسنے سارے لوگ سے کوئی کسی سے نہیں کہتا تھا کہ میں نے اللہ
ہوں گے۔ اللہ میاں کی ناراضی کی دھمکی صرف بچہ پر چلتی تھی۔ شاید وہ
سب سے چھوٹا تھا۔ کبھی بھی کسی کو نہیں کہتا تھا کہ میں
ہوں گے۔ وہی بھی بات پر چھوٹوں کو ڈکا جاتا تھا اور اللہ کی دھمکی چلا

میں جانا تھا۔

مولوی صاحب کی تلقین کے مطابق 'اچھے کام صرف تین تھے'، نماز، روزہ اور صدقہ۔ ان کے مطابق ہر بندہ گناہ سے آزاد ہونے کے لیے ان ہی تین باتوں پر عمل کرے۔ یہ بات واضح ہوئی تھی کہ تپاؤ کا صرف ایک طریقہ ہے، اور وہ نماز ہے۔ اور اگرچہ ایک کھان سے سن کر دوسرے کھان سے لڑا دیا جائے، تو ہر صورت میں اور کمال لازم ہو جائے۔ اس لیے اسے اپنا کام بنالیا۔ جوں جوں میں اللہ میاں کی اس تصویر سے محسوس ہوتا گیا کہ توں توں میاں کی دہشت بڑھتی گئی اور ساتھ ہی یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں گنہگار ہوں اور اللہ بھی میں جانا ہے جو اللہ نے جلا رکھی ہے۔

یوں میرے لیے اللہ میاں کا خیال تکلیف دہ ہو گیا۔ اس تکلیف نے اپنا طریقہ تھا کہ حتی الوسع اللہ میاں کے خیال سے بچوں۔ اللہ میاں کو بھلائے دلہا دقت یہ تھی کہ اللہ کے خیال سے بچ کر رہنا بہت مشکل تھا۔ ذرا سے میں 'دلی گھر میں دلی اور دلی تھے اور محلے میں بڑے بوڑھے تھے جو بات بات پر اللہ میاں دیتے تھے۔ کتب کے بعد مجھے اسلامیہ سکول میں داخل کرا دیا گیا۔

گریز

ان دنوں اسلامیہ سکول کچھ زیادہ ہی اسلامیہ تھے۔ وحیات کی کتابیں کچھ زیادہ آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اساتذہ کرام کے لیے کچھ زیادہ ہی کراہت معاشرے میں اپنی سولت کے لیے اللہ میاں کے خوف کو استعمال کرنا کچھ زیادہ ہی اپنی آسائش کے لیے بچوں کو ڈراتی تھی۔ بڑے بوڑھے اور اساتذہ اہل عرب اللہ کا نام استعمال کرتے تھے۔

کسی نے بھی یہ نہ سوچا تھا کہ اپنی آسائش حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں کے اللہ کا خوف بڑے ہیں 'ایسا خوف جو زندگی بھر کے نفس لاشعور کا حشر ہو گا'۔ اس سے نجات نہیں پائیں گے۔ بڑے ہو کر ان بچوں کو کبھی تلقین نہیں آئے گا اور اس سے بے حد محبت کرتے ہیں کہ وہ سرا سر رحمت ہیں۔

آہانک قسم تحفظات روئی کے گلوں کی طرح اڑ چلتے اور میں محسوس کرتا تھا کہ
کرنے کی کوشش عظیم گنہ ہے اور میں اس گنہ کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ میں نے
سورج کی روشنی کو منور کر دیتی تھی اپنے خدشات پر فنی آتی اور اس
خوف کو رد کرنے کے لیے میں لاول پڑتا۔ ان دنوں مجھے لاول کے نام کا
احسان نے تھا کہ لاول پڑھ کر میں اللہ کے خوف کو رد نہیں کر رہا تھا۔ اس کی
ہوں۔

اگر میں پیدا ہونے کے وقت سے اللہ کے وجود سے منکر ہوتا تو اور بات ہوتی، دل اور دماغ
برسر پیکار نہ ہوتے۔ ذہنی تکلیف کا آواز نہ چلے اس کے برعکس اگر اللہ پر مبنی ایمان
میں انہیں سچے دل سے ملتا تو مجھے دل اور ذہن میں اک ہم آہنگی ہوتی لب میرے دل
ایسی جی جیسے سمندر کی سطح پر برف کا ایک تختہ جما ہوا ہو۔ یہ تختہ ہر ہی ہلچل اور
قہار اور میں ایمان کے پتھروں میں ڈبکیں کھاتے لگتا۔ پھر ریت کا پستل کرتا پڑتا ہوتا
تختے پر چڑھ جاتا۔

میرے دل میں پتھروں کا ایسا موجزن قہار۔ ذہن اللہ کی ایک جٹو جی ہوتا تھا۔
پتھروں میں ڈول رہی تھی۔

مغربی مشاہیر

کالج میں جب میں مغربی مشاہیر کے افکار سے واقف ہوا تو میرے ذہن میں
تبدیلیاں عمل میں آئیں۔

ہیمنز جین کے کائنات کے بیان کو پڑھ کر میں درمختہ حیرت میں ڈوب گیا۔
سات آسمانوں کا کیا مطلب ہے۔ جناب واک آسمان تو وجود ہی نہیں رکھتا۔ یہ نظارہ
دیکھائی دیتا ہے۔ یہ تو غلط ہے۔ ہوائے روشنی کی نیل لہریں جذب کر لیتی ہیں۔ ہم
کے پھر میں کیسے پڑ گئے۔ میں تو گرد و ذرات سورج ہیں اردوں زمینیں ہیں، لاولوں
جائے اس کائنات کی وسعت کیا ہے۔ اور یہ وسعت لفظ پر لکھ چکی جارہی ہے۔
پہلیا جاتا ہے یہ بھی تو پتہ نہیں کہ کتنی کائناتیں ہیں یہ تو ایک عظیم حیرت انگیز

ہو گیا۔

اصل کی بات کرو۔ کیا سات دن میں یہ وسیع و عریض کائنات حیر کی جا
سکتا ہے۔ ہاں کمال نہیں۔ ہاتھ کی مٹائی میں، شیعہ بازی نہیں۔ تخلیق
میں اللہ ہے، حیرت انگیز، یہ تو ارتقاء کا مسئلہ ہے۔ صدیوں کا ارتقاء
دنوں کی بات تو ایک بے معنی سلفظ ہے، جو زمین پر رہنے والوں نے اپنی
فہم پر کیا ہے۔

ذہنی فوٹو تھلی دی، کنفیوز ہوئے کی کوئی بات نہیں۔ دیکھو ہر
اللہ کو اور سوچ۔ میں دیکھے ایمان نے آنا تو ضعیف لافلتوی ہوتی ہے۔
گدار پر سونا میں ہوتی ہر بات پر شک کرو اسے دیکھو ٹھوٹک ہبا کر
ا بات بہت اچھی علت ہے۔ اس طرح انسان دھوکہ نہیں کھاتا۔ شک
کو دور کرنا۔

ایک بولا، یہ جو جو کچھ تمہیں دکھتا ہے، کیا ایسا ہی ہے، جیسا دکھتا ہے،
ہاں، انہوں، ہم تو اس قسم کے قیدی ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ ظاہر

لی بات کرتے ہو۔ اللہ میاں کو کس نے چاہا ہے۔ ہاں ان کے بارے
میں وہ وجود رکھتے ہیں یا نہیں دیکھ کر ہیں بہت کار آمد شے اگر وہ نہ
موجود نہ ہوتے تو ہم انہیں حقیقی کر لیتے۔ یوں سمجھ لو کہ اللہ میاں مجھے
دیکھتے ہیں جس پر سر رکھ کر آپ سکون حاصل کر سکتے ہیں۔ چہ تھا ہنسنے لگا
کی ہوئی نیکی نیکی میں ہوتی وہ تو اک نبیوری ہوتی ہے۔ نیکی وہ ہے
صلحت سے بے نیاز، اجر کی امید سے آزاد، بے مقدم، بے لاگ، بے
پاپوں بولا، انہوں سوچ میں سمجھ تو ایک اتمام سمندر ہے اس میں
کی ناز تو صرف ڈوننا باقی ہے۔ باہر کی آنکھیں بند کر لو۔ تو پاؤں کی

آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ باطن ایک کائنات ہے۔ باہر کی کائنات سے وسیع (Vast)

چشنا چلایا۔ اور سوں۔ مذہب تو ایک مفروضہ ہے۔ سیدھے سادے لوگوں کے لیے ایک گڈ بڑی ہے۔ مذہب تو وسعت خیال کے راستے کی ایک راہ ہے۔ چھوڑو اپنے خیالات کو سب کچھ بھڑو۔

ان مشائخ کی باتیں نئی تھیں۔ چاہے تھیں، معقول تھیں، وقت پر وقت تھے، ہر کوئی اپنی ذہنی ہیبت رہا تھا۔ دونوں ذہن میں بہت سی نئی باتیں ڈال دی گئیں، غیر اہلکار، بے پناہ پیدا ہوئی ہے، بیٹے بیٹے جیلے اتنی ساری باتیں تو میں چھو چکا رہ گیا، کسٹیفیور، ہو گیا۔ جوں جوں زیادہ کسٹیفیور کرتے جوں جوں زیادہ مطالعہ کرتا توں جوں زیادہ کسٹیفیور ہوتا۔

آوارگی

دست تلاش کرو یہ دور مسلسل آوارہ گردی میں صرف ہوتا رہا۔ آوارگی پر مبنی اور آوارگی میں لذت آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آوارگی میری حوصلوں کا اس دور میں یہ عقیم حقیقت میری آنکھوں سے اوجھل رہی کہ مانتے نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں ہمتا رہا کہ اسنے کیسے جاننا اشد ضروری تھی۔ مجھ میں جاننے کی غلب تو تھی مگر اس غلب کی کوئی سمت نہ تھی۔ یہاں کے حرافہ تھا۔

برٹنڈرسل نے مجھے سائنسی دائرہ نظر اپنانے کا درس دیا لیکن یہاں کی تو اپنی کوئی حوصلہ نہیں۔ وہ تو خود آوارگی کی دلدادہ ہے۔ اس کی تک پہنچا۔

سائنسی دائرے نے مجھے غلے بنا دیا۔ کیوں، کیسے، کس لیے، کیا ہو گا، ذہن میں مکوں کی طرح ریچنے لگے۔

پرانے خیالات، رسم و رواج بزرگوں کے اقوال روایت سب بھول گئے، پتھر کے بت، جنہیں لوگ جانا اور رسا پڑتے تھے۔ ہنسی کی باتیں،

اللہ میں دوزخ کی بجلی ساگنے اور بہشت کا سبز دار سجائے بیٹھے تھے۔ میں چاند ایک کتابیں اسلام پر بھی نظر سے گزریں۔ یہ کتابیں یا تو مغربی

مغربی مصنف محمد کو دبی سے نہیں بلکہ نی سے لکھتے تھے (Mohamat) (Mohametism) یہ نی تحقیق کا اعتراف تھی۔ یہ سائنس اور ہندو

کروڑوں کی بادشاہی کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ یہ کہ اسلام بزدل شیر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا حرم تھا؟ ان گنت لوتریاں شامل تھیں۔

یہ سب کچھ علم کے بعد عیسائی طاقتوں نے شدت سے

کے لیے بہت بڑا مفروضہ ہے، جسے زور بازو یا دیکل سے دہانا ممکن

کے لئے مسیحی طاقتوں نے بہت سی خفیہ آجینیں بنا رکھی

تھیں جو لوگوں کے دلوں میں اسلام سے متعلق حقیر کلچر پیدا کیا جائے اور

اور اسلام پر کچھ اچھالنے تھے۔ نکل نکل اپنے موضوع سے ہٹ

اور ایک حلقے کیا کرتے تھے۔

اور ایک دھڑلے میں حضور علیہ السلام اور جنس ایسوسی ایٹ ہو گئے۔ جب

اساتذہ کو جاننا تو ذہن میں جنس کی عیاں تصویر ابھرتی تھی۔

یہاں طور پر میں فینٹسی (Fantasy) کا عالمی ہوں اور چونکہ میری

اساتذہ کی تھی۔ اس لیے ہر جگہ شخصیت جگہ جگہ کا خیال میرے ذہن

میں چارہ تھا۔

اس خطرناک صورت حال سے بچنے کا صرف ایک طریقہ تھا، وہی طریقہ
میں کبوتر قتل میں لانا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ
میں نے بھی اللہ میاں، حضور ﷺ اور اسلام کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں
لیا۔

ہم جو ہیں

اللہ میاں کی مسودہ نگاری کا یہ نیا احساس جو مجھ میں جاگا، مجھے ہر ملاری کی تمنا پر
مختلف تھا، متغیر تھا، ڈیر یا خوف کے احساس سے مبرا تھا۔
اللہ کے چرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ انداز میں ایک بے غم لگا، غماز، غم،
پاؤں تھا۔ گمراہ نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے نہیں ہو، ہم جوں جوں۔
میرے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، باعث حیرانی تھا۔ میں جوں جوں محسوس کر رہا تھا
پچھلے دنوں کی گود میں ڈال دیا گیا ہے۔

پہلے میں رقت کے عالم میں رہے سائنسہ۔ ہمیں۔ ہمیں کر کے وہ دنیا پر
 کیا ہو رہا ہے۔

اب میں ڈال ڈال پات پات میں لقمہ میاں کو جھانکتے ہوئے، اسی لمحہ میں ایک لڑکا میری طرف سے اچھٹا ہوا۔

عزیز ملک نے بار بار مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اللہ کے رسول اور
وہ گھڑا رکھا سکتی ہے، لیکن مجھے ملک صاحب کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔

فائدہ کے تذکرے میں عزیز ملک نے دو عجیب وطن کے تحت خواہ

”مجھے ۱۸۳۶ء کے وہ ایام اب بھی یاد ہیں، جب میں نے جان محمد کو پہلا دیکھا تھا، دراز قامت، سرخ و سپید چہرہ، آنکھوں پر دیدہ و زیب لٹائی، ہنسنے والی، ہنس کی دستار، ایک پادشہ حشیت کا خوش پوشاک، پادشاہ انسان۔ وہ خود بخود اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

بچپن میں والدہ کی وفات کے بعد آپ نے بہت جگہ دستی کے دورے کیے۔ جوانی تک حالات نامساعد رہے تھے۔ پھر مسلسل محنت و مشقت کا دور آیا۔ نوع کے کام کیے، کشتییں چلائی، اونچے درجے کے ہوٹلوں کے سینیئر وہ آپ مری میں مقیم تھے اور ان دنوں مری میں انگریز گورنر اور برطانوی راج کرتے تھے اس لیے بمبلی جان نے مناسب آداب اور اصولوں کے مطابق اہل ذہال لیا تھا۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے فنی تعمیر کا کام اپنایا۔ مری اور آباد میں آپ کی پہلی کوئی بہت سی عمارتیں آج بھی ان کی یاد دلا رہی ہیں۔

جوانی میں حسن کا یہ عالم تھا کہ عیسائی اور خواتین دیکھ کر بس میں نہ رہتی تھیں۔ سائیں لٹھ بخش کے دامن حقیقت میں آنے کے بعد بھی یہ کیفیت قائم کسی طبیعت پسند نے سرکار قبلہ تک یہ خبر پہنچا دی۔ کہنے لگا: اپنے بھائی کی توجہ دیکھیے حال چاہ۔ آپ کا ایک مرتعا مرغیوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ سائیں لٹھ بخش کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ طبیعت میں جلال تو قاضی لٹھ آجاتے تھے تو سنبھلا نہ مشکل ہو جاتا تھا۔

سائیں کرم دین

خوش قسمتی سے عین اس وقت سائیں کرم دین آگئے۔ سائیں کرم دین

ساری عمر بزرگوں کی حاضری میں گزری تھی، وہ ایسی صورت و حالات میں آئے

کو دوسری جانب منصف کرنا چاہتے تھے۔ سائیں لٹھ بخش غصے میں نہ

وہ۔ ہمارا مرتعا جو مرغیوں کے پیچھے پھرتا ہے تو کیوں نہ اسے حلال کر لیں

جواب میں کرم دین بوسے۔ سرکار قبلہ کون جانے صورت حال کیا ہے؟

جس کا نام سائیں لٹھ بخش میں اس امید پر گھومتے پھرتے کہ مرشد نے جس کی طبیعت میں ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ طبیعت کے بہت صابر اور بے

جو اس قسم کے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش صورت آدمی چلا آتا ہے

سائیں لٹھ بخش کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ طبیعت میں جلال تو قاضی لٹھ

آجائے تھے تو سنبھلا نہ مشکل ہو جاتا تھا۔

سائیں کرم دین آگئے۔ سائیں کرم دین

ساری عمر بزرگوں کی حاضری میں گزری تھی، وہ ایسی صورت و حالات میں آئے

کو دوسری جانب منصف کرنا چاہتے تھے۔ سائیں لٹھ بخش غصے میں نہ

وہ۔ ہمارا مرتعا جو مرغیوں کے پیچھے پھرتا ہے تو کیوں نہ اسے حلال کر لیں

جواب میں کرم دین بوسے۔ سرکار قبلہ کون جانے صورت حال کیا ہے؟

جس کا نام سائیں لٹھ بخش میں اس امید پر گھومتے پھرتے کہ مرشد نے جس کی طبیعت میں ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ طبیعت کے بہت صابر اور بے

جو اس قسم کے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش صورت آدمی چلا آتا ہے

سائیں لٹھ بخش کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ طبیعت میں جلال تو قاضی لٹھ

آجائے تھے تو سنبھلا نہ مشکل ہو جاتا تھا۔

مرد ہزار کے آخری سرے کے قریب وہ ایک عام سی دوکان تھی۔
شکل و صورت دکان کی سی تھی، لیکن کچھ اونٹوں کی کھلی سے وہ ایک پتھر کا
ایک جانب ایک پینڈو فضا ہاتھ میں ایک بہت بڑے اٹھائے ہوئے کھانے کے
اس کے چرے پر عجیب سی کشتی تھی۔ نہ نور نہ طاقت نہ توانا
میں نے جبکہ کر سلام کیا۔

وہ عظیم السلام انہوں نے میری جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔ ذرا غصے پر
یہ کہہ کر انہوں نے بسکٹوں سے بھراٹے یعنی میں ڈال کر یعنی کا دروازہ
طرف متوجہ ہوئے 'آئیے آئیے' بیٹھے

ہم دونوں محن میں تھیں کوئی چار پانی پر بیٹھ گئے۔
میں نے اپنا مختصر سا تاقرف کر لیا۔

کتنے گے سرکار قبلہ میں چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔ وہ بڑے دلا سے ہیں
ہیں۔ کسی کی بات نہیں سنتے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں دیتے۔ ایک دو گار
کو شش کی تھی۔ بس وہ ایک دن بیٹھے تھے، میرے دن انہوں نے اٹھا کر
کسی کی جرات نہ ہوئی۔

میں نے کہا سائیں جی میں بالکل 'ان جان ہوں۔ اس راستے پر چلے گا
اسلام سے کورا ہوں، بالکل ہی بے خبر ہوں۔

وہ مسکراتے ہوئے 'ہم سب ہی بے خبر ہیں جی۔ پہلے میں سالکوں کے دروازے
کھانا رہا۔ پھر انہوں نے یہاں بھیج دیا اب پھر یہاں ٹھہرے کہا وہاں 'ان
ہے، چل کوئی نہیں ہے۔ شاید ہو، ہر میں پتہ نہیں ہمارا کام تو بس چلے رہا
آپ راستے سے تو باخبر ہیں، انہوں تو ہیں۔ میں تو بالکل لٹا ہوا ہوں
ظاری کر دی اور اب۔

سائیں جی قیاس نہ کر رہے ہوئے' سرکار قبلہ ملک ہیں۔ ایسے قیاس نہ
ہیں۔ وہ سب کی مت کر دیتے ہیں۔ پھر جی آپ ان باتوں سے نہ گھبرا سائیں۔
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

سائیں جی قیاس نہ کر رہے ہوئے' سرکار قبلہ ملک ہیں۔ ایسے قیاس نہ
ہیں۔ وہ سب کی مت کر دیتے ہیں۔ پھر جی آپ ان باتوں سے نہ گھبرا سائیں۔
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

سائیں جی قیاس نہ کر رہے ہوئے' سرکار قبلہ ملک ہیں۔ ایسے قیاس نہ
ہیں۔ وہ سب کی مت کر دیتے ہیں۔ پھر جی آپ ان باتوں سے نہ گھبرا سائیں۔
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

اور ان کے

ہے۔ اب آپ اسے اپنا بیٹے۔

میں نے کہا بھائی جان مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا وہ بولے۔

مجھ پر رقت کیوں طاری کی گئی۔

وہ مسکراتے ہوئے 'وہ مالک ہیں جسے چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔

آپ ہی نے تو مجھ کا مجھے مزار پر۔

ہاں وہ بولے 'مطلقاً صاحب ہم تو حکم ماننے والے ہیں۔ ماننے والے کا نام

نہیں 'مطلق' جی ماننے میں کبھی نہ ہے۔ پوچھنے میں چٹائی چٹا ہے۔ اور

انت نہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے اقبال بھی یہی کہتے ہیں کہ مقام بندگی

خداوندی 'بنا ہی بندگی ہے۔

میں نے کہا آپ کو علم تو ہو گا کہ۔

انہوں نے میری بات کئی بولے 'میں عالم نہیں ہوں۔ مجھے مسائل کا علم

نہیں وہ حرف بتاتے تھے۔ صرف وہ حرف۔ آج تک انہیں طوطے کی طرح

دہرائیں چکے 'دہرائیں چکے۔

میں نے کہا 'جناب میرے جیسے لوگ جنہیں سوچنے کی عادت ہے وہ کیا

بولے 'کچھ نہیں کرتے' کچھ بھی نہیں۔ بس اپنا آپ حوالے کر دو۔ 'کوئی' یا

میں ہوں 'اس سے جو چاہے کہ۔

مطلقاً جی وہ بولے 'جب حضور پہلے بار مجھ سے ملے تھے تو میں بھی سوچتا تھا

کہ آپ نے تو بات کہہ دی ہے۔ مجھ میں جرات نہیں تھی کہ کہوں۔ سرکار

صاحب سوچ تو ایک روک ہے۔ روک لیتی ہے۔ آگے چلنے میں دیتی۔

چیز کیسے پہنچاتی ہیں اس کا سہارا کیا لیتے۔

بھائی جان کی باتیں اتنی معمول تھیں 'اتنی سادہ تھیں کہ جواب میں بار بار

وہ باتیں ضعیف الاعتقادی کی باتیں تھیں 'وہ جذباتی باتیں نہ تھیں۔

کچھ باتیں لگتی ہوئی ہیں جو جواب دینے پر گستاخی ہیں۔ 'بولو' بولو۔ 'کچھ' لہی

حریصوں نے بیٹے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہی طرح سے اہل خانہ میں
نہیں دیتے۔ گنبد بنانے نہیں دیتے، بس یہ ایک چھوٹی سی چار دیواری
کرنا چاہتے ہیں، نہیں مانے۔

مزار کے قریب ہی دو ایک گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گھر میں میرا دادا
مضائق کر دیتا تھا۔

بھائی جان سے ملنے والے ہم چند لوگ تھے۔

عزیز ملک تھا، آغا حنیف تھا، یہ دو انھیں ایسے تھے جنہیں میں بچپن میں
بخش کی خدمت میں بیٹنے کا شرف حاصل تھا۔ انہیں سرکار قبلہ سے بہت محبت
جان کا بھی احترام کرتے تھے چونکہ بھائی جان سینئر تھے لیکن بھائی جان کے
چونکہ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا سائیں اللہ بخش سے براہ راست تعلق ہے۔

حنیف آغا

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
وہ ایک اہلیت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی بہت
لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرتی کے جاں نثار
حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی تقریر
فی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے جھگے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں اس کا
استثنا کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک اس کا
اس کی تقریر نہیں ہوئی تھی۔ نام دینے لست پر تھا آغا کی خواہش تھی کہ اس

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
وہ ایک اہلیت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی بہت
لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرتی کے جاں نثار
حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی تقریر
فی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے جھگے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں اس کا
استثنا کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک اس کا
اس کی تقریر نہیں ہوئی تھی۔ نام دینے لست پر تھا آغا کی خواہش تھی کہ اس

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
وہ ایک اہلیت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی بہت
لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرتی کے جاں نثار
حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی تقریر
فی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے جھگے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں اس کا
استثنا کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک اس کا
اس کی تقریر نہیں ہوئی تھی۔ نام دینے لست پر تھا آغا کی خواہش تھی کہ اس

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
وہ ایک اہلیت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی بہت
لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرتی کے جاں نثار
حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی تقریر
فی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے جھگے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں اس کا
استثنا کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک اس کا
اس کی تقریر نہیں ہوئی تھی۔ نام دینے لست پر تھا آغا کی خواہش تھی کہ اس

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
وہ ایک اہلیت اچھے اور چالے پچالے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا
دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی بہت
لے سوجھا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی بڑی فطرتی کے جاں نثار
حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی تقریر
فی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
حنیف آغا فطری انگوٹھیں کے جھگے میں ملازمت کرتا تھا، دفتر میں اس کا
استثنا کا تھا۔ اگرچہ اس نے انگریز کا امتحان پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک اس کا
اس کی تقریر نہیں ہوئی تھی۔ نام دینے لست پر تھا آغا کی خواہش تھی کہ اس

نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا لگتا تھا جیسے کسی امن جانے والا ہو
 کر سر کو دسری جانب موڑ دیا ہو پہلے میرا رخ مغرب کی جانب تھا۔ اب اس
 دیا گیا تھا۔

پہلے میری نگاہ میں ہستیاں تھیں، مگر میں تھیں، کارخانے تھے، گاڑیاں تھیں،
 حتیٰ کہ گاڑیاں تھیں۔ اب پھیلاؤ ہی پھیلاؤ تھا پہاڑ تھے، وادیاں تھیں، گاڑیاں تھیں،
 نہیں تھا۔ بلکہ آبادی سے زیادہ آباد تھا۔ ہر جگہ زندگی سے بھرا ہوا تھا۔ ہر جگہ
 لے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر جگہ ایک ہی مرکز کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اس
 یہ سب کیا ہے۔

پھر ایک مسکراہٹ چاروں طرف پھیل جاتی۔ اوپر گونجتی، میں سر اٹھا کر
 ایک ذریعہ سنائی دیتی۔ ہاں میں ہوں۔

یہ ایک عجیب کیفیت تھی۔ لگتا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ جب میں روکتا تھا تو
 میرے دل سے ایک احتجاج اٹھتا ہی گیا ہو رہا ہے۔ نکلاں، پھر میں سوچ میں آتا تھا
 کیا یہ سب کچھ اس وقت کا نتیجہ ہے جو مجھ پر طاری کی گئی تھی۔ کیا یہ سب
 وجہ سے اب اس قدر رقیق ہو چکا ہے کہ اس میں سے جھینٹے اڑتے ہیں اور
 ہول دہ تو لگتی ہی آتے ہیں۔ لگتا ہے۔ ایک معمولی سا زبردستی دیکھ کر اس میں
 گہرے ڈیرے پڑتا ہے۔ ہر ذرے میں ایک کائنات نظر آتی ہے۔

میں نہیں، میرے اندر کوئی چیز نہیں اپنی دنیا میں داخل جانا چاہتا ہوں۔ میں
 میں رہتا میں چاہتا اس وقت دشمنی میں ایک چاروں طرف کی گھومتی ہوئی آواز
 بھائی جان مسکراتے، پھر کوئی کہتے تم جو چاہو کرو، ہم جو چاہیں گے کریں گے۔
 وقت ہے حتیٰ کہ میرا اپنا نظام آرزو میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ جس کو نہ
 ہر سوار رہا تھا اس کی لگم میرے ہاتھ سے چھین لی گئی تھی۔

ڈاکٹر کبیر ضیاء الاسلام

میں نے دیکھی شہادت اور عداوت میں بری طرح گنبد ہوا تھا اس نے سچے
 میں اور سائیں اللہ بخش کو اپنا تیرا لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دیکھ لے اپنی
 وہاں کرے۔ جب اس کے اظہار کا راستہ روک لیا جاتا تو وہ دیکھ ہو جاتا اور دکھ دور
 لے جاتی طرف دوڑا تھا مجھ سے مل کر وہ شہادت کا اظہار کرتا تھا حتیٰ میں کیا
 میں ہے، میں اسے پہچانتا۔

بڑی مشکل ہے یا 'بڑی مشکل ہے۔ دیکھ تاہم زمیندار لوگ ہیں' زمیندار ہے۔
 ہے 'والیں آتی ہیں، مگر آتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو چیز آئے وہ بھائی جان! وہ
 کیوں میں اس سے پوچھتا ہوں تم کی سرحدوں کی سی حرکتیں کیوں کرتے ہو۔
 بھی کیوں نہ کروں۔ عقیدت اور محبت کا اظہار ایسے ہی تو ہوتا ہے۔ والے کرنا
 تو وہ کہتے ہیں نہیں نہیں لیکن دین کا معاملہ چھوڑو۔ ہمارا تعلق لیکن دین کا تعلق نہیں ہے
 کیسے چھوڑوں۔ لیکن دین ہی تو تعلق ہوتا ہے اس کے بغیر کیسے تعلق ہو سکتا ہے۔
 میں اسے سمجھانا راجہ بھائی جان رکھی ہو نہیں ہیں۔ پھر تو کیوں رکھی ہو گیا
 زبردستی انہیں رکھی ہو رہا ہے۔
 میں کیا کروں وہ چلتا دے بغیر میری تلی نہیں ہوتی۔
 راجہ کو یہ بات سمجھانا بہت مشکل تھا۔

انکوائری

پھر ایک روز دفتر میں ایک زیر لبی اٹھی اور سارے دفتر میں پھیل گئی۔ لوگ اس
 کے کالوں میں ہاتھیں کرتے اور پھر میری طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے۔
 وہ تو محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے ایک چار دیواری نے گھیرے میں لے لیا تھا
 دونوں دفتر میرے لیے بھڑوں کا ایک بڑا تھا جو مسلسل بھین بھین کرتا رہتا۔ لیکن غلام
 دیواری کے اندر نہیں آسکتی تھیں یا یہاں لگتا تھا جیسے ان کے ڈنک نکال دیئے گئے ہوں۔
 بھین بھین رہ گئی ہو۔

چاروں طرف سے مجھے ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں 'انکوائری ہو گی۔ انکوائری تو آتی
 ہوتی رہتی تھی۔ ہر آٹھویں دسویں دن کے بعد وزارت امور کشمیر سے دو افسر آجاتے۔
 وہ ڈائریکٹر کے کمرے میں جا داخل ہوتے۔ پھر کمرے سے شے بھری آوازیں بلند ہوتی۔
 کے چلے جھٹکتے ہوئے پھر دونوں افسر میرے کمرے میں داخل ہو جاتے۔ ہم انکوائری
 مشنری سے آئے ہیں۔ آپ ہمارے سوالات کا جواب دیں۔
 جی میں گذشتہ تین مہینے سے یہی کام کر رہا ہوں۔
 انکوائری کی زیر لبی میں ایک نیا پہن تھا۔

پھر ایک دفتری آرڈر آگیا۔ کسٹھاکہ یہ دفتر وزارت المان
دیا گیا ہے، اس لیے کراچی سے وزارت اطلاعات کے ڈپٹی سیکریٹری انکوائری نے
مجھ پر لازم ہے کہ میں دفتر میں حاضر ہوں۔

اتفاق سے ان دنوں بھائی جان پنڈی میں ہی تھے۔

شام کو میں نے ان سے بات کی کہ کراچی سے انکو اڑی اسرا آرہے ہیں۔
میرا خیال تھا کہ بھٹی جان یہ خبر سن کر کھرمند ہو جائیں گے، لیکن وہ تو میرا
خوشخبری ہو۔

بولے بہت اچھا ہے، بہت اچھا۔ انہیں آئے دو۔ آپ بھی کراچی۔ ۱۱۔

میں بھائی جان میں کراچی میں جا رہا انکو انری انٹر کراچی سے آ رہا ہے۔
 وہ مکرانے آپ کا حکم اب وزارت اطلاعات کے تحت ہو گیا ہے اور
 سب کچھ سرکار قبیلہ کے پروگرام کے مطابق ہو گا انشاء اللہ۔ پاکستان کی حکمر
 رہے گا۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان کا قتل فائدہ ہو گا۔ سارے مسلم
 کے۔ انشاء اللہ۔ کا منظر ہو گا۔

بھائی جان کی بات سن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں اپنی انکوائری کی بات کرنا
مجھے شہنشاہِ عالم کا قصہ سنار ہے ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ انکوائری افسر کراچی سے
رہے ہیں کہ آپ بھی کراچی سے ہو آئیں تو بہتر ہے۔

رات کو سوئے وقت دھتا" مجھے خیال آیا کہ یہاں چار سرکار قبلہ کے ہیں۔
کیوں کر رہے تھے کیا میں بھی اس پروگرام میں شامل قتلہ لامل و لا قوتیرہ
میری کیا حیثیت ہے کہ بیوں کے پروگرام میں میرا بھی کوئی حصہ ہو۔ میری
جیسی ہے جو غلام بری کے کلام آتا ہے۔

پھر مجھے خیال آ گیا بزرگوں کے بھی کوئی پروگرام ہوتے ہیں۔ میں نے
پروگرام کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ذاتی لٹی کر چکے ہوتے ہیں۔ پھر ذاتی
پروگرام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو سکتا ہے جو قادر مطلق ہے، وہی کر سکتا ہے۔

۱۔ امام ابو مرحوم و مقفّر ہو چکے ہوں کیا وہ ذیلولی مملات میں دلچسپی لے سکتے
۲۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد پھر سے اس دلال میں لت پت ہونا نہیں نہیں
۳۔ یہ "عقی" ہے۔ بھائی جان کی عقیدت کچھ چیزیں چلا رہی ہے۔ سرکار قبلہ کے
۴۔ یہاں ہی خوش فہمیوں رچائے بیٹھے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بارہوی اسلامی رنگ لیا لیا قتلہ السلام علیکم کہہ کر
اس وقت ڈاکٹر نورث کے دو افسر کمانڈر پولیس اور فائلیں اٹھائے
ہوئے ہیں، ہمیں ڈاکٹر صاحب نے سمجھا ہے کہ یہ بیانات کو ریکارڈ کرتے

۱۔ اولاً فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ میں امن سے تنخلیے میں بات کروں گا۔
 ۲۔ دوسری کامرہ آئے گا تو میں آپ کو بلا لوں گا، پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو۔ پھر۔
 ۳۔ تیسری ساری ناکل کا مطالعہ کیا ہے۔ جو جو آپ پر الزامات ہیں اور جو جو جوابات
 دیے ہیں۔ اب میں آپ سے چند نئی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ یہ باتیں آف دی ریکارڈ
 پر نہیں آئیں گی۔ آپ کہیں کہیں اسے آپ کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے بلا
 کے والے سے بات کریں۔

۱۔ کہ انٹریکٹر صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔
۲۔ انٹرکٹر صاحب کے متعلق رائے۔ بے معنی سی بات ہے۔

۱۔ "نات ہے" وہ بولا، لیکن میں یہ جانتا چاہوں گا۔
۲۔ "نات ہوا" آپ ان کے کس پہلو کے متعلق میری رائے جانتا چاہیں گے۔

مجلسی زندگی سے محروم ہے۔ ہر وقت ذہن پر دفتری زندگی مسلط رہتی ہے۔
 دل گزار رہا ہے، اس لیے مشکوک ہے، گھروالی سے اچھے تعلقات نظر نہیں آتے۔

فصل ہے، خدا پر آجائے تو خدا میں کر بیٹھ جاتا ہے۔
 کرو دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔

پھر بھلا۔ پہلے آپ سے کیسے تعلقات تھے۔

بہت عمدہ، میں نے جواب دیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں لیڈر ہوں۔ انہیں یہ

تھا۔

پھر وہ کس بات پر غور کیا۔

مجھے علم نہیں۔

کوئی بات تو ہوئی ہوگی۔

قلبی نہیں۔

ہوں، وہ بولا، آپ پر دو الزام ہیں ایک یہ کہ آپ نے کراچی کا دورہ کیا تھا

چارچ کیا لیکن سیرنگ میں کیا۔

جی، میں نے جواب دیا، یہ سچ ہے۔

دوسرا الزام ہے کہ آپ نے ایک سیکورٹی کا کنڈم کر دیا۔ جی، میں نے اس

اسے جلا دیا لیکن وہ خفیہ کھد میں تھا۔ ریڈیو کی مانیٹرنگ رپورٹ تھی۔ اس

رکھا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔ مفتی صاحب، اگرچہ یہ بات مجھے بتائی

لیکن میں جتنا چاہتا ہوں کہ آپ کی فائیکل وزیر اعظم کے پاس بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے اس

سے کہ اس افسر پر مسلسل حقی رپورٹیں دی جا رہی ہیں اور رپورٹ لکھنے والے اس

ہیں۔ مناسب ہو گا اگر اسے کسی اور افسر کے ماتحت کام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے

دیکھ سکیں کہ نئے افسر کی اس کے کام اور برتنوں کے متعلق کیا رائے ہے۔

مجھ کے آپ اس نے پہلے ہی شاید آپ کا چہرہ کراچی ہو جائے۔

جی، مجھ کو لیکن میں کراچی جانا نہیں چاہوں گا۔

کیوں، کراچی بہت بڑا شہر ہے۔

وہ تو ہے مگر میں پڑی سے جانا نہیں چاہتا۔

کیوں یہاں کیا دھرا ہے۔

بڑی دیر کے بعد میں نے ایک مرکز بتا دیا۔ میرا کھانا کھرا ہوا تھا، مرکز نے مجھ

کہ انہوں نے کہا کہ یہاں سے چلا گیا تو پھر کچھ نہ جاتوں۔

میں نے کہا کہ میں نے مرکز کے متعلق پوچھ سکتا ہوں۔

میں نے کہا کہ میں نے جواب دیا، 'مفتی وزیر ہندو'

اور انہوں نے کہا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں نے پوچھا۔

ہمارے صفت ظاہر تھا کہ وہ بچ بول رہا ہے 'اگرچہ بات بات ہوئی تھی۔ میرا افسر
 ہوا تھا وہ مجھے کی صلاحیت سے محروم تھا کہ وہ خود بلا کے پاس صلیبی درخواست
 ہوا کہ اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ بہر صورت میں نے بلا کے کہا میں اس
 چاہتا۔

میں آگیا کیوں نہیں چاہتا۔ وہ بولا۔

آج میرا جی نہیں چاہتا۔

وہ بولا۔ وہ چلا گیا۔

میں نے کہا مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔

مجھے طاقت 'بلا' چاہی میں آگیا۔

میں نے کہا جب آپ کی دی ہوئی طاقت مجھ تک پہنچے گی تو میں آ جاؤں گا۔

انکاری ہے 'وہ بولا۔

میں آؤں گا۔

وہ جی میں آکر بیٹھ گیا۔ بولا ہم تیری ایسی تھی کریں گے۔

وہ جی ایسی تھی۔

وہ جی کریں گے۔

وہ جی کے واسطے کہہ دیجئے۔ میری جان عذاب سے نکل جائے۔

میں نے کہا جان کو نہیں سنا تھا۔ پتہ نہیں میں نے کیوں ان سے بھی بلا سن کر

میں نے ملکہ سے تکرر کیا تھا۔ ملک نے ساری بات غور سے سن کر کہا تھا ہاں

چاہتا ہے۔

میں نے پوچھا۔

اب یہ نانا بلا سننا نہیں آکر بیٹھا تھا اس وقت سرکار قبلہ ریلوے سٹیشن

پر آکر تھے۔ حاجت مندوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

یہ اقدام مجھے ڈائریکٹر نے غم دینے سے بچانے کے لیے نہیں تھا۔ کیونکہ اس

ڈائریکٹر تو چور چور ہو چکا تھا۔

بہائی جان نے خود کہا تھا بھارہ خلعت۔ اس کی رپورٹیں سب نے کر

الزبت رد کر دی تھیں۔ بھارے کے ہاتھ پٹے کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

یہ ایک مفروضہ نہیں تھا۔

چارلے کا حکم نامہ موصول ہونے کے ایک دن بعد مجھے ایک فون آیا۔ 'وہ بولا

تھا آواز بڑی ناخوش تھی۔ مفتی۔ مفتی۔ وہ کہہ رہا تھا تو ابھی ہمارے ذمے

ذمے پر آج ابھی 'وہ نہ کر۔

دلت۔ مجھے احساس ہوا کہ بازار سنٹر والا بلا بول رہا تھا۔ بازار سنٹر والے

بھول چکا تھا۔ عرصہ دراز سے میں نے اس کے ذمے پر حاضری دینی چھوڑ دی تھی۔

بازار سنٹر کے اپنے کے دو ایک بیانات آتے تھے کہ تم آتے کیوں نہیں۔ نام تو

کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے دل میں بلا کی بڑی عزت تھی۔ عزت نہیں بلکہ ایک انگ

لکھ میں روحانیت کا رنگ نہ تھا۔ میں اس کے لیے دوستی کا جذبہ محسوس کیا کرتا تھا۔

کے بعد میں بھی وہیں نہ گیا تھا۔

بلا کی کل آئی تو میں سمجھا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔

میں نے کہا 'بائی بلا' کی کیا حکم ہے۔

بلا بولا 'تو فوراً آ جا ہمارے پاس۔

میں نے کہا جاتا ہوں میں ضرور حاضری دوں گا لیکن اس وقت تو میں اپنا چاہتا

ہوں۔ میرا چاہلہ ہو گیا ہے 'میرا افسر مجھ سے ناراض ہے' وہ شوکت بھاکر چارلے

آج 'آج' بولا 'میرا ڈائریکٹر نہیں بیٹھا ہے' ہمارے ذمے پر۔

مجھے بلا کی بات پر یقین نہ آیا۔ یہ کہیے ہو سکتا ہے کہ میرا ڈائریکٹر جو سولہ

سولہ ملیش کاشت سے ٹاکس ہے۔ جو ایک عقیدہ انسان ہے وہ بھلا بلا کے

بلا کہنے لگا 'ہم نے جرے ڈائریکٹر کو بلا دیا ہے' وہ آگیا ہے اور تجھ سے ملے گا

لہا وہ ہی ضرورت پڑتی ہے کہ اور امن کی۔
ڈاکٹر کی آنکھیں خانوں سے باہر نکل آئیں۔ وہ بہت ہلکا سا تھا۔

بازار میں نہیں آ رہی میں نے ڈاکٹر سے کہا تھا کہ دو چار شیشیاں سنبھال کر میرے لیے رکھ دو۔
ڈاکٹر نے میری آنکھ کو پونے غور سے دیکھا کئے لگا اس پر کوئی پتہ نہ تھا میں نے کہا
میں، ہائل ٹھیک ہے۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ تو صبح شام یوں شدت سے پھرکتی ہے، جیسے آئے گی
ہے اور آپ کہتے ہیں کوئی بات نہیں۔

وہ ہنسا کہنے لگا یہ ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں۔ کسی اور ڈاکٹر سے پوچھ لو۔
مسکولہ کزوری ہے۔ یہ مھض تالے کی بات ہوگی۔ میں آپ کو ہل نہیں رہا۔

آنکھ کی بات ختم ہوئی تو کور امن کی بات شروع ہو گئی۔
راجہ کہنے لگا، جناب کور امن چاہیے۔

ڈاکٹر بولا کہ ابھی دس دن ہوئے ہیں میں نے آپ کو دو شیشیاں دی تھیں۔
ہاں، 'راجہ نے جواب دیا، وہ ختم ہو گئیں۔

ختم ہو گئیں، ڈاکٹر نے سر ہٹ لیا۔ دس دن میں کور امن کی دو شیشیاں 'تم' بھر
دوقوف ہمارے ہیں کیا۔ صاف کہہ دیجیے کہ بلیک کر رہا ہوں۔

نہیں نہیں بلیک نہیں کر رہا۔ 'راجہ نے کہا۔ انہوں نے پی لی ہیں۔
وہ کون مھض ہے جو دس دن میں کور امن کی دو شیشیاں پی جاتا ہے۔ بھئی یہ وہ انہوں
تقدروں کے حساب سے پی جاتی ہے۔

نہیں نہیں، 'راجہ بولا، ہمارے بھائی جان پیتے ہیں۔
ہمارے بھائی جان چلو کر ہیں یا فرلو ہیں۔ ڈاکٹر ہنسا۔

خیر دارے لوبی سے بات مت کر، 'راجہ بولا۔
پھر جو اتفاقاً دیکھا تو راجہ شطیج کے پیچھے بھائی جان خود کھڑے تھے۔

آپ کب آئے، میں بھائی جان کو دیکھ کر چلا گیا۔
ابھی آئے ہیں ہم۔ 'راجہ کے گھر گئے تھے۔ پی لی نے کہا ڈاکٹر صاحب کی طرف گئے ہیں۔

ہم یہیں آ گئے۔
پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے، ہاں دونوں شیشیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں
UpPhoto.com



قدرت اللہ شہاب

۲۸۔ کراچی

۲۹۔ عطیت

۳۰۔ ستارہ

۳۱۔ ولیج ایڈ

۳۲۔ دربار

۱۔ انا قلم، ریلوے بنگلہ، احمد بیرسر سے واقف تھا۔

۲۔ میں جب ہم دونوں بمبئی میں تھے تو بخاری وہاں کے ریلوے مشین کا ڈائریکٹر تھا۔ اس کا دور ۱۹۰۰ء میں کاہرہ تھا، پتا ہوا تھا۔ پھر مغل کی بڑی وصوم تھی۔ محفل میں نورتن کی بھیڑ میں ٹھکانے تھے۔

۳۔ انا تو مغل کا کرتا اور برقی سافید پامپہ۔ رجب تن ہوگ۔ ہاتھوں میں سگریٹ کا دھواں اور سر پہ بچے دو منجھے مصائب ہوتے۔ حالانکہ ان دنوں بمبئی میں چمرا پیل رہا تھا، مگر مغل پر ایک بے نیازی کا عالم طاری ہوگ۔

۴۔ میں پراما کھاتا، کچھڑ تھا، فن کار تھا، اعلیٰ پائے کا دانشور تھا، بات پیدا کرنے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ بڑے لاکر چاتا تھا، پڑوں میں کوئی اس سے بہت نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس کا سبب انصاف اور آزادی کھوج تھی۔

۵۔ میں ایک روز میں نے احمد بیرسر سے کہا تو بخاری سے نہیں ملا۔

۶۔ اجالہ لیتے ہیں، وہ بولا۔

۷۔ اس سے لپٹے پرچے قلبان کے لیے مضمون لکھوا۔

۸۔ گھبرا لیتے ہیں۔ احمد بیرسر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

۹۔ وہ ایک آدمی ہے۔

۱۰۔ پار کیا وہاں وہ بولا۔

۱۱۔ تم سے پرامتا ہو گا میں نے کہا۔

۱۲۔ بات پر۔

۱۳۔ خوش فہمی لوگوں سے بہت متاثر ہوتا ہے، میں نے وضاحت کی۔

۱۴۔ احمد بیرسر مغل کے پاس جا پہنچا۔ چھوٹے ہی بولا۔ ہمارے لیے ایک مضمون لکھیے۔

۱۵۔ چونکہ کون ہو تم کہاں سے آئے ہو۔

۱۶۔ احمد بیرسر ہوں۔ لاہور سے کیا ہوں۔

۱۷۔ کسی نے بات کرنے کی چیز نہیں سکائی کیل۔

۱۸۔ نہیں۔



محترمہ عطیت



قیصر شہابی



مفتی (۱۹۵۵ء)

سعود

مر

ہوں، میری مٹل نے تھپہ لگایا، بات کہہ دینی جانتے ہو۔
اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔

بات کرنا سیکھ لو تو۔
کیا فرق پڑتا ہے، احمد بشیر نے اس کی بات کٹ دی۔

بے باک، صاف گو، جہت نظر، القاطنوں تم ایسے پسند کرتا تھا، میری مٹل نے،
لگاؤں سے احمد بشیر کی طرف دیکھا۔ امروہہ سنی کے قتلے کو جانتے ہو۔
جانتا ہوں، میں احمد بشیر نے جواب دیا۔

تسلی مانتے ہیں صوفی، فقیر، لوب، شاعر، ایکٹر، موسیقار۔ تم کیا چیز ہو۔
میں سنائی نہیں ہوئی۔ نہایت سے متاثر ضرور ہوتا ہوں۔

اس کی گھٹی، متحرک، تاثر سے بھر پور ہمیں ابھریں، مسٹیفی ہو کر عورت کی
صرف پیدلوارانہ محبت ہے، عام لوگوں کا مشغلہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں زندگی بسر کرنے والوں
وقت کٹی۔ امروہہ سنی فن کاروں کا اقداری نشان ہے۔

میں فن سے متاثر ہوتا ہوں۔ فن کاروں سے نہیں، احمد بشیر نے کہا۔
میر مٹل نہ تھکا، سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے انھیں بتائیں۔ بخوبی پر دہی ملا۔

یہ آؤ تم دوست بن جائیں۔
احمد بشیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا، میرے پاس سستی میاں کے لیے وقت نہیں ہے۔

میر مٹل کاہت، اوندھے منہ گر کر پاش پاش ہو گیا۔
احمد بشیر کو بہت دلی ملاقات تھا، یاد ہی نہ تھی یا اس نے اسے چنداں اہمیت نہ دی تھی۔

اس لیے اس نے بخاری کی آفر کو منظور کر لیا اور وہ کراچی آ گیا۔ احمد بشیر کے ساتھ مواہا
بھی تھے لیکن بخاری میں انچی وسعت قلب نہ تھی کہ وہ مولانا کی علمی حیثیت کے مطابق
برہنہ کر کہ لہذا احمد بشیر نے استغنے دے دیا۔

امریکی ہمشیرہ کا لڑکا تھا جو ان دنوں ایک امریکی دفتر میں معقول تنخواہ پر کام کیا کرتا تھا۔ وہ
اس میں بہت قلیل تھا اس نے اپنی قابلیت کی وجہ سے دفتروں میں بڑی عزت کرائی تھی۔
اس کی صفات کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ لیکن صاحب اس کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے۔

اس کے بعد احمد بشیر کراچی میں تلاش روزگار کے لیے ہری طرح سے درپردہ ہول ان وارڈ
UrduPhoto.com

وہیے وہ ایک بکرا ہوا مضی تھا، آواز دے سمیت، ووتر سے نکل کر وہ سیدھا کافی اور
اور کونے کی میز پر بیٹھ کر کیبل سڑک سڑک اور کافی کے پیالے پیتا رہتا تھا۔ وہ ایک
انگریزی فلم دیکھتا اور گومی رات کے وقت اپنے بیسے بھائی کے گھر کا دروازہ آگلیا اور
ایک لٹنی ہوئی چارپائی پر ڈھیر ہو جاتا۔

صبح سویرے جاسے کا ایک بھائی بی کر وہ دفتر چلا جاتا وہ ایک مجاز ہوا جوان تھا۔ وہ
سے لگاؤ نہیں تھا۔ ہاں باپ سے اسے نلرت تھی مگر کوئی ہوئی نلرت، شاید اس لیے کہ وہ
گھر کی بجائے ایک ویرانے میں پرورش پائی تھی۔

اس کے والد بیسے قہل تھے، لیکن بے حد توجہ طلب تھے۔ ان کی بیوی، میری، ایک
بگلت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ میں بیوی ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے اور گھر کے بار بار
رہتا۔

میں نے اس ویرانے کی پیدوار تھی۔ قیصر کا بڑا بھائی ریاض بھی کراچی میں مقیم تھا۔ وہ
بیوی بڑی حسین تھی اور وہ خود بڑا پوڑیو اور تیل تھا اگرچہ قیصر بھائی کے ساتھ ہی رہتا تھا
لیکن یہ رہتا ہر اسے تمام قہل وہ صبح سویرے وہاں سے نکل آتا تھا اور پھر رات کے بار بار
ڈیو گومی میں پڑ رہتا تھا۔ بیسے بھائی کے گھر میں بھی اسے گھر فیض نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں کہ کیوں قیصر کو مجھ سے بہت لگاؤ تھا۔ بسا اے وہ سوشل میں تھا کسی کے قہل
جانتا تھا کسی کو قہل آئے نہیں رہتا تھا۔ اس کی شخصیت کے دیوانے میں ایک سو
جو شاید اس نے اپنے تحفظ کے لیے پل رکھا تھا۔ زندگی میں چار ایک بار وہ خود کشی کر چکا تھا
ملاقات سازگار نہ ہوتے تھے اور وہ کامیابی حاصل نہ کر سکتا تھا۔

اب اس نے خود کشی کا ایک انوکھا طریقہ اپنا رکھا تھا اس نے اپنی موسم خلی دونوں
سے چار رکھی تھی۔ صبح و شام کافی کے پیالے پیٹ میں انڈیا رہتا۔ سڑک سے سڑک
گرد و پیش کو شک و شبہ اور حقیر بھری نگر سے دیکھتا اور اتنے بیسے شرم میں خود پر تھائی
کے بیٹھا تھا۔

کراچی میں میرا چلا ہوا قیصر کے لیے گھائی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ کپلہ ملا تھا۔
کی طرح کسی چھینکے کے ٹوٹنے کا محبت مند تھا، نہ میرا چھینکا کسی کام کا تھا، نہ تو تھائی

میں سراسر محبت مند تھا۔ میری تحلو رک تھی۔ اسے جی پی آر
پے ٹکسٹن ہوگی پھر تحلو کسے گی۔ بڑی مشکل سے ایک انکوائس انٹر
کوارڈر انکوائس منظور کروا دیا تھا۔

میں نے قیصر کو کافی پوس سے تو نکل لیا لیکن اسے کوئی بہت نہ دے سکا۔
ان دنوں میری اپنی کٹی سمت نہ تھی۔ وہ چار دیواری دور ہوئی جا رہی تھی۔
اپنی آوارہ گردی میں وہ مدد لاتے جا رہے تھے۔ بھائی جان کو اپنانے کے لیے تھائی
انسانی خلق کو ہر اہمراہ رکھنے کے لیے دھیان دنا ضروری تھا۔ لیکن نہ مجھے تھائی میر
تھائی نام تھا۔

قیصر کا ایک بھائی ریاض بھی کراچی میں مقیم تھا۔ وہ
بیوی بڑی حسین تھی اور وہ خود بڑا پوڑیو اور تیل تھا اگرچہ قیصر بھائی کے ساتھ ہی رہتا تھا
لیکن یہ رہتا ہر اسے تمام قہل وہ صبح سویرے وہاں سے نکل آتا تھا اور پھر رات کے بار بار
ڈیو گومی میں پڑ رہتا تھا۔ بیسے بھائی کے گھر میں بھی اسے گھر فیض نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں کہ کیوں قیصر کو مجھ سے بہت لگاؤ تھا۔ بسا اے وہ سوشل میں تھا کسی کے قہل
جانتا تھا کسی کو قہل آئے نہیں رہتا تھا۔ اس کی شخصیت کے دیوانے میں ایک سو
جو شاید اس نے اپنے تحفظ کے لیے پل رکھا تھا۔ زندگی میں چار ایک بار وہ خود کشی کر چکا تھا
ملاقات سازگار نہ ہوتے تھے اور وہ کامیابی حاصل نہ کر سکتا تھا۔

اب اس نے خود کشی کا ایک انوکھا طریقہ اپنا رکھا تھا اس نے اپنی موسم خلی دونوں
سے چار رکھی تھی۔ صبح و شام کافی کے پیالے پیٹ میں انڈیا رہتا۔ سڑک سے سڑک
گرد و پیش کو شک و شبہ اور حقیر بھری نگر سے دیکھتا اور اتنے بیسے شرم میں خود پر تھائی
کے بیٹھا تھا۔

کراچی میں میرا چلا ہوا قیصر کے لیے گھائی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ کپلہ ملا تھا۔
کی طرح کسی چھینکے کے ٹوٹنے کا محبت مند تھا، نہ میرا چھینکا کسی کام کا تھا، نہ تو تھائی

میں سراسر محبت مند تھا۔ میری تحلو رک تھی۔ اسے جی پی آر
پے ٹکسٹن ہوگی پھر تحلو کسے گی۔ بڑی مشکل سے ایک انکوائس انٹر
کوارڈر انکوائس منظور کروا دیا تھا۔

میں نے قیصر کو کافی پوس سے تو نکل لیا لیکن اسے کوئی بہت نہ دے سکا۔
ان دنوں میری اپنی کٹی سمت نہ تھی۔ وہ چار دیواری دور ہوئی جا رہی تھی۔
اپنی آوارہ گردی میں وہ مدد لاتے جا رہے تھے۔ بھائی جان کو اپنانے کے لیے تھائی
انسانی خلق کو ہر اہمراہ رکھنے کے لیے دھیان دنا ضروری تھا۔ لیکن نہ مجھے تھائی میر
تھائی نام تھا۔

تھکوا لے گی تو تک ٹھکراویں گے۔

مودی احمد بشیر کی بیوی تھی۔ کیا عجیب شے تھی وہ۔ کرے سے چلی جاتی تھی۔ چلی گئی ہے۔ کرے میں آ جاتی تو پتہ نہ چنانچہ آگئی ہے۔

مودی بڑی خوشن مزاج ہے اسے میل ملاپ سے دلچسپی ہے۔ خوب صورت اور شوق ہے۔ کبھی استے پیٹے ہاتھ میں لے کر لاس خریدے 'اس لیے لٹنے سے ڈرتا ہے اور ایسا بنا سچا کر پہننے سے جیسے کسی لوٹے سٹور سے خریدتا ہو۔ مودی احمد بشیر کی

اسے کھلائی ہے 'پلائی ہے' سلائی ہے' بچائی ہے' 'لور منہ بٹائے بغیر اس کے دانوں سے رقی ہے۔ اس لیے احمد بشیر کو مودی سے ایسی ہی محبت ہے جیسی لالچ کو بھانگی

گھر کے معاملات میں میں نے احمد بشیر سا کوئی لالچ نہیں دیکھا۔ اس نے کہہ کر کہا کہ میں سے انکار کو وہاں نہیں دیکھی۔ گھر کے لیے کوئی چیز خود نہیں خریدی۔ کبھی بازار تلاش نہیں کیے، کبھی گھر سے گلاس بھر کر پانی نہیں پیا۔ اگر مودی نہ ہو تو انہوں نے قیض پین کر دفتر چلا جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

احمد بشیر کہتا ہے، مجھے مودی اس لیے پسند ہے کہ وہ بہت معصوم ہے' اسے وہ دے دے مودی کو سب پتہ ہے' لیکن وہ دیوں موم کی گڑیا بن کر بیٹھ رقی ہے' جیسے کہ احمد بشیر سمجھتا ہے کہ مودی وقتی لحاظ سے سچ ہے' سمجھتی نہیں۔ مودی سمجھتی ہے کہ میں احمد بشیر یا نکل کورا ہے' کچھ بھی نہیں جانتا۔

دونوں سچے ہیں۔ دونوں جھوٹے ہیں۔

ان دونوں مودی پیارک سے راگ نیکہ رہی تھی۔ موسیقی میں پیارک رہا تھا۔ شہد راگ، 'ضری'، 'غزل' بہت اور جھیر کی موسیقی۔ مودی کو سکھاتے ہوئے پیارک میں آ جاتے پھر محفل موسیقی شروع ہو جاتی۔

ابن انشاء

احمد بشیر دوستی افغانی، چل بار چھوڑ دو ہم فلم دیکھنے چلے جاتے۔

میں نے کہا کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پنڈت، چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی سوار تھا۔ مگر اس میں بے بسی۔ چرے پر چمک آنے کی کوشش کرتی تھی، انہی کے لیے 'ساٹا ساٹا' دھکا دیتا۔

میں نے کہا کہ 'پوچھتا' یاد یہ کیا ہے۔

اس نے کہا 'وہ جواب دیتا۔

میں یاد اس کا نام تو خیر دین ہوتا جا ہے۔

اس کا ایک خیر دین ہی ہے لیکن اسے کیسا لالچ کرنے کے لیے ابن انشاء کو گوا ہے۔

ابن انشاء میں ابن انشاء کبھی ابن انشاء نہیں تھا۔ قاتی پندوں کے امیر سے میں آکر اس نے مجھے شہر دکھائی تھیں۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

میرا دفتر کو سراسر آقا۔ مسافر آئے، چلے جاتے۔ آئے، چلے جاتے۔ جو بیٹھ کر دیکھ کر اس پر ہنسنے لگے اور چائے کے پالے پیتے رہتے تھے۔

ابھی ابھی کا قلمی دفتر تھا اس دفتر قلمی رنگ غالب تھا ہم نے یہ ثابت لیا۔ ایسا کہ کوئی مثل نہیں ملے گی۔ قلمی دفتر کا انفراسم ایک آکٹو اکٹو، مغرور، نقار کا تھا۔ اس نے بات کرنا مشکل تھا۔

میں ان کے صاحب نورعوں کا اکٹو لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ چھوٹے انیسویں کو ان کے پاس نہیں تھی۔

میں نے کہا کہ میں کتنی میں تھا نہ میں شادیں۔

ابھی ابھی

ابھی ابھی میرے نام ایک حکم بنا۔ آگیا۔ کھسا تھا کہ ڈاکٹر ڈی اے ایف پی نے ایسی ایک تجویز کو منظور کر لیا ہے لہذا ممتاز قلم ایڈیٹر کی خدمت پہنچے پر اس کی جاری ہیں۔

رسول کر کے منجھرا گیا۔ احمد بشیر کی طرف گیا تو وہ مونچھ موڑنے لگا۔ ابن

UrduPhoto.com
بیشیر کو موسیقی سے دل چسپی نہیں تھی۔ وہ محفل کو ختم کرنے کے لیے پانچ بجے
بھی توجہ بڑی کلام پکیر چل رہی ہے 'وہ میرا ساتھ دے گا' کل ایک بیٹھ۔ مودی فرمایا
UrduPhoto.com

انشا مسکرانے لگا۔

دیکھا احمد بشیر یوں لے آئے تاہم تجھے اپنے دفتر میں ویسے تجھ سے کہہ دیا۔
ہمارے پاس تو ابھی نہ مانا۔

انہوں نے اس شام اپنے منصوبے کی کامیابی پر احمد بشیر کے گھر ایک نوٹ لکھا۔
تھا جس میں ہم سب مدعو تھے۔ قیصر نکلی اور میں۔

دعوت کے دوران احمد بشیر یوں تو نے اکبر الہ آبادی کا وہ شعر سنا ہے کیا۔

تو تارا، میں، مرے مرنے کے بعد کا ہو گا

میں نے کہا اس لیے کہ میری عزت صرف دو گنے کی ہے اور جس کی عزت دو گنے

کے برابر ہے وہ خاص جی حضور یہ ہوتا ہے۔ کیڑا۔ بے ضریب

میں نے انہیں گراہی صدر میں کیے ٹیڑھا کے پاس ایک کھلی میں واقع تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی
گراہی تھی۔ پانی چھ کھڑوں پر مشتمل تھی۔

پانی تھی

میں نے کہا، ہمارا افسر تھے۔ حنیف جانہ حری ڈائریکٹر تھا۔ احمد بشیر اس کا نائب تھا۔ انہیں انشا

نیکسن کے انچارج مشہور موسیقیار مرگ ہے۔ وہاں کمرے ہے 'ستائیں' نہیں 'تین'۔
مرگ ہے۔ یہ دفتر ہمارے لیے دفتر 'کلب' تھا 'کلی' ہوس تھا 'کمال' تھا۔

عطر

۱۔ ان قدرت اللہ شہاب کا ٹیلی فون آگیا اس وقت حنیف اور میں وزارت کے محققین کے ساتھ ایوانِ اولہ میں منہب چلیں دینے کی کوشش میں شدت سے مصروف تھے کہ اٹھا اٹھا، باب مفتی ممتاز کا ایک فون ہے۔ اٹھا اٹھا مجھے مفتی ممتاز کا راقی، خصوصاً ان کے کمرے میں جا کر میں نے چونکا اٹھایا۔

انہم سن کر میں گھبرا گیا۔ میرا بس پہلا تو فون بند کرنا، مگر مجھ میں اتنی جرأت نہ

ان میں قدرت اللہ شباب ایک پہلوؤں کے لیے حیثیت اختیار کر چکا تھا۔
 اور اس امور کشمیر کے سیکرٹری انظر کے ہات پر آگئی، جس نے مجھ سے پوچھا تھا کیا
 اللہ شباب کو جانتے ہیں اور میں نے جواب میں کہا تھا کہ میں، میں انہیں نہیں

انظر نے کہا تھا، لیکن مجھے شباب صاحب نے ایک خط لکھا ہے، جس میں کہا ہے کہ عز دوست ہیں اور میں نے جواب میں انظر صاحب سے کہا تھا، چاہ یہ بات

اور اس وقت۔

اپنے دھڑ سے ایک بھرے بھرے جسم اور چھوٹے قد کا آدمی باہر نکلا۔ اس نے ایک عمدہ
 اور نئی کاپی بن رکھی تھی۔

جس نے کہ بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

جس نے کہا 'اس نے مونٹری جاب ایشور کیا۔

اور اس جیتے۔

اس نے دھڑ سے دھڑکتے ہوئے کہا 'اس نے بات چیتی۔

اور اس نے دھڑ میں سے جواب دیا۔

اس نے کہا 'کیا کام کرتے ہیں' شلب نے پوچھا۔

اس نے کہا 'کام کرنا ہوں۔ حقیقت صاحب کے ڈی کو لکھتا ہوں۔

اس نے لہجے میں یاد دہا کر دیا۔

وہ کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے 'انگریزی میری گھر کی لہجہ ہے۔ شلب مسکرایا۔ آپ ٹھیک

کہتے ہیں کہ 'مگر ظاہر نہیں ہونے دے گا کہ میں نے کچھ کیا ہے۔

وہ کہ آپ کی لفظیں نکالیں گے۔

اس نے کہا۔ میں نے کہا میں بن لیتا ہوں، بحث نہیں کرتا۔

پھر آپ کی اچھی گزر رہی ہے۔

اور اس نے سر ہلایا 'میں کہہ دیتے والا آدمی ہوں۔ میرے لیے حتمی ہے۔

میں اور دوسرے حکم پر کر رہا ہوں آگے۔ مجھے پتہ چل گیا کہ کتاب ایک بلند تھا۔ لیکن مقصود

ایسا تھا کہ نہ جان سکا۔

تیسرے چوتھے روز پھر شلب کا فون آگیا 'میں آ رہا ہوں۔

اس روز میں نے پوچھا آپ حقیقت سے کیوں نہیں ملتے۔

اس نے کہا 'وہ بڑے آدمی ہیں اگرچہ اپنی طرز کے خوب آدمی ہیں، لیکن مجھے ہن سے خوف آتا

کیوں میں نے پوچھا خوف کس بات کا۔

آپ قدرت اللہ شلب سے پوچھیے۔

گمان غالب ہے کہ اکثر نے اسی روز فون پر شلب سے بات کی ہوگی اور وہ

کہ میں قدرت اللہ شلب کو نہیں جانتا۔

اس کے بعد اشفاق میرے مجھے خط لکھا تھا کہ قدرت اللہ شلب راولپنڈی

آپ ہن سے ملنے لور میں نے اسے جواب میں لکھا تھا کہ میں بڑے افسروں سے

کرتا۔ اور اشفاق نے میرا وہ خط قدرت اللہ کو بھیج دیا تھا۔

ان دونوں واقعات کے بعد میرا قدرت اللہ شلب سے ملنا ناممکن ہو گیا تھا۔

سے ملنا میرے لیے ایک ناخوشگوار بات بن چکا تھا۔

ملاقاتیں

فون پر کوئی بڑی لذت سے کہہ رہا تھا 'میں قدرت اللہ شلب ہوں، رہا

صاحب مجھے نصیحت کی کتابیں خریدنی ہیں۔ اگر آپ قادر ہوں اور میرے قادر

ہو کریں تو۔۔۔۔۔ میں ایک بچے آپ کے دفتر پہنچوں گا۔ اگر آپ دفتر

تو مناسب ہوگا۔ حقیقت صاحب سے میری آمد کی بات نہ کریں۔ پورے ایک

ہو گیا۔

کیوں خریدتے حقیقت نے پوچھا۔

میں نے جواب میں انہی کلموں کر دی 'مجھے جوت سکول کے بچے چھٹی

کلمی کرتے ہیں۔

حقیقت میرا اشارہ سمجھ گیا مسکرایا۔ 'مولانا پھوٹا یا بڑا۔

میں نے کہا 'جواب چھوٹا۔

حقیقت نے مسکرا کر باتیں میں سر ہلایا۔

کلی سے گل کر میں مڑک پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ایک گل

قدرت اللہ شلب کی تصویریں میں نے اخبارات میں اکثر دیکھی تھی۔ اس

ہم دونوں ہاتھ آگے لیٹے میں رہتے ہیں 'شباب' نے کہا 'اور صبح سویرے مٹا دیا
پھوٹی بنی کو کندھے پر ہٹا کر میرے گھر آ جاتے ہیں۔ کتے ہیں 'وہ کچھ 'شباب' کے
کچھ نہ کر، لیکن اس بچی پر تو سب کچھ دوندہ یہ معصوم بچی جوان ہو کر پیش کرنے
میں نے حیرت سے 'شباب' کی طرف دیکھا۔
جب آوی ہیں حقیقت صاحب 'خوب آوی ہیں۔

ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، تیسری بار جب 'شباب' آیا تو حقیقت میرے
سے باہر نکل آیا۔ جب 'شباب' کی گاڑی آئی تو اس نے کما حقہ متاز مجھے بھی اور
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔
شباب نے حقیقت کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حقیقت نے مجھ سے پھر چھ مطلق متاز یہ 'شباب' کیا آوی ہے۔

میں نے کہا 'حقیقت صاحب اگر ان کی لیس میں میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں میں اس کی
پاس نہ کرتے۔
حقیقت کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا انہی کے لائن میں ہے 'اس میں پھول پھول نہیں، خاموشی اور سنجیدگی
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈالنا ہے۔
یہ سن کر حقیقت کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگاؤ میں نے ان لیا کہ تو واقعی دانشور ہے۔ مطلق متاز کیا بچنے کی بات کی
تے۔

1958ء میں میری 'شباب' سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشفاق کراچی آیا اور
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔
فضل انصاری تھی 'نہ مزاج۔
شباب کی بڑی ڈاکٹر مفت 'شباب' دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو آپ
ہو۔ اس کے انداز سے قلبی معلوم نہ ہوا تھا کہ وہ ایم بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔
ایک بار اشفاق احمد 'شباب' کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں

میں اور حقیقت صاحب 'خوب آوی ہیں۔
ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، تیسری بار جب 'شباب' آیا تو حقیقت میرے
سے باہر نکل آیا۔ جب 'شباب' کی گاڑی آئی تو اس نے کما حقہ متاز مجھے بھی اور
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔
شباب نے حقیقت کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حقیقت نے مجھ سے پھر چھ مطلق متاز یہ 'شباب' کیا آوی ہے۔
میں نے کہا 'حقیقت صاحب اگر ان کی لیس میں میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں میں اس کی
پاس نہ کرتے۔
حقیقت کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا انہی کے لائن میں ہے 'اس میں پھول پھول نہیں، خاموشی اور سنجیدگی
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈالنا ہے۔
یہ سن کر حقیقت کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگاؤ میں نے ان لیا کہ تو واقعی دانشور ہے۔ مطلق متاز کیا بچنے کی بات کی
تے۔
1958ء میں میری 'شباب' سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشفاق کراچی آیا اور
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔
فضل انصاری تھی 'نہ مزاج۔
شباب کی بڑی ڈاکٹر مفت 'شباب' دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو آپ
ہو۔ اس کے انداز سے قلبی معلوم نہ ہوا تھا کہ وہ ایم بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔
ایک بار اشفاق احمد 'شباب' کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں

ہم دونوں ہاتھ آگے لیٹے میں رہتے ہیں 'شباب' نے کہا 'اور صبح سویرے مٹا دیا
پھوٹی بنی کو کندھے پر ہٹا کر میرے گھر آ جاتے ہیں۔ کتے ہیں 'وہ کچھ 'شباب' کے
کچھ نہ کر، لیکن اس بچی پر تو سب کچھ دوندہ یہ معصوم بچی جوان ہو کر پیش کرنے
میں نے حیرت سے 'شباب' کی طرف دیکھا۔
جب آوی ہیں حقیقت صاحب 'خوب آوی ہیں۔

ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، تیسری بار جب 'شباب' آیا تو حقیقت میرے
سے باہر نکل آیا۔ جب 'شباب' کی گاڑی آئی تو اس نے کما حقہ متاز مجھے بھی اور
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔
شباب نے حقیقت کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حقیقت نے مجھ سے پھر چھ مطلق متاز یہ 'شباب' کیا آوی ہے۔
میں نے کہا 'حقیقت صاحب اگر ان کی لیس میں میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں میں اس کی
پاس نہ کرتے۔
حقیقت کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا انہی کے لائن میں ہے 'اس میں پھول پھول نہیں، خاموشی اور سنجیدگی
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈالنا ہے۔
یہ سن کر حقیقت کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگاؤ میں نے ان لیا کہ تو واقعی دانشور ہے۔ مطلق متاز کیا بچنے کی بات کی
تے۔

1958ء میں میری 'شباب' سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشفاق کراچی آیا اور
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔
فضل انصاری تھی 'نہ مزاج۔
شباب کی بڑی ڈاکٹر مفت 'شباب' دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو آپ
ہو۔ اس کے انداز سے قلبی معلوم نہ ہوا تھا کہ وہ ایم بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔
ایک بار اشفاق احمد 'شباب' کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں

میں اور حقیقت صاحب 'خوب آوی ہیں۔
ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، تیسری بار جب 'شباب' آیا تو حقیقت میرے
سے باہر نکل آیا۔ جب 'شباب' کی گاڑی آئی تو اس نے کما حقہ متاز مجھے بھی اور
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔
شباب نے حقیقت کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حقیقت نے مجھ سے پھر چھ مطلق متاز یہ 'شباب' کیا آوی ہے۔
میں نے کہا 'حقیقت صاحب اگر ان کی لیس میں میں اس کا متفق ہوتا تو انہوں میں اس کی
پاس نہ کرتے۔
حقیقت کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔
میں نے کہا انہی کے لائن میں ہے 'اس میں پھول پھول نہیں، خاموشی اور سنجیدگی
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈالنا ہے۔
یہ سن کر حقیقت کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگاؤ میں نے ان لیا کہ تو واقعی دانشور ہے۔ مطلق متاز کیا بچنے کی بات کی
تے۔
1958ء میں میری 'شباب' سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشفاق کراچی آیا اور
شباب کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔
فضل انصاری تھی 'نہ مزاج۔
شباب کی بڑی ڈاکٹر مفت 'شباب' دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو آپ
ہو۔ اس کے انداز سے قلبی معلوم نہ ہوا تھا کہ وہ ایم بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔
ایک بار اشفاق احمد 'شباب' کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں

پتہ نہیں، میں نے کہا 'اللہ کے بندوں کا کچھ پتہ نہیں چٹنگ دھاری ہوتے ہیں'۔

جی

یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ کیا آپ کے ساتھ بھی قماش کیا؟ انہوں نے۔

جی، میں نے کہا 'مجھ پر رقت طاری کر دی۔ دس دن سے وہ چہرہ دوتا رہا'۔

دوتا رہا۔

کوئی چڑی کا بزرگ ہے کیا؟ اس نے پوچھا۔

مردم و مغفور ہے۔ مزار ہے، میں نے کہا۔

اگرچہ قیصر ایک چائے خانے میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے سکوتر پر بٹھا کر

121

اگلی گاڑی۔ تم تو کاندھ دینے آئے تھے، قیصر نے کہا۔

جی، میں نے کہا 'وہ فارغ بیٹھا تھا' اس نے بات چیت کر دی۔

دوایا۔ دیکھ میناز، وہ چولا 'تو اس شخص سے بچ کر رہنا۔

میں نے پوچھا۔

افسوس آدمی ہے۔ بڑا ذہین ہے ایک نظر میں بات پالیتا ہے۔

رائے نہیں کرکے وہ بھگتا ہے کہ ماننا ماننا اس کا ذاتی معاملہ ہے جس کا انکار نہ ہو۔
کئی بار لایا ہوتا ہے کہ وہ بات بڑھانے کے خوف سے سرکشت میں پلاؤتا ہے۔ مارا
میں مل رہا ہوتا ہے۔

اشفاق حسین گہرا گیلہ میری کوئی خاص پر اہم نہیں ہے وہ بولا۔ بس ایک بات ہے
راستے میں رکاوٹیں آتی رہتی ہیں۔ معمول کی رکاوٹیں نہیں غیر معمولی رکاوٹیں۔
لوگوں پر اثر رکھتی ہے مجھ پر نہیں رکھتی بلکہ انشاؤں رکھتی ہے۔ حالات کا رخ ماز
ہوگ۔ وہ ایک مصرعہ ہے غاشیہ آپ نے سنا ہوگا۔

ظہر ڈوبنے چلوں تو دریائے پیاب مجھے

اس پر ایک قلمبر لایا۔

علیہ نے کچھ دیر کے بعد مراقبے سے سر اٹھایا بولی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔
میں رکاوٹ ہے۔ آپ پر کوئی بول اٹھو اس لیے۔

کب سے ہے اشفاق حسین نے پوچھا۔

نوجوانی سے وہ بولی۔

اس کا کوئی علاج بھی تو بتائیے۔

علیہ مسکرائی بولی میں ایک میٹر ہوں۔ علاج نہیں ہوں۔ مجھے تو جو دکھ ہے وہ
ہوں۔ جہیز سے نہیں کہہ سکتی کہ جو دکھ ہے وہ درست بھی ہے یا نہیں۔ پھر وقت
میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک چیز مجھے دکھائی جاتی ہے کہ مستقبل میں یہ ہو گا یوں کہ
پند نہیں چلا کہ کب ہوگا۔ کل ہو گا یا دس سال کے بعد ہوگا۔

دوسرا قلمبر لایا انشا کا قلم۔

علیہ نے حسب معمول پوچھا جی فرمائیے۔

انشا مسکرایا کہنے لگا 'محترمہ میں تو ٹونٹ ہوں۔ ٹونٹ دے ٹونٹ جیڑی کون ان کا
سیدھی۔ مجھے کوئی چیز داس میں آئی۔ کام داس میں آتا آرام داس میں آتا۔
میں آتا سکون داس میں آتا بھینا داس میں آتا مڑا داس میں آتا۔

اس پر ایک قلمبر بند ہوا 'محترمہ خود بخشنے لگی۔

نے ہنستے ہوئے گردن چمکائی اور پھر سر اٹھا کر بولی۔

آپ نے جو پھوڑا پلایا ہے وہ اب پھوٹے والا ہے 'آپ کو بڑی شہرت ملنے والی ہے۔ عزت

ملنے والی ہے۔ بہت کچھ ملنے والا ہے۔

نے کا انشاء لے پوچھا۔

ہاں 'وہ بولی 'آپ کو دلچسپ کرکے ہیں۔

کون دے گا۔

نے والا۔ بہت جلد آپ کو ایک دینے والا ملے گا۔

اس کے بعد قیصر کی باری تھی وہ بیٹھا مسکرائے جا رہا تھا سو کئی مسکراہٹ نہ ملنے والی

کچھ نہیں پوچھتا 'وہ بولا 'میں مستقبل کو جاننے سے خائف ہوں۔

پھر اپنے حلق پوچھنے لگا 'اگر بھیرے کہا۔

اپنے حلق میں چلتا ہوں 'قیصر نے جواب دیا۔

اگر کے بعد میری باری تھی۔ میں نے کہا 'مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔

پھر 'دش کے بارے میں پوچھنے لگا 'انشا نے کہا۔

نہیں یہ بہت چھوٹی بات ہے 'میں نے جواب دیا۔

پھر کا رہا ہے اور کہتا ہے چھوٹی بات ہے 'اگر بھیرے کہا۔

اور ان دے

آپ متا ملتی ہیں 'علیہ نے پوچھا۔

جی 'میں نے جواب دیا۔

شاہ صاحب نے مجھے آپ کے حلق فون کیا قلم۔

اگر بھیرے لایا 'دراصل یہ شخص اپنی سرشت کے خلاف کسی کو بھول بیٹھا ہے 'یہ صاحبوں کا

ان کا پھوٹ جائے گا۔

مسکرائی 'وہ بزرگ کہیں ہیں۔ جنہیں بھول بیٹھے ہیں۔

پڑی میں احمد بھرنے لگا۔

عفیہ نے مراقبہ میں سر جھکا دیا۔ چند ساعت کے بعد سر اٹھایا۔ بولی، وہ نہ، اگلے لمحے کو رے چنے، سر پر رومی ٹوپی تھی۔ ہاتھ میں حق تعالیٰ کی ٹوپی بولتے ہیں کہ نہ، اسی آپ سیدھا کر لیں گے۔

عفیہ کی ٹوپی پر سب ہنسنے لگے۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ رومی ٹوپی پہنتے ہیں، حق تعالیٰ اور بولتے ہیں۔ اور وہ خود کیسے آگے۔ ایک مرحوم و معذور بڑا چنڈی سے کراچی کے ایک اور بھائی کو انیس کا قلعہ یہ سب کیا ہے۔ یہ کیسی دنیا ہے جہاں لوگ مرنے کے بعد خود اور پھر جرتے ہیں۔ ہادی زندگی کے انتقام پر بھی 'ٹوپی' پہنے پھرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے۔

پھر مجھے خیال آیا کہ وقت طاری کرنے کے بعد بھی وہ مجھے سیدھا کر رہے ہیں۔ اب بھی جاری ہے، کہیں ایسا تو میں کہ انہوں نے مجھے از خود کراچی بھیجا ہو۔

احمد بھرنے کو آواز نے مجھے چڑھا دیا۔

میرا ہاتھ دیکھ دیجئے، وہ کہہ رہا تھا۔

میں اس فن سے واقف نہیں ہوں، عفیہ نے کہا۔

تو کیوں سے دکھا دیجئے، وہ بولا۔

اچھا وہ بولی، اپنا ہاتھ کھول کر میرے رکھیں۔

عفیہ زانوں میں چلی گئی۔ بولی، تو آکر کیلور، ویری کیلور۔

عفیہ کیوں کے انداز میں انگریزی بولے جا رہی تھی۔ احمد بھرنے کے منہ پر لہو چھوٹا۔

تھے، جیسے کیلور ہوتا بڑا صاف ہو۔

میرے ساتھیوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جس سے اس موضوع پر بات کی جائے۔

جب بھی میں کوئی ایسی بات چھیڑتا تو میرا مذاق اڑانے لگتے۔ کہتے، یہ تو کس طرف، ہاں،

یہ۔ یہ رمانت تیرا رمانت نہیں ہے۔ اس رمانت پر مجھے کچھ نہیں ملے گا، لیکن دانی صفا۔

محبت کر کے چھوڑ۔

عفیہ نے کہا تھا، ہم خود اسے سیدھا کر لیں گے، میرے ساتھی اکثر طعنہ فزا کرتے تھے، تو اب اسے اسی آپ سیدھا کر لیں گے۔

روزِ شباب کا فن آگیا۔ عفیہ سے ملاقات کیسے رہی۔ میں نے کہا میں خود آکر جاتاوں

وہاں قلعہ جب میں نے از خود شباب سے ملنے کی خواہش محسوس کی تھی۔ پتہ نہیں تھا کہ وہاں کیا تھا کہ شباب سے اس قسم کی بات کی جاسکتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں سب کچھ سننے والے تھے۔ ان میں سننے والا کوئی نہ تھا۔ کبھی مجھے خیال آتا تھا کہ وہاں ہے۔ لیکن وقت یہ تھی کہ انشا اس قدر کنفیوزڈ ذہنیت کا مالک تھا کہ وہ سننا نہ سکتا تھا۔

ابھی نہ تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کے پاس کھن کا تھا، لیکن کھن میں ریسور نہیں تھا۔ اس سے بات کرنی بے کار تھی۔ اس کے برعکس شباب کھن ہی کھن قلعہ ریسور ہی تھا۔

میں نے مل کر میں نے کہا اس خاتون نے مجھے پھر سے کنفیوز کر دیا ہے۔ بڑی مشکل تھی کہ وہاں قلعہ پائی تھوڑا قلعہ اس خاتون نے پھر سے اسے گملا دیا ہے۔ مجھے باتیں کچھ میں

کہاں، آپ کو کچھ میں آتی ہیں کیا۔

میں نے سر ہٹائی میں بلا دیا، مجھے بھی نہیں آتی۔

میں نے تپ تپ سے مستقبل کی جھلکیاں نظر آتی چاہئیں۔ صرف مستقبل کی جھلکیاں۔ اس

میں نے اس کو کیسے بلا دیا۔ سائیں اللہ بخش تو ابھی ہے، مستقبل نہیں۔

بلا دیا کیا شباب نے پوچھا۔

کہتے تھے، وہ خود آگئے، لوںچے لیے، گورے چنے، سر پر رومی ٹوپی ہاتھ میں حق۔ یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون میرے علاوہ بھی کچھ ہے۔

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ جب یہ باہر نکلے تو ہم دونوں حیران ہوئے۔

انہوں نے پوچھا کہ آپ نے انکاف کمال کیوں نہ کیا۔

میں نے انہیں دیکھے تھے میں دیتے کہتے ہیں جس غلظت کا دودھ چٹا ہے وہ اسے انکاف پر

کہا کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ آپ نے علیہ سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہیں جو بیٹھے

تھے۔

میں نے کہا کہ آپ نے سرفروشی میں بلا دیا۔

انہوں نے کہا کہ آپ نے اسے آپ کا گھر دکھایا تھا کہ یہاں انکاف کرو، میں نے پوچھا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا کہ وہ بولا، دراصل یہ غلظت بڑی پاکیزہ غلظت ہے، اس سے کچھ پوچھنے کی مجھ میں

نہیں پڑی آج کل وہ بر ملا کتے پھر رہی ہے کہ۔

TELL THAT BLOCK HEADED PATHAN THAT.

I SEE HIS DEAD BODY ON A GUN.

میں نے کہا کہ میں نے حیرت سے پوچھا۔

انہوں نے کہا کہ میں نے سمجھتی شاپ نہ کیا۔ اس کے گھر فروشی افسر جاتے ہیں، سول افسر جاتے

ہیں، ان کے سامنے میں بت دہرائی ہے۔

میں نے کہا کہ صدر صاحب کو بتایا کہ ایک غلظت آپ کے بارے میں یہ کہتی ہے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

انکاف

میں نے کہا ہے۔ گھر ہے، کچھ ہے۔ جب یہ بولی بار بار اسے گھر آتی تھی،

ہوا تھا میری بیوی غفلت بھی حیران ہوئی۔ اندر داخل ہو کر بولی،

کیا اس کی گود میں ایک بے بی تھا۔ کرسی پر بیٹھ گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی

میں گھر ہے، بالکل بیکار ہے۔

میں نے کہا کہ آپ کی بات سبھی نہیں، غفلت نے کہا۔

غلظت کہتی تھی، میرا ارادہ تھا کہ انکاف کروں۔ خواب میں مجھے یہ گھر دکھایا گیا۔

یہ پاکیزہ گھر ہے، اس میں انکاف کرو۔ آج صبح سے میں اس گھر کو دھونڈتی رہی،

میں نے کہا ہے۔

آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی گھر ہے، غفلت نے پوچھا۔

بالکل وہی بولی، اس گھر سے پچھلا والا جو گھر ہے بائیں ہاتھ کو اس گھر سے

انکاف کرتا ہے۔

یہ سن کر غفلت بڑی حیران ہوئی۔ اس غلظت کو یہ کیسے پتہ چلا کہ اس گھر کے

ہاتھ کو ایک اور گھر بھی ہے۔ اور وہی ایک گھر تھا جو ہمارے گھر میں غلط پڑا تھا۔

پھر۔۔۔۔۔۔ کیا اس نے وہاں انکاف کیا میں نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ شاپ بولا، کیسے کیا میں نے پوچھا اس نے پتہ ہمارے حوالے کر دیا

انکاف میں بیٹھ گئی۔ ہم باہر داری پر پہنچے کو بھلائے رہے اور وہ ساری رات نہیں

پھر ایک اور مصیبت تھی کہ میں کو اپنا دودھ پلائی تھی، بوتل کا نہیں۔ ہم نے لڑا،

نقشہ بنایا تھا۔

جب وقت آتا تو ہم بچے کو بے لی کٹ میں ڈال کر کمرے کے دروازے کے باہر

اور دروازہ بجاکر خود چلے آتے پھر وہ دودھ چاکر بچے کو دروازے کے باہر رکھ کر دروازہ

یہ تو بڑی مصیبت ہوئی، میں نے کہا۔

وہ تو گھر ہے، شاپ نے کہا کہ یہ غلظت ایک دن اور دو راتوں کے بعد

لگو، انہوں نے بچے پر دایں سے کھل۔

پھر کیا آپ اس خاتون سے ملے، میں نے پوچھا۔

ہاں، شاہب نے کہا، ملا تھا۔

شاہب کی یہ عجیب عادت تھی۔ وہ ہات رک رک کر سناٹا تھا۔ بڑی سے بڑی

میں نے پوچھا۔

وہ کہتی ہیں، میں کب سے دیکھ رہی ہوں کہ سرور دی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں دیکھتی

ایک تھکی داڑھی والا شخص جس کی آنکھیں سبز ہیں، ڈکیتیرین کر رہا ہے، جو بہت سخت

اور ستارہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ خیال نہ آیا کہ قدرت اللہ شباب کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہو

کا: کی کنونشن سے متعلق رابطے شروع ہو گئے۔ اور ہم سب کو بار بار شباب سے

حرّی شباب سے ملنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔ لیکن شباب اسے ملنے

انسانیت سے کوئی خصوصی رچ بس تھی۔

روشن ہو جاتی تھی، بجھا ہوا مٹی کا دیا جل اٹتا تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی

از: انشا کو دکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا، باللہ یہ کیا چیز ہے، جو جلتی بجھتی رہتی

جب کرتا ظلم اور بھگتا ہے تو اندھیرا مچا جاتا ہے۔ میں سوچتا تھا کہ یہ بھگتا

کے لئے چاہئے کہ وہ اپنے دل سے اس کی طرف سے

یہاں سے لے کر پورے ملک تک یہی بات کہی جاتی رہی۔

۱۲۸۰ھ کے میں یہاں چلائی سے اس سے سو پر اندیزا کا رسی کر رہا تھا۔

کا ایک خط ملا۔ جس میں ضمنی طور پر شہاب کا تذکرہ تھا۔ لیکن ضمنی ہونے کے باوجود

بڑھتا رہتا ہے لیکن ستاروں سدا قائم رہتا ہے۔

ہے۔ اسے راز رکھو، کیوں، یہ نپا تعلق، کیسے قائم ہوں۔ کیوں قائم ہوں۔

-159

اے دل پہلے مرتے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ قدرت اللہ شباب /

لکن نہایت سمجھ میں نہ آتا۔

پروگرام

کہ ان کا ایک پروگرام ہے 'یہ پروگرام پاکستان سے متعلق ہے۔ مرد فکندر کے ساتھ'۔

کر دیا کہ ایک خدا کا تھا جس نے ہم، انیسویں و دسویں صدی کے آؤ ہم تمہیں ایک ایک

۱۔ مہربان ہو، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔

یعنی لوہے کا سب سے زیادہ قیمتی ہے اور اس کے لئے سبز رنگ کی ضرورت ہے۔

خواتین سے ہو۔ سہاگہ چاہو اس کے ہمدے کی وجہ سے کیا یہاں سہید ہو گیا

پھر خیال آئے۔ میں ایسا نہیں۔ اگر یہ مقصد ہو مانو بجائی جان لے میں یہ نہ

یوں بے گناہ وار دیکھتی ہے، جیسے باقی ہی نہ ہو۔ دوسری ساعت میں صلیب
آپ کی گود میں آ بیٹھی ہے۔
بھی محسوس کرنا کہ بغل خوش ہو شیادہ اندہ ہے، کبھی ایسے گنتا جیسے کوئی اور
کے پکر میں پھنسا ہوا ہے۔
یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابن انشا ابھی ابن انشا میں بنا تھا۔ ابھی اندر سے
میں ہوئے تھے ابھی وہ دلیز پر کھڑا لٹکا رہا تھا، بر سر عام نہیں آیا تھا۔ اس نے
بچن کی گزری میں کوئی صلاحت پہنچی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔
بہر صورت شباب کا نیم سن کر ابن انشا روشن ہو جاتا تھا۔ شباب بھی اس کی

تاریخ

تاریخ کے لیے شباب نے عہد کو فون کیا۔ عہد کہنے لگی، آپ یہاں آ جائیں، میں
راہ۔ بہت بڑے خوشخبری سنا چاہتی ہوں۔ جو کسی اور کو نہیں سنا سکتی۔ شباب عہد سے
اپنا اثر ساتھ لے کر گیا۔
اس روز عہد بڑے موڈ میں تھیں۔ کہنے لگیں آج کل عرش پر بہت خوشیاں سنائی جا رہی
ہیں، انہیں ہو رہا ہے۔ حضور دو ماہ بے ہوئے ہیں۔ پھولوں کے پار پھوٹے ہوئے ہیں۔ گلاب کی
بازاروں پر دہری ہیں۔ سب خوشیاں سنارے ہیں۔

یہ ہیں، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہونے والا ہے۔ عرش اور فرش ایک دوسرے
کے قریب آ جائیں گے۔ پاکستان اس دور کا گوارہ ہو گا۔ وہ رک گئی، پھر رونق کے بعد کہنے لگی،
میں نے دیکھا ہے کہ صدر پاکستان کی کرسی خالی پڑی ہے، وہاں نکلا جھنڈا لگا ہوا ہے۔ جو شخص ابن
انہیں اس کے ساتھ بہت سخت گیر آدمی ہو گا۔ اس کی وادہی گھٹی ہے۔ آنکھیں سبز ہیں۔ میں دیکھ
اس کے ایک خونیمن جنگ ہو گئی۔ ایبٹ آباد پاکستان جہاز سے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کثیر ہمیں
اس کے ساتھ پاکستان کے علاقے میں وسعت ہو گی۔ ہم دلی پر قابض ہو جائیں گے۔

اس روز عہد بڑے جوش میں تھی وہ مسلسل باتیں کیے جا رہی تھیں۔ شباب اور میں چپ
ہاتھ نہ سن رہے تھے۔ پھر شباب بولنا کہنے لگا، مختصر کچھ ایسی باتیں بھی تو ہیں جو آپ عرصہ
اس سے دیکھ رہی ہیں لیکن وہ وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

بہار ہوں بولی کچھ ایسی باتیں بھی ہیں۔ لیکن نشاۃ ثانیہ کی بات تو ہو کر رہے گی۔ چاہے آج ہو

بہر صورت شباب کا نیم سن کر ابن انشا روشن ہو جاتا تھا۔ شباب بھی اس کی
باتیں سن کر بہت محفوظ ہوا تھا۔
پھر میں تھا۔ مجھے شباب سے محفل میں ملنے سے کوئی دل نہیں تھا۔ ابھی
وہ بات کی بنا پر میں اسے ملنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک تو میری ہے۔ کشش میں
تھا۔ دوسرے ابن دلوں میری زندگی میں جو عجیب و غریب واقعات رونما ہو رہے تھے۔
متعلق نہ تو قیصر سے بات کر سکتا تھا نہ احمد بشیر سے۔ وہ دونوں میرا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے میں یہ باتیں صرف شباب سے کر سکتا ہوں۔ اس لیے یہ کہ
ذاتی پریشانی کو دور کر سکے۔

مرکی شیش سن

انہی دنوں شباب کے پاس ایوبوں کا ایک وفد آیا۔ ایک ایوب قیصر نے خاکی ہنگاموں
پر فیس میں آکر اپنی توی کو بڑی بے دردی سے نکل کر دیا تھا۔ مقدمہ چلا۔ کورٹ
موت کی سزا دی تھی۔ اب اس کے والد نے صدر پاکستان کی خدمت میں رحم کی درخواست
کی تھی۔

شباب نے وفد سے کہا کہ کل کے کو افس اس قدر گھٹانے ہیں کہ صدر صاحب
اس پر قیصر کے والد عہد سے جانے عہد نے مزاح کیا اور کہنے لگی کہ آج

UrduPhoto.com

UrduDram.com

UrduDram.com

یا چائیس مل بود۔ اور پاکستان نشانیہ کا مرکز ہو گا۔ یہ تو لے شدہ باتیں ہیں۔

عطیہ کی باتیں میرے لیے بے حد پریشان کن تھیں۔ یہ نشانیہ چاہیے کیا چیز ہے۔ مثال کے طور پر اس کے بارے میں بات کیا کرتے تھے۔ کما کرتے تھے، تم پاکستان کا ٹکڑہ نہ کرو۔ پاکستان کے بارے میں اس کے والدین اللہ کے بندے سمجھتے ہیں۔ تم جب بھی کوئی قدم اٹھانے لگو تو سوچو کیا یہ پاکستان کے لیے باعث نقصان تو نہ ہو گا۔

اس پر مجھے خیال آتا کہ پاکستان کو اتنی قیمت کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا اس لیے کہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کے تو دنیا میں بیسیوں ملک ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہم پاکستان کے لیے تمام مسلمان ہیں۔ نہ ہمارے کردار میں اسلام کی جنگ ہے۔ نہ اعمال میں اسلام کا رنگ ہے۔ نہ ایک دھندلے اور ضعف ضرور ہے کہ ہم میں اسلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر شے قربان کر دی ہے۔ کیا پاکستان کو یہ شرف اس جذبہ کے لیے حاصل ہو گا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہو گی۔ پھر میری توجہ عطیہ پر مرکوز ہو گئی۔ یہ کون خاتون ہے۔ اسے یہ گفت کیسے ملا۔

ای ای ایس بی کا مطالعہ کرنی کی وجہ سے مجھی سبب سے میرے پاس یہ معلومات مل گئیں تھیں مجھے علم تھا کہ کچھ لوگوں کو پیدائشی طور پر مستقبل کی جنگیں نظر آتی ہیں۔ اور کچھ لوگوں میں سر کی جوت گتے پر یہ خصوصیت ابھرتی ہے۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ اس خصوصیت کو نہایت سے کوئی حلق نہیں ہے، لیکن حیرت کی بات تھی کہ عطیہ کو مذہب سے گمراہ حلق تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ عطیہ سے انکلی میں ملوں اور اسے پوچھوں کہ یہ گفت اسے کیسے ملی۔ میں نے ملنے فون پر عطیہ سے وقت ملا لیا وہ مل گئی۔

عطیہ کی کہانی

میں نے آپ سے جنگیں دیکھ دی ہیں۔

میں نے ہی۔ جب مجھے پوری طرح شعور نہیں تھا۔ کئی کئی شروعات شروع میں میں یہ جنگیں دیکھ کر راز چلا کرتی تھی کہ یہ کیا نظر آ رہا ہے۔ یہ تو آپ نے ہی مجھے نہیں بتا دیا۔ میں نے یہ جنگیں دیکھیں ہیں۔

پھر اس نے مجھے اپنے بچپن کی مختصر سی کہانی سنائی۔

میں نے کہا، میرے والد بہت پرستے تھے پروفیسر ہیں۔ انہیں مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے والدین اللہ کو نہیں مانتے تھے۔ کمرے بندش لگا رکھی تھی کہ کوئی مذہب کی بات نہ کرے۔ ان کی بات نہ کرے۔ کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھتے تھے، شاید اس بندش کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

تکلیف دہ بات ہے۔

اس روز ملتے سے قلعہ ہو کر میں لیٹ گئی تھی۔ وقتاً میں نے دیکھا کہ ایک افسر اڑنا کڑی سے کمرے میں داخل ہو گیا اور دوسری چابائی پر آکر تک گیا۔ ایک لمحہ وہاں پڑا رہا پھر جھیل ہو گیا میں نے شدت سے محسوس کیا کہ آج اس کمرے میں کوئی فوت ہوئے والا ہے۔

ان دنوں گھر میں صرف تین فوجی میرے والد میرے میاں اور میں یعنی ہم تین ایک فوت ہو جانے والا ہے۔ وہ کون ہے وہ رو کر مجھے خیال آگیا۔

پھر یہ بھی ہے مفتی صاحب 'دہ بولی' کی ایک مناظرہ میں دیکھتی ہوں 'دور باہر' ہوتے۔ ہر سال اس روز دس بجے میں نے کفن کا منتظر دیکھا تھا دس بجے سے تین بجے تک ہر گویا نزع کا عالم طاری رہا۔ میں مرمر کر بیٹھ رہی۔

اس وقت گھر میں میں اکیلی تھی۔ میں دفتر گئے ہوئے تھے 'بالا کالج' گئے ہوئے تھے۔ بارہ انیس فون کرتی کبھی میاں کو کبھی بابا کو 'اتنی بار فون کیے میں نے کہ انہیں غلج پڑا ہے' بات ہے 'تم اس قدر مضطرب کیوں ہو۔' خیرت تو ہے 'میاں مجھ سے پوچھتے' لیکن مجھ پر اور وحشت سوار تھی۔

تین بجے وہ دونوں گھر آئے تو مجھے تسلی سی ہو گئی۔

پھر چار بجے کے قریب بابا کے پیٹ میں درد اٹھا اور وہ اسی چابائی پر لیٹ گئے۔ وہ لگا رہا تھا میرے میاں نے ڈاکٹر کو فون کیا لیکن ڈاکٹر کی آمد سے پہلے ہی ابار رخصت ہو گیا۔ قصہ سنانے کے بعد علیہ دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس واقعہ کو بھرا رہی تھی۔

مستقبل کی جھلکیاں دیکھنے کے علاوہ کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جو باقی القدرت کہا جاسکے' میں نے پوچھا۔

ہاں 'وہ بولی' صرف ایک بار جب ہم نئے سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے۔ وہاں ہمارا رہنا تھا پانچ سو گھر میں۔ کوئی درجہ آدمی نہ تھا۔ ایک ٹوٹے پھوٹے گھر میں ہم لاوارث بن گئے۔ طعنہ پڑے تھے۔ ہاتھ پھیلانے کی بات نہ تھی۔ فاقوں پہ نالائے آ رہے تھے۔

ایک روز میری قہقہہ کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میں نے لکھا 'یا اللہ ہمارا کیا ہے' کا کیا کیا ہمارا انجام ہے۔ پھر مجھے کڑکڑکی آواز آئی۔ یہ بات کی طرف دیکھا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک منور کاندہ ہوا میں ڈول رہا ہے۔ وہ کاندہ ہمارا اور میں نے اسے رو بج لیا۔ دیکھا کہ اس پر منور حریف میں ایک آیت لکھی ہوئی ہے 'اللہ میں تیرا خدا'۔

ایک مرحوم قہقہہ کا میں نے پوچھا۔

اس میں اسید بھرا پیٹم تھا کہ مشکل کے دن ختم ہوئے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو نوازا

میں اس روز کے بعد حالات بدلتے گئے۔ روزگار کا سلسلہ بندھ گیا۔ ایک معقول مکان مل

گیا۔ کی کٹائی سن کر میں نے جان لیا کہ وہ غالی تیری نہیں بلکہ کچھ اور بھی ہے۔ میں گھری

مجھے کم کم دیکھ کر قیصر چاہتا 'یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں تم شباب سے میل

بھرا ہو۔ وہ تجھے ڈی صلف کر رہا ہے۔' چلو اچھی سی بچکر دیکھیں۔

میں نے قیصر کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسے لے چلا۔ فلم دکھا ڈو۔ یہاں بنا بیٹھا رہتا

بات 'نہ چیتہ لے چلا' اسے 'قیصر مجھے کراچی میں کھانا پھرنا' فلم دکھا 'لیکن میرے اندر

گرا' انا کا ہوا تھا۔ وہ کسی صورت لکھتا نہ تھا۔

فخر میں ان دنوں ہم سب گویا ریکٹریشن لیوہ تھے۔ سارا دن تفریح چلتی تھی۔ چونکہ حفیظ

میں نے اسے 'کو ساتھ لے گئے تھے' ہم سب ان کے اس دورے کو اپنی مون ٹور کہتے تھے۔

پھر 'لکھنا' حفیظ صاحب کا کار موصل ہوا۔ مفتی ممتاز کو فوراً لاہور بھیج دو۔ اسے ہدایت کی

لاہور میں اس پتہ پر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔

اسے 'انتظار چاہی اپنی مون میں بی اسے کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔

میں لکھنے کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا ہو گا' احمد شیر نے کہا۔

ہاں ہے تو پھر فیصلہ کیا نہیں نے کمال
 دیکھو، وہ دیکھو، فیصلہ چلایا۔ جب یہ حیرت طرف دیکھتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر
 اہل ہے، اہل ہے، آنکھوں سے مسرت کی پھار اڑتی ہے، جب میری طرف دیکھتی ہے تو
 ہنسی پڑ جاتی ہے۔

ان وقت ہمارے ہاں کرشن پڑی ہوئی، اس کا ایک ایک شغل ہے۔ یہ میرے غلبہ میں
 نہ کہ گنتے رہتے ہیں۔ یہی انعام ہے۔ یہی جرم ہے۔ یہی مقدمہ ہے۔
 اس وقت لازم ہمارے ایک پالنے لے آیا۔

اس وقت ممتاز فیصلہ نے کہا اور مقدمے کے کوائف پر گہری نظر ڈالو۔
 پتہ پتہ ہوئے میں فیصلہ سے متعلق ہوا۔ میں نے کہا، فیصلہ صاحب آپ اپنا شغل قائم
 کرتے رہتے غلبہ کے کار گنتے رہیے۔ اس کی اشد ضرورت ہے۔

اشغال میں آجاتے ہیں، عقاون نے احتجاجی انداز میں کہا۔
 انہیں اشتغال میں آنے کی ضرورت ہے، میں نے کہا، حالات کا تقاضا ہے کہ یہ اشتغال
 اس بارگاہی اشتغال میں نہ آئیں، محترمہ، تو آپ کو شش کر کے انہیں اشتغال میں

اشغال میں آنے کی مجھے عادت نہیں، فیصلہ نے مشتعل انداز میں کہا۔
 فیصلہ صاحب، میں نے کہا، یہ ایک مفید عادت ہے۔ جب آپ کی مجلس کوئی جوان لڑکی
 آتی کرتا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اشتغال میں آئے، بار بار آئے چونکہ اشتغال
 ایک ٹانگ ہے اور فیصلہ صاحب آپ کو ٹانگ کی ضرورت ہے۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا، محترمہ آپ ان کے اس شغل کو برا نہ مانیں۔ یہ عدم
 الاعتدال نہیں ہے۔ ہم دھبے کا اعتدال نہیں ہے۔ یہ تو خود کو اشتغال والا کر طاقت حاصل کر
 لیا اور محترمہ یہ سب آپ کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے اجازت

فیصلہ چلانے لگا، بزرگ کا ملحق ممتاز، رک چلا۔
 میں جناب میں نے کہا، سچ اپنا فرض ادا کر چکا ہے۔ فیصلہ سنا دیا گیا۔ اب بحث میں ہو

میں نے کہا، یار احمد، شیر اگر میں لاہور گیا تو وہاں سے چٹری ہو کر کلاں گا۔
 لوہوں، وہ تجھے چھٹی نہیں دے گا، نشانہ بولا۔

احمد شیر نے کہا، تو پرانہم تو مجھ سے جتنی چھٹی لے جا۔

لاہور پہنچ کر میں سیدہ حنیفہ کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا، نوکر نے کہا، آ۔
 میں صاحب کو اطلاع کر رہی ہوں۔

کچھ دیر کے بعد نوکر نے آکر کہا، وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ وہ مجھے اور دلی بھائی
 گیا۔

اشتغال ٹانگ

کمرے میں قائلین بچا ہوا قہقہہ دو روشنی مضامین اور چھ گچے پڑے تھے۔ ایک
 شال میں پڑنا ہوا تھا، دوسری طرف جانب ایک نئی ستوری جانب نظر عقاون بیٹھی تھی۔

بیٹہ جا بیٹہ جا، فیصلہ بولا۔ بہت اچھا کیا جو تو آگیا ہم نے تجھے ایک بہت اہم کام
 ہے۔ یہ کام بہت ہی اہم ہے۔ اور تجھے اس سلسلے میں بہت بڑا رول لانا ہے۔ تجھے ہم

اس کی حیثیت سے نہیں بلایا۔ بلکہ جج کی حیثیت سے بلایا ہے۔ جسے سامنے اپنی اہم
 مقدمہ پیش کیا جائے گا، دونوں فریق اپنے اپنے بیانات پیش کریں گے اور تجھے بیٹہ، نور،
 کے بعد۔ عدل و انصاف کی بنا پر فیصلہ سنانا ہو گا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

یا اللہ، یہ کیا بھیرا ہے، میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ڈرامہ ہے، مجرم کون ہے، میں
 کی طرف دیکھا، اس کے ہاتھ پر توری تھی، ہٹے کی نہیں کرب کی توری۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا، وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں
 زندگی تھی۔

مجرم کو حاضر کیا جائے نہیں نے ازراہ مذاق کہا۔

عالمیہ میں حاضر ہوں، فیصلہ نے سر جھکا کر ہنسنے کہا۔

اور آپ محترمہ، میں نے عقاون کی طرف دیکھا، وہ مسکرائے گی۔

ہم دونوں ہی طرم ہیں، فیصلہ نے کہا، دونوں ہی ظالم ہیں۔ دونوں ہی معلوم ہیں۔

کتنی۔

جب میں بیڑیاں اتر رہا تھا تو حقیقت چلا رہا تھا، رک جا ملتی ممتاز، رک جا۔
جب میں اشتقاق کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ وہاں قدرت اللہ شہاب بھی موجود ہے۔ اور.....
کسی نے کچھ لے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

آپ یہاں کیسے، میں نے شہاب سے پوچھا۔

میں دورے پر آیا ہوں، وہ بولا۔

تم یہاں کیسے، اشتقاق نے مجھ سے پوچھا۔

میں یہاں ایک مقدمے کا فیصلہ سنانے آیا تھا۔

اچھا اشتقاق بولا، مجرم کون تھا۔

حقیقت جانور ہری کی بی بی بیگم۔

جواب سن کر دونوں اشتقاق اور شہاب چوہ گئے۔

جرم کیا تھا، اشتقاق نے پوچھا۔

بست گناہنا جرم تھا، میں نے جواب دیا۔

شہاب نے بڑے اشتیاق سے میری جانب دیکھا۔

اس کے غلبہ میں ابھرے ہوئے تارے، میں نے کہا۔

دونوں نے قہقہہ لگایا۔

اور تم اسی کام کے لیے سرکاری طور پر کراچی سے بلوائے گئے تھے، اشتقاق نے پوچھا۔

جی جنت۔

قاضی صاحب

گاڑی میں سوار ہونے کے بعد میں نے شہاب سے پوچھا، آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔

میں روڈ پر، قاضی صاحب سے ملوانے۔

وہ کہیں ہیں، قاضی صاحب، میں نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

شہاب نے جواب دیا۔ آپ دیکھ لیں گے تو یہ چل جائے گا۔

میں ایک مکان پر رگ گئے۔ مکان کا صدر دروازہ بند تھا لیکن مکان کا ایک کمرہ

کھلا تھا۔ اس کمرے میں تین کڑکیاں تھیں۔ جن پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کڑکی

کمرے کا کچھ حصہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ کوئی جتنی سلیڈ چیز حرکت کر

تھی، قاضی صاحب، میں نے پوچھا۔

میں ہیں، شہاب نے جواب دیا۔

شہاب نے کہا، شاید وہ کڑکی میں آ جائیں، وہ اکثر کڑکی میں آ جایا کرتے

تھے، ایک کنوپی پر ایک خانقاہ بیٹھی تھی۔ اس کی شخصیت سے مٹاس کی پھواراڑ

تھی، اشتقاق بولا، قاضی صاحب کڑکی میں آ گئے ہیں۔

میں نے کہا، کئی کئی جاہ دیکھا کڑکی میں ایک منور چرو سکر رہا تھا۔ چہرے پر اتنی تازگی

تھی جیسے ابھی ابھی کس صابون سے منہ دھو کر تیرا بیڑ لولی کرسم مل کر آیا ہو۔

میں نے کہا۔

میں نے انہوں سے منہ نہیں دھویا، شہاب نے مسکرا کر کہا۔

نہا، اکتا منور چرو۔

یہ اس کمرے میں بند ہیں۔ شہاب بولا، باہر میں نکلے۔ آٹھ آٹھ دن کاٹا

مگر والے دروازہ کھول کر اندر دیکھ دیتے ہیں، لیکن وہ جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔

میں نے کہا، تلاط پڑی رہتی ہے۔

اشفاق بولا، انہیں خود کا ہوش نہیں ہے۔

میں نے کہا، میں نے آپ، شہاب نے کہا، یہ فن کی بات ہے۔ یہی میں کی دامت خدمت

ہوتی ہے۔ معافی کرتی ہے، تلاط اغلاقی ہے۔

لیکن سب کیا ہے۔ کیوں ہاں نہیں لکھتے، کیوں سدھ بدھ باری مکتی میں نے ہم بچا دیے
 پتہ نہیں شہاب نے کہا، قاضی ایک خوش شکل لڑکھان تھا، تعلیم یافتہ، خوش لباس، خوش
 ہوئے سارے گھر والے کسی تقریب پر جا رہے تھے۔ چلنے لگے تو
 قاضی نے کہا، ایک منٹ دیکھے، میں ہاں کو کنگھی کر لوں، اس روزت آج کو
 میں کنگھی کر رہے ہیں۔

وہابی نیاری ہے کیا میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر بھی کہتے ہیں۔

مچھلی بہت کی کیفیت ہے کیا، اشفاق بولا۔

ہاں کہہ سکتے ہیں، شہاب نے کہا۔

اس کی کوہن اینٹرکٹین میں بیٹھ گئے۔ شہاب نے اشفاق سے کہا، ہم یہاں بیٹھ کر
 آپ ڈاکٹر اور چاگرز سے انٹرویو کر لیں۔ اشفاق چائے کا پیالہ پینے کے لیے رک
 ڈی، ایک غاکروب آگیا اور جھاڑو سے سوکھے چوں، کانڈوں اور لٹاؤں کو اکٹھا کرنے



ات کرنے کا چسکا ہے اس نے غاکروب سے بات چھپڑی، کہنے لگا، اے میاں، تم

دیکھتے نہیں کہ چھڑے ہو۔

کہا، ہلا چوبی۔ میں یہاں ہوں۔ چھڑا نہیں ہوں۔

روڈ پر تھا، جو تین چار کمال دشمن پر مشتمل تھا۔

اس کی مریدی کا وعدہ اچلا رکھا ہے۔ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہیے۔

جو چاہے کر دے 'جب چاہے کر دے اور پھر نہ تو ایک سواری ہے۔ سواری اہم ہے۔ سواری کا رخ کدھر کو ہے اور پھر وہ جب چاہے رخ بدل دے۔ نہ چاہے چلتی پڑی پر چڑھائے 'جسے چاہے مانے کی سڑک پر ڈال دے۔

علاوت کی قید

وہی بات ہوئی تاجس کا مجھے ڈر تھا 'اشفاق کی آواز سن کر میں چونک
کیوں کیا ہوا 'شباب نے پوچھا۔

یہ لوگ جو منہ اندھیرے باغ میں دوڑ لگاتے آتے ہیں۔ اشفاق نے کہا 'یہ کون سے
میں آتے 'علاوت پوری کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور علاوت بہت بڑا کام ہے۔ اس
میں ایک کوڑا ہے۔ کوڑا لہرا کر حکم دیتی ہے۔ اٹھ اور اپنے معمول کا پالن کر۔ اس
تے جسم چٹخا جاتا ہے اور ایک جیشی کی طرح ٹپکتا ہے۔

یہ تو کیا تقریباً رہا ہے 'شباب نے پوچھا۔

انٹرویو لے کر آیا ہوں وہ بولا 'تقریر نہیں بھانڈ رہا۔ دن روزوں کی مقلوبہ ہو کر
ہوں۔ وہ بڑھا جو چالنگ کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ شروع شروع میں ہم
خیال سے روزش کرنے آیا کرتے تھے۔ پھر علاوت پڑ گئی۔ ہم نے لب جانا۔ اور
کر کوئی ظالم نہیں ہے۔ کتا تھا اگر کسی وجہ سے یا کسی مجبوری کی بناء پر کسی کو
کرنے کے لیے نہ آئیں تو جسم انتقام لیتا ہے۔ مددہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے 'شباب نے
ہیں۔ نہیں جام ہو جاتی ہیں۔ سارا جسم پڑتلی کر دیتا ہے۔ اس روز میں 'میں نہیں
کچھ بدل جاتا ہے۔ سارا دن یوں پڑا رہتا ہوں جیسے مردہ خانے میں لاش پڑی ہو۔

میرا خیال تھا 'اشفاق بولا کہ صرف بری علامتیں ہی ہے بس اور لاچار کر دیتی ہیں
نہ تھا کہ ہر علامت ایک مجبوری بن جاتی ہے 'چاہے وہ اچھی علامت ہو یا بری۔

شباب بولا 'تھادی اگر تھادی نہ پڑے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس نے لہا
فلتے کا احساس اسے دھکی دیتا ہے۔

ستارہ

دو لڑکیوں میں راجہ شفیع بڑی بے مبری سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے کہا راجہ کیا حال

ہوا۔ اچھا نہیں۔ تیرے چلنے کے بعد میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ کس سے بات کروں۔

بات کیا ہے 'میں نے پوچھا۔

ہوا۔ بڑی گڑبڑ ہے۔ کنفیوز ہو گیا ہوں۔

میں نے کہا۔ پھل جان کا کیا حال ہے۔

ہوا۔ انہیں ستارہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت ستارہ کی بات۔

تارہ کیا 'میں نے پوچھا۔

انہوں نے قدرت اللہ شباب کا نام ستارہ رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ ہلال اور بدلا رہتا ہے

ستارہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو تو ان کا نام نہ لو۔ انہیں ستارہ کو اور

کسی غیر سے ان کی بات نہ کرنا یہ تعلق خفیہ رہے۔ ہاں اگر وہ ہمیں اپنائیں تو اور بات

بہان نہیں ان کو اپنانا نہیں چاہیے۔

بہان جان کو قدرت اللہ سے کیا تعلق ہے 'میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں۔ پندرہ میں دان ہو گئے۔ پہلی جان شب کے پتھر میں پڑے ہوئے تھی۔
 پہلی جان تو شب سے لے لی نہیں، کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں۔ راجہ ہوا۔
 ہیں ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ہمارا کیا ہے۔ عقیدہ تو پڑھے کو ان سے ملانا ہے۔
 اسے میں نے کہہ کیا سرکار قبلہ کو قدرت اللہ سے ملانا ہے۔
 اس بیکے کہتے ہیں۔ تم نے اپنے خطوں میں قدرت اللہ کے متعلق پہلی جان کو بے اختیار
 کیا۔
 ہاں، لیکن برکت تھوڑی۔

تم قدرت اللہ سے ملنے رہتے ہو کیا۔ راجہ نے پوچھا۔
 کبھی کبھی۔

یہ قدرت اللہ شب کیا چیز ہے، راجہ نے پوچھا۔
 وہ ایک سی ایس پی ایف ہے اور صدر ایب کا سیکرٹری ہے۔ میں نے جواب دیا۔
 یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، وہ بولا۔ کیا تو ہی ہے وہ۔

چھوٹے قد کا ہے۔ جسم گھٹا ہوا، شخصیت میں کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ بات تو
 انگریزی لگتا ہے۔ کم گفتوں میں بڑی بات کہہ جاتا ہے۔ دفتر والے اس کے فوٹ پتہ
 سے پڑھتے ہیں۔ اس کی قابلیت کی بڑی دھم ہے۔ بڑا ذہنی آدمی ہے۔ آپ بات شروع
 فوراً ماری بات سمجھ جاتا ہے۔ سنا ہے، بڑی توجہ سے سنا ہے۔ بولا نہیں۔ گولا ہے۔ ہر
 سے دل نہایت کا اظہار نہیں ہوتا۔

کیا مطلب، راجہ نے پوچھا۔

چہرے سے اس کے خیالات کا اظہار نہیں ہوتا کہ خوش ہے یا غمناک۔ چلیک چڑھتا ہے۔
 جیسے پتھر کا پتھر ہو۔ اس کی خاموشی دوسرے کو کٹ کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن اس میں ذرا ہمدردی
 نہیں ہے دکھانا نہیں "میں" نہیں۔ مگر اور ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔

لیکھ ہے وہ بولا، لیکن پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرنے لگے ہیں۔ بات کیا ہے۔

مجھے نہیں معلوم۔
 پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرتے لگے ہیں جیسے اسے اپنا لیا ہو، جیسے وہ سرکار قبلہ کے پڑا

پہلی جان ہو۔

بات کی بات ہے، میں نے کہا

پہلی جان کی باتوں سے ایسے لگتا ہے جیسے جہیں کراچی اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تم شب سے راول
 پور آکر۔ اور اسے دوبار میں لے کر آؤ۔

راجہ کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میں کراچی کسی کام سے بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے
 اس کا شعور تک نہیں۔ نہیں نہیں یہ میں ہو سکتا، میں نے راجہ سے کہہ
 کیا تم نے شب سے سرکار قبلہ کی بات کی ہے نہیں۔

ہاں۔ دو ایک بار سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ جگہ ایک بار اسے کہا بھی تھا کہ پنڈی جاتو تو
 قبلہ کے مزار پر ضرور جاؤ۔ میں نے اسے مزار کا پتہ بھی بتایا تھا کہ پنڈی سے ریل کی چوڑی
 پل لالہ کی طرف جاتو تو ایک مضبوط لکڑی آتا ہے جس کا نام میرٹھ ہے۔ اس گاؤں کے عقب
 میں مزار ہے۔

مگر کیا وہ مزار پر آئے تھے۔

نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں ریل کی چوڑی پر چک لالہ کی
 لٹا کر گیا تھا، مگر مجھے کوئی کچھ نظر نہیں آیا۔ ساتھ اشفاق احمد بھی قبلہ
 راجہ خاموش ہو گیا۔ بولا کہ مجھ میں آج تک کتاب ہے کہ تمہارے پنڈی میں آنے سے
 پہلے پہلی جان نے اسے بتایا تھا کہ تمہارا ایک پہلی جان آنے والا ہے جو تمہاری طرح قلم کار
 ہے۔ ہانا چکا قلم کار۔

ہاں، میں نے جواب دیا۔ ملک نے مجھے بھی بتائی تھی یہ بات۔

اب وہ شب کے آنے کی بات کر رہے ہیں، راجہ بولا۔

جب سے میں مرقد کے علاقہ میں داخل ہوا قبلہ عجیب عجیب باتیں سامنے آ رہی
 تھیں۔ ایسی باتیں جو عقل سلیم کے دائرے سے باہر تھیں۔

پہلی مرتبہ میں نے ہانا تھا کہ دینی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا
 ہے۔ میں نے ہانا کو بزرگ لوگ وفات کے بعد بھی فعلی رہتے ہیں۔ پوری بات سمجھ میں نہیں
 آتی تھی۔ حالانکہ میرا رخ بدل چکا تھا، میں عقل کا پابند نہیں رہا تھا۔ مگر بھی میرے دل میں یہ

کہ ایسے واقعہ پذیر ہو گا جیسے بڑے نے طے کر رکھا ہے۔

ابہ لڑا دیر نہیں ہے۔ وقت آگیا ہے۔ شاید ابن کوڑے پر چڑھ کر آئیں گے اور ہم
ملا جائیں۔ ہمیں جہنم میں حصہ لینا ہے اور وہ آپ کے دوست بھائی جان نے مجھ سے مخاطب
فرمایا۔ وہ دیر قریب ہیں۔ ہاں وہ جلد یہاں دربار میں حاضری دیں گے۔ ہماری اپنی بات
ہم ہی مل لیں گے۔ اصل بات تو بڑے کو ملانا ہے۔ وہ بھی جلد ہو جائے گا۔ اب
میں ہی ملاقاتیں ہوں گی اور کیا۔

اور روز بھائی جان پر جب کیفیت طاری تھی۔ بولے جا رہے تھے۔ ہمارے سچے بھائی بولے جا
رہے تھے۔ اور ہم حیران بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

بھائی کی باتوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا میں سمجھا کہ قدرت اللہ کی اہمیت اس کے
نے حوالے سے ہے اور مردِ قادر کے پروگرام میں اس نے اسی حوالے کے تحت کوئی
نام لکھا ہے۔

الہامی جوہوریں

اپنی کچھ کر میں نے قدرت اللہ سے کہا کہ بھائی جان کہہ رہے ہیں کہ آپ مستقل طور پر
الہامی آئے والے ہیں۔ ہاں وہ بلا اس بات کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں، شاید وقتی
تہاں اپنا ہیڈ کوارٹر لائبریری میں منتقل کر دے۔ اس کے ساتھ اور بہت سی تبدیلیاں اور
تبدیلیاں آئیں گی۔ شاید وہ اپنے کام کو ختم ہو رہا ہے۔ حلقہ کی چھٹی ہو جائے گی۔ احمد شیرخاوی طور پر سندھ
والوں میں آفر ہے، اس لیے وہ سندھ میں تعینات کر دیا جائے گا۔ ابن الفکر و اسماعیل میں خراسانی
کی بات سے واپس چٹا پڑے گا اور آپ واپس ڈی ایچ ای میں چلے جائیں گے۔

آپ آج کچھ دھڑلے سے ہیں۔ میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا۔ میں نے ایک بہت بڑا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اب ڈر رہا ہوں کہ شاید
بھانڈا نہ سکوں۔ آپ اب جائیں گے، میں نے سلیس۔ دعا کریں کہ میں اپنا کام بھانڈا سکوں۔

میں نے ازراہ مذاق کہا۔ دعا کرے گا جب تک مجھے کچھ علم نہ ہو کہ مشکل کیا ہے۔

ایک معمولی سا دفتری مسئلہ ہے، وہ بولا۔ آج کل کابینہ میں یہ مسئلہ دیر غور ہے کہ کیا

خواہش ملتی ہے کہ جانوں کہ بات کیا ہے۔

جب بھی میں بھائی جان سے بات کرتا تو دے، مفتی صاحب جانے کا فیصلہ نہ کرنا چاہتا تھا۔
نیکچہ۔ جانے کے عمل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ملنا اصل لیکن ہے۔ دیکھیے نا، ملنا
بہت سی باتوں کی منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس میں اتنی چٹک نہیں کہ بات کا اظہار کر سکتے۔

بھائی جان کی یہ بات میری قلمی کے لیے کافی نہ تھی۔ میرے اندر جانے اور سمجھنے کا
قادر اس کی تحسین کی خواہش کو میں تیاگ نہ کر سکتا۔

وہ آ رہے ہیں

اگلے روز جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو بھائی جان بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ ان
کی خوشی میں ایک اضطراری کیفیت تھی۔

مجھے دیکھتے ہی بولے بڑا اچھا ہوا کہ آپ آگئے وہ بھی آ رہے ہیں۔ مستقل طور پر رہا
رہے ہیں۔ انشاء اللہ۔ بہت جلد، اب آپ کا وہاں رہنا بے معنی ہے۔ جس کام کے لیے آپ
وہاں بیٹھا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب آپ کو وہاں آ جانا چاہیے۔

کون آ رہے ہیں یہاں، والی نے پوچھا۔

بھائی جان نے والی کی بات کا جواب نہ دیا بلکہ اپنی ہی بات میں مگن رہے۔ کئے گئے
چونکہ وہ یہاں مستقل طور پر آ رہے ہیں۔ ہم سب کو احتیاط برتنی پڑے گی۔ اہم نے ان کا نام
سندھ رکھ دیا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو۔ سندھ کا نام۔ اور ہمیں دوسروں کی موتوں کی
ان کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ انیس راز رکھو، یہ ظاہر نہ کرو کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔
اگر وہ خود تعلق کا اظہار کریں تو فوراً بات ہے۔

بھائی جان پر اس روز ایسی کیفیت طاری تھی جیسے بپا ہوئی ہو۔ نئے میں دھت ہوں۔
وہ بار بار ہر کار قبضہ کے پروگرام کا تذکرہ کرتے۔ مردِ قادر کا پروگرام ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اور قادر نے وہ بھی پرحلہ صدر ایوب نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔
 انہوں نے کہا قدرت اللہ شہب کی من و لاس کے میرا نقطہ نظر بدل رہا ہے۔ میں ان کے خیالات
 کو قبول کر رہا ہوں۔ لہذا پاکستان کو اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ ساری کابینہ نے میرے دلائل سے
 متاثر ہو کر انہیں یہ کہنے ہوا۔

اب آپ کو یہی نقطہ نظر کی وجہ سے اس خیال کے حامی ہیں۔ میں نے پوچھا
 کہ 'وہ بولنا چاہتے ہیں۔' میرا جواب یہ ہے کہ دنیاوی نقطہ نظر سے پاکستان کا اسلامی جمہوریہ
 بننا ہی نہیں ہے۔

دوبل

معلوم نہیں کیسے یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ حکاموں میں رد و بدل ہو رہا
 ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ خبر سننے ہی لوگوں نے قدرت اللہ شہب کی جانب
 سے اس کی تردید کی۔ حقیقت جانور حسی نے اپنی چھوٹی بچی کو کندھے پر بٹھا کر شہب کے گھر کے پتھر
 کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔

انہوں نے کہا۔ ٹھیک ہے میں واپس اسٹیبل میں چلا جاؤں گا اور پھر سے تڑپے کا کام شروع کر
 دوں گا۔ لیکن ایک بات کا وعدہ کیجیے۔ اس نے جیب سے ایک زائٹ نکالنا کہنے لگا۔ یونیکو کے
 نام کے مطابق یہاں ایک نیا حکمران کھولا جائے گا۔ یک کلا سنو۔ وعدہ کریں کہ آپ مجھے اس
 حکمران کا انکشاف کرنا دیں گے۔

شہب نے کہا۔ پتہ نہیں یہ حکمران کب تکے شاید آپ کو لمبا انتظار کرنا پڑے۔
 کوئی بات نہیں! انتظار لے کر دیکھیں! میں انتظار کروں گا۔
 بالی نے کہا۔ مجھے لوگوں کی بات دینی ہے اور کراچی صدر کمر میں ایک رہائش گاہ لانا ہے۔

ابو بشیر کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔ ٹھیک ہے 'وہ بولا۔ کس تا کہیں حیدر آباد تو ہو گی۔ اپنا کیا ہے
 اس سے اڑایا وہاں جا بیٹھا۔

پاکستان کو سیکر حکومت بنانا چاہیے یا اسلامی جمہوریہ کیلئے کیلئے کیلئے میں
 جناب منظور قادر نے ایک اہمیت دلائل تقرر کی جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ پاکستان
 سیکر حکومت ہونا ہمارے لیے فائدہ مند رہے گا۔ اس تقرر کے بعد صدر ایوب نے تمام
 ارکان کابینہ سے پوچھا تو سب نے منظور قادر کی تجویز کی حمایت کر دی۔

اگرچہ میں کابینہ کا رکن نہیں ہوں لیکن صدر ایوب کی عادت ہے کہ وہ میری رائے بھی
 پوچھتے ہیں۔ انہوں نے میری رائے دریافت کی تو میں نے کہا 'جناب منظور قادر کی باتیں
 معقول ہیں۔ لیکن میں ان کا کام خیال نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ
 بنانا چاہیے۔ دنیاوی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ دنیاوی نقطہ نظر سے اس میں ہمارا مفاد وابستہ ہے۔

اس پر صدر ایوب نے کہا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ
 میں منظور قادر کی طرح قابل آدمی نہیں ہوں۔ جوابی تقرر نہیں کر سکتا ہوں اگر آپ مجھے
 ملت دیں تو میں لگہ کر ایک ہی پیش کر سکتا ہوں۔

صدر ایوب نے میری بات مان لی۔ کل مجھے کابینہ میں وہ بھی پیش کرنا ہے۔ پتہ نہیں
 میں کابینہ کو یقین دلا سکوں گا کہ میں پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا ضروری ہے۔
 اگلے روز میں قدرت اللہ سے ملا تو وہ بہت خوش تھا۔ انہوں نے کہا کیا بولا۔

ہو گیا وہ بولا۔

کیسے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کیسے ہوا وہ بولا۔ ہوسے کا کوئی امکان نہ تھا۔ حیرت ہے کہ کیسے ہو گیا۔

آپ نے وہ بھی کھسا تھا کیا۔

سارا دن لوگ آتے رہے ایسے لوگ جنہیں میں جانتا تھا کہ ان کے پاس کچھ بات تھیں تاکہ ایک نقطہ بھی
 نہ کھسا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ ساری رات بیٹھ کر انہوں کو پھر میں بہترین نہ بیٹھا۔
 لہذا میں کارپنٹ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

میں جا رہے ہیں ملت لے بیٹھا۔ پتہ نہیں میں کیسے فیروزہ معمول میں لکھتے لکھتے سو گیا تھا۔

صبح چار سے سات بجے میں نے جلدی جلدی ہو کر قلم کابینہ میں میں نے جناب منظور
 قادر سے درخواست کی کہ اگر ارادہ کرے کہ آپ یہ بھی پڑھ دیں تو چھ صبرے پڑھنے کا ارادہ اچھا نہیں

ابھی اہل بیچے ابھی آئے ہیں۔

ابھی

ابھی نے خط لکھا کہ دیکھا وہ خط بخوبی ہند میں غلام سے تھا۔ لکھا تھا کہ میں ہمارے قلعہ ۲۵
میں صاحب فراش ہوں۔ پہلے تو پائل ہی حرکت کے قائل نہ تھا اب بھی کیمار کرسی پر بیٹھ
باتھ بھی کچھ کچھ چلنے لگا ہے۔ پتہ نہیں میں آپ کو کیوں خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ
کی طور پر نہیں جانتا لیکن دو ایک سال سے میرے ہاتھ میں یہ خط چھپ رہا ہوتا ہے جی کہ آپ
ابھی لکھوں۔

ابھی نام لینے کے سوا میرا کوئی شغل نہیں ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ مالی طور پر میں محتاج
نہیں ہوں۔
اللہ کی مہربانی ہے کہ مجھے کوئی فکر نہیں کوئی پریشانی نہیں۔ یہ بیماری جو ہے یہ بھی دور ہو
گئی۔ کیونکہ اس نے مجھے رابطہ عطا کیا ہے۔

مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ ایک عظیم خدمت پر مامور ہیں۔ اس لیے میں روز باریک
دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کرے آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور وہ دور جس کا ہم
انتظار ہے جلد آئے۔

ابھی ہمارے کرم میں حیرت میں ڈوب گیا یہ کیا بات ہے میں آپ کو قطعی طور پر نہیں جانتا لیکن
دل میں خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں۔ میں سوچتا رہا کہ قدرت کون سی عظیم خدمت
اور آپ اور پھر اس شخص کو کیسے پہچانے کہ قدرت اللہ خدمت پر مامور ہے۔ بات سمجھ میں
نہیں آ رہی تھی۔

ابھی رائیڈنگ

ابھی میں جیسا سوچ رہا تھا کہ قدرت اللہ کالی اسے داخل ہوا کہ محترمہ علیہ کافون
ابھی کوئی ہیں حیدر آباد دکن سے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں کہتے ہیں میں صاحب
کے لیے آیا ہوں۔ صاحب کو بتا دیجئے گا۔

ابھی دونوں شباب نے ایک روز مجھے فون کیا کہنے لگا کہ آپ کو فرمت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرمت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دیتا ہوں وہ بولا: آپ میں
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر صحن کے آثار تھے۔
میں نے کہا: فرمت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔
ہاں وہ بولا: مصائب بہت بڑھ گئے ہیں۔ تنگ کیا ہوں۔ یہ بتائیے کہ چنڑی میں
رہا۔

اب کی بار تو بھائی جان آپ ہی کی باتیں کرتے رہے کہتے تھے 'آپ مستقل طور پر چلی
رہے ہیں اور آپ مرد قلندر کے پروگرام کو آگے بڑھائیں گے۔
مرد قلندر کا پروگرام کیا ہے' اس نے پوچھا۔
مجھے نہیں معلوم۔ آپ ان کا تذکرہ پڑھ لیں۔ میں آپ کو لا کر دوں گا۔
ضرور دیکھے وہ بولا۔

یہ بتائیے آپ نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔
کس سلسلے میں۔ میں نے پوچھا۔
آپ کو ڈی ایف پی میں داخل جانا پڑے گا۔
چلا جانا گائیں گے کہ۔ لیکن بھائی جان تو مجھے دلائل بنا رہے ہیں۔ کہتے ہیں جس کام
لے آپ کو کراچی بھیجا تھا وہ تو بگید اب آپ وہاں کیا کر رہے ہیں۔

کس کام کے لیے بھیجا تھا شباب نے پوچھا۔
مجھے نہیں پتہ۔ میری تو سادہ بڑھ باری مٹی ہے۔ کیا یہ بزرگ لوگ اس لوگ اس قدر
طاقت ور ہوتے ہیں۔

ہاں وہ مسکرایا۔ ان سے ڈرنا ہی چاہیئے۔
بھائی جان تو اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب آپ آئیں اور دربار میں حاضری دیں۔
ابھی وہ مسکرایا۔ مجھے بزرگوں سے ڈر آتا ہے۔

یعنی اس وقت چین داخل ہوا بولا۔ لائ صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ چین چلا گیا تو
شباب نے کہا میں ذرا حاضری دے لوں آپ نے چلا نہیں۔ میرا انتظار کیجئے کیونکہ میں نے خط لکھا کہ

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ اس سے کہہ کر عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے

لئے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

وہابی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے وہ بولا۔ ویسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحب کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے

عجیب ہی ہیں۔

آپ تو ان کے لیے اسے ہیں آپ پر تو بھید مکمل جانا چاہیے۔

ہاں میں نے کہا میں شہاب پر سوں کی بات ہے انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا ہے

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحب کے

ہے۔ اس قدر سچی کھلائی تھی جیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

شہاب صاحب کے چٹے رائیٹنگ سے دور کے مناسبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحب

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ اس سے کہہ کر عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے

لئے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملے آتے رہتے ہیں۔

وہابی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے وہ بولا۔ ویسے ہی ملے آتے ہیں۔ شہاب صاحب کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے

عجیب ہی ہیں۔

آپ تو ان کے لیے اسے ہیں آپ پر تو بھید مکمل جانا چاہیے۔

ہاں میں نے کہا میں شہاب پر سوں کی بات ہے انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا ہے

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحب کے

ہے۔ اس قدر سچی کھلائی تھی جیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

شہاب صاحب کے چٹے رائیٹنگ سے دور کے مناسبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحب

میں نے کہا کہتا ہے آپ بھی حیرت کے عالم میں ہیں۔ آپ کی سمجھ بھی اتنی ہی ہے۔

خواب ٹھکانہ پولیس، لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈراؤنڈ صرف ہونٹوں تک محدود تھا۔
یہ آج بزرگ کو دیکھنے آئے ہیں، شلب نے داخل ہو کر کہا۔
بزرگ بھی کیا دیکھنے کی چیز ہیں، وہ مسکرائیں۔
میں اس وقت کھٹی بجی۔

وہ آگے، شلب نے کہا، میں چلا ہوں، بے شک آپ چاہیں تو ڈرائنگ روم میں جا سکتے ہیں۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

میریج

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پردے سے جھانک کر دیکھا۔
موسے پر ایک ٹکڑا صوف چٹا دھڑا نہیں بیٹھا تھا۔ یہ کیسا بزرگ ہے میں نے سوچا۔ بزرگ
بھرے جسم کے ہوتے ہیں، دھکی دھکی دائری ٹوپی، ٹواریٹی چرو۔
وہ نیچے آواز میں بول رہا تھا۔

IF YOU ALIVE PUT BRAN ON YOU AND PUT YOU IN THE SUN

اے میں چوٹا یہ تو انگریزی بول رہا ہے۔ یہ کیسا بزرگ ہے جو انگریزی بول رہا ہے۔
یوں بولا ہے جیسے لفظوں کی دھار سے لگت رہا ہو اور اس محل میں لذت محسوس کر رہا ہو۔
بولا۔

WE DONT GIVE WARNINGS WE JUST CUT

THE MAN OUT OF THE LIST. YOU ARE A LUCKY CHAP

اے یہ تو وارننگ دے رہا ہے۔ ٹھیکس بات کی وارننگ۔ نام کاٹنے کی دھمکی۔
نہ۔ کس لٹ سے نام کاٹنے کی دھمکی۔

وہ بولے جا رہا تھا۔ اس کے ہر لفظ میں دھار تھی اور شلب چپ چاپ بیٹھا سن رہا تھا۔
'کاچرو' زرد ہو رہا تھا لیکن وہ بوڑھے ضبط سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر دم آواز میں بولا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

WHO ARE YOU. WHAT ARE YOUR CREDENTIALS.

I AM A MESSENGER SENT TO WARN YOU THAT IS ENOUGH

کیوں کیوں مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں وہیں سے چلا آیا۔
اس وقت میرے چہرے کا کیا عالم تھا۔ ڈاکٹر صحت مجھے دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیوں کیا
بات کہیں پلڑیں لے اسے کہا۔

اس کی قدرت اللہ شلب کون ہے۔ انہوں نے پہلے بات مانگنے کی کوشش کی، پھر بھر
میری جانب دیکھا اور خوف زدہ ہو کر پولیس مجھے خود پتہ نہیں، میں تو آپ حیرت زدہ
تھا۔ یہ بتائے کہ ہو کیا۔

کہا تھا تو لیسر میرا انتظار کر رہا تھا۔
کہا ہوا ہے، تمہیں اس نے میری جانب سے دیکھ کر پوچھا۔

کہا ہوا ہے، میں نے دہرایا۔
کہا تھا تو رائیسی الٹی ہوئی کیوں سے کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

کہا ہوا ہے، میں نے دہرایا۔
کہا تھا تو رائیسی الٹی ہوئی کیوں سے کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

کہا ہوا ہے، میں نے دہرایا۔
کہا تھا تو رائیسی الٹی ہوئی کیوں سے کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

کہا ہوا ہے، میں نے دہرایا۔
کہا تھا تو رائیسی الٹی ہوئی کیوں سے کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

کہا ہوا ہے، میں نے دہرایا۔
کہا تھا تو رائیسی الٹی ہوئی کیوں سے کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

بہت برا بھید ہے۔

تمہارا ذہن خراب ہے، میں نے اسے کہا۔

دیکھو وہ بولا، تم خود کہہ رہے ہو کہ حیدر آباد دکن کا ایک محض سے خیردار کہلائے گا ہے۔
 کیا ہے، یہ ٹا۔ یہ دارنگ کی کسی تھی۔ کس بار میں سے تھی۔ آخر کوئی بات ہوگی۔
 ایسا سڑک کے دارنگ دینے کے لیے نہیں آتے۔

میں مانتا ہوں، میں نے کہا، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

دیکھو وہ یوں! بے شک تم اس سے ملو۔ اگر وہ تمہاری بی بی کی پیشین میں مدد کرے گا
 سے یہ کام لو اپنے حور کے دل سے وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ لیکن تم اس سے متاثر
 رہے۔ وہ یہ غلط ہے۔ اسے اپنا عزیز نہ بناؤ۔

ہیں ہیں ٹھیک ہے، میں نے بات ماننے کی کوشش کی۔

بچہ چلا یہاں، اس نے گھسٹ کر مجھے کرسی پر بٹھا دیا۔ میری بات غور سے سنی۔
 پیچیدہ ہوں۔

یوں لو کیا کہتے ہو' میں نے پوچھا۔

دیکھو ممتاز، یہ جس راستے پر تم چل گئے ہو۔

کو "سارا سہ" میں نے پوچھا۔

یہاں قیدیوں کا راستہ جو تم نے اختیار کیا ہے۔ شاید یہ راستہ درست اور
 طرہ سے ایک بات کا مجھے علم ہے کہ یہ راستہ جہاد کا راستہ نہیں ہے۔ اس ازواج میں
 اس طریق زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم جانتے ہو کہ تم بجزادی طور پر کیا کیا
 پڑے کہ یہ دینی مسئلہ کے سوا چارہ نہیں ہے۔ تم فتنہ کے جالور ہو۔ پانی میں دیکھا، انا
 جس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

قصرِج کتا قلعہ اس کی باتوں نے مجھے ساپنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے وہ رو کر خیال آیا
یہ میں کس کچھڑے سے نکلا ہوں۔

روحانی نظام

ٹھیک ہے 'دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ یہ نظام'۱

جیسے دنیاوی نظام میں بھی درجہ ہیں۔ مگر کن ہیں؟ افریں۔ ٹیٹس ہے؟ انوکول
ناٹیس جاتی ہیں۔ درحالیٰ نظام کے افریدے طاقت ور ہیں، وہ حالات بدل سکتے ہیں،
بدلنے کے لیے قادر ہیں، فحشیت بدل سکتے ہیں، درج بدل سکتے ہیں۔ تقدیر بدل سکتے ہیں، انتہائی
الزام ہے جتنا کہ دنیاوی ماکول میں ہے۔

مجھے ان سب باتوں کا شعور ہو چکا تھا۔ ٹھیک ہے یہ روحانی نظام قائم ہے تو ہم اللہ کا نام لے کر اس میں جانتا تھا کہ طبعی اللہ کی وجہ سے میں اس نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔ مجھ میں کوئی باطنی مقام حاصل کرنے کی طلب نہ تھی۔ مجھ میں وہ پاکیزگی نہیں تھی ملاحت نہیں تھی۔

ابتداء میں مجھے حیرت ہوئی تھی کہ یہ کیسی دنیا ہے جس سے میں واقف نہیں ہوں۔ ایک آنے والے نے مجھے گھیر لیا تھا کہ جاؤں کہ بات کیا ہے۔

ایسر ٹھیک کہتا تھا۔ YOU DO NOT BELONG TO IT. پھر میں غواغواؤ اس دلیل کو دیکھتا ہوں۔ میرے سامنے کھول تو ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اگر کوئی بات مان لیتے تو اسے خود پر غلامی کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

پار ایک دن میں ان چٹوں پر سنجیدگی سے سوچتا رہا اگر قدرت اللہ ایک پر اسرار شخصیت ہے تو پڑا ہو۔ میں اس کی بارے میں مزید باتیں جاننے کے لیے کیوں ہے تپ ہوں۔ طاقت اور اسے اپنی زندگی جینے اور ہم اپنی زندگی جیو۔

10-11-12

میں نے احمد بشیر سے پوچھا، احمد بشیر تم اس نظام کو مانتے ہو کیا۔

مانتا ہوں، وہ بولا۔ سرسری طور پر مانتا ہوں لیکن اس کے بارے میں میں جانتا نہیں جانتا۔

کیوں، میں نے یو چھو۔

اس لیے کہ جان کر میں اپنے خیالات کا ایوان کیوں چاہ کر دوں خواہ مخواہ، ائمہ بشیر نے جواب

کیا تم سچائی کو جاننا نہیں چاہتے۔ میں نے پوچھا۔

سپائی کے کئی ایک پہلو ہوتے ہیں۔ کئی ایک چہرے ہیں، وہ بولا۔ ہر کوئی اپنی طبیعت کے

مطابق ایک چرواہا لیتا ہے۔

میں نے کہا یہ تھاکہ شب کے حلق چھری کیا رائے ہے۔

ٹھیک ہے وہ بولا ایک ہور افسر ہے۔ اچھا آدمی ہے۔ باپ مل ہے۔ اس کی کٹنی ہے۔

اگر بشرے بات کرنا ہے کار تھا۔

میں نے ابن اثنا سے پوچھا میں نے کہا اثنا شب کے حلق چھری کیا رائے ہے۔

وہ ہنسا بولا، مفتی میری رائے نہ پوچھو۔

میں نے کہا کیوں نہ پوچھوں۔

بولا، میری رائے بھی ٹھیک نہیں ہوتی، کسی کے بارے میں بھی۔

ٹھیک کیوں نہیں ہوتی۔

بھئی میں تو لوگوں کو اہل بنائے کرتا ہوں، سچ میں کرتا، ہم تو بھائی آدم کھانے کے چاہتے ہیں، چڑ نہیں گھٹتے۔

چلو یوں ہی کسی میں نے کہا یہ تھاکہ شب کیا آدمی ہے۔

سکر اکو بولا، بڑا پیارا آدمی ہے۔

وہ تو ٹھیک ہے میں نے کہا بڑا پیارا آدمی ہے لیکن پراسرار ہے۔

پڑا وہ ہنسا اپنے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں نے کہا اثنا بھی کبھی مجھے شک پڑتا ہے کہ شب گیت بزرگ ہے۔

نہ نہ بھی اپنا شک مجھے ٹرانسفرنہ کرو۔ بزرگ بنا کر اسے مجھ پر حرام نہ کرو، نہ مفتی کی۔

بزرگ تجھ پر حرام ہو جاتا ہے کیا۔

مفتی جی ہم تو کھانوں کے ٹھیک ہیں، بندہ ہو، گزروں کا مارا ہو، بے بس ہو۔ انا تو

قی میں شب سے کہہ رہا تھا۔

کیا کہہ رہے تھے میں نے پوچھا۔

میں نے علیہ سے سنا تھا کہ شب سے ملنے کے لیے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ تو میں

نے شب سے کہا کہ بزرگوں سے نہ کہہ کرئیں۔ انہیں اگر سچ نہ کیا کریں۔ وہ سکر بولا،

ایک دن وہ میرے کمرے میں آگئی۔ بولی بتائیے مجھے کیا کیا کرنا ہو گا۔ میں نے بولا: ”انداز میں اسے سارے کام کونولیں گے کہ تم نے یہ یہ کرنا ہو گا۔ اگر کوئی مشکل ہو تو فوراً“

اگلے دن وہ پھر آگئی۔ کئے گئی وزارت سے کیا کیا کوائف حاصل کرنے ہیں اور ”یہ“ کرنے ہیں۔

میں نے اسے ساری بات سمجھا دی کہ یوں وزارت میں جانا ہے، لٹال صاحب ہے۔ انہیں یہ یہ بات سمجھانا ہے۔ میں نے اس کی چنٹ چنٹ خاص توجہ نہ دی۔ دو دن ماضی کے سارے مراحل مٹوا دیئے۔ کئی اچھا کہہ کر وہ چلی گئی۔

تیسرے دن وہ پھر آگئی۔ کئے گئی آپ نے کیا قیامت کچھ میں نہ تو پوچھ لیں۔ میں نے پھر سے اسے ساری باتیں سمجھائیں۔ لب آپ سمجھ گئی ہیں اب میں نے پوچھا: ”جی سمجھ گئی“ اس نے کہا۔ اچھا اب آپ جائیں۔

جی اچھا! اس نے جواب دیا: ”لیکن جوں کی توں بیٹھی رہی ہے“ اچھا! پھر کار۔ میں نے فائیل پر کام شروع کر دیا لیکن اسے بیٹھ دیکھ کر میں دُشرب ہو گیا۔ میں نے کہا: ”کہ یہ لڑکی طاقتور معصوم ہوتی ہے، بیٹھ دے رہی ہے۔ اگر یہ سرچڑھ گئی تو پتہ نہ چلا جائے گی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اسے آج ہی جھاڑ پائی جائے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا: ”دیکھیے محترمہ! میں عورت ہوں۔ کاغذ حاصل نہ کیجئے۔ بھول جائے کہ آپ عورت ہیں۔“

جی بھول گئی وہ بولی اور ویسے ہی بیٹھی رہی۔ یہ دیکھ کر میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بہر حال میں نے دفتری لیے میں کہا: ”محترمہ! میں کام کرنا ہو گا۔ محنت کرنی پڑے گی۔“

جی وہ بولی ”کام کرنا ہو گا“ محنت کئی پڑے گی۔ میں نے کہا: ”اب آپ اپنے کمرے میں جائیے۔“ اچھا جی! وہ بولی ”اور“ بیٹھی رہی۔

میں گبر گیا

اور انہی ”میں نے“ اور ”بشرے“ پر چھاپا تم گبر گئے۔

”جی“ بولی ”وہ بولا“ میں ایسی چالیش سے واقف نہ تھا۔ اور میں وہی اسٹنٹ ڈانز کوئی ”بچا ہوا“ احمد بشیر کی حیثیت سے نہیں۔ حفظ صاحب مجھے کے ڈانز کٹر تھے۔ لیکن ”وہ بولا“ نام ڈانز کٹر تھے۔ چونکہ وہ دفتر کے کام سے واقف نہ تھے۔ دراصل میں دفتر چلا رہا تھا۔ اسی طور پر میں ڈانز کٹر تھا۔

”کیا“ ہے ”ٹیک“ لٹا ہوا۔

”تم“ آگے بات سنو میں نے کہا۔

”وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ پھر ”تھا“ بولی“ آپ کے ہاں گھٹکڑے کیوں ہیں۔“

”یہ سن کر میری پھوٹ لٹ گئی لیکن میں ضبط کئے بیٹھا رہا۔“

”پھر کئے گئی میری چاہتا ہے آپ کے ہاں میں انگلیاں بچیر ہوں اجازت ہے۔“

”میں نے قدم میں کہا حرام زاری ہمیشگی۔“

”کیا کہا“ وہ بولی ”میں سمجھی نہیں پھر کیجیے۔“

”اس پر میں خنس پڑا۔ اور فوراً دوست بن گئے۔“

”اب لٹا سکر لیا“ عجیب لڑکی تھی وہ۔

”تم اندازہ نہ کیجیں لڑکے کے متنازعہ احمد بشیر بولا کہ اس میں سختی جڑت ہے۔ بڑی سے بڑی ”وہ“ وہ یوں کہ دیتی ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔“

”پھر کیا ہو“ میں نے احمد بشیر سے پوچھا۔

”اگلے دن وہ پھر آئی۔ دوڑی دوڑی آئی“ کئے گئی ”آپ مجھے بہن بنا لیں ابھی فوراً“

”ہاں جی کریں درود۔“

”وہ نہ کیا“ میں نے پوچھا۔

”وہ نہ بول مں دی چائیں۔ دفتر کے سارے شغف نے مجھے بہن بنا لیا ہے۔ آپ کیجیے وہ“

”جی۔“

”وہ بھائی بہن کر تم پر عشق جھاڑیں گے“ میں نے کہا۔

”ہاں“ وہ بولی ”آپ بھی بھائی بہن کر عشق جھاڑیں گے۔“ اس میں وہ ہری لذت ہوتی ہے۔

”مگر تم میں بہن والا کوئی بات بھی ہو“ میں نے کہا تمہارے تو مجھے بھائی تم سے عشق کرتے

ہوں گے۔

ہاں کرتے ہیں کرتے ہیں وہ بولے۔

دشمنوں کو نہ کرنے نہ میں نے کہا۔

کیوں نہ کرنے دوں۔

تمہاری بدنامی ہوگی۔

اچھا پھر کیا ہو گا وہ بولی۔ میں ہاؤس پر کیا ہو گا پھر آپ کو پیسے آئیں

نہیں بھوت جائیں گی۔ ناگھیں لڑکھائیں گی۔ یہ ہے کہ وہ کر دے کہے سے باہر نکلیں گی۔

اگلے دن وہ پھر آگئی، بولی سارے دشمنوں کے ساتھ سے عشق بھلا رہے ہیں لیکن

عشق کر نہیں آتا، بالکل نالازمی ہیں۔

میں نے کہا پھر کہو میں تم سے عشق نہیں کرتا۔ اگر کرتا تو پتہ ہے کیا ہو گا۔

کیا ہوتا اس نے پوچھا۔

میں تجھے اٹھا کر لے جانا اور توڑ پھوڑ کر کچا کر کے پیسہ دیتا۔

شکر کریں میں آپ سے عشق نہیں کرتی وہ بولی۔ کرتی تو وہ وہ کچھ ہو تاکہ آپ کو پیسہ

کے لیے جگہ نہ ملتی۔ یہ کہتے ہو وہ میری بہت قریب آگئی۔ میں نے فیسے سے کہا بہت جلد

پچھے ہٹ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ ورنہ۔

ورنہ کیا اس نے پوچھا۔

ورنہ میں تجھے چوم لوں گا۔

پھر کیا ہو گا وہ بولی۔

پھر جہاں جہاں میں چوموں گا وہاں وہاں گلاب آگ آئیں گے۔

یہ سن کر وہ دھم سے کرسی میں گر گئی۔ چوہہ زرد پڑ گیا۔ آنکھیں پر خم ہو گئیں۔ کہنے لگی

آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ میرا راستہ کھو جائے گا۔

کیا مطلب میں نے امیر شیر کو لایا۔ یہ ایک مجبوری کا رشتہ تھا۔ اس نے وجہ دے

اس کی عقلی ہو چکی تھی۔ امیر شیر کو لایا۔ یہ ایک مجبوری کا رشتہ تھا۔ اس نے وجہ دے

رکھا تھا۔ میرا ایک معرکہ آری تھا، قانون دان تھا وہ زندگی سے قلبی طور پر ناواقف تھا، میں

ہوں گے۔

ہاں کرتے ہیں کرتے ہیں وہ بولے۔

دشمنوں کو نہ کرنے نہ میں نے کہا۔

کیوں نہ کرنے دوں۔

تمہاری بدنامی ہوگی۔

اچھا پھر کیا ہو گا وہ بولی۔ میں ہاؤس پر کیا ہو گا پھر آپ کو پیسے آئیں

نہیں بھوت جائیں گی۔ ناگھیں لڑکھائیں گی۔ یہ ہے کہ وہ کر دے کہے سے باہر نکلیں گی۔

اگلے دن وہ پھر آگئی، بولی سارے دشمنوں کے ساتھ سے عشق بھلا رہے ہیں لیکن

عشق کر نہیں آتا، بالکل نالازمی ہیں۔

میں نے کہا پھر کہو میں تم سے عشق نہیں کرتا۔ اگر کرتا تو پتہ ہے کیا ہو گا۔

کیا ہوتا اس نے پوچھا۔

میں تجھے اٹھا کر لے جانا اور توڑ پھوڑ کر کچا کر کے پیسہ دیتا۔

شکر کریں میں آپ سے عشق نہیں کرتی وہ بولی۔ کرتی تو وہ وہ کچھ ہو تاکہ آپ کو پیسہ

کے لیے جگہ نہ ملتی۔ یہ کہتے ہو وہ میری بہت قریب آگئی۔ میں نے فیسے سے کہا بہت جلد

پچھے ہٹ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ ورنہ۔

ورنہ کیا اس نے پوچھا۔

ورنہ میں تجھے چوم لوں گا۔

پھر کیا ہو گا وہ بولی۔

پھر جہاں جہاں میں چوموں گا وہاں وہاں گلاب آگ آئیں گے۔

یہ سن کر وہ دھم سے کرسی میں گر گئی۔ چوہہ زرد پڑ گیا۔ آنکھیں پر خم ہو گئیں۔ کہنے لگی

آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ میرا راستہ کھو جائے گا۔

کیا مطلب میں نے امیر شیر کو لایا۔ یہ ایک مجبوری کا رشتہ تھا۔ اس نے وجہ دے

اس کی عقلی ہو چکی تھی۔ امیر شیر کو لایا۔ یہ ایک مجبوری کا رشتہ تھا۔ اس نے وجہ دے

رکھا تھا۔ میرا ایک معرکہ آری تھا، قانون دان تھا وہ زندگی سے قلبی طور پر ناواقف تھا، میں

ہوں گے۔

ہوں گے۔

ہاں کرتے ہیں کرتے ہیں وہ بولے۔

دشمنوں کو نہ کرنے نہ میں نے کہا۔

کیوں نہ کرنے دوں۔

تمہاری بدنامی ہوگی۔

اچھا پھر کیا ہو گا وہ بولی۔ میں ہاؤس پر کیا ہو گا پھر آپ کو پیسے آئیں

نہیں بھوت جائیں گی۔ ناگھیں لڑکھائیں گی۔ یہ ہے کہ وہ کر دے کہے سے باہر نکلیں گی۔

کون میں بیٹھے ہی میں نے شاب سے پوچھا وہ بزرگ کون تھا۔

اس نے پوچھا۔

اس روز آپ سے ملا تھا کتنا تھا تمہاری کھل سمجھ کر اس پر تک چڑکوں اور

دیکھ میں رکھ دوں۔

اس نے کہا اس کی زبان بڑی طرح سے نہنہ لانی۔

اس نے کہا آبی تھیں سڑی ہوئی صبح ہو میں نے کہا۔

اس نے کہا وہ بولا۔

کہ تو نورانی قسم کے ہو تے ہیں۔ ان میں سے مٹاس کی پھول نکلتی ہے۔

اس نے کہا مٹاس کی پھول نکلتی ہے۔

وہ تو میرا نہیں تھا۔

اس نے کہا وہ بولا وہ ایسا نہیں تھا۔

اب ولایت ملتی ہے تو حیات خیز ہو جاتی ہے اور فرد کی جتنی بھی خصوصیات ہوتی ہیں وہ

کلی نکلتی ہو جاتی ہیں۔ شاب نے کہا اس روز وہ رک رک کر بول رہا تھا۔

اس نے کہا مٹاس کی جتنی نکلتی ہو جاتی ہیں میں نے پوچھا میں تو سمجھا تھا کہ جب بزرگی عطا

ہو تو فرد کو دھوکہ سبزی کر دیا جاتا ہے۔ کوئی لائن باقی نہیں رہتی کوئی غل میں رہتا۔

اس نے کہا۔

اس نے کہا وہ بولا بزرگی آزمائش ہوتی ہے مسلسل آزمائش۔

اس نے کہا صبح میں پر کیا دھنسا مجھے خیال آیا کہ قدرت نے میری بات ماننے کے لیے بات کا

دیا دیا ہے۔ قدرت میں یہ عجیب خصوصیت تھی۔ وہ جس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا

اس نے کہا اس سے بات کا رخ بدل دیا کرتا تھا مجھے غصہ آئے گا میں میں بات پر چڑھ کر

دیکھ کر۔

مجھے یہ بتائیے کہ وہ کون بزرگ تھے میں نے کہا۔

میں نے کہا وہ بولا۔

کراچی کے رہنے والے اس خبر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اسے کیا

خیر اعلان سمجھتے تھے، میں نے میں ہو سکا یہ کیسے ہو سکا ہے۔

میں نے قدرت اللہ کو فون کیا میں نے اس مرکز کے اقبال کا اعلان ہو گیا ہے۔ اب تو کسی

جان گئے ہیں۔

اس نے جواب میں کہا آپ یہاں آجائیں چونکہ پرنسپل کی بہت جلد راولپنڈی جانا

رہی ہے۔

دفتر میں قدرت سے حد مصروف تھا آپ انتظار کریں وہ بولا۔ کچھ دیر کے بعد ہم کو

جانیں گے۔ وہاں بات کریں گے۔

اس روز قدرت اللہ شاب کی کیفیت کچھ مختلف سی تھی۔ چرو تو دینے ہی تھا کچھ چڑھا

بات کرنے کا انداز مختلف تھا آواز بدلی ہوئی تھی۔ زبان میں نکلت تھی۔ میں لگتا تھا نیچے

ہوئی ہو کچھ لڑائی ہوئی ہوئی ہو۔

باہر نکلا تو قدرت کے پی اے نے مجھے اشارہ کیا۔ پاس گیا تو کہنے لگا آج بھر ہی کہنے

طاری ہے۔

کہنے لگا صبر میں رہنا دیکھا ہوں آپ کو۔ پھر وہ دروازے میں کچھ دھوکہ دے لگا توڑی دیر

بعد اس نے ایک کتہ میری طرف پھینکا۔

وہ شاب کا نوٹ تھا لیکن ونڈ رائٹنگ ایسے تھا جیسے کسی نے لکھا ہو۔

پاکل دیاسی ہے لیکن اسے لکھا بیسیا میں نے اس روز دیکھا تھا۔ یاد ہے۔

ہاں میں نے کہا یہ کب کا نوٹ ہے۔

آج کا ہے۔ آپ کی سمجھ میں آتی ہے بات۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتی وہ بولا۔

ہاں عجیب سی بات ہے میں نے جواب دیا۔

شاب صاحب پر کوئی دورہ تو نہیں پڑا اس نے پوچھا۔

میں نے کہا میں نے جواب دیا کہ ایک صحت مند آدمی ہے۔

لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن وہ رک گیا۔

اگرچہ یہ لیکن میرے اندر اک کھو دورہ پڑے ہوئے تھا لیکن میں نے پی اے کو بل دیا۔

وارنگ

وہ آپ کو کس بات پر وارنگ دے رہے تھے۔
مجھے پتہ نہیں۔

ایک ایسا واقعہ پہلے بھی ہوا تھا، شباب نے تھنہ لاسے ہوئے کمال مدد صاحب ڈپٹی معائنہ کے لیے گئے تھے۔ ساتھ مجھ نے گئے۔ شام کا وقت تھا انہوں نے معائنہ کئے لگا دیے۔ پھر جب ہم لپکاڑوں سے رخصت ہو رہے تھے تو جیل کا ایک وارڈر آیا۔
کہنے لگا، جناب شباب صاحب ہیں کیا۔

میں نے سرایت میں جا دیا۔

کہنے لگا، ایک قیدی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کون ہے، وہ میں نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون ہے۔ اور جو پچاسی والے سیکڑ ہیں، میں میں ہے وہ اور اس نے وہاں شور مچا رکھا ہے، میں شباب صاحب سے ملوں گا۔ مجھے شباب صاحب سے ملاؤ۔

ہوں، میں نے پوچھا، وہ مجھ سے کس مسئلے میں ملنا چاہتا ہے۔

وارڈر بولا، جناب میں نے اس سے پوچھا تھا تم کس بارے میں ملنا چاہتے ہو۔ کوئی کام ہے کیا۔

میں نہیں، وہ چلا، مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں پائل ٹیک ہوں، تم اسے بلا کر لاؤ۔
میں اس سے بات کروں گا۔

شباب کہنے لگا، میں نے سوچا شاید کوئی وصیت کرنا چاہتا ہو، جیل والوں پر اسے اتھو نہ۔
اس لیے بہتر ہے میں اس کی بات نہ لوں۔

قیدی ہجڑا

کل میں داخل ہو کر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو حیران ہوا، وہ ہجڑا قتل وارڈر نے سیل کا دروازہ بند کیا۔ باہر تلا لگایا۔ کہنے لگا، صاحب جی جب آپ قلعہ ہو جائیں تو مجھے اشارہ کر دیں میں وہیں سامنے کھڑا ہوں گا یہ کہہ کر وہ دور چاکر کھڑا ہو گیا۔

بہت سی پتھری بولا، تجھے پتہ ہے کہ تجھ سے بات کرنے کے لیے ہمیں قید ہونا پڑا۔ اس کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہمیں پتہ تھا تو آج جیل کا ساتھ کرنے کے لیے آئے جگہ اس لیے وہاں اس کو فٹری میں آکر بند ہو گئے۔

تم تجھے بتاتے آئے ہیں، وہ بولنا کہ تو ٹیک سے کام نہیں کر رہا تو سمجھتا ہے کہ تو اس کا بھائی ہے۔ تجھے اس کے حکم بجالانے میں یہ غلط ہے۔ تو یہی اس لیے نہیں سمجھا گیا کہ اس کے بھائی جیل کرے وہ نیلے کرے اور تو ان کی تکمیل کرے۔ تو یہی اس لیے سمجھا گیا ہے کہ تو بھائی کرے۔ اس کا فکر نہ کر، وہ رکھت نہیں ہے۔

شباب ہنسنے لگا، پتہ نہیں وہ کیا کیا بول رہا۔ کھنٹوں بول گیا، مجھے اس کی باتیں پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پھر میں سمجھا کہ شاید اس کے ذہن کا فیور اڑا ہوا ہے۔ یہ اکثر ہوتا ہے جو بھائی کی سزا پر ہوتے ہیں ان کا ذہنی کنٹرول قائم نہیں رہتا۔

قدرت کی بات سن کر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ بات جمل رہا ہے۔ ورنہ قیدی کی باتیں تو پائل عام تھیں۔ مجھے سمجھ میں آ رہی تھیں، پھر اسے کیوں سمجھ میں نہ آئیں۔

آپ نے اس قیدی کے متعلق پتہ لگایا کہ وہ کون تھا، میں نے پوچھا۔

میں نے نہیں البتہ عفت نے پتہ لگایا تھا، شباب نے جواب دیا۔ قیدی کے ہم پتے کے متعلق تو مجھے نہ علم نہ قہد البتہ میں نے سیل کا نمبر یاد لیا تھا۔ گدیرو سے گیا تو عفت نے پوچھا کہ اسی رات تک آپ کہاں رہے، تو میں نے ساری بات بتادی۔ اگلے روز اس نے جیل کے کام سے پوچھا کہ سات نمبر کے پچاسی سیل میں کون قیدی بند ہے۔ اس کا نام پتہ کیا ہے اور اس کا بھائی کی دہائی جانے والی ہے۔

اس پر انہوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ سات نمبر کے سیل میں کوئی قیدی نہیں ہے۔ جیل کے قیوب کو لکھی ہے وہیں بازار میں کوئی شخص دنگا لٹو کر رہا تھا۔ جیل کے وارڈر اس وقت وہاں سے گزرے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ شخص دنگا لٹو کر رہا ہے۔ وارڈر نے اسے سمجھایا لیکن انہو وارڈر سے لڑنے بھڑنے پر آند ہو گیا۔ اس پر وارڈر اسے پکڑ کر لے گئے اور ویسے ہی دھمکے جملے کے لیے اسی سات نمبر کے سیل میں بند کر دیا۔ آج صبح وہ سیل میں موجود نہ تھا۔
میں کسی سے اسے سیل سے نکال کر ہٹا دیا۔

شاید وہ بزرگ ہی ہو، میں نے کہا۔

شاید 'قدرت بنے جواب دیا شاید' وہ چٹکن کے عالم میں ہو۔ آپ چٹکن سے واقف نہیں ہیں وہ ایک عالم ہوتا ہے، 'قدرت نے کہا۔ بزرگ لوگ بیحد ضبط سے کام لیتے ہیں۔ ان کی ہم کسی ایسا ہوتا ہے کہ برتن لہلہ بھر جاتا ہے اور پھر ضبط کے باوجود چٹکتا ہے، 'پھینٹے اڑتے ہیں۔ مجھے ڈرانگ روم میں بٹن کر شپ لکھنا ہوا اور چٹا ایک اس روز مجھے ایسا لگ گیا۔ وہ بیحد وہ قدرت نہیں تھا اس کی کوئی بات بھی حسب معمول نظر نہیں آتی تھی۔ نہ چلے مارا نہ بات کرنے کا انداز نہ لہو۔

کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ آتے ہی کہنے لگا 'شاید تم بہت جلد مستقل طور پر پڑی پائیں۔ کیا آپ ڈی ایف پی میں رہنا پسند کریں گے۔

میں نے کہا 'پسند نہ کرنے کا مطلب بیکڑا کر جٹ چورز۔

آپ جکر نہیں ہیں 'وہ بولا' جیسی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ چور کریں۔

کیا چور کروں 'میں نے کہا۔

میرا خیال ہے 'آپ اخبار میں چلے جائیں اچھے رہیں گے۔ دراصل مجھے انشا کا فکر ہے۔

وہ ملو صحت آوی ہے میں نے کہا۔ چل بھی جانا پڑا چلا جائے گا۔ چلی بات یہ ہے کہ میں انشا جی کو بالکل نہیں سمجھتا اس کا کوئی سراہی میں لاء مجھے۔ پتہ نہیں چلا کہ کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں جا ختم ہوتا ہے 'مجھے تو ایسے لگا ہے جیسے انشا بھی چٹکن کے عالم میں ہو۔

میں نے جان بوجھ کر چٹکن کی بات کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ قدرت بزرگوں کے بارے میں بات کرے۔ اس روز اگرچہ وہ نہنہلا کر باتیں کر رہا تھا لیکن غیر از معمول وہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

چٹکن ————— چٹکن کیا 'وہ بولا۔

ابھی آپ بتا رہے تھے تاکہ کبھی بزرگ لوگ چٹکن کے عالم میں ہوتے ہیں۔ برتن بھر جاتا ہے اور پھر چٹکتا ہے، 'پھینٹے اڑتے ہیں۔

ہاں ہاں 'وہ بولا' چٹکن کے عالم میں ضبط کے باوجود بات اچھل کر نکل جاتی ہے۔

آپ نے کبھی کسی بزرگ کو چٹکن کے عالم میں دیکھا ہے کیا میں نے پوچھا۔

صرف ایک بار 'وہ بولا' صرف ایک بار۔

اندر

میں نے سڑک میں دل جا رہا تھا۔ کسی شیشی پر اترا تو گاڑی چل پڑی اور میں دوڑ کر باقی سڑک پر دوڑ گیا۔ دروازہ کھولنے لگا تو دیکھا کہ وہ ریزرو سیلون ہے۔

اس میں سوچ رہا تھا کہ اندر سے کسی نے دروازہ کھولا۔ کہنے لگا 'جائے آجیے مسٹر کیو یہ اندر آیا۔

وہ ایک انگریز تھا۔ نیوی کا افسر 'اس نے دروی پٹی ہوئی تھی۔ وہ مجھے اندر سیلون میں لے

گیا۔ مسٹر کیو یہ ایس میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس سڑک میں سے کہا 'میں تو طلسمی سے سیلون پر سوار ہو گیا ہوں۔ میری سیٹ تو پیچھے

ہوئی 'وہ بولا' میں نے دل کیا تھا کہ تم سیلون میں آ جاؤ۔ سو تم آ گئے۔ اچھا کیا تم نے آ گئے۔

اس کی کہنا چاہتا تھا۔ انسان جب لہلہ بھر جاتا ہے تو اس پر لٹا ہوا جلد جاتا ہے کہ سارا میں

لٹا ہوا ہے وہ خود کو ہٹا کر چاہتا ہے۔ میں خود کو ہٹا کر چاہتا تھا 'اس لیے میں نے دل کیا کہ

سیلون میں آ جاؤ۔

اس میں آپ 'میں نے اس سے پوچھا۔

اس پر جٹ نیوی کا افسر ہوں 'وہ بولا۔ یہ جو جنگ وہی ہے۔ اس میں دونوں جانب روحانی

جنگیں لڑ کر رہی ہیں۔ میں بھی ایک لاکھ ہوں۔

ان آپ تو یہی ہیں 'میں نے پوچھا۔

ہاں یہی تھا 'وہ بولا۔ عارضی طور پر میرا قلب بدل دیا گیا اور عارضی طور پر مجھے طاقتیں

مل گئی ہیں۔ یہ طاقتیں مجھے کشمیر کے جنگوں میں عطا کی گئی تھیں۔ تم کچھ بچو گے 'اس نے

پوچھا۔

میں نے جواب دیا۔

لو اپنی لو کیا صحت ہے 'وہ اٹھ کر بوقت لے آیا۔

میں

اور مجھے معلوم ہے تم نے خود کبھی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک بری بات تھی۔
تاکہ تم کو اس کی سزا ملے لیکن تمہارا یہ عمل تمہارے لیے تپ کا پتہ بن گیا۔ تم بڑے
ناراض ہو۔

اب بات سچ ہے 'میں نے شہب سے پوچھ لیا۔

ابن کی بات 'اس نے چمک کر پوچھ لیا۔

آپ نے خود کبھی کی کوشش کی تھی۔

شہب نے سر اٹھتے میں پلا دیا۔

ابن کیوں کیا محبت میں نکالی کی وجہ سے خود کبھی کا خیال آیا تھا۔

عام طور پر قدرت سے کوئی بات لیں پس کرنا بے حد مشکل ہے۔ ایک بات کا سراغ لگانے

کی باتیں سوال پوچھتے پڑتے ہیں۔ لیکن اس روز وہ بات کرنے کے موڑ میں تھا۔ اس کی

بات رک جاتی تھی 'اس کے بلکہ وہ دوبارہ جابابا تھا' بودا جابابا تھا۔

اسے سوال کے جواب میں بولا 'میں محبت کی بات نہیں تھی۔ ابن دونوں میں جہوں کا لُج

پڑتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے فہم لینے کے دورے پڑتے تھے 'خواخو' بے وجہ۔ ہڈی

اور پیریشن تھی۔ میں نے سوچا یہ کیا مذاپ ہے چلو زندگی کا قصہ ہی ختم کر دو۔

میں نے سوچا جہوں کے نالے تو ہی میں چھٹا لگا دوں۔ یہ آسمان ترین طریقہ تھا۔ نہ کوئی

شور شراب۔ لوگ سمجھیں گے کہ حیرتے کیا قہاؤں پک گیا۔

ابن تو ہی پوچھا کیا اور درہن تک ایسا ستام ڈھونڈا تھا' جہاں پہلی گراہو' اور لوگوں کی گزر

اور ہو۔ آخر مجھے ایک مناسب مقام مل گیا۔ میں نے اپنا کوٹ انکارا' بوٹ انکارے بھر

لیا کیا کہ چھٹا لگا مارنے سے پہلے دو لٹل کیوں نہ پڑھ لوں۔ لٹل پڑھ کر دعا مانگوں گا۔ اللہ

کو سمجھوں گا کہ میں نے ہاشمی کی وجہ سے خود کبھی نہیں کی 'قدرت سکرانے لگا۔

تو پھر کیا آپ نے لٹل پڑھے 'میں نے پوچھ لیا۔

اس نے اٹھتے میں سر پلا دیا۔

دعا کی 'میں نے پوچھ لیا۔

نہیں نہیں 'میں نے کہا 'آپ نہیں۔ بے لگ نہیں۔ یہ تو بچہ گناہ نشہ ہے' وہ بولا۔
پھر اس وقت جو کیفیت ظاہر ہے۔ اس کے سامنے سب نشے چلے ہیں۔ لیکن اب کچھ زیادہ دیا
نہیں رہے۔ ہم برطانوی ماکوں کو تپ چاہا ہو گا۔ تمہارے ملک کے بزرگوں نے لیتا
ہے کہ برطانیہ کو ایک بیٹی دود گوش یہاں سے نکال دیا جائے۔

اس کی باتیں سن کر میں حیران ہو رہا تھا شہب نے کہا 'دل ہی دل میں سوچ رہا تھا
یہ آدمی کون ہے 'کوئی فرلو تو نہیں ہے۔

اس نے میرے خیالات پڑھ لیے 'ہنسا' فرلو کا کیا مطلب ہے۔ میں کواں

ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نام لیے بغیر جنگ کی تاریخ کل نہیں ہو سکتی لیکن تم

میرا نام نہیں سمجھ سکتے چرک میں نے تمہارے ذہن سے اپنا نام مٹا دیا ہے۔ میں نے آقبل

بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ نہ کرتا تو وہ نہ ہوتا جواب ہے۔ وہ مجھے ساتھ ساتھ بڑے فقیر کے رو

میں جاتا ہے۔

کچھ دیر وہ خاموش رہا' میں اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا

فحش 'یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہا ہے۔

پھر بولا 'جسٹس معلوم نہیں کہ پرنس جینس ہے اور اگر وہ ہماری لائن میں آجاتا تو

تر ہو جاتا۔ گھڑی غالی اصل تھا لیکن اسے اصل پہلا آقا تھا۔ میں پتر سے بھی قلعہ میں

اسے خبردار کیا کہ دیکھ تو اپنی طور پر نہ ہو۔ اگر تو خبر نہ پڑا تو حکمت حاصل ہو گی' لیکن اگر

نے خبر نہ بننے کی کوشش کی تو چاہی ہو گی۔ لیکن مجھے پتہ تھا کہ وہ خبر نہ پڑی نہیں سے

مطش نہیں ہو گا۔ اور وہ جو فائنٹیشن ہے وہ اسحق ہے' وہ تمہارے معاملات میں چمک اڑا

گا۔

پھر وہ دھنسا' میری طرف متوجہ ہوا' بولا 'تم انجمن میں شرارتیں کرتے رہے ہو۔ کوڑی

لگا کر مریض پکڑتے رہے ہو۔ سڑار سے پیچھے پڑتے رہے ہو۔

تم 'اس نے عمارت سے منہ نکالا' تم سڑار دیکھتے ہوئے کیزے ہو۔ گرنی میں غور لگاؤ

موتی لیں گے۔

وہاں باب

ویج ایڈ

وہاں

ایک روڑ ہمارے دفتر کے سامنے ایک غنی گھر کار رکی۔ یہ کون ہو سکتا ہے، بھلا میں نے
 کیا اثر سے ذوقی لکھا۔ وہی ۱۹۳۸ء والا ڈونلڈ۔ کوئی تبدیلی نہ تھی۔ کار کے سوائے
 میں اسے دیکھ کر چلایا ارے تو۔
 میں میں 'دو یولا۔
 تو میں۔
 میں میں۔
 اور یہ گاڑی۔
 میں یہ گاڑی۔
 میں سے آئی۔
 اس نے انگلی لوہر اٹھائی۔ اس نے دی۔
 تو اس کو چاہتا ہے کیا۔

اس نے سرانٹ میں بلا دیا 'اور مسکرا کر یولا' میں نے بڑی چلائی سے دعا مانگی۔ میں
 کھایا پاری تھائی میں یہ خود کشی نہیں کر رہا خود کو تیرے حوالے کر رہا ہوں۔
 پھر جب میں چھلانگ لگنے لگا تو قوی سے ایک بزرگ نمودار ہوئے انہوں نے مجھے روکا
 دیا۔ پاس بٹھایا میرے ہاتھ پکڑ لیے اور مجھے بیت کر لیا۔
 وہ خواجہ فخر تھے کیا میں نے پوچھا۔
 اس نے سر ہٹائی میں بلا دیا۔
 کون بزرگ تھے وہ میں نے پوچھا۔
 ان کا نام لینے کی مجھے اجازت نہیں 'دو یولا۔ وہ دلی کے بہت بڑے 'سب سے بڑے' بزرگ
 ہیں۔

وہ کچھ مزید کہنا چاہتا تھا کہ عفت دوڑی دوڑی اندر آئی بولی 'فن کی طبیعت ٹھیک۔
 ہے۔ انہیں آرام کرنا چاہیے' مفتی صاحب آپ پھر کسی وقت آجائیے گگ۔
 قدرت نے سرانٹ میں بلا دیا 'ہاں مجھے آرام کرنا چاہیے۔ عفت نے اسے یوں کہا
 میں نے لیا جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔ اور قدرت لڑکھاتا ہوا ہاں ہٹک گیا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

جانتا نہیں مانتا ہوں، مجبوراً وہ بولا۔
کیوں۔

وہ دیتا جو ہے۔

یہاں رہتا کہیں ہے تو۔

بگڑے ہیں۔ سنوایا ہے۔ مصور رسالہ ہے، "منشور"
ارے اتنا کچھ۔

ہاں، اس سے بھی زیادہ سب اس نے دیا ہے۔

پر تو دیے کا دینا ہی ہے۔

ہاں میں دیے کا دینا ہوں۔

جو تو دیے کا دینا ہے تو یہ بگڑے ہیں، سنوایا۔ میں نہیں مانتا۔

چل میں تجھے دکھاؤں، وہ بولا۔

دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

صدر کے مرکز میں اس کا پرسنل تھا، پیشین، فکر چاکر، ساز و سامان، لوہے کی کھوپڑی، کمرے
تھے، سنوایا تھا اس نے "منشور" کے کئی ایک پرچے میرے سامنے ڈھیر کر دیے، پر
انٹرنیٹ کے ڈھیرے لگے ہوئے تھے۔

کہاں آرٹسٹ کہاں لہجہ۔ ان کا کیا میل ہے، میں نے پوچھا۔

ہے، وہ بولا۔

کیا میں نے پوچھا، کیا میل ہے۔

یہ بھی کہیں، وہ بھی کہیں، وہ بولا۔

سب کچھ بدل گیا ہے، میں نے اس کے گھر کا لحاظ دیکھ کر کہلا۔

ہاں، سب کچھ بدل گیا ہے، وہ بولا، لیکن کہیں نہیں بدلیں، میں بدلیں گی۔

سنوایا میں تو آدم فریم لگے ہوئے تھے۔ کہیں والے فریموں نے مجھے جذب کر لیا۔

پچھلی، خاص، انٹرنیٹ۔

لبہ لہو قصور کے بیچو، ماسٹر بلوان، یہ باتیں تجھے کیسے سوجھتی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

اگر ایسا ہوتا۔

اگر وہ لوہور نازک حسینہ۔ یہ سارے عالم پر چھائی ہوئی نعلی کوکھ، یہ بیوی میاں کی سبھی

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

اچھا، کیا ہیں، اس نے معصومیت سے پوچھا۔

تو کئی، وہ بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

تو کئی، وہ بولا۔

میں میرا نہیں اشیاق کا دوست ہے، میں نے کہا۔
وہ اشیاق کا دوست ہے، یا اشیاق اس کا دوست ہے۔
پتہ نہیں، لکھا ہے اشیاق اس کا دوست ہے۔
وہ تو ہو گا، ذہلی نے کہا۔
اشیاق کا بھی پتہ نہیں لگے۔ میں نے کہا۔
کیوں وہ بولا۔

اس کا بھی سرا نہیں لگا۔

ہاں۔ نہیں لگا۔ وہ بولا۔

جی، اشیاق تو تم سے ناراض ہے، میں نے کہا۔

اچھا، مجھے نہیں پتہ۔

اسے تو پتہ ہے۔

اسے ہو گا، مجھے نہیں۔ سو گئے۔

کیا مطلب۔

اس نے انداز سے بول کر نکال۔

تم چپے ہو، میں نے پوچھا۔

ہاں، وہ بولا، جانتا۔

کہاں سے آئی ہے۔

اس نے اٹھی اٹھائی۔ وہ روتا ہے۔

وہ تو منع کرتا ہے۔

ہاں وہ بولا، روتا بھی ہے، منع بھی کرتا ہے۔ کچھ لوگ حکم مانتے ہیں۔ ہم کفرانِ نصرت نہیں کرتے ہیں۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھو۔
یہ اتنا پتہ جو نہیں ملا ہے، تم کسی خاتون کے گپ ہو کیا۔

UrduPhoto.com

ہاں، ہوں، وہ بولا۔

کون ہے وہ۔

میری بیوی ہے۔ لمو گیا اس سے۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

فکر

اشیاق احمد جب روم سے واپس آیا تھا تو اس کی باتیں سن کر میں ذہلی کے خلاف بغض
اور کیا تھا۔ دواڑے دونوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ذہلی احمد کا بارا ہوا ہے۔ وہ دوسرے کو
اکایا رہتا نہیں دیکھ سکتا۔

جس ذہلی کو دیکھ میرا وہ بغض دھل گیا۔ اس کی باتوں میں عجیب سی کشش تھی۔ اس کی
باتیں دو ٹوک تھیں۔ ان میں سے سچائی کی برکاتی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بے نیاز ہو۔ جو ہے
نمایا ہے، جو نہیں ہے ٹھیک ہے۔ کوئی بھی بات ہو۔ کسی بھی ہو، اسے کانتی نہیں تھی، ڈک
نہیں مارتی تھی۔ یہ شخص جیسا کہ کیا بھی ہے۔ پیارا ہے، منفرد ہے، فکرا ہے، میں نے سوچا۔
پھر ذہلی چار ایک بار مجھے ملا۔ صبح سویرے میرے فلیٹ کی گھنٹی بجتی۔ باہر نکلتا تو وہ بیڑھیوں
پر بیٹھا ہوتا۔

تم یہاں کیوں بیٹھے ہو، میں پوچھتا۔

کیوں یہاں بیٹھنا منع ہے کیا، وہ پوچھتا۔

اندر چلو موندے پر بیٹھو۔

تمہارا صوفہ ان بیڑھیوں سے زیادہ صاف نہیں ہے۔

چلو میں جھپٹے لینے آیا ہوں، وہ بے نیازی سے کہتا۔ فوراً ہم باہر نکل جاتے۔ آوارہ گردی
کرتے۔ میں اس سے اگلے سیدھے سوال کرتا رہتا۔

کیا اب بھی لڑکیاں تمہارے سٹوڈیو میں آتی ہیں، میں پوچھتا۔

بہت آتی ہیں۔

خود کو قتل پر کھاکر لاتی ہیں۔

ہاں 'باقاعدہ' آرتی بنا کر۔

اور تم دیہاتیں کر ان کی ہیئت قبول کرتے ہو۔

ہاں 'کیوں نہ کروں۔

اور تمہاری بیوی جلتی ہو گی۔

ہاں جلتی ہے۔

پھر

پھر کیا؟ یہ بھائی جب تک تمہاری راتی ہیں 'جب تک انہیں جلائے رکھو۔ غلطی ہو

چائیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

وہ دن یاد آتے ہیں جس میں پوچھا۔

کون سے دن۔

وہ لاہور کے لوہان ایر صیفر کے دن۔

نہیں 'اس نے سرنگی میں پلا دیا۔ میں آگشت ہوں۔ وہ یوں اور آگشت پیشہ محل میں ہیں

ہے یا مستحقین کے خواب دیکھتا ہے۔ ماضی کی دلدل میں ات پت میں ہوں۔

قائد اعظم کا بت

پھر جب کراچی میں میرے آخری دن تھے تو ایک روز وہ آگیا ہوا چلو۔

کہیں 'میں نے پوچھا۔

تھ سے ایک کام ہے۔

کیا۔

میرے ساتھ چلو۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

کیا کام ہے 'میں نے پوچھا۔

یوں 'تھانے کا نہیں 'دکانے کا ہے۔

وہ مجھے ہوا بندر سے دور بچ پڑے لے گیا گاڑی سے اتر کر وہ تک ہم چلے رہے۔ آخر وہ

UrduPhoto.com

اور میں پہلی ہوئی چٹانوں کے قریب ایک چتر بیٹھ گیا۔ بیٹھ جاؤ 'وہ بولا۔

وہ دو چھوٹے چھوٹے چتر آتے ہیں 'تجے 'اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

کون سے۔

ایک وہ دور کا کلا 'ابھرا ہوا ایک یہ سامنے والا 'اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

ہاں میں نے جواب دیا آتے ہیں۔

جب باہر سے سمندری جہاز آتا ہے تو کراچی بندرگاہ کی گودی میں جانے کے لیے ہن دونوں

لے اور جہاز سے گزرنا ہے۔

پھر میں نے پوچھا۔

میرا بتی چاہتا ہے کہ قائد اعظم کا مجسمہ ہاؤس 'ایک چٹک اس چٹان پر ہو اور دوسری

پر ہے۔ لگا دینا مجسمہ ہو کہ جہاز اس کی ٹانگوں کے نیچے سے گزریں۔

انکا بات 'میں نے پوچھا۔

ہاں انکا بڑا۔

کیسے بنائے گا۔

تجے بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ وہاں قائد کا سرو ہو گا۔ اس پر جہاز کیپ ہو گی۔ نیچے کھلی انہیں

اس سے نیچے سفید شلوار 'بٹی سفید اور نیچے جہاز گزریں گے تجھے نظر آتا ہے کیا۔

نورمون 'میں نے سرنگی میں پلا دیا۔

مجھے آتا ہے 'وہ بولا 'میں تو کسی آدمی رات کو اتے دیکھنے کے لیے یہاں آ جاتا ہوں۔ بیٹا

دیکھنا ہوں۔ دیکھنا رہتا ہوں۔ یہ میرا آخری کام ہو گا۔ پتہ نہیں کتنے سال لگیں گے 'لیکن وہ مجھے

کرا نظر آتا ہے۔ سیدھا ہوا قائد اعظم۔

وہ تک ہم دونوں وہاں بیٹھ رہے۔

وہ قائد کو دیکھنا رہا میں گزر کر۔

الحق 'میں نے کہا۔ نہ دیکھ خواہ۔

اور کیا دیکھوں۔ کچھ ہے اور دیکھنے کو کیا 'اس نے پوچھا۔

یہ پاکستان ہے 'میں نے کہا یہاں 'تجے کون بت بنائے دے گا۔

اور اس کا دورہ مدغم پڑا گیا۔

یہ سن کر میں ہنسنے لگا۔

امیر بشیر سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا: اگر میری پوشیدہ کراچی سے باہر ہو گئی تو کیا، تو
سنہالے گا کہ تم سے ابھی وہ پوری طرح سے بے تکلف نہیں ہوا۔ وہ دل کی بات کی ہے۔
کرنا۔

میرا بھی تو کچھ پتہ نہیں، میں نے کلمہ شاید میں کراچی سے چلا جاؤں۔ مجھے ڈی ڈی ایف ای
لوگ پسند نہیں ہیں۔ ڈائریکٹر راجہ اندر بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ پھر قلم کا انچارج ہے۔ وہ غور
بدلتا ہے۔

تو تو نے شہاب سے بات کی، امیر بشیر نے کہا۔

نہیں ابھی نہیں۔ شہاب مجھے لانا اور پیچھے کی سوچ رہا ہے لیکن بھائی جان کہہ رہے ہیں
مفتی کو واپس پٹری آنا ہو گا۔

بھائی جان اور باؤ والا معاملہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا، امیر بشیر نے کہا، یہ تم جانو۔

تو وہ جواب دیتا، میں نہیں ہو سکتا۔

میں نے بار بار پوچھنے سے روک دیا تھا، اس لیے اس روز مجھے میں بولا، کہا، جو ہے کہ میں
اس میں کہہ رہا ہوں۔ تم نہ جانو۔ تم چلے گئے تو میں واپس کفن پائوس میں چلا جاؤں گا۔ وہاں
کوئی کھل نہیں سکے گا۔ مجھے وہاں جانے پر مجبور نہ کرو۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

شہاب کی جانب ہم سب کا رویہ مختلف تھا۔ حفیظ کو شہاب کے خلاف سخت گھٹا تھا کہ وہ
دل قریب ہونے کے باوجود حفیظ کی مدد نہیں کر رہا تھا۔

اسی انکشاف کو شہاب کی ذات سے لگاؤ تھا۔ شہاب کا نام سن کر وہ کھل اٹھتا تھا۔ جب بھی
وہاں بڑے شرق سے شہاب سے جا کر تھا۔ لیکن ملاقات کے دوران اس نے کبھی اپنی بات
نہیں کی۔

امیر بشیر، شہاب سے بے نیاز رہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شہاب ایک اچھا آدمی ہے۔ ہمدرد
فلاس ہے، اس کے علاوہ اس نے شہاب کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

بشیر، شہاب کے خلاف تھا اور میرے دل میں بھی شکوک ڈالتا رہتا تھا۔

دیئے یہ بھی ایک ادبی فن کا خط تھا، لیکن اس کا انداز قطعی طور پر مختلف تھا۔ لہذا ہم آپ کو چاہتے ہیں۔ ہم آپ کی تشفیات کے قاری ہیں۔ ہمیں آپ کی انداز پسند ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ سے ملاقات کریں اور آپ سے خیال کریں۔ امید ہے آپ ہم سے تعلق کریں گے۔

اگلے آثار کو گیارہ بیچ آپ صدر کے مرکزی پارک میں تشریف لائیں۔ مرکزی پارک صدر کے چوک میں واقع ہے جس کے مرکز میں فورہ ہے۔ پارک میں کئی ایک بنجی پڑیں ہیں۔ پارک کے صدر دروازے گیٹ کے قریب۔ چھ ہے اس کے اوپر ایک درخت استلہ ہے۔ یہ واحد چھ ہے جس پر دوسرے دھاریے ہوتا ہے۔ آپ اس چھ پر تشریف رکھیں۔ گیارہ بیچ ہمارا اشارہ آئے گا۔ آپ سے ملے گا۔ آپ گاڑی میں بیٹھ جائے گا۔ وہ آپ کو ہمارے گھر لے آئے گا۔ گھر میں میرے میاں میں اور ہمارے دو نوجوان بیٹے ہیں۔ آپ سے مل کر ہم خوش ہوں گے۔

دوسرے کا کہنا آپ ہمارے ساتھ کہاں گئے، پھر ہمارا دروازہ آپ کو صدر دروازے اسی مقام پر چھوڑ آئے گا۔ امید ہے آپ ضرور تشریف لائیں گے۔

ملاقات کی خواہش

”سن“

اس خط کو پڑھ کر میں بہت حیران ہوں۔ تو یہ خط چنباٹی تھا، تو ترقی قلم ساری باتوں کی تھی، پر اسرار تھی۔ یوں جیسے مسز آف دی کورٹ آف لندن کا کوئی ورق ہو، چھ دن میں اس خط کو جب میں ڈالے سوچا وہ بلا بھی رہی ہیں۔ چوری میں اگلا یہ ”میاں“ موجود ہوں گے اور یہ بات وضاحت سے بتا رہی ہے کہ بچہ نوجوان ہیں۔ اپنی عمر پر وہ نوجوان ہیں۔ ظاہر ہے کہ عمر رسیدہ ہے۔

کئی ایک بار مجھے چیکل آیا کہ جاکر شباب کو یہ خط دکھاؤں، اس سے پوچھوں کہ جاناں کو نہ جانوں۔

علم کا کہ خط پڑھ کر قدرت کی آنکھ میں چمک اترے گی اور وہ مسکرا کر کہے گا: یہ کیا ہے جو ضرور ہوا۔ ایسے مواقع کیا روز روڑ ملتے ہیں۔ وہاں جاکر محترمہ سے کہنا کہ میں آپ کو یہ لکھ رہا ہوں۔ ایسا اچھا تو میں لکھتے۔ جیسا میں لکھتا ہوں۔ انہیں بھی پڑھے۔ شاید آپ انہیں انڈر کسٹنڈیشن رکھنا پسند کریں۔

”سن“

اپنی باتیں کرنا پسند کرتا تھا، لیکن صاف پتہ چنا تھا کہ یہ دیکھوے کی باتیں ہیں۔ میں کوئی خاتون اسے لکھنے کے لیے آئی تھی، تو وہ چہرین کر بیٹھ جاتا تھا۔ تو میں اسے کوئی خصوصی ”میل اینیل“ نہ تھی پھر بھی لڑکیاں اور خواتین اس کی باتیں نہیں۔

میں سمجھا کہ خاتون کا اہتمام اس کے عہدے کی وجہ سے ہے۔ پھر جب میں نے دیکھا کہ اس کی چاہت کتنی جاتے دیکھا تو میں سوچ میں پڑ گیا یا اللہ یہ کیا عہدہ ہے۔ میں نے اسے شب سے پوچھا کہ ”لڑکیاں اور خاتون آپ کی چاہت کتنی آتی ہیں۔“ وہ ہلا۔ کیا واقعی کتنی آتی ہیں۔

”سن“

”سن“ آپ کو اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ میں نے سرٹیل میں بلا دیا۔ آپ میں بظاہر کوئی سیل اینیل میں ہے۔

”سن“ میں یہ خیال ہے، وہ بولا۔

”سن“ میں وہی تو جسم میں ہے، انداز میں ہے، لیکن اگلا آگے سے ہوتا ہے، لکھ سے۔ میں نے اس کی حلیہ کوئی چکاتے نہیں دیکھا۔

”سن“ میں یہ خیال ہے، وہ بولا۔

”سن“ میں وہ اپنا منہ سے متعلق علم جھاڑنے کا خیال دیا میرا بلا موقع تھا۔

”سن“ میں یہ خیال ہے، وہ بولا۔ میں نے چکائی جاتی۔ ارادے سے چکائی جائے تو غصہ نہ آئے۔ خود بخود جانے پوچھے بغیر چمک جاتی ہے۔

وہ غور سے میری بات سن رہا تھا۔

مجھے آج تک کچھ میں نہیں آیا کہ آپ میں مقامی طاقت کہیں ہے، میں نے آرا

مجھے بھی کچھ میں نہیں آیا، وہ بولا۔ لیکن ارد گرد بیسٹس پگڑ پگڑاتی رہتی ہیں۔

بیسٹس کیا میں نے پوچھا۔

پگڑ پگڑیں، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

کیا آپ خود انہیں حرکت میں لاتے ہیں، میں نے پوچھا۔

انہی نہیں۔

آج آئیے، میں آپ کو کہیں ڈراپ کروں۔

انہی، ہار نہیں رہا کہ کہیں چاہا ہے مجھے۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ میں نے کہا آپ سے ملنے سے پہلے مجھے پتہ تھا کہ کہیں

آج آئیے، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

میں کر سکتا، وہ بولا، مجھے اچھی لگتی ہیں۔ دراصل یہ مسئلہ بہت شیرازہ تھا۔
 انگریزوں میں کرتا، ڈیراز میں کرتا، لیکن ریاست بھی میں کر سکتا۔
 اس معاملے میں میرا مسئلہ قطعی طور پر مختلف تھا۔ میں انہیں ڈیراز کرتا تھا۔
 کرتا تھا۔ انہیں ریاست کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
 میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سے ملاقات کے کوائف شباب کو جتانوں گا۔ دیکھوں گا۔

ملاقات

میں اس وقت شباب کا فون انگیڈ
 میں نے کہا، جناب والا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس نے کہا، ہم راجہ
 رہے ہیں، مستقل طور پر جا رہے ہیں، ملے کا وقت نہیں ہے۔ میں آپ کو آٹھ بجے
 سرکاری طور پر پتلی پلاؤں گا۔ آپ آج اپنے جگہ وہاں بات کریں گے۔ اس کے بعد
 کسی اور سے بات کرنا ممکن نہ رہا۔

ملاقات

اتوار کو گیارہ سے بہت پہلے، میں معینہ مقام پر جا بیٹھا، گیارہ بجے کے قریب ایک
 گاڑی پارک کے گیٹ پر آرکی۔ ایک بوردی ڈرائیور باہر نکلا۔ میرے قریب آکر
 چاہتا ہوں آپ کا نام کرائی۔
 میں نے کہا، ممتاز مفتی۔
 بولا، تشریف لائیے۔

ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے، دیر تک گاڑی چلتی رہی۔ میں ان علاقوں سے گزرا
 واقف نہ تھا۔ ایک فراخ گلی میں وہ ایک جھگے میں داخل ہو گئی۔
 ڈرائیور نے ہنسی بھائی دروازہ کھلا۔
 درمیان میں محترمہ بکری تھی، دائیں ہاتھ بیٹا، بائیں ہاتھ بیٹی۔ انہوں نے کہا،
 کیا اور پھر مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

محترمہ کا قد چھوٹا تھا، بڑا سنگار سے بے نیاز۔ سادہ لباس، ظاہر تھا کہ چٹ کپڑا،
 پر متدن نقوش تھے۔ انداز سے ظاہر تھا کہ پدمی لکھی ہیں اور باقی وقار ہی تھا۔

آپ کی دوست

”من“

کئی گئی، ہم پر ایک کہانی لکھ دیجئے۔

ایکسوں میں نے پوچھا۔

کہہ بھی لکھ دیجئے، وہ بولی۔

میں تو حیرانم بھی نہیں جانتا، میں نے کہا۔

کہہ تو جانتے ہیں، وہ بولی۔

اے جانتے تھے یہ کیا میں نے کہا۔

آپ جانتا سمجھیں یا نہ سمجھیں میں تو سمجھتی ہوں، یہ وہ پڑا رہے دیجئے، وہ بولی، پر دے

آگے سے کہانی نہیں بنتی۔

(ایکسوں میں نے پوچھا، لکھنے کو کچھ ہو بھی۔

جس کچھ ہے۔ بہت کچھ۔ صرف محسوسات ہی تحریر میں رنگ بھرتے ہیں، تا یہ کہ کہ اس

کا رنگ رکھ دے۔

پہلے ایک دلوں کے بعد اس نے پھر فون کیا بولی۔ آپ نے وہ آپ بتی لکھی۔

نہیں میں نے جواب دیا۔

تو لکھیے تا وہ بول۔ دیکھئے ہر کہانی کا ایک انجام ہوتا ہے، اس کہانی کا بھی انجام ہو جائے۔

انجام کیوں ہوئے وہ اسے۔

جانتی تو رہے گی۔ ہم نے بھی کوئی تحریک نہیں چٹائی جس میں رک جانے کا خدشہ ہو۔

لکھیے جلدی لکھیے۔

آپ کو کسی پتے کا کچھ شائع ہو گئی ہے۔

ہم خبر رکھتے ہیں۔ کراچی کے کسی پرے میں چھپو ایسے گا۔

میں نے ایک کہانی لکھی۔ عنوان تھا، بوند بوند بتی، لکھ۔

جس، مطمئن نہ ہوا۔ ایسے کا کیسے خالی ڈبہ ہو۔ کہانی صرف عنوان میں تھی۔ متن سوکھا کاٹھ

اس خط نے میرے ذہن کو انڈے کی طرح چھینٹ کر رکھ دیا۔ یہ خاتون کیا ہیں؟
جذبہ اور پھر اس قدر ضبط۔

ہمارا راولپہ ۳۵ سال قائم رہا، تک قائم ہے۔

سال دو سال میں اس کا ایک خط اور ایک فون ضرور آتا ہے۔ اس عرصہ میں ہم
بسیوں مکان بدلے۔ کئی بار فون کا نمبر بدلا۔ لیکن اس کے خط پر ہمیشہ صحیح پتہ لکھا ہوتا ہے۔
لگتا ہے۔ جیسے ہماری ہر نقل و حرکت کا اسے پورے طور علم ہوتا ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ میں لاہور گیا ہوتا اور اس کا فون وہیں آ جاتا۔

میں اس سے پوچھا کرتا تھا کہ، تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں لاہور گیا ہوا ہوں۔

اس نے جواب میں کہا، ہم آپ کے بارے میں ہر تفصیل کا پتہ حاصل کرتے ہیں۔

کیسے حاصل کرتی ہو۔

ہم اپنے سارے وسائل والا پلگا جانتے ہیں۔

میں نے چڑ کر کہا۔ تو خاتون ہے یا جن ہے۔

ہم دونوں ہیں، وہ جواب دیتی۔ آپ کو علم نہیں، جن کا سینہ ذکر نہیں مومن ہے۔

تو مجھ سے ملتی کیوں نہیں، میں پوچھتا۔

پھر کہیے، وہ ہنستی۔

میں پھر اپنی بات دہراتا۔

پھر کہیے، وہ پھر ہنستی۔ پھر ہنستا، ہنسیا ہو جاتی۔ اچھا ہی ہوا کہ ہمارے ملنے کی،

مسودہ ہو گئیں ورنہ۔

ورنہ کیا میں پوچھتا۔

ورنہ کیا پتہ، ہم کس راستے پر چل پڑتے، یہ کہہ کر وہ چنگا دکھ دیتی۔

UrduPhoto.com

۳۵ سال کے طویل عرصے کے دوران میں صرف ایک بار اس نے ایک فرائض کی تھی۔

UrduPhoto.com

بوند بوند بتی میرے انڈوں کے آغوشیں مجھے "کسی نہ جانے" میں شامل ہے۔

نہیں لگا۔ بھیجی جاتی تھیں۔ فورسز بی یڈ کا مقصد آزمائش تھا۔ اور شہاب نے اس پہنچ کو قبول کر لیا تھا۔ وہ بیسٹس سے انرجی حاصل کرتا اور دوسری چٹاب سوڑ دیتا تھا۔

تھا۔ میں اسے شہاب کے پاس لے گیا۔ یہ ۱۹۸۳ء کی بات ہے۔
یہ کیا چیز ہے 'اس نے پوچھا۔

پتہ نہیں 'میں بولا 'آپ سے پوچھنے آیا ہوں 'اسے پڑھ لیجئے گا 'میں ہر اکوٹا چھ
اگلے روز میں ہر گیارہ بولا بند ہے 'کھلتی نہیں۔ عموں کتا ہے کھلے گی۔ بڑی ہی دکان
ہو گی۔ ہونے والی پڑیں گی۔ وہ کیا بول آپ نے دیا ہے اس جتنی میں۔
وہ ہے 'بڑی بڑی۔ یونٹن

بر سے ہوا
یونٹن تو ہیں 'وہ بولا 'صحن میں نہیں برسا۔
میں نے کہا 'میری 'اس کمانی کی وجہ تیرہ سن لیجئے پھر بات سمجھئے۔
میں نے مختصر یہ سن 'کی ساری کمانی سادی۔

فورسز بی یڈ

سن کر بولا 'بڑی اٹوکی بات ہے۔ ایسا کبھی ہوتا نہیں۔
میں نے کہا 'ہاں بڑی اٹوکی بات ہے۔
قدرت بولا۔ جب اٹوکی ہوتی ہے تو مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ہوئی نہ ہو 'کر والی مٹی ہو۔
میں نہیں سمجھا 'میں نے جواب دیا۔
جیسے فورسز بی یڈ کا ہاتھ ہو۔
فورسز بی یڈ کا کیا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
شاید ہو 'وہ بولا۔ کوئی مقصد ہو۔
مقصد کیا ہو سکتا ہے۔
شاید آپ کو سکھانا مقصود ہو۔

کہ محبت کیے کی جاتی ہے۔
ان دنوں مجھے کم نہ ہوا تھا کہ شہاب کے گرد جو بیسٹس منڈلاتی تھیں 'وہ خود نہیں آتی

ہاں اور ستارہ

روپ پیڑی بیچ کر میں سیدھا راجہ فٹچ کے پاس گیا۔
 وہ فٹچ سے راجہ کو روپ پیڑی بیچ کر دیا۔

یہ سونے کا باب

پہلے میرا خیال تھا کہ یہ اہمیت حوالے کی ہے۔ درحقیقت صدر صاحب کو اہمیت دی جا رہی ہے اور چونکہ صدر صاحب تک پہنچنے کے لیے توسط ضروری ہے اس لیے ستارہ کو اہمیت دی جا رہی ہے۔

یہ مفروضہ بہت جلد دم توڑ گیا۔ چونکہ بھائی جان انکو کما کرتے تھے کہ ہلال کا کیا ہے وہ تو گھٹنا پرستار رہتا ہے۔ اس کے برعکس ستارہ میں قیام ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ مولانا در اکایک خصوص پر دو گرام ہے جو اسلام کے نشانی خانہ ہے۔ متعلق ہے بھائی جان کما کرتے تھے سرکار قبلہ کا پروگرام مل میں آئے رہے۔

بحیثیت سیکرٹری ستارہ کے اس پروگرام میں شامل ہونے کی افواہ تو مجھ میں آئی تھی لیکن انفرادی حیثیت میں ستارہ کیا کر سکا تھا۔

لیکن اس روز کراچی میں چٹکن کی کیفیت میں قدرت کی باتیں سن کر مجھے شک چڑنے لگا تھا کہ قدرت وہ نہیں ہے جو ظاہر دکھائی دیتا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اس کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہے۔ لیکن شک ابھی ڈالوں ڈالوں قبل اس نے یقین کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔

راجہ سے ملنے کے بعد میں قدرت سے جا کر ملا۔ قدرت ایک ہوش میں مقیم تھا۔ لیجئے میں آگیا فرمائیے مجھے کس لیے بلایا ہے۔

بڑا اچھا کیا آپ آگئے وہ بولا۔

کوئی سرگت لگتا ہے کیا میں نے پوچھا۔

نہیں وہ بات ختم ہو گئی۔ اب آپ آٹھ دن فرلوہو ہیں۔

کیا بات تھی جو ختم ہو گئی۔

اشفاق نے ہلت روڑہ لیں و نہار کا ہارج لے لیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ "امروز" لاہور

میں۔ لیکن میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ آپ کے بھائی جان آپ کو روپوشی میں

لانا چاہتے ہیں۔

UrduPhoto.com

خواب

UrduPhoto.com

آپ بھائی جان سے ملنے میں کیا میں نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

نہیں ابھی نہیں وہ بولا۔

ہاں آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میری قید تائی پڑی میں ہو۔

رات میں نے خواب میں انہیں دیکھا تھا۔ کد کر رہے تھے کہ ابھی تک آپ کو یہاں کیوں

لا رہا۔

آپ خوابوں کو ماننے ہیں کیا؟ میں نے پوچھا۔

ہاں کچھ ماننے والی ہوتی ہیں کچھ نہیں۔ مثلاً میں ایک خواب بار بار دیکھ رہا ہوں۔

بار بار ایک ہی خواب میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا، "مکی بار دیکھ چکا ہوں۔ حیرت کی بات ہے کہ خواب کے کوائف بالکل نہیں

ایک سے ملتے ہیں۔" جیسے کاربن کاپی ہو۔ دیکھتا ہوں کہ ہم ہولٹی جناز میں جا رہے ہیں۔

کچھ کچھ کما رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اب گرامہ اب کر رہا لیکن جلد ہی وہ بجے پٹ لیز کر

ہاں۔ اس میں سے صدر ایوب صاحب کی کافین کے قلم ارکان باہر نکل آتے ہیں۔ پھر ہم

صاحب کو باہر نکالتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں شیشہ توڑنا پڑتا ہے ہم انہیں کھینچ کر باہر

لا رہے ہیں۔

حیرت میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا، "اس تفصیل کی وضاحت نہیں ہوتی۔ جنازے باہر نکل کر ہم فیصلہ کرتے

ہیں جنازہ اڑان کے قاتل نہیں ہے۔

بات اڑانے کی کوشش کرتا ہے اور جنازہ کو اڑا کر لے جاتا ہے۔ بس اتنا ہی خواب ہے۔

ایک خواب ہے میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا، "جب کراچی جیل میں وہ قیدی مجھے ملا تھا۔ سلیٹری سل والا قیدی، یاد ہے آپ

مجھے یاد ہے۔

اسے میرے اس خواب کا طم تھا۔

اس نے بات کی تھی کیا۔

ہاں اس نے اس خواب کا حوالہ دیا تھا کہنے لگا، "اپنا وہ خواب یاد ہے جو تم بار بار دیکھ رہے

ہو۔ اہل جنازہ والا خواب وہ خواب ایک وار تک ہے کہ تم حیرت حاصل کرو۔

تو کیا آپ نے عبرت حاصل کی؟ میں نے پوچھا۔

وہ ہنسا، مجھے ہنست ہی سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ جب اسی میں مدد صاحب کے ساتھ ہوا
جہاز میں سفر کرتا ہوں تو یہ خواب مجھے یاد آجاتا ہے اور پھر جہاز کو غلوہ بخلوہ جھٹکتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میں نے کہا، راجہ شفیق ہے کہتا ہے، آپ سے مزار پر آنے کا دن اور وقت طے کر لیں۔

اے اہل ہمان، ہمان ہیں، اس نے پوچھا۔

اے وہ آج ہی مری سے آئے ہیں۔

کیسے ہو سکتا ہے۔ قبرستان کے اندر گاڑی لے آئے۔ یہ تو ہی غص کر سکتا ہے جو مرثیہ
انہوں سے پورے طور پر واقف ہو۔ لیکن قدرت کو تو راستہ ہی معلوم نہ تھا۔
ایک بار میرے کہنے پر وہ اور اشفاق ربی کی پٹری پر چلتے رہے تھے اور انہیں مرثیہ کا
تقریر نہ کیا تھا۔ اور اب وہ گاڑی لے کر قبرستان کے اندر اس خاص احاطے تک پہنچ
وہاں مرثیہ کا مزار تھا۔ یہ کہنے ہوا۔ پھر بھائی جان کو اس کیفیت میں ہم نے بھی نہیں
تفصیل دی۔ وہ ایک ٹھہرے ہوئے پارکوار فرو تھے۔ انہوں نے بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ ظلوک
نہیں بھی نہ تھے۔ بات یہاں چھانکر نہیں کر سکتے تھے۔

اب انہوں نے دستار بندی کی بات کی تھی اس وقت وہ بری طرح چڑھے ہوئے تھے۔
میں نے دونوں ساتھی راجہ اور دلی پیدائشی طور پر ایمانی تھے۔ وہ بات مان لینے کی صلاحیت
تھی۔ چونکہ بھائی جان نے کہا تھا اس لیے ہاتھ بچ تھا۔ چوں دچا کر نے کی گھانٹا، نہ
میں شفع تو پاگل روایتی مرثیہ تھا وہ سر تسلیم خم کر کے والا تھا۔
اس بات کرنا بے کار تھا اس لیے میں عزیز ملک سے جانا۔ عزیز ملک میں قصہ ضرور
چلائی تھی لیکن اس کی سوچ بڑی بدل اور متوازن تھی۔

اس نے بڑی غور سے میری بات سنی۔ کہنے لگا: دستار بندی کی بات میری کچھ میں نہیں

میرے اندر کے چونکہ پہنچنے نے شہر بھرا اقتدار لگایا۔ وہ کیسے آسکتے تھے۔ راستہ میں
میں کھڑا تھا۔ اور انہیں تو رستہ بھی نہیں آتا تھا۔

وہ آئے تھے بھائی جان نے دہرایا۔ ملاقات ہو گئی ہے۔ بولے: ہمارا کیا ہے؟ ہم نے
بڑے سے ملنا تھا۔ بھائی جان فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے باتیں کرتے جاتے تھے، کسی سے ٹکاپ
تھے۔

سرکار قبلہ تشریف لائے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ اولیاء کرام تھے۔ انہوں نے ملاقات
دستار بندی کی۔ ایک مظاہرہ دیکھنے والا مظہر۔ شہر ہے ہم اپنے فریضہ سے جسکدوش ہوئے۔
ستارہ جالے اور سرکار جائیں گیں سرکار کا پروگرام عمل میں آکر رہے۔ کچھ اٹھاؤ اللہ۔

اللہ کے فضل سے ایک آفت ہو آئے والی تھی ٹل ٹل گئی ہے۔ ہم وعدائی طرز سے
حق میں ہیں۔ بھائی جان خود گالی کر رہے تھے۔

جس وقت بے معنی ہے۔ شہر ایران کی جانب سے آئیں گے۔ دو ہلاک ہوں گے۔ شہر
ہو گا۔ ہم اس روز کے شہر ہیں۔ ہم تو چاکر ہیں۔ حکم ہے کہ تلواریا ہاتھ میں تھامے۔
سرکڑانے کے لیے تیار رہو۔ یہی ہمارا اسلحہ ہے۔ ایک ساعت کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔
بولے: ستارہ زیر تربیت ہیں۔

پتہ نہیں اس روز بھائی جان کو کیا ہوا تھا۔ وہ فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے بولے جارہے تھے۔

نہیں یہ نہیں ہو سکتا

میں اپنے ہی پکر میں گھم گھری کسا مارا تھا۔ وہ کیسے آسکتے تھے۔ راستہ میں تو میں کھڑا
اور انہیں رستے کا ٹھم نہ تھا۔

اس روز دلی اور راجہ دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے کسی میں جرأت نہ تھی کہ بھائی جان
بجوں کو نوکے بھائی جان اسی روز میری داہیں پٹے گئے۔ میں نے دلی اور راجہ سے پوچھا کہ یہ

ہو نہ وہ بیٹھے آئے۔ میں نے دلی سے پوچھا کہ یہ
راجہ کہنے لگا: پتہ نہیں کیسے آئے۔ لیکن وہ آئے تھے۔ گاڑی میں آئے تھے۔ میں کوئی

تک گاڑی لے آئے تھے۔

ایم میں حنیف صاحب بڑی بے میری سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں پہنچا تو انہوں نے
میں بھڑک کر کڑی لگا دی۔ بولے: مفتی ممتاز کو کیا کر کے آیا ہے۔ مجھے ساری بات

میں نے کا حنیف صاحب میں نے آپ کا پروڈل شاپ صاحب کو پیش کر دیا تھا اور ساتھ
کہ وہ دھاکا کہ اس قسم کا حکم عید بن جائے تو سب کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

کہا کہ اس نے۔

کہا کہ چپ ہو گئے سوچ میں پڑ گئے۔

تم نے کہا تھا کہ یہ حکم حفیظ صاحب کے ماتحت ہو گا۔
وہ تو ظاہر ہے، میں نے کہا۔

ظاہر نہیں۔ اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی۔ بار بار کہنی تھی۔
جی میں نے ہی بار بار کی۔
بات ان کی سمجھ میں آگئی کیا حفیظ نے پوچھا۔

حفیظ اور جوش

میں حفیظ کو بہت بڑا شاعر مانتا ہوں۔ سبھی مانتے ہیں۔ لیکن لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ حفیظ ان کی شاعری سے بھی عظیم تر تھی۔ وقت یہ ہے کہ ہم اس بات کو نہیں سمجھتے ایک وہ 'خیر و شر' مثبت اور منفی سے بے نیاز ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ حفیظ اپنی نوعیت میں مثبت بھی ہو۔

میں نے اوہلی حلقوں میں دو عظیم شخصیتیں دیکھی ہیں۔ حفیظ صاحب اور جوش۔ دونوں شخصیتیں بڑی تھیں۔ لیکن رنگ مختلف تھے 'انداز مختلف تھے' نیوکلر مختلف کامرکز "میں" تھا۔ حفیظ کا مرکز "ہم" تھا۔ جوش کی میں ایک بہت بڑے جہاز دار اور بلند تھی۔ اس کی چمکوں میں سے وہاں تک پہنچی ہوئی تھی۔

پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ سلف اس پر حقیقت ایسا خیر و شر پیدا کر لیتے ہیں۔ اس کے گرد تنگنا لگا رہتا تھا اور حفیظ سے لوگ کئی گنا تر تھے۔ مجھے دو سال حفیظ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے۔ میں ان کی شخصیت کے بیشتر پہلوؤں سے غامض واقف ہوں لیکن حفیظ کی شخصیت کو ظہور کرنا اس کے لیے ایک بڑے فن کار کی ضرورت ہے، جوش کے لیے

بائبل درست کہتے ہیں۔ پھر میں نے "سارا قصور میرا ہے" کا دھکیلا شروع کر دیا۔ پھر بار بار کہتا رہا کہ شروع کر دیا۔ احمد شیر تم حفیظ کے لیے ایسا ہی اے کیوں کہ وہ حفیظ کے پائے کا آدمی ہو۔ تم نے خواہ مخواہ اونٹ کے گلے میں گھنٹی باندھ دی ہے اس لیے اس کے سفل کا فرق نہیں ہوں۔ اس قاتل نہیں ہوں کہ اس کا پانی اے بن جائے۔

جوش کا فوری اثر ہو گا۔ حفیظ خود آتے اور مجھے متا کر لے جاتے۔ حفیظ نے دیکھا کہ یہ شخص دی ایکٹ نہیں کرتا بلکہ سر جھکا رہا ہے۔ تو وہ سخت غصہ ہو کر رہ گئے۔ کیوں کہ وہ اپنے غصے سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر چڑھنے سے محروم ہو گئے۔ وہ بہت بڑے شاعر تھے لیکن فادرل تعلیم سے محروم تھے۔ حفیظ ایک بڑا جانا تھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں غیر تعلیم یافتہ ہوں، ان پڑھ ہوں۔ جوش بڑا شروع ہو جاتی ہے۔ پھر بھٹیاری اعلیٰ دے دے جوتی رہتی۔

جوش اور اہم

میں ہوم جی ڈی بی کی کڑی دلچسپی سے متعلق تھے۔ اس لحاظ سے ہوم جی بڑا بڑا آدمی ہے۔ اے حفیظ سے ڈیل کرنا پڑتا تھا۔ حفیظ صاحب جب بھی ہوم جی سے ملتے تو ان کے ہاتھوں میں ایک کتاب ہوتی تھی کہ میں کون ہوں۔ تم مثنوی لوگ کیا جانا کہ حقیقت کا کیا ہے۔ پھر حقیقت کا کیا ہے۔

راہِ کرم و انکیش صاحب کے لیے کوئی مستعد اور قابل بی اسے کی تلاش کی جائے۔
کے بلوغت میں بطور بی اسے ان کی خدمت میں کر سکا۔ مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ
بڑے دانشور کے ساتھ کام کر سکوں اس عرض کے جواب میں حفیظ صاحب نے کہا
میرے مگر آگے۔ اور سگے آواز میں دینے ملتی ممتاز ملتی ممتاز۔

اس کے بعد میں نے دو ٹھہ کر مگر آجائے کی کھٹل باقاعدگی سے اپنا لیا۔ اور حفیظ
جیپ کھٹوں میرے قلیٹ کے سامنے کھڑی رہتی۔

ایک دن میں نے احمد بشیر اور انشاء کو اپنے سامنے بٹھایا اور کہنے لگا اب ہاں۔
تھے کہ میں دن کے بعد حفیظ صاحب تجھے ان ف کر کے باہر نکال دیں گے اب ہاں۔
حفیظ جیپ میں بیٹھ کر مجھے منانے میرے مگر جاتا ہے۔

انشاء کہنے لگا یار میں پتہ نہ تھا کہ تو فیصلے پر دلہ مارے گا۔
ہاں احمد بشیر بولا مجھے اعزاز نہ تھا کہ تو میکین کی اس حد تک جاسکتا ہے۔

انشاء مسکرا کر بولا ہم سمجھتے تھے کہ ملتی بی ایک شریف بہارت انسان ہیں
غموش ہو گیا۔

جب میں راولپنڈی سے واپس کراچی پہنچا تو دیکھا کہ وہیں خیر جعفری حفیظ کے
حیثیت سے برائے ہیں۔ خیر جعفری کو میں بہت بڑا مزاحیہ شاعر مانتا ہوں۔ اس کے
غافل مزاح کے پھول کھلے ہیں۔ طنز کے کانٹوں سے پاک اس لیے میں خیر کا احترام
کردار کے حوالے سے خیر جعفری دفتری مائل میں بہت زیادتی ضروری ہے مجھ سے بھی
حضور۔ اور اے خیر کو دیکھ کر مجھے تیرا گام نہ مارا۔ جا کر دیکھ لیا۔

بھائی کی نتیجے کے طور پر احمد بشیر سات سال مطلوب رہا۔
بہ امریکی وظائف کا اعلان ہوا۔ ان میں ایک وحید ظلم بنانے سے حلقہ بھی

میں ابن انشاء اور مجھے ایک کمرے میں بند کر لیا۔ بڑے رازدارانہ انداز میں کہنے
اور بات نہ جانے نہ پائے۔ تم دونوں شباب سے قریب ہو۔ تم اسے طو۔ اس کے
اور ان کی لے کر پڑ جاؤ۔ اسے کہو کہ یہ وحید میرے نام کر دے۔ ضرورت پڑے تو
کہنے سامنے بھوک ہر تہل کر کے بیٹھ جاؤ۔ مگر یاد رکھو کہ حفیظ کو پتہ نہ چلے۔ وہ مجھے
اس سپورٹ نہیں کرے گا بلکہ اسے پتہ چلا تو وہ خود ہم ٹریننگ حاصل کرنے سے
کا۔

ان میں اسٹنٹ و انکیش بیٹے کے بعد احمد بشیر کی تمام تر توجہ دفتری ایڈیشن کی
اور ان کی تھی۔ وہ یہ ثابت کرنے پر قن کیا تھا کہ میں دفتری ایڈیشن کرنے کی
اوں۔

ان کا دفتر میں چلا رہا ہوں۔ حفیظ تو برائے نام و انکیش ہے۔

حفیظ کو یہ ذمہ تھا کہ احمد بشیر تو صرف کلر کی کر رہا ہے۔ دفتر تو میرے ڈی او کے دور پر
احمد بشیر حفیظ کے ڈی او کو میں مانتا تھا۔ حفیظ احمد بشیر کے گوش کو میں مانتا تھا۔
اور میان سرد جنگ چل رہی تھی۔ ابن انشاء اس ڈرامے کا داؤد ناصر تھا۔

بشیر کا کہنا تھا کہ دیکھو تم سب میرے باقت ہو لیکن میں نے تم پر بھی افسری کا رعب
تھیں یوں رکھا ہے جیسے نوکری میں پھول رکھتے ہیں۔ اب تم پر فرض ہے کہ تم
مجھ سے ملو۔

میں۔ دیوار پر نظریں جمنا کہ ہمارے دل کی طرف ہوں دیکھتا رہتا ہے جیسے وہاں کوئی

ہو۔ اندر بٹیر کمرے قلعی طور پر لاکھن ہو گیا تھا۔ اسے صرف ایک دھن کی دوا

امریکہ، فلم امریکہ، حلیہ صاحب خود محسوس کرتے گئی تھے کہ دفتری فضا بیل دلی

ایک روز حلیہ مجھ سے کہنے لگے، 'مفتی ممتاز دفتری کیا ہوا ہے۔'

میں نے جواب دیا، 'کیا ہوا ہے؟ کچھ ہوا ہے کیا؟'

بولے، 'دفتری فضا بیل دلی ہے۔'

میں نے کہا، 'حلیہ صاحب دفتری فضا تو آپ خود ہیں۔'

کیا مطلب؟

دفتری فضا آپ بناتے ہیں۔ آپ سحر کرتے ہیں تو دفتر میں خوشی کی لہر دو جا آئے

اٹتے پر تیری ڈال لیتے ہیں تو دفتر میں سب کے منہ لمبے ہو جاتے ہیں۔

کہنے لگے، 'مفتی ممتاز تو بڑا چالاک ہے۔'

میں نے کہا، 'جب آیا تھا تو معصوم تھا آپ کے ڈی او نے چالاک بنا دیا۔'

بولے، 'سچ سچ بنا تو دفتر میں کیا ہو رہا ہے۔'

میں نے کہا، 'حلیہ صاحب کبھی مٹھل کی بات کر لیا کریں۔ مجھے دفتر سے کیا لگتا ہے۔'

آپ کا پی اے ہوں۔

سایہ کہتے ہیں کہ کچھ غم نہ رہا ہو تو اس کی توجہ کسی اور چیز پر متصف کر دیں۔

سے حلیہ بھی ایک چہرہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کی ضد توڑنے کے لیے توجہ اس کی

طرف متصف کرنا ضروری تھا اس کی میں میں پھونک بھر دیتے۔ بس بات بن جاتی۔

پھر قدرت اللہ کی وسالت سے اندر بٹیر کو فلمی سکارپ مل گیا۔ اس خبر سے

جنون فوٹا نہیں بلکہ اور کاڑھا ہو گیا۔

وہ امریکہ جانے سے پہلے ہی امریکہ پہنچ گیا جس روز ہم اسے ایئر پورٹ پر

گئے۔ اس روز اس کا جنون نظر عروج تک پہنچ چکا تھا۔ وہ کراچی کے ایئر پورٹ کو نہیں

پچھ

بچہ ورک کا مطلب

تم ایک کمائی کھو، صرف آؤٹ لائن۔ میں اسے سینوں میں پٹت دوں۔ پھر تم اسے
مکالے لکھ دو۔ اس کام میں تقریباً چھ مہینے لگ جائیں گے، جب تک پیسے کا انتظام نہ ہو جائے۔
فن دنوں میری توجہ کسی اور جانب مرکوز تھی۔ میرا بی نہیں چاہتا تھا کہ فلم کی اپنی
نہ ہی مجھے چہرہ کمانے کی خواہش تھی۔ لیکن احمد بشیر نے تقاضا کرنا شروع کر دیا۔ مجھے
پڑے دیکھ کر قیصر نے پوچھا بات کیا ہے۔ میں نے کہا یار احمد بشیر فلم کے لیے کمائی بنانا
سوچ رہا ہوں کہ موضوع کیا ہو۔

بولو، لویہ بھی کیا سوچنے کی بات ہے۔ لو سٹوری لکھ دو۔ میں نے کہا، لو سٹوری

ہے۔

لو سٹوری - انشاء کی

کہنے لگا، عام لو سٹوری نہیں۔ انشاء کی لو سٹوری کھو۔ انوکھی محبت۔ ایسی محبت کہ کسی
کبھی کی نہ ہو، سنی نہ ہو۔

میں نے کہا، کیا خصوصیت ہے انشاء کی محبت میں۔

ہاں، میں نے کہا، یہاں تک کہ وہ جاتی ہے، آنکھیں بند کر دیتی ہیں، منہ سے بات نہیں نکلتی۔ جاتا

وہاں سے ہے مگر سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

وہاں سے اسے پوچھا، محبوبہ۔

وہاں سے وہ بڑی تیز طرار ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔ پڑھی لکھی

اور امر بھی کہتی ہے۔

وہاں سے کیا رویہ ہے اس کا، میں نے پوچھا۔

وہاں سے اسے سزا دینی ہے۔ بلکہ اب تو میاں بیوی دونوں مل کر انشاء کے جذبے کو کام میں

لانا، انشاء کا استحصال کرتے ہیں، فراغتیں کرتے ہیں۔ اور انشاء کو پتہ ہے کہ وہ اسے بنا

رہا ہے۔ پھر بھی وہ پھولے نہیں سنا، فراغتیں پوری کرنے میں اسے بڑی خوشی ہوتی ہے،

پھر بھی نہیں کیا پالیا ہو۔

کی ہنسی نکل گئی۔ میرا خیال تھا کہ محبت میں مجھ سے بڑا الحق کوئی نہیں ہو گا، لیکن انشاء

کی ہنسیات سن کر میرا دل ڈوب گیا۔

احمد بشیر کہنے لگا کہ انشاء سے جب ہم کہتے ہیں کہ یہ وقف، وہ تجھے الوداعی ہے۔ جواب

میں نے کہا کہ یہ ہے۔ تعلیق۔ ہر کد، عزم کر رہے ہو۔ جسمیر، نہیں، اس نے مجھے

کہاں میں نے پوچھا۔
آپ کو راولپنڈی پہنچ کر آرڈر مل جائیں گے۔

کر کے اس میں دو بدل کر کے اسے فاضل آیز کر لیں گے۔ ایک دفعہ کھانی کی آؤٹ لائن
فیصلہ ہو جائے پھر مکالمے آسان کام ہے۔

اگلے روز جب میں دفتر میں بیٹھا۔ فلیس کھانی کی آؤٹ لائن نگاہ رہا تھا تو ایک ڈیر لہی
دی۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا ہاں کمرے
میں دفتری سٹاف کھڑے کھڑے رہا تھا۔

کون آئے ہیں میں نے پوچھا۔

ڈیر آئے ہیں ڈیر لہی سٹائی دی۔

کہاں ہیں۔

حفیظ صاحب کے کمرے میں ہیں۔

اجہ پٹیرا اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ کہنے لگا، فلرز نہ کر ہم بھگت لیں گے وڈیر کو۔ تو وہ
مکمل کر لے۔

میں کمرے میں جا کر کھانی کی تنصیحات سوچنے میں کھو گیا۔ کچھ دیر کے بعد حفیظ کا تاج
بولا، جناب آپ کو وڈیر صاحب نے یاد کیا ہے۔

وڈیر صاحب نے۔ مجھے میں حیران رہ گیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کون وڈیر ہے یہ میں نے پوچھا۔

جی ریگیڈر ایف آر خان ہیں۔

جب میں حفیظ صاحب کے کمرے میں پہنچا تو وڈیر صاحب نے بغیر کسی تمیز کے پوچھا، آ
ممتاز مفتی ہیں نا۔

میں نے کہا، جی میں ممتاز مفتی ہوں۔

بولے، آپ فی الفور راولپنڈی چلے جائیں اور وہاں جا کر کیو شباب صاحب کو رپورٹ
کریں۔

میں نے پوچھا، جناب مجھے وہاں کتنے دن رہنا ہو گا۔

میں نے کہا، وہ بولے، آپ کو ڈائریکٹر کو یاد کیا ہے۔

میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
میں نے ضرورت ہے تو ابھی بتا دیجئے۔

میں نے جواب دیا "فوری ضرورت نہیں ہے۔"

شباب نے کتنی بھائی بھائی اسے کیا تو اس نے کہا "آپ ان کی جاننگ رپورٹ لے لیجئے۔"

لو لیس ڈی ہیں۔

رپورٹ لینے کے بعد شباب نے کہا "میرا ارادہ تھا کہ آپ کو لاہور امروڈ میں
لے جاؤں گا، لیکن بھائی جان کی خواہش ہے کہ آپ پنڈی میں رہیں۔ لہذا یہاں ایک نئی
گھر بنائی گئی ہے۔"

آپ بھائی جان سے ملے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

اس ایک ہی طاقت ہوئی ہے۔ بھائی جان خوب آدمی ہے۔ مستند، با اصول عمل کے
اپنے آدمی کس لئے ہیں، جوڈل کی اہمیت سے پاک ہوں، خدمت گزار ہوں۔

اور دوسرے ہاں میں نے پوچھا۔

کون کیا۔

میں نے کہا "بھائی جان ہے جیسے وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ پاکستان کے متعلق جو ان کا
میں اس سے آپ اس میں شمولیت کر لیں۔"

میں نے کہا "میرا صاحب گزار، میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے، اور میں
میں اس کے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ایک بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

میں نے کہا "میرا صاحب گزار، میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے۔
میں نے کہا "میرا صاحب گزار، میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے۔"

میں نے کہا "میرا صاحب گزار، میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے۔
میں نے کہا "میرا صاحب گزار، میری کار کے ساتھ ساتھ ایک سایہ سا متحرک رہتا ہے۔"

اور پوچھا۔

اس نے موضوع بدل دیا "لو لیس ڈی ہیں، لیکن انشاء لاہور آنے میں کیوں ہچکچا رہا ہے۔ کل میں نے اسے

صدر گھر

واپس لو لیس ڈی ہیں، لیکن انشاء لاہور آنے میں کیوں ہچکچا رہا ہے۔ کل میں نے اسے
میں نے بریگیڈر ایف آر خان سے کہا تھا کہ چارلے کا ختم بند آپ جاری کریں گے۔
آپ کے پاس رپورٹ کرنا ہے۔
دسب ہو جائے گا، وہ پولا

لو لیس ڈی

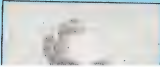
بس اتنا بتا دیجئے کہ چارلے کئی ہو رہا ہے، میں نے پوچھا۔
میں نے پنڈی میں "وہ پولا۔"

کس دفتر میں "میں نے پوچھا۔"

میں نے صدر گھر میں۔ اب آپ میرے ماتحت ہیں۔ میرے لو لیس ڈی ہیں۔ آفسر تین
پیش ڈیوٹی۔ لیکن اس میں آپ کو نقصان رسے گا، لول تو یہ نئی پوسٹ ہے۔ اس پوسٹ کی
منظوری ملنا پڑے گی۔ پھر آپ کی ہے اس فرم کس ہوگی۔ یعنی چھ مہینے تک وہ نہیں ملے گی۔
شاید گزارہ انڈسٹری مل جائے لیکن ہمارے پاس ایک انڈسٹری ٹوٹوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں

VIII

007



فون کیا تھا کہ آپ لاہور کیوں نہیں آجائے؟ وہاں ہم آپ کو اٹا موڈ میں لے کر
پھر اس نے کیا کہا۔

لاہور آنے میں ہینکچرپاٹ کا اکتہ بار کیا۔

نہیں وہ لاہور نہیں آئے گا۔ میں نے کہا۔ لاہور ہشتا کے لیے ایک پھوڑے کی جگہ ہے۔

ہے۔ وہ لاہور کو بھول چکا ہے۔

APPHARS THAT LAHORE IS

لے اندر بھرتے کہاں ہیں بے تو کتنا تھا کہ یہ لاہور میں جائے گا۔

میں خود حیران ہوں وہ بولا۔

اگلے روز جب ہم دفتر میں بیٹھے تھے تو انشاء آگیا۔ اسے دیکھ کر ہم حیران ہوئے۔

انشاء میں نے کہا تو لاہور گیا تھا۔

انشاء بیٹہ کیا کہنے لگا یار میں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہوا۔ تم نے مجھے گاڑی میں بٹھا دیا۔

پہلی تو میں کتاب پڑھنے لگا۔ پڑی دلچسپ کتاب تھی۔

پھر گاڑی رکی۔ کوئی بڑا مشین تھا دیکھا تو سگریٹ ختم تھے۔ میں نے سوچا چلو سگریٹ خرید

لیا سوٹ کیس اٹھایا۔ سگریٹ خریدے اور پھر سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔

پھر دو گاڑی رکی۔ تو سارے مسافر اتر گئے۔ دیکھا تو کراچی کا مشین تھا۔ حیران ہوا کہ یہ

ہوا کہ گاڑی کراچی سے چلی تھی اور واپس کراچی آگئی۔

قدرت جس کر بولا بے حد دلچسپ آدمی ہے۔

میں نے کہا دلچسپ نہیں لذیذ آدمی ہے۔

شام کو میں راجہ شفیق سے ملا۔ میں نے کہا راجہ بھائی جان کی بات پوری ہو گئی۔ میری

بھائی راولپنڈی میں ہو گئی ہے۔ کہاں وہ خوشی سے چلایا۔ میں نے کہا صدر گھر میں۔

خوشی سے وہ پاگل ہو گیا۔ اس نے دو ایک نعرے لگائے پھر بیٹھ کر سٹیج کی سے کہنے لگا یار

میری ایک ہی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی۔ مجھے تو یہ آگیا پن کہا گیا تھا۔

میں نے کہا بھائی جان کہاں ہیں۔

کہنے لگا مری میں ہیں۔ اراک کر رہے ہیں کہ مری کا کام ختم کر کے پٹری میں آ جائیں۔

کان کرائے پر لے گئے اور اسلام آباد میں کام کریں۔ لیکن یار وہ بول بھائی جان وہ بھائی

نہیں رہے۔ پہلے ان کی توجہ ستارہ میں آگئی ہوئی تھی اب ستارہ کی نیگم ڈانکر محنت پر مرکوز

ہو گئے ہیں ڈانکر محنت ہٹا دی جیٹی ہے۔

ایا واقعی میں نے پوچھا۔

پاکل وہ بولا۔

راجہ تجھے یاد ہے میری ماں نے مجھ سے سنت کی تھی کہ مجھے بھائی جان سے ملنا دو۔ میں



غفور ملک، محنت شباب، قدرت اللہ شباب (گورنمنٹ شاہین آباد)



نہایت
(قدرت اللہ شباب کی بھانجی)

خواجہ جان محمدیٹ (بھائی جان)
ملکی مفتی، قدرت اللہ شباب

نے بھائی جان سے درخواست کی تو کہنے لگے۔ ملحق صاحب ہم خواتین سے نہیں جواہر دے دیا۔

عفت کو ڈانہوں نے بیٹی بنا لیا ہے راجہ نے کہا ابھی اس سے ملے نہیں۔ اب وہ خود سے کہتے رہتے ہیں۔ عفت بیٹی کی گود کیوں نہ چری ہو۔ ضرور ہونی چاہیے۔ ہم نے کوکلی مرچ دم کر کے میں دی۔ لیکن عفت بیٹی کو کیوں نہ دیں ضرور دیں گے۔ راجہ بولا۔ بھائی جان کی ہماری طرف توجہ رہی ہی نہیں۔

مدر گریس تھوٹائی کی وجہ سے مجھے قدرت کو قربہ سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ قدرت کی وفات کے بعد 'اشفاق احمد کی کتاب "ذکر شہاب" کے لیے میں نے ایک مختصر مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون سے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

قدرت کی شخصیت

شخصیت کے لحاظ سے پہلی نظر میں قدرت غامض پھیپھر نظر آتے تھے۔ چھوٹا قد، جسم بات کرنے سے عاری ہوگئی، محل میں بیٹھے تو اس قدر سنجیدہ اور خاموش جیسے بظاہر ہوتے ہوں، اونٹیاؤں سے خائف رہتے، اگرچہ اس بات ڈانہوں نے بھی کسی سے انکار کیا تھا۔ یورو کرشن میں بیٹھے تو جیسے راجہوں میں گوا بیٹھا ہو۔

شور و شب سے سخت گمراہ تھے۔ تقریر کرنی پر بائال و دل بیٹھ بیٹھ جاکہ انہی اپنے ان کیوں کو چھپانے کے لیے انہوں نے خود پر سنجیدگی بھری چپ طاری کر رکھی تھی سنجیدگی بھری خاموشی بھری طرح سخت تھی۔ دوسرے کو پتھر کی طرح گنتی تھی۔ دوسرا کہہ رہا اس کا بیٹی چاہتا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ خاموشی قدرت اللہ کا واحد اختیار تھا۔ اگرچہ موثر تھا۔ حد موثر، مگر جموٹا بیٹائی تھا۔

کردار کے لحاظ سے قدرت اللہ پتھر کے نہیں تھے۔ انسان میں شدید قسم کی حسرت کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ ان میں کافی ضبط تھا۔ اندر بڑے حالات و در انداز مارے گئے ہوتے تھے۔ ان میں شدید ترین تکلیف کو برداشت کرنے کی قوت موجود تھی۔ بڑے سے بڑے کرب کے دوران کیا بھائی کہ چہرے پر اظہار کی جھلک نظر آئے۔ ان کا یہ کہ

قدرت اللہ پر طوفان چاہا ہو لیکن باہر سکون ہی سکون ہوتا۔

قدرت اللہ اس قدر ذہین تھے کہ بات کرنے والا انہی تمہید پھر رہا ہو تاکہ وہ ساری بات کو اس کی پڑنے کی پہلے اس قدر مختصر تھی کہ میں ابھی دوسرا ہیہ اگر ان پڑھا ہو تاکہ وہ سمجھ سکتے ہوتے۔

انہی میں میں اکثر بٹھاتا مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ قدرت نے سارا صفحہ پڑھ لیا ہے۔ انہی کا فائدہ پر لکھا ہوا ہے لفظ بہ لفظ پڑھتے ہیں یا مفہوم سمجھنے کے لیے نظر گردانی کرتے ہیں۔ لفظ بہ لفظ پڑھتا ہوں۔ پھر بھی مجھے یقین نہ آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی بیک ریڈنگ کا کام نہیں کرتا ہے۔

قدرت اللہ کی داشت غصب کی تھی۔ ایک دفعہ دفتر کا ایک ضروری کاغذ کم ہو گیا۔ بہت تلاش کی۔ قدرت نے پوچھا کیا میں نے وہ کاغذ پھاڑا تھا۔ میں نے کہا ہاں پڑھا تھا پھر پوچھا کیا تھا۔ میں نے بتا دیا کہ میں نے گے میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ چار پانچ منٹ وہ کہہ رہے۔ پھر بولے آپ لکھتے چائیں۔ میں لکھتا گیا۔ چند دنوں کے بعد اصلی کاغذ مل گیا۔ یہ نکل سٹاپ اور کرے تک فرق نہ تھا۔

انہی میں بہت حیران ہوں۔ انہی میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ میں نفسیات کا طالب علم تھا اور میں نے اس وقت مطالعہ کیا تھا اور خود کو نفسیات کا سمجھنے خان سمجھتا تھا۔ قدرت نے قدرت سے کہا یہ بات بڑی حیران کن ہے۔ انہی نے جواب دیا 'مید گی بات ہے۔

انہی نے کہا کیسے۔ انہی کے میری یادداشت Visual ہے۔ کسی کوئی چیز سامنے آ جاتی ہے۔ کوئی میں نے سمجھ سے بد عنوان رہتے تھے، کہتے تھے 'استخوان میں تم کتاب سے نقل کرتے ہو۔

قدرت اللہ کی انگریزی بہت عمدہ تھی، اپنے نوٹس وہ دفتری انگریزی کے بجائے ادبی انگریزی میں لکھتے تھے۔ ان کے نوٹس ایک تو مختصر ہوتے۔ دوسرے ان نوٹس میں وہ بین السطور

بات کرنے کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ جب ان کا لکھنا ہوا لوٹ دفتر میں پہنچتا تو سبھی لوگ، اے پڑھتے جیسے حیرت ہو اور پھر آپس میں گفتگو کرتے، بحث کرتے، مین اسلور، بحث کرتے۔

مگر ہوتا ہے نہ دفتر ہوتا ہے بلکہ ایک ڈھکا چھپا میدان کار زار ہوتا ہے۔ ایک

بات پر ان کا خلاف فائدہ انداز اختیار کیے ہوئے تھے۔ وہ سب ٹیکرٹری کے خلاف کو بیٹھ کر دیکھتا تھا۔ شباب کے خلاف کی خواہش تھی کہ وہ ٹیکرٹری کے حلقوں کاؤٹ کر دے اور ان کے خلاف حملاً آرائی کریں، تاکہ وہ بھی فائدہ انداز اختیار کر سکیں۔ لیکن قدرت ٹیکرٹری کی حملاً آرائی کا بھی دلش نہ لیا تھا اور ان کی مخالفت کو دور خود اٹھانہ سمجھتا تھا۔ نہ تو شباب اس موضوع پر اپنے خلاف سے بات کرتا تھا نہ ہی ان کی بات مٹاتا تھا۔ قدرت کا یہ رویہ اس کے خلاف کے لئے بے حد تکلیف دہ تھا۔

صدر ایوب کے ساتھ قدرت کا رویہ کھٹ مٹا تھا۔ صدر ایوب بلائے تو وہ کلڈ چل اٹھا کیوں بھاگا بھاگا حاضری دیتا جیسے کسی ذلیل ہو۔ صدر ایوب کے سامنے موجود نہ کھڑا ہو جاتا۔ جب تک وہ اسے جینے کو نہ کہتے کھڑا رہتا۔ اس کے انداز میں بے تکلفی یا افسرت کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ سراسر بی حضوریت۔

اس کے برعکس صدر صاحب کے پلے ہلاوے پر بھی حاضری نہ ہوتی۔ چڑاسی آرٹ لائٹ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ ان دنوں صدر گھر کے چڑاسی صدر کو لائٹ صاحب کہا جاتے تھے۔ وہ برطانیہ کی رسم ایسی تک قائم تھی۔

ایک دن میں نے پوچھا۔ آپ پلے ہلاوے پر کیوں نہیں جاتے۔ تیرے ہلاوے کیوں کرتے ہیں۔

کہنے لگا "بھئی" پلے ہلاوے پر نہیں جاتا۔ اس میں کوئی مصلحت ہے کیا۔

ہاں "وہ ہلاوے" تاکہ انھیں یہ احساس ہو کہ ان کے ہلاوے کے علاوہ بھی ضروری کام ہیں۔ اس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔

صدر ایوب کے سامنے وہ یوں بیٹھ کر رہتا تھا جیسے غائب جی حضور یہ وہ۔

تک صدر ایوب پوچھتے نہیں تھے وہ اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اس کی رائے پوچھتے تو خشک انداز میں کہتا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ پھر وہ مکمل کر لیتی۔ کا اظہار کرتے تھے صدر بڑے غور سے سنتے۔ وہ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرتے تھے۔ ہر معاملے میں پوچھتے تھے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حتیٰ کہ کلینڈ کی بینک میں بھی ارادہ

اللہ کے بعد وہ قدرت اللہ کی رائے بھی دریافت کیا کرتے تھے، حالانکہ کلینڈ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرنے کے باوجود صدر اکثر مسکرا جاتے۔

Must you throw a brick on my head whenever I speak
 ان دنوں میں نے پوچھا "آپ جو صدر صاحب کے سامنے یوں کرتے ہو جاتے ہیں جیسے کوئی لالہ کا بچہ مولوی صاحب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر کیا اس لیے بیٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کہ وہ سربراہ مملکت ہیں۔

ان دنوں بولا اس لیے بھی لیکن زیادہ تر اس لیے کہ صدر ایوب بہت ذریعہ آدمی ہے۔ میں ان سے بہت متاثر ہوں۔

قدرت کے تعلقات عجیب سے تھے جو میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ ان دنوں میں نے بھی اللہ یا اسلام یا پاکستان کی بات نہ کی تھی۔ کبھی تحقیق نہ کی تھی، جیسے بھائی سے بات کرتے تھے۔ اس نے کبھی مجھے صیحت نہ کی تھی، کسی بات پر ٹوکا نہ تھا۔ تو اس سراسر غلطی کے ساتھ کہ قدرت محسوس نہ ہو کہ مثلاً ایک روز چوٹ گولی پر بات ہو رہی تھی۔

گولی

حالات کے ابتدائی دور میں میں نفسیات میں دلچسپی لیتا تھا۔ ان دنوں نفسیات یا علم تھا۔

یہ سب باتیں اب میری میں نفسیات کی کتابیں قدروں میں زیادہ نہیں اس لیے میں نے مطالعہ کا

میں بالکل بے مضیون بائبل ہی بنا تھا۔ کتابیں بہت کم تھیں۔ اس لیے مجھ پر

اللہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ ان دنوں ایک رسالہ پڑھنے کشن آسانی سے مل جاتا تھا۔ کیونکہ

اس سے میں بہت متاثر ہوں۔

انکات سے بعد ایک روز مجھ میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ نماز پڑھوں۔

”ایسا نماز پڑھی آپ نے اس نے پوچھا۔
 میں دس چند دن پڑھی۔ بڑے سیکورینی اور خوشنہی کے ساتھ۔ پہلے چاروں طرف دیکھ کر
 اپنی زبان کو کوئی دیکھا تو نہیں، پھر چپ چپ کر وضو کرکے پھر کمرے میں گھس کر اندر سے
 نماز پڑھ لی۔

”وہ بٹنے لگا، ایسی تو کوئی بات نہیں۔
 ”غالب ہے کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں کیا۔
 کہیں نہیں، وہ بولا۔

اس سے دو ایک مہینے کے بعد جب ہم دورے پر کراچی گئے ہوئے تھے اور شام کے وقت
 کے ایک فیشی رستوران کے بڑے کمرے میں بیٹھ جائے لی رہے تھے۔ کمرہ گاہکوں سے
 بھرا ہوا تھا تو دفعتاً مغرب کی آواز سنائی دی۔ مجھے قدرت کی وہ بات یاد آگئی۔
 میں نے کہا آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے

ہیں۔

اس نے مسکرا کر ”برائیت میں پڑا۔

”کیا آپ اس کمرے میں نماز پڑھ سکتے ہیں، ابھی اس وقت میں نے پوچھا۔
 ہاں وہ بولا۔ ”ہاں اس نے بلند آواز دی، جائے نماز لاؤ۔“ میرا حیرت سے ہماری طرف دیکھنے
 والا۔ قدرت نے بڑے حکم سے اپنا آئروں دھرایا۔
 کچھ دیر کے بعد وہ ٹی کے میجر نے دور سے کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھا پھر میرے کو
 اندر دیا۔

”میرا قرب آیا بڑے احرام سے بولا، صاحب اندر نماز پڑھنے کا انتظام موجود ہے۔ آپ
 تشریف لے آئیں۔

”میں قدرت نے کہا، جائے نماز اس کمرے کے اس کونے میں بچھا دو۔
 قدرت اس کچھ بھرے کمرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا اور کمرے کے تمام لوگ حیرت
 سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ڈیلے باہر نکل آئے تھے۔

”میں، وہ بولا، مجھے پیشین گوئی پر یقین نہ رہا۔ پہلے بھی یقین کی وجہ سے نہیں
 دلچسپی کی وجہ سے دھماکا تھا۔
 یقین کیوں نہ رہا۔

بس خیال آیا کہ اگر ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ قادر مطلق ہے اور
 (Finality Rests With) اس کے بعد پیش گوئی بے معنی ہو جاتی ہے۔

اور کشف میں نے پوچھا۔
 وہ بھی تو پیش گوئی ہے اس نے جواب دیا۔
 اور اگر کوئی بزرگ کشف کی بات کرے تو۔
 چاہے کوئی بھی مستحق کی بات کرے، مگر آپ ”کا“ پیشین گوئی کے ساتھ میں ہے۔
 رکھتے ہیں تو آپ کو پیش گوئی پر حتیٰ یقین نہیں آئے گا۔ چاہے وہ کبھی حیرت ہو جائے یا
 ہمیں اس پر حتیٰ یقین نہیں کرنا چاہیے۔

نماز

میں نے قدرت اللہ کو کبھی نماز پڑھنے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری طرح وہ
 بے نمازی ہے۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی کہ ایک دن میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔
 چھٹی کا دن تھا، میں اس کے گھر چلا گیا، میں نے عفت سے پوچھا، شایب کہاں ہیں،
 روم میں ہیں، اس نے کلمہ میں بیٹہ روم میں گیا۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ میں نے پھر عفت سے پوچھا
 میں نے کہا، بیٹہ روم میں تو نہیں ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی، کئی چھ نہیں
 ہیں۔ اس کی مسکراہٹ بڑی باطنی تھی۔ میں پھر سے بیٹہ روم میں گیا، پھر روم کا دروازہ کھولا
 ڈریک روم میں قدرت نماز پڑھ رہا تھا۔

جب وہ باہر نکلا تو میں نے کہا، آپ چوری چوری نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ بھی
 طرح لپٹنے ڈھب پر شرمندہ ہیں۔
 وہ مسکرایا، کہنے لگا، ”کب شرمندہ ہیں کیا۔

میں نے کہا، بے حد شرمندہ ہوں۔ سارے ہی فنڈک جنول شرمندہ ہوتے ہیں۔ بھائی

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت تقاروت سے بھری ہوئی تھی۔

ظاہر وہ ایک خاموش اور مریض مریض آدمی نظر آتا تھا لیکن کبھی کبھی محسوس ہوتا تھا اس کے اندر ایک انتہائی چمکا چمکا ہے۔

ظاہر وہ ایک دہی آدمی تھا۔ دم و روح کے مطابق جینے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ لوگوں پر شک کرنے سے اجازت نہ دیتا لیکن اندر سے وہ ایک انفرادی شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی خیالات شدت سے منقو تھے۔ وہ ہر بات میں انفرادی رائے رکھتا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی انفرادیت کا منہ نہیں اٹھاتا نہ کرتا تھا۔ لیکن اس کے اعمال و افعال سے صاف ظاہر ہوتا کہ وہ خیالات اور کردار کے لحاظ سے ایک منقو شخص ہے۔

اس میں باکی جرئت تھی، لیکن ظاہر لوگ لگا تھا جیسے ایک ہی ضرور ہے۔

۱۹۶۰ء میں میں نے قدرت اللہ شہاب کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا تھا اس مضمون میں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کو سمجھنے کا عمل ایک ارتقائی عمل ہے، جس میں تین مقام آتے ہیں۔

پہلا ایک روز کی رفاقت کے بعد آپ محسوس کرتے تھے ہیں کہ آپ اس کی شخصیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ ایک سادہ، شہید، خوشگوار، شہر اور ہمدرد شخصیت کا مالک ہے۔

مزید قریب حاصل ہو جانے تو دفعتاً آپ محسوس کرتے ہیں کہ خوشگوار، شہر ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا بعد ہے۔ وہ قریب نہیں آتا۔ قریب آئے میں دیکھتا ہوں آپ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیسی شخصیت ہے۔ دو روز سے چہرے کھلے ہیں لیکن اندر داخل ہونا دشوار ہے۔ آپ سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ پر واضح ہوتا ہے کہ آپ شہاب کی شخصیت کے بہت پہلوؤں سے واقف نہیں ہیں۔

اس کے بعد اگر قریب قائم رہے تو ایک روز آپ پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہاب کی شخصیت کا ایک پہلو کسی انجیل سے متعلق رکھتا ہے، جس کا آپ احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس

قدرت اللہ شہاب آپ کے دورہ انجیل بن کر آکر آہوتا ہے۔

پس شہاب کو جاننے کا عمل سمجھنے سے شروع ہو کر نہ سمجھنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک حیران کن بات ہے جس کا اور ان مشکل ہے اور یہ بیان کرنا بہت دشوار ہے۔

شہاب سے ملنے والے بیشتر لوگ تو پہلی ہی منزل پر رک جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ دوسری منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور تیسری منزل تک پہنچنا شاید ہی کوئی پہنچا ہو تھے اس کاظم نہیں۔

قدرت میں ایک "مبگنٹینک" قسم کی "ڈول پاور" ہے۔ وہ آپ کی توجہ کو ہانک سکتا ہے کہ آپ کی توجہ اس حد تک آگے آئے اس سے آگے نہیں۔

قدرت اللہ کو میں گذشتہ چھ سال سے جانتا ہوں۔ میں بھی دوسری منزل سے آگے نہیں جا سکا۔ فرق صرف یہ ہے کہ مجھے لورا کہ ہے کہ میں اس کی شخصیت کے ظاہری پہلوؤں سے واقف ہوں۔ "بمبگنٹینک" سے واقف نہیں ہوں۔

قدرت اللہ سے پہلی بار ملنے پر بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں افسری کی نہیں سرے سے۔ وہ دوسری بات یہ ہے کہ قدرت اللہ کے قریب ہونے پر قانع تھا، چونکہ صدر پاکستان کا بیکرونی تھا۔ دیکھ کر وہاں کے قاضی صدر پاکستان کے قریب کے حوالے سے بے بے افسرانہ عزت کرتے تھے۔ اپنی طبیعت کم گوئی اور شہید کی دور پر وہ افسروں سے وقت گزار رہا تھا۔ انہوں نے اس کا رویہ سنا تھا۔

مقابلے کے اختتامات پاس کرنے میں اسے دوسری تھی۔ اس نے پہلے انڈس کا امتحان پاس کیا۔ پھر پروفیشنل سروس کا اور پھر آئی ای ایس کا تینوں امتحانوں میں پوزیشن حاصل کی، حالانکہ اس زمانے میں مسلمان کے لیے مقابلہ کا امتحان پاس کرنا بڑا مشکل تھا۔ قدرت کی یادداشت "بمبگنٹینک" تھی۔ کتاب کا مطالعہ سنا آ جاتا تھا۔ محض کوئی بڑا کتب خانہ ہی تھا۔ دیکھتے

قدرت میں قابلیت اور ذہانت تو تھیں۔ لیکن نہ قابلیت چمکا رہی تھی۔ نہ ذہانت دیکھتے ہیں۔ ان میں لگا جیسے کوئی پہلو ان کو ہر دینے لگے۔ واسطہ نہ ہو۔ البتہ ذہنی طور پر بڑا "انٹل" تھا۔ وہ کتنے میں مل تو تھا، لیکن شہر وند کا وجود نہ تھا۔ لوب نہ تھا، چاہا پہنچا لوب تھا، لیکن شخصیت میں لوبانہ رنگ نہ تھا۔ دانشور تو قاضی بات کرنے کی نسبت بات سننے کا شوق تھا۔ لیکن اس کا شہس نہ تھا طبیعت میں ہجر کا رنگ غالب تھا۔ غور پر نہ تو ناک چڑھتا، نہ معذرت

خواہ ہو کہ دوسروں کو اتنی عزت سے بلاتا تھا کہ تو ترائی کا سوال ہی پیدا نہ ہو کہ خدا کا شکر
تکلفی کا کوئی امکان نظر نہ آیا۔

اشفاق احمد نے قدرت کے ساتھ تو ترائی قسم کی گفتگو چلانے کی کوشش کی تھی۔ یہ
کہیں 'ملا کہ اشفاق احمد بھی طبی طور پر بے تکلفی کا اہل نہیں۔ جواب میں قدرت نے فرمایا
دی رنگ اپنانے کی سعی کی۔ قدرت کی یہ کوشش بہت بھونڈی تھی۔ ظاہر تھا کہ یہ نفل
نہیں چڑھے گی۔ قدرت کی شخصیت میں "لو" "لو" "لو" کہنے کی صلاحیت موجود نہیں
اس کی شخصیت کا رنگ ایسا ہے کہ دوسرا آپ آپ کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ اس کی
شخصیت پر محترم کی مرگھی ہوئی ہے۔ اس کے دوست 'املب' 'افسر' اسحقی ہم کلا' عزیز
دار سب اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔

پھر دلچسپی میں صدر پاکستان کے دفتر میں میری تہنیتی ہو گئی اور میں قدرت اللہ کا
بن گیا۔ میں مجھے قدرت اللہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جوں جوں میں اس کے قریب
ہو گیا توں توں مجھ میں حیرت جاگ اٹھی۔ یا اللہ یہ کیا انسان ہے۔ اس وقت مجھے یہ احساس نہ تھا
میں کھٹے سے نہ کھٹے کی طرف بے جا رہا ہوں۔

ایک روز دفتر میں ایک سیٹھ آگیا۔ قدرت اللہ نے سیٹھ سے میرا تعارف کرایا۔ سیٹھ
سے مخاطب ہو کر بولا 'یہ جو تمہارا افسر ہے 'اے' پر مجبور نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے' میں نے
پوچھا 'کیسے' بولا۔ دیکھو ہم پاکستان کا سیٹھ ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ حیدر پر ہم بڑے افسروں کو

خود دوسری عید میں بھیجی گئی۔

جواب بولا 'یہ سیٹھ جیش کھری بات کرتا ہے۔ ذرا نہیں سمجھتا خوب آدمی ہے۔

پھر ایک عامل قدرت اللہ سے ملنے کے لیے آگیا اس کے چہرے پر دشت برس رہی
تھی۔ مگر نہ کہڑے ٹھیک خاک تھی۔ پھر بھی احساس ہو رہا تھا کہ سیٹھ ہے۔ وہ دیر
قدرت سے عجیب سی باتیں کرتا رہا۔ چلا گیا تو میں نے پوچھا 'یہ کون حضرت تھے۔ کہنے لگا
'ایک دوست عامل ہے' سیٹھ نے تو میں دیر کر رہی ہیں۔ لوگوں سے اگلیا پیسے بنو رہا ہے، بلکہ
اس میں کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کے کام کرتا ہے' بہت خوب آدمی ہے۔

میں حیرت میں ڈوب گیا۔ یہ کیسی مشفق ہے۔ اول درجے کا سیٹھ ہے 'رقم بنو رہا ہے'
میں کہتا کرتا ہے۔ لیکن بہت خوب آدمی ہے۔

افراد کے حلق قدرت اللہ کی رائے دیکھو کی نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی وہ احتیاط کی وجہ
ان منہ کرنے سے گریز کرتا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کسی کے حلق مٹی رائے قائم کرتا نہیں
تھا اسلئے تو قریبی غیبت سے بھی گریز کرتا تھا۔

قدرت کا گھر

قدرت اللہ کے گھر کے کوائف عام گھروں سے قلعی طور پر مختلف تھے۔

یہ دھن سنا کر چٹھ جاتا ہے۔ کوڑا شاہ اللہ بنو کھاروی روپ دھار کر لوہے کے گولوں کا قماش
اور پلا چلا کر کتا ہے۔ ہم شاہ اللہ نہیں، میرا ہی ہیں۔ شاہ اللہ کو قلم ہم اسے نہیں
کوئی کل شوارہ لرا لرا کر کتا ہے، اگر میں پنجاب پر بس برانچ کے مولوی محمد حسین کو بھی
ایک دن میرا غم سنو نہیں۔ کوئی اشفاق احمد کی طرح تین شاہیں ایجا کر لیتا ہے۔
اور ماحول میں اشفاق کی طرح مزاح کی قانونہ کر قیصے کا ناچ کرتا ہے۔

قدرت میں نہ فاضل تھی نہ شدت نہ قدرت اس کے کردار میں لافش کاقدن تھا۔ اس
میں چونکا دینے والی کوئی بات نہ تھی۔ اس کے جلوں میں توجہ ملی کا عنصر تھا۔ ایسے
اس کو تھا جیسے قدرت لب کو کوئی غاص اہیت نہیں دیتا۔ اسے ایک جتنی یا تو جتنی چیز کہتا

قدرت میں ایک عجیب خصوصیت تھی۔ اس نے کبھی کسی کو نصیحت نہ کی تھی۔

دوسروں کو روکنا تو کتنا نصیحتیں کرنا بیوں کا عام دستور ہے۔ دوسرا بات ملنے یا نہ
ملنے چاہے گھر جا کر منظر اڑائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دوسروں کو نصیحت کرنا بذات
الہ ایک خوش کن عمل ہے۔ ایک سماعت کے لیے نصیحت کرنے والے کی حیثیت پیدا ہو جاتی
ہے۔ برتری کا احساس، ابلے پن کی لذت، برتری کا ذمہ، نصیحت کرنا ایک عام سی عفت ہے۔

اس کی لذت۔

اگر آپ چند سماعت کے لیے ابلے کپڑے پہن کر مبلے لوگوں کو معافی کی تحقیر کریں۔ تو یہ
مردم سی بات ہے۔ قدرت اللہ اس عوامی لذت سے سرا سر عکس ہے۔ وہ بھی ابلے کپڑے پہن
اپ کے پاس نہیں بیٹھے۔ اس نے کبھی ایسی بات نہیں کی جس سے ظاہر ہو کہ وہ دوسروں
پر تر ہے۔ اس نے کبھی کسی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، غیر مناسب
ہے۔ آپ اس کے پاس بیٹھ کر شراب پیئیں۔ وہ ٹوٹے گا نہیں۔

ایک روز دفتر میں ایک اعلیٰ افسر قدرت اللہ سے ملے آیا۔ اس نے بڑے بچے کی بات کہہ
دیا۔ کہنے لگا کہ مجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے دل میں بھی پاکستان کا درد ہے۔ ہم بھی صبح شام کلم
اے ہیں۔ ملک کے لیے جان کی بازی لگاتے بیٹھے ہیں۔ لیکن جب کتہ جیتی کا موقع ہوتا ہے تو
قوم کی زبان پر ہمارا نام آ جاتا ہے اور جب وہ دلوں کی محفل بنتی ہے تو لوگ شائب شائب

ہے۔

ایک بار قدرت چٹون کاٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا، مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹون کی موری کے متعلق پر بات دیں تو مولوی صاحب بولے، ابو اگر آپ غلوں
کے تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔

چہ برس کی رفقت میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیسے میں آتے دیکھا ہے۔ اس
وقت قلم میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا۔ ایک سائل آیا، اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چہ کد لعل نہیں تھا، اس نے پچھلے سے لے کر بیان کیا۔
قدرت اسے تسلیاں دیتا رہا، گھبراہٹے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراہے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیسے میں بولا، تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم بیٹا
ہوئے اور پھر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت کے اللہ کر اس کے منہ پر ایک دھاتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤٹ۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فضا آتا ہے تو اسے آئے دو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹلی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔

ادیب

قدرت اللہ ایک چاہ پچا ادیب تھا اس کے باوجود اس کی تنگدلی دیکھنے سے کبھی ظاہر نہیں
ہوا تھا کہ اسے لب سے کوئی تعلق ہے۔ ادیب عام طور پر شخصیت پر چمپ لگا دیتا ہے۔
پچائے نہیں چمبی۔ قدرت کی شخصیت پر ایسی کوئی چمپ نہ تھی۔
نصیحت کی رو سے ادیب کی شخصیت میں قندو، لافش اور شدت تین بنیادی عناصر ہوتے
ہیں۔

ادیب کی شخصیت فقیر خانے کے صدق ہوتی ہے جہاں مقدور شمشاد بختے ہیں، جہاں
گوستے بولتے ہیں، اندھے دیکھتے ہیں، لنگر لے دو پاؤں پر پلٹے ہیں۔

اپنے دکھ بھلانے اور دوسروں کی توجہ اپنی طرف متغیر کرنے کے لیے مختلف قسم کے
تھکنے عمل میں لاتے جاتے ہیں۔ کوئی طعان پاشل کو اپنا کر ابوالدک حقیقہ جاندری کی طرف

ہاں نے کہ میں نیک آدمیوں کی عزت کرتا ہوں۔ انہیں احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں۔
 نہیں کیوں مجھے نیک آدمی سے عجیب سی بو آتی ہے۔ نیک آدمی قریب آئے تو مجھے
 ہنس ہوتا ہے جیسے اس کا بندہ چلا چلا کر کہہ رہا ہو۔ پھر یہ نیک آدمی آ کر کہے، "اے
 ہنسناک! ہوشیار۔ یہ ہمیں کیوں نیک آدمی میں نہیں کے لئے ڈھیر لگ جاتے ہیں کہ آدمی

اللہ قدرت اللہ ایک نیک آدمی ہے۔ لیکن اس میں سے نیکی کی بو نہیں آتی۔ اس کی بو کا احساس نہیں ہوتا، قریب جا کر گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

اور اللہ کی محبت کے کوائف بھی انوکھے تھے۔

جس کی اہمیت سے منکر نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ جس کے شعلے کی آگ کو جذب
مردم کر دو تاکہ صرف روشنی ہی روشنی باقی رہ جائے۔

ہوائی کے اولین دور میں قدرت کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ اس کی بڑی سے بڑی شے کہ محبوبہ ایک جائے نماز پر اس کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔ حیرت کی بات ہے اس کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھا کرتی تھی۔

اس کی زندگی میں ایک حسین و جمیل نیکم داخل ہوئی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اس نے اس کو اور لوہیز عمر شوقین ملازوں کا تمام کاروبار قلمہ نیکم کو عثمان کی بھیج دیا۔ اسے بھی اس بھیجی میں شامل ہو گیا اور ایسا جلدو چکا کہ بھیج پھٹ گئی۔ رنگ کی ایک قرآن خوانی ہونے لگی، لیکن محترم ملک کو نہ تیاگ سکی۔ شعلہ عام سے ہٹ کر آگیا۔ شعلوں کی شوقین روشنی پیدائ کر سکی۔ جب اس نے دیکھا کہ کسی صورت بات نہ ہو تو قدرت کو اپنے شعلے سے بھسم کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ قدرت اپنے کپڑے اٹھا کر یہ حلق ایک الیہ میں بدل گیا۔

محبت میں بڑا عالم ہے، نہ روتا نہیں لیتا ہے۔ مجاہد کے شعلے کو بھسم کر کے اسے

کرنے لگتے ہیں۔

بے شک نیک بانی قدرت اللہ کے مقدر میں لکھی ہے۔ تمام المرائت، کلاکسن، چرائی، حتیٰ کہ عام لوگ قدرت اللہ کے گمن گاتے تھے۔

دو تہیں روزانہ بیسیوں لوگ قدرت اللہ سے ملنے آتے تھے جو تہ میں کایاب ہو جاتا۔ وہ خوشی مگر نوت جاتے۔ جیسے مل لینا ہی تکیل ہو کر۔ جنہیں مسلسل انتظار کے پور نام جانا پڑا تھا۔ وہ بھی اپنی ٹانگیں کاہٹ قدرت کو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ حالات کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔

دختر میں قدرت کے نام کی ایک خط موصول ہوئے تھے۔ ان خطوط میں عام طور پر قدرت کی تعریف و توصیف ہوتی تھی۔ اپنی تعریف پڑھ کر وہ حیرت چاہتا تھا وہ ان خطوط کا جواب نہیں دیتا تھا۔ جب کبھی ایسا خط بھی موصول ہوتا جس میں قدرت کے خلاف شکایات لکھی ہوتیں۔ اس کے رویے پر کڑی نگاہ پڑتی ہوئی ایسا خط دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلچلت کے آثار ظاہر ہوتے۔ ایسے خط دیکھنے والوں کو پڑھنے کے لیے دے دیتا اور پھر بغیر تاخیر کے جواب لکھنے میں مصروف ہو جاتا۔

ممد گھر کے چڑا سی قدرت اللہ پر بہت خوش تھے۔ وہ اس کے روپ و لہجہ میں ہنس کرے۔
انگل نہ گہرا تھے۔

قدرت کی نیام ڈاکٹر عفت ہر روز صبح شام دو مرتبہ صدارت گھر کے گرد و نواح میں مقیم
 شہف کے گھروں کے راؤنڈ لگاتی تھیں۔ بیلروں کو دوائیں دیتیں اور ساتھ ہی دودھ پینے کے لیے
 رقم بھی۔

قدرت کی ننگ ہائی کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ ہر سو نے کاچھو اس کے لئے عطا کیا ہے۔
 ابھی اس کے گمن گانے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ اس میں کسی کا دوست بننے کی صلاحیت سرے
 ہی موجود نہیں۔ اس کی شخصیت میں وہ کھوپڑیاں ہیں جن پر دوستی کی شہزادی ہائی ہے۔
 لکھا ہے۔

اوصاف ہمیں ایک دوسرے کے قریب نہیں لاتے، کمزوریاں لاتی ہیں۔ بے ہمتیاں،
تحتاجیاں، کج رویاں لاتی ہیں۔ شاید اس کے جواز میں کہا جائے کہ قدرت اللہ ایک نیک آدمی

روشنی میں بدل دیتا ہے، لہٰذا روشنی جو چلائی نہیں جگہ منور کرتی رہتی ہے۔
 دراصل محبت میں قدرت بہت بڑا خود غرض فرد ہے۔ وہ محبوبہ کے شعلوں کو کلام میں لایا ہے۔ اس سے عدت حاصل کرتا ہے اور پھر اس عدت کو روشنی میں بدل کر خود کو منور کرتا ہے۔ کسی اور سمت متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر سارا دفتر حرکت میں آگیا۔ مشوروں اور
 ان کا آنا بندھ گیا۔
 اُن نے کہا صدر گھر میں موٹریں بے کار کھڑی رہتی ہیں۔ آپ چاہیں تو ایک آپ کے ہاں
 رکھیں۔ دوسرا بولا، آپ پسند کریں تو ڈیوٹی کار آپ کو دفتر لے آیا کرے۔

کہاں وہ کہتے ہیں پیغمبر کسی اور کو نہیں دیا چاہے

یہ سن کر میں خود ہار گیا۔

دروازے پر ایک چھوٹے قد آدمی کھڑا تھا۔ اس کی ڈاڑھی مندی رنگی تھی۔ انداز عوامی تھا۔ وہ شخص بڑے اخلاق سے مجھے ملا۔ کہنے لگا: میرا عمر غفور ہے۔ میں خوشاب کا رہنے والا ہوں۔ ایڈووکیٹ ہوں اور لاہور میں پریکٹس کر رہا ہوں۔

دلچسپی سے یاد آیا۔ اچھا تو یہ صاحب وہ غفور ایڈووکیٹ ہیں۔ جن کی گود میں عہد کے دو دن ایک بچہ ڈال دیا گیا تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ قدرت اللہ کو یہ خوش خبری سنا دیں کہ ایک دن کے اندر اندر ان کے گھر بیٹا ہو گا۔

میرے دل میں غفور صاحب کے لیے گرا چڑھتا ہوا۔

میں انہیں بڑی عزت سے درسیبشن میں لے آیا۔ کرسی پر بٹھایا۔ میں نے کہا: جناب! میں نے آپ کا خط پڑھا تھا، جو آپ نے قدرت اللہ کو لکھا تھا۔ غفور کہنے لگے: جناب! مجھے شب صاحب سے بڑی شکایت ہے۔ انہوں نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ مجھے خط کا جواب نہ دیتے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہوا تھا، اس وقت تو مجھے اطلاع دیتے۔

آپ بھانکتے ہیں۔ کیا آپ بھی شب صاحب سے ملے ہیں؟ میں نے پوچھا۔ جی نہیں، وہ بولنے، ملاقات کا موقعہ نہیں ملا البتہ اخباروں میں ان کی تصویریں دیکھتا رہتا ہوں۔

میں نے کہا: جناب! اس وقت یہ پوزیشن ہے کہ اندر قوالی ہو رہی ہے اور سی ایس بی ایس قوالی بھی شب صاحب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ اس وقت ان کا باہر آنا ممکن نہیں۔

ٹھیک ہے، میں سمجھتا ہوں، وہ بولنے، دراصل میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں اور مدینہ منورہ کے ایک درویش نے مجھے دو تھپے دیئے تھے ایک میرے لیے دو سراسر اپنے کے لیے اور مجھے حکم ملا تھا کہ وطن پہنچنے ہی یہ تھپے پھینکا دیا جائے۔ لیکن میں پہلے بچے کو دیکھوں گا۔ دیکھنے کے بعد قتلہ قتلہ کروں گا۔

میں نے کہا: جناب! تشریف رکھیں میں بچے کی والدہ کو بلا لانا ہوں۔

خلاف اپنے نے حرکت کی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ دس دن انہوں نے مجھے اپنے گھر پر بلا دیا۔ چونکہ اسے زکام تھا۔ دس دن ہم ہسپتال میں رہے۔ نرسیں ہمیں چاہتی تھیں کہ ہم باہر چھوڑیں۔ وہ چاقب کو پینکلی آنکھوں والا بچہ کہہ کر بلایا کرتی تھیں۔ عفت نے کہا کہ شب صاحب دو دن پہلے لندن پہنچ گئے تھے۔ لیکن جاتے ہی بیمار ہو گئے۔

قوالی نے بچے کو دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ ہم دونوں ہسپتال میں مقیم تھے۔ لیکن قوالی نے دیکھ لیا تھا۔ یہ بڑی تکلیف دہ بات تھی۔

بھائی جان نے کہا: ہماری قریب تر قریب عفت بیٹی پر مرکوز رہتی تھی۔ ایک دن بیٹے نے مجھے میں ایک حیر چل گیا۔ دھرا تو دل ڈوب گیا۔ چاقب کا فکر لگ گیا۔ جو ہماری حالت دیکھ کر باہر سے باہر ہے۔

چاقب کی پیدائش پر رسول امروں کا مطالبہ تھا کہ ایک جشن منایا جائے۔ قدرت نے سی ایس بی ایس قوالی کی دعوت کی، لیکن اس دعوت میں چاقب جانے کی جگہ قوالی کا انتظام کیا۔ ڈرائنگ روم میں فرش بچھا دیا گیا۔ سماں کو فرش پر بٹھایا اور قوالی کی محفل ہو گئی۔

قدرت کا یہ اقدام عام رواج ہے ہٹ کر تھا، منقہ تھا۔ قدرت کی عادت میں داخل تھا۔ یہی کوئی ناگواری ایسی بات محل میں لانا تھا جس پر لوگ حیران ہوتے تھے۔

بے وقت ملاقاتی

قوالی کی محفل جو جن پر تھی کہ محفل بھی۔ ایک نوکر میرے پاس آیا۔ کہنے لگا: جناب! باہر ایک صاحب تشریف لائے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے شب صاحب سے ملنا ہے۔ انہیں ایک شہرہ پیغام دینا ہے۔ میں نے کہا: شب صاحب تو اس وقت سماں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کا باہر ہونا ہے۔ ہے۔ آپ ان سے پیغام لے لیں۔ نوکر نے کہا: جناب! میں نے انہیں بتایا تھا کہ صاحب کا اس وقت آپ سے ملنا مشکل ہے۔

میں نے اس کوئی نہ کوئی صورت بن جانے کی۔

آخر ایک میل دین آگئی۔ ڈرائیور نے ہمیں دیکر کراڑی روک لی کہنے لگا 'آپ مہینہ شریف چاہنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا 'جناب اسی امید پر کھڑا ہوں۔
وہ بولا 'تو جیسے' ہم ملے۔

ایک روز مسجد نبوی میں ملاقات میں مصروف تھا کہ ایک شخص آیا کہنے لگا 'آپ لڑاں چوک میں مجھ سے کل مغرب کے وقت ملے۔ ہر دہشت' بولا 'آپ مہینہ شریف شہر سے واپس ہیں کیا۔
میں نے کہا 'جی نہیں۔

اس نے مجھے راستہ سمجھایا۔ پھر تالیف کی کہ کل مغرب کے وقت مجھ سے ضرور ملے گا۔
اگلے روز میں چوک میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں اک جھوم ہے۔ بہر حال میں وہاں کھڑا رہا۔
آخر وہ صاحب تشریف لائے 'ان کے ہاتھ میں ایک بڈل تھا۔ انہوں نے بڈل مجھے تحفہ دیا۔ بولے 'اس بڈل میں دو تحفے ہیں۔ ایک آپ کے لیے ہے اور ایک اس بچے کے لیے جس کی ولادت کے لیے آپ مسجد میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ وطن پہنچتے ہی یہ تحفہ اسے پہنچا دیا جائے' تاخیر نہ ہو۔

غفور صاحب بولے 'میں آج ہی لاہور پہنچا تھا۔ اس ڈر سے کہ تاخیر نہ ہو' آج ہی ہنڈی چاہا۔
ایک ہی وجہ ہے کہ بڑے نامناسب وقت پر حاضر ہوا ہوں۔

میں نے پوچھا 'آپ نے تحفہ دے دیا۔

کہنے لگے 'بچے سے مل گیا ہوں۔ تحفہ صبح بوجے پتا دلوں گا۔

غفور صاحب سے دعا کرتے ہوئے ایک ٹوئن کا انداز بزرگوں کا سامان تھا۔ پڑاوی

میں نے غنت سے ہات کی تواسے بھی غفور صاحب کا غلا یاد آگیا۔ وہ بڑے شوق سے غفور صاحب سے ملنے کے لیے باہر نکلی۔

میں نے غفور صاحب سے کہا 'آپ ان سے ہات کر لیں۔ میں باہر آپ کا انتظار کروں گا۔

غفور کا ج

پان گھنٹے کے بعد غفور صاحب باہر نکلے۔ میں حیران تھا کہ پیغام تو چھوٹا سا تھا۔ پاؤں میں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔

بہر حال غفور صاحب میرے ساتھ بیٹھ گئے۔

میں نے پوچھا 'آپ ج کرتے تھے یا عمرہ کر کے آئے ہیں۔

غفور صاحب بولے 'میں ج کر کے آیا ہوں۔

میں نے ج کے لیے عرضی دی۔ والدہ میرے ہمراہ جاری تھیں 'جین ہماری عرضی منظور نہ ہوئی۔ مجھے مہینہ شریف میں حاضری دینے کا بہت شوق تھا۔ بڑی امید تھا کہ رکھی تھی۔ پوری نہ ہوئی 'تو دم کا لگا۔ بہر حال میں مسجد میں آؤ واداری کرنا رہا۔

پھر ایک خواب دیکھا۔ دیکھا کہ ایک صاحب آگے اور انہوں نے جہد کا ٹکٹ میری جیب میں ڈال دیا۔

اگلے روز پتہ چلا کہ کچھ لوگ جنہوں نے ج پر جانے کی عرضی دے رکھی تھی اور وہ منظور ہو چکی تھی 'جین حالات کی وجہ سے انہوں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی پر نظر ثانی کی گئی ہے اور منظوری دے دی گئی ہے۔

میں نے کہا 'میں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی

۱۔ رات صدر ایوب کو مشورت دیتے رہے۔

مثلاً ۱۲ جنوری ۱۹۶۶ء کو انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں سے اقتباسات پیش کرتا

۱۔

شاب کی آمد کی منظوری تو سرکارِ عالم نے عرصہ نودس ماہ سے عطا فرمادی تھی۔ لیکن نہ معلوم عمل درآمد ہونے میں کیا رہا ہے۔

میں نے خود شاب کو لکھا تھا کہ وہ واپس آ جائیں، لیکن انہوں نے اس بات کو پسند نہ کیا تھا۔ ان کے نہ آنے سے ملک و ملت کو جو نقصان ہوا ہے حد تحریر سے باہر ہے۔

پہل چار درویشوں نے صدر پر اتنے زور کاغلبہ حاصل کیا ہوا ہے کہ بعض معاملات میں ان کی محض ہوائی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہے کہ پوری قوم نے یک جہتی سے ان کا ساتھ دیا ہے۔

میں نے صدر صاحب کو مختلف لوگوں میں ہدایت بھیجیں، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہیں موصول نہیں ہوئیں یا اگر موصول ہونے کے بعد انہوں نے عمل نہیں کیا تو پوری قوم کی بد نصیبی ہے۔

شاب اگر وقت پر واپس آ جائے۔ مسز بھٹو کے حوالہ شامل ہو کر سیکرٹری کاؤنسل کی میٹنگ ہائے میں حدیث تو پھر تو کوئی نتائج بھی برآمد ہوتے۔

میں نے صدر صاحب کو لکھا تھا کہ وہ جتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، جب تک شاب ان طاقتوں میں شامل نہ ہوں گے وہ قطعی باقلم رہیں گے۔

الغرض ہے کہ صدر نے سخت غلطی کی ہے۔ قوم کا اعتماد کھو رہا ہے، لیکن چار درویش کامیاب ہیں۔ کل لاہور میں غلامیاء نے مظاہرے کیے، یہ صلہ حدیثہ خدا کرے حق کہ کو سامنے لے آوے۔

شامزئی کی رائل موت کا ذکر میں نے چار ماہ ہوئے، صدر کو تحریر کر دیا تھا۔ شاب کو بھی لکھا تھا، خدا جانے صدر میں کیوں اتنی بصیرت نہیں، جب کہ میں نے انہیں عمل اور مفصل حالات کے علاوہ مکہ شریف سے ایک تصویر لاکر دیا تھا اور میں

ان کا پہلا خط جو صدر ایوب کو موصول ہوا، ایک انوکھا خط تھا، آخری، ارہاب بست کشتلو نے مجھے حکم دیا ہے کہ روزانہ باقاعدگی سے آپ کو خط لکھوں۔ خط لکھتے کا مقصد کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنا نہیں ہے، نہ ہی آپ سے قرب حاصل کرنا ہے، حصول اقتدار نہیں ہے، آپ کو خوش کرنے کا مقصد نہیں ہے۔

جناب والا، یقین کیجئے جس قدر میرے خطوط پڑھنا آپ کے لیے ناگوار ہو گا، اتنی ہی میرے لیے آپ کو خط لکھنا ناگوار ہے۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ چونکہ حکم ملنا میرے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ چاہے میرے خط پڑھیں یا نہ پڑھیں، ان پر عمل کریں یا نہ کریں، یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ باقاعدگی سے آپ کی خدمت میں خط بھیجتا ہوں، پر فرض کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس جہالت پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

صدر ایوب کو غور صاحب کا پہلا خط طاوود سخت کنفیوز ہو گئے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے۔ عقل و شعور والا ہے ایڈووکیٹ ہے، لیکن ایسی نا یقینی باتیں لکھ رہا ہے۔ وہ ارہاب بست و کشتلوں ہیں، جنہوں نے اسے خط لکھتے پر پابند کیا ہے اور پھر خط لکھتے کا مقصد کیا ہے۔

صدر ایوب صاحب نے فوراً تھمتی بھائی شوہاب صاحب کو بلاؤ۔

صدر صاحب نے لکھے کے بعد شاب واپس آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے غور صاحب کا خط میرے سامنے رکھ دیا۔

میں نے کہا، اس خط کا صدر صاحب پر کیا اثر ہوا۔

قدرت بولا، اس خط نے صدر صاحب کو سخت کنفیوز کر دیا ہے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

غور صاحب باقاعدہ صدر ایوب کو خط لکھتے رہے، اس دوران میں قدرت اللہ شاب کو امریکی باؤ کے تحت سفیری حیثیت سے اپنے میں قیادت کر دیا گیا۔

غور صاحب نے اپنے خطوط میں صدر ایوب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ قدرت اللہ شاب کو ملک سے باہر سے بھیجتا، ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ اس کے علاوہ ہر مشکل

www.dawateislami.net

وہاں دندہ کر آیا تھا کہ ایوب کا فرسے نہ ڈرے گا۔ اچھا جو خدا کو منظور۔

ستائیس جنوری ۱۹۴۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو پابند میں خط لکھا۔ اختیارات درج ذیل ہیں:-

بعد فراغت تجدید عہدہ نہ رہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے بہت سے خطوط سفردالوں نے روک لیے ہیں۔ اور آپ تک ان خطوط کی رسائی نہیں ہوئی۔ حاکم ان میں جو کچھ تحریر تھا وہ ملک و ملت کی بہبودی کے لیے تھا اور اگر ان ہدایات پر عمل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف نصرت و کامرانی عطا فرماتے بلکہ آج تک اسلام آباد ملک مستقل خطوط پر قائم ہو چکا۔

ان بھلے ہانوں کو بھی کچھ ہاتھ نہ آیا اور کام اس واسطے رک گیا کہ جناب صدر صاحب کو پروگرام کسی صحیح و سامت سے نہ پہنچ سکے۔ نہ معلوم وہ کس روی کو فکری میں پڑے ہوں گے۔

اطمان تاشقہ کو لوگ قہرمت برا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کا شہر ہے کہ اس احسن قدم سے خدائے ہماری عزت و کھلی ہے۔ ورنہ یہ پورا سال جن خطرات سے پر تھا ان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حقوق پر رحم فرمائے۔ سال رواں بڑی اہمیت کا سال ہے۔ جس میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقعہ ہوں گی۔ اللہ ربّ ذوالجلال کا سایہ مظلقت پاکستان کے عوام پر رہے گا۔ آپ دعا کریں۔

وہ بزرگ پلایا جن نے صدر صاحب کے لیے توفیق دیا تھا۔ کئی مرتبہ مجھے خواب میں ملے ہیں۔ اور جب بھی ملتے ہیں۔ تو مجھے دیکھتے ہی ہنس پڑتے ہیں۔ اور پھر یہ

دین کی بات ان کے ایک کلمے سے سن کر دوسرے سے نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور جس کی حکومت میں کسی کو دخل نہیں۔ اب ہماری دعاؤں کو رو نہ فرمائیے گا۔

ایوب رائی پونٹ

غفور صاحب کے ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور میں ان کے مکان کے سامنے سکیورٹی کا ایک پوائنٹ پیشادیا گیا۔

غفور صاحب کے خطوط میں مذہبی رنگ نہ تھا۔ روحانی رنگ نہ تھا۔ اس کے برعکس ان اعلان میں دنیاوی عقل کی باتیں تھیں۔ فنی سٹروریجی کی باتیں تھیں۔ سیاست کی باتیں تھیں۔ مثلاً جنگ میں ایوب کو مشورہ دیا گیا تھا کہ سیز فائر نہ کرے۔ اور اگر مجبوری ہو تو بے شک اللہ اپنی کردہ عملی طور پر نہ کرے۔

تاشقہ کے متعلق مشورہ دیا گیا تھا کہ بلاوے پر تاشقہ نہ جائے۔ اور اگر ضروری ہو تو خود نہ جانا۔ کوئی لسانہ بھیج دے لیکن صدر ایوب نے ان کے مشورہ کو رد و خور اٹھانہ سمجھا۔ انا فیصلہ اس آکر غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کی کچی چکی بنادیا۔

جب غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کا دستہ آجیٹا تو غفور صاحب چل کر ان کے پاس گئے پھر سپاہی سے مصافحہ کیا۔ مزاج پوچھے اور کہا بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے یہاں ابراہان لیا ہے۔ میں اس گھر میں بہت تھا تھا آپ کے آنے سے رونق ہو گئی ہے۔ ہاں اگر کسی بڑی ضرورت ہو تو بلا ملک دروازہ بجا دیا جیسکے۔

غفور صاحب جب بھی کہاں کہاں سے گئے تو وہ باہر جا کر سکیورٹی والوں سے کہتے "آئیے میرے

بول کئے گئے یہ اچھا نہیں ہوا۔ شاب صاحب کا ملک سے باہر چلے جانے پاکستان کے لیے بہتر ہے۔
 گھنٹن نہیں ہے۔

میں نے انہیں پھینک دئے گئے کہ ہاں غفور صاحب، شاب ایک نیک انسان ہیں۔ سول انٹرنل کے جانے والے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے حکومت پاکستان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک سے ایک قتل انٹر موجود ہیں۔

غفور صاحب بولے، آپ نہیں سمجھتے۔ چند لوگ مبارک ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی سے برکت پیدا ہوتی ہے۔ شاب صاحب کی موجودگی پاکستان کے لیے برکت کا باعث تھی۔ لیکن حتی طاقتیں ہمارے راستے میں رکھ نہیں پید کر رہی ہیں۔ برہنہ کئی ایک امور ایسے ہیں جن میں شاب صاحب کی موجودگی کے بغیر پاکستان کو کالپانی حاصل نہیں ہو سکتی۔

غفور صاحب کی بات میری بولے نہ پڑی، لیکن غفور کی بات کو میں رد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دنیاوی طور پر غفور صاحب بڑے سمجھدار آدمی تھے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ ڈیڑھ ٹیک انقلابات کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بار بار آدمی تھے۔ مجھے علم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، بات چیت سے نہیں۔ ان کی بات درست تھی، لیکن کیسے کہیں۔ وجہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

اس موضوع پر انہوں نے صدر ایوب کو بھی کئی ایک خط لکھے تھے۔ اول تو ممکن غالب ہے کہ صدر ایوب ان کے خط پڑھتے ہی نہیں تھے، اگر پڑھتے بھی تھے تو یہ بات کسی دانشور کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، انٹاشنی رو عمل پیدا کرتی۔

چرچ

بھرج کے شیلے میں غفور صاحب کی بات نے مجھے چھوٹا کر رکھ دیا۔ اس بارے میں تفصیلات میں اچھے کتب لیک میں لکھ چکا ہوں۔

شاب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آئندہ جگہ پر جائیں گے۔ وعدہ ایسا کرنے سے پہلے ہی شاب کا چہرہ ہو گیا اور وہ سفر پر ایبٹ آباد میں جا بیٹھا۔

ایبٹ آباد سے اس نے مجھے لکھا کہ آپ جگہ کے لیے عرضی دے دیں۔ عرضی منظور ہو جائے تو

میں نے کئی ایک عرضیاں دیں لیکن منظور ہوئی نہ ہوئی میں بایس ہو گیا۔

قدرت نے مجھے خط لکھا کہ بایس نہ ہوں۔ اللہ کی درگاہ سے بایس ہونا گناہ ہے۔ اس سال ہم جگہ پر ضرور جائیں گے۔ آپ عرضی دے دیں۔ منظور ہو گئی تو خوب نہ ہوئی۔ تو آپ بیروت کے لیے ایلانی کر دیں۔ دینہ حاصل کر کے آپ بیروت آجائیں، میں وہاں آپ سے پہلے ایلانی ہوں گا۔ پھر ہم دونوں بیروت سے جدے جائیں گے اور جگہ کے لیے کہ شریف چلے جائیں

اگرچہ اس سال میں میری عرضی منظور نہ ہوئی تھی، لیکن میں نے راج نہ صرف چونکہ

برہنہ جانے کا پروگرام قائم تھا۔

برہنہ میں نے دلیا ہو جگہ پر جانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ

اپنی کار میں جگہ پر جانے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

انہی دنوں ایک شام دروازہ بجلا میں نے دروازہ کھولا تو باہر غفور صاحب کھڑے تھے۔ اپنی

خواب لیک سے اہتساب پیش کرتا ہوں۔

میں نے کہا ایلو ویکٹ صاحب آپ یہاں کیسے۔

میری حیرت اس وجہ سے تھی کہ غفور صاحب کو میرے گھر کا پتہ بھی تو معلوم نہ تھا۔

انہوں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ کہنے لگے، 'ایک نیک کام سے آپ آج ہوا سوچا آپ کو

اطلاع دینا چاہوں تاکہ آپ ناخاک کی کوٹ سے بچ جائیں۔

میں سمجھا نہیں۔

قدرت اللہ شاب صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں تحریر ہے کہ آپ دونوں

اس سال جگہ پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں غفور صاحب نے کہا۔

کی ہاں، میں نے جواب دیا، مجھے علم ہے۔

غفور صاحب کہنے لگے میں نے شاب صاحب کو مطلع کر دیا ہے کہ اس سال وہ جگہ پر نہیں

جائیں گے۔ لیکن ہم تو جا رہے ہیں، میں نے ان کی بات کھلی۔ ہم نے پروگرام بنایا

آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ نہیں جا رہے۔

میں نے وہ لٹ دیکھی ہے، انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

کلن سی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ لیکن ابھی تو قریب انداز میں تھیں ہوئی۔

غفور صاحب نے پراسرار انداز میں میری طرف دیکھا، پھر مسکرایا۔

وہ لٹ نہیں، وہ بولے۔

تو پھر کون سی لٹ، میں نے پوچھا۔

جو ڈائریں اس سال صبح پر حاضری دیں گے، وہ پھر مسکرائے۔ عینہ منورہ سے جن

منگوری مل چکی ہے، وہ لٹ، اس لٹ میں تو نہ شباب صاحب کا نام ہے نہ آپ کا۔

حیرت سے میں ہکا بکا رہ گیا۔

وہ مسکرائے بولے، بھائی صاحب میں نے تو متعدد بار آپ کی فائل دستخط کے لیے پیش کی

تھی۔ لیکن ہر بار اسے دستخط کے بغیر لوٹا دیا گیا۔

میں نے حیرت سے غفور صاحب کی طرف دیکھا۔

خیر کوئی بات نہیں، وہ بولے، دیر آید درست آئیے۔ میں نے شباب صاحب کو مطلع کر دیا

ہے۔ انہیں تفصیلات کا علم ہے۔ وہ چلا آپ کو اطلاع دیں گے۔

غفور صاحب کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ انہیں بھلا کیسے پتہ چلا کہ اسماعیل کون

کرے گا، کون نہیں کرے گا۔ اور یہ لٹ کیا چیز ہے کیا ج کچھ کرنے والوں کی لٹ قریب انداز میں

سے پہلے ہی تیار ہو جاتی ہے، غفور صاحب کی ساری بات میں صلی تھی۔

انڈیا میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ اگرچہ اس میں وہ شدت نہ رہی۔ دو روز کے بعد

شباب کا خط موصول ہوا، لکھا تھا۔

بعد اس سال صبح پر ہمیں جا رہے۔

یہ خط میری اصل تنظیم کے مکن میں آخری میں تھا۔

میرے شباب صاحب کے ایجنڈے سے وطن واپس آنے سے بہت پہلے، غفور صاحب نے مجھے

لکھا کہ عینہ منورہ سے شباب صاحب کی واپسی کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ پھر وہ کھل وطن

میں آ رہے، پھر کیوں ہو رہی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے شباب صاحب کو بھی

لکھا۔

اس سے پہلے انہوں نے عینہ منورہ سے صدر صاحب کو کئی ایک خط لکھے اور شباب

صاحب کو بھی اس کی اطلاع دی۔

انہوں نے لکھا کہ یہاں بہت سے بزرگ ایسے ہیں، جنہیں پاکستان سے دلچسپی ہے، جو

شباب صاحب کے اقتدار کا نظم رہے۔ اگرچہ صدر ایوب سے بہت سی کجگویی ہوئی ہیں

لیکن ان کی خواہش ہے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔ ایک بزرگ کو تو صدر ایوب سے

بہت دور رہی ہے کہ انہوں نے صدر ایوب کے لیے مجھے ایک تعویذ بھی دیا ہے، جو میں اپنے

دعا داروں کو لکھ کر دے گا، تعویذ بروقت پہنچ جائے اور صدر ایوب ہنسنا گوارہ کر لیں۔

صدر ایوب وہ تعویذ ساتھ لائے لیکن وہ بروقت نہ پہنچ سکا چونکہ صدر ایوب اقتدار

کا دور چاہتے تھے۔

اب احمد شیر کا واقعہ عمل میں آیا۔

انہوں نے ایک نکتہ دیا کہ احمد شیر کو سندھ میں انفریشن آفیسر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس کا اندر وزیر تھا

لیکن ساتھ ہی سندھ کا وزیر تھا۔

اب احمد شیر نے اپنے اسرے چار ایک بار چونکہ چنانچہ کیا، تو اس نے احمد شیر کو پاس بیٹھایا،

اور کہا، 'برخوردار تمہارا کام میرے احکامات کی تعمیل کرنا ہے، مجھے عقل سمجھا نہیں ہے،'

اب احمد شیر نے اس میں سے اور آگے نہ بڑھ کر دیکھا تو ایک دن ہم جنہیں کوئی کام دے کر

دعا دار بھیج دیں گے، جہاں سے تم بھی واپس نہیں آؤ گے، تمہاری لاش تک نہیں ملے

گی۔

اب احمد شیر نے روز توڑی چھوڑ کر ہماگ آیا۔

اب احمد شیر نے ہماگ آنے کی وجہ ڈر نہیں تھا، ڈر تو یہ تھا کہ پردے کے پیچھے محترمہ فلم تھی۔

اب احمد شیر سے امریکہ سے فلمی ٹینک لے کر آیا تھا، اس کے اندر فلم سازی کے

ہے چھد کر رہے تھے۔ دلچ اسپ کے آخری دنوں میں اس نے مجھ سے کہا تھا "دیکھ میں..."
یہ ہے کہ ہم دونوں بچہ ورک مکمل کر کے رکھ لیں۔

کیا بچہ ورک میں نے پوچھا

پہلے فلم کی کٹائی کی آؤٹ لائن لکھیں اور ٹیکسٹ کر کے اسے فائنلائز کر لیں۔
اس کا مہترہ تیار کر لیں اور آخر میں اس کے ڈائلاگ مکمل کر لیں۔

یہ کس فلم کی بات کر رہے ہو میں نے پوچھا۔

کہنے لگا "دیکھ ممتاز" تو اور میں "ہم دونوں کو آخر فلم سازی کا کیریئر اپنانا ہے۔ یہ یا...
ہے۔ اگر ٹائٹلسنر کا انتظام ہو جائے تو ہم آج ہی نوکری چھوڑ کر کام میں لگ جائیں۔ ٹائٹلسنر

کا انتظام ہو جائے گا۔ جب تک ہمیں بچہ ورک مکمل کر لینا چاہیے۔

ایک دن بد قسمتی سے فلم فلاپ ہو گیا اور احمد بشیر کی وفات ہو گئی۔ کئی ایک سال اس کی لاش
لاہور کی پڑی رہی۔ حیرت کی بات تھی کہ فلم فلاپ ہونے کے باوجود احمد بشیر کا فلم سازی کا
عہدہ کاتوں قائم رہا۔

کہ میں بڑی تنگ دستی تھی "بچہ نہیں اس کی بیوی مودی کس طرح گھر چلا رہی تھی۔ لیکن
فلم نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ میں فلم سازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کروں گا۔ حالانکہ
میں بھی لڑی تھی۔ اچھا جرنلٹ تھا۔ دفتری کام میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی تین نو جوان لڑکیاں
تھیں۔ ان کی سخت مشکلات میں مبتلا تھیں۔ اس کے باوجود وہ فلم کے سوا کوئی اور کام کرنے کے

© Oneurdu.com

میں وہ بزرگ ہر جمعرات کو مغرب کے وقت آتے ہیں، دوا جلاتے ہیں اور لہر لہا کرتے ہیں۔
 کے لئے لائے سمجھائے۔

ان جانی ہمت

وہ سال قدرت اللہ کے قریب رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان بعد بڑھتا گیا۔

میں محسوس کرنے لگا میں شباب کی بیرونی شخصیت سے واقف تھا۔ اس کی شخصیت کے اندر کس سے بے خبر تھا۔

شباب کی بیرونی شخصیت میں وہ پہلا اہم تھے۔ ایک تو وہ آنکھوں کی لہجہ اسرار تھا۔ دوسرے وہ ہانپا ہانپا تھا۔ لیکن نہ وہ اپنے عموں کو اہمیت دیتا تھا نہ لوہ کو۔

چوتھی سمت

قدرت کو اپنی تعریف سننا سخت ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ کوئی اس کی تعریف کی بات چھیڑ دیتا تو وہ فوراً موضوع بدل دیتا۔ بات کا رخ بدل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اپنی تعریف سن کر اسے لذت آتی ہو لیکن اس کی اولیٰ حیثیات کی تعریف کرتے تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے۔ سارے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی بلکہ وہ از خود لوہ کی بات چھیڑ دیتا کہ تھا۔ جب کبھی کوئی نئی چیز لکھتا تو بڑے اہتمام سے مجھے سناؤ اور پھر پوچھتا کہ کس سے ہے۔

جب رانا صاحب لاہور میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یعقوب زہبانی کا جنازہ آ رہا ہے۔ غور پورے 'یعقوب زہبانی' صاحب کے بہت بڑے سپورٹر ہیں۔ جب بھی بزرگوں کی میتنگ ہوتی ہے اور تجویز پیش ہوتی ہیں۔ تو زہبانی صاحب کسی ناکیسی طور صاحب کو پاس کر دیتے ہیں۔ آپ جب بھی لاہور تشریف لائیں تو آپ کو چاہیے کہ یعقوب زہبانی صاحب کی حاضری دیں۔ گواہ لکھی سے جو سڑک پاس بازار کے پاس سے گزر کر میوہ پھل کے ساتھ ساتھ ایک روڈ کو جاتی ہے 'وہاں سے ایک کچی گھومتی ہوئی جاتی ہے اور ایک مسجد کے قریب بند ہو جاتی ہے۔ اس مسجد کے صحن میں ایک چوڑے پر دو قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یعقوب زہبانی کی ہے۔

شام کا وقت تھا مسجد پر دیر لگی اور لوہاسی کے ڈیڑھے گھنٹے ہوئے تھے۔ میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا۔

یاد آئی کہ بچہ ہے۔

یہ تیرے بندے کتنے پر اسرار ہیں، جو فوت ہونے کے بعد بھی فعال رہتے ہیں۔

یہ تیرا دفتر، کیا دفتر ہے، جہاں قائلین جلتی ہیں، تجویز پیش کی جاتی ہیں، سفارشیں جلتی ہیں میں بھی ایک سفارشیں ہوں جو اتنے بڑے بزرگ کی خدمت میں بیٹھا ہوں، 'ورنہ میری کیا حیثیت ہے' میں اس لائق نہیں کہ میری خدمت میں حاضری دوں۔ میں ایک ٹپاک ٹیلیف آبادی ہوں۔ میں ذاتی حیثیت سے حاضر نہیں ہوں۔ میں تو قدرت اللہ کے حوالے سے حاضر ہوا ہوں۔ اگر تو میرا سلام قبول کر لے تو یہ میری کرم فوازی ہوگی۔

ایک دن میں نے پوچھا میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کی کوئی تعریف کرے تو آپ پر گہرا ہت طاری ہو جاتی ہے اور آپ کو شش کرتے ہیں کہ بات کا رخ بدل جائے، لیکن آپ کی ادنیٰ حقیقت کی تعریف کی جائے تو آپ کے کان کڑے ہو جاتے ہیں، چہرے پر مسرت کی لہر دو جاتی ہے، کیا بات ہے اس تعریف سے اس قدر الٹا رنگ اور اس تعریف پر شلوار ہے۔

قدرت مسکرا کر کہنے لگا 'اس لیے کہ میں ادیب ہوں۔

میں نے کہا 'آپ ادیب نہیں ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے ادیب سے خارج کر رہے ہیں۔

خارج نہیں کر رہا۔ آپ ادیب ہیں لوچے پائے کے ادیب ہیں۔ لیکن ادیب آپ کا مرکز نہیں ہے ایک مضمنی قسم کا شغل ہے۔ عہدے کو آپ اہیت نہیں دیتے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے اندر کوئی تیسری چیز ہے، جسے آپ اہیت دیتے ہیں اور تیسری چیز جو آپ کی شخصیت کا نیوکلئس ہے اس پر آپ نے پردے ڈال رکھے ہیں۔

قدرت نے کہا 'شاید کچھ ہو مجھے اس کا اور اک نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

اب تک کئی واقعات رونما ہو چکے تھے جس سے پتہ چلا تھا کہ قدرت کی شخصیت کا تعلق ایک چوتھی سمت سے ہے۔

چوتھی سمت سے متعلق واقعات پر بات کرنے سے شباب گریز کرتا تھا۔ بات کو ٹال دیتا یا موضوع بدل دیتا۔

بھائی جان سے پوچھتا۔ تو وہ مسکرا دیتے۔ کہتے کریدانہ کرو مضمنی جی۔ کرید سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کرنے والی نہیں ہوتیں۔ آپ کیوں گہرا رہے ہیں، آپ تو ان کے بہت قریب ہیں، وقت آنے پر ساری بات کھل جائے گی۔

ڈاکٹر مفت سے پوچھتا تو وہ مسکرا کر کہتی تیسری تو خود ماری ہوئی ہے۔ اس گھر کے اسرار مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ بھائی جان کے کہنے پر میں قدرت کی شخصیت کے اس پر اسرار مضر کو جانے بغیر نہ لیتا۔ تسلیم کر لیتا تو کبھی ہو جاتا لیکن ہزاروں کے متعلق سے قرب حاصل کرنے کے

اگرچہ میں نے پوچھا میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کی کوئی تعریف کرے تو آپ پر گہرا ہت طاری ہو جاتی ہے اور آپ کو شش کرتے ہیں کہ بات کا رخ بدل جائے، لیکن آپ کی ادنیٰ حقیقت کی تعریف کی جائے تو آپ کے کان کڑے ہو جاتے ہیں، چہرے پر مسرت کی لہر دو جاتی ہے، کیا بات ہے اس تعریف سے اس قدر الٹا رنگ اور اس تعریف پر شلوار ہے۔

قدرت مسکرا کر کہنے لگا 'اس لیے کہ میں ادیب ہوں۔

میں نے کہا 'آپ ادیب نہیں ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے ادیب سے خارج کر رہے ہیں۔

خارج نہیں کر رہا۔ آپ ادیب ہیں لوچے پائے کے ادیب ہیں۔ لیکن ادیب آپ کا مرکز نہیں ہے ایک مضمنی قسم کا شغل ہے۔ عہدے کو آپ اہیت نہیں دیتے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے اندر کوئی تیسری چیز ہے، جسے آپ اہیت دیتے ہیں اور تیسری چیز جو آپ کی شخصیت کا نیوکلئس ہے اس پر آپ نے پردے ڈال رکھے ہیں۔

قدرت نے کہا 'شاید کچھ ہو مجھے اس کا اور اک نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

اب تک کئی واقعات رونما ہو چکے تھے جس سے پتہ چلا تھا کہ قدرت کی شخصیت کا تعلق ایک چوتھی سمت سے ہے۔

چوتھی سمت سے متعلق واقعات پر بات کرنے سے شباب گریز کرتا تھا۔ بات کو ٹال دیتا یا موضوع بدل دیتا۔

بھائی جان سے پوچھتا۔ تو وہ مسکرا دیتے۔ کہتے کریدانہ کرو مضمنی جی۔ کرید سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کرنے والی نہیں ہوتیں۔ آپ کیوں گہرا رہے ہیں، آپ تو ان کے بہت قریب ہیں، وقت آنے پر ساری بات کھل جائے گی۔

ڈاکٹر مفت سے پوچھتا تو وہ مسکرا کر کہتی تیسری تو خود ماری ہوئی ہے۔ اس گھر کے اسرار مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ بھائی جان کے کہنے پر میں قدرت کی شخصیت کے اس پر اسرار مضر کو جانے بغیر نہ لیتا۔ تسلیم کر لیتا تو کبھی ہو جاتا لیکن ہزاروں کے متعلق سے قرب حاصل کرنے کے

اندھنی سوار

ہر ایک اور واقعہ رونما ہوا۔

قدرت نے مجھے بلایا اس وقت وہ کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ ان دنوں اس کی ملاقات بہت بڑھ گئی تھیں۔ 'نایاب' اس لیے کہ پاکستان کے آئین کا ڈیمانچہ تیار ہو رہا تھا۔

قدرت نے کہا 'سکیورٹی سے ابھی ابھی مجھے ایک فون آیا ہے۔ گیٹ پر کوئی رہنمائی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

آپ گیٹ پر چلے جائیں، اس سے ملیں۔ پوچھیں کہ وہ کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اگر وہ ملنے کی بجائے پیغام دینے پر رضامند ہو جائے تو آپ اس سے پیغام لے لیں اگر وہ مصروف ہو تو مجھے فون پر اطلاع دیں، میں گیٹ پر آ جاؤں گا۔

میں چلے لگا تو قدرت نے کہا دیکھیے آپ اس سے ٹیبلٹ کی بات کریں۔ سکیورٹی کے لیے نہیں۔

سکیورٹی کے کہنے میں ایک دہقان قسم کا آدھی کھڑا تھا۔ میں اسے باہر لے گیا۔ اکیلے میں اسے بات کی۔

میں نے کہا دیکھیے شباب صاحب اس وقت کام میں مصروف ہیں، اگر آپ انہیں پیغام دینا چاہتے ہیں تو مجھے بتادیں ورنہ۔

میں نے ابھی بملہ ختم نہیں کیا تھا کہ وہ بوٹا پڑا جی مجھے صاحب سے مل کر کیا لیتا ہے۔ مجھے

کوئی کام نہیں ہے، میں تو اپنے گلوں سے آ رہا تھا کہ اس کو کبھی سے پیچھے میدان میں

مجھے ایک سلاخ مٹی سوار ملے۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں رک گیا، وہ کہنے لگا کہ میں یہ جو مٹی ہے اس کا دروازہ اوپر ہے۔ وہاں جاؤ اس کو مٹی میں ایک صاحب ہیں صاحب! ان کو دلا دیتا ہوں۔ دے دو۔ کہنا جو کلمہ آپ لکھ کر پھاڑ لیں، وہ درست تھا، جو آپ اب لکھ رہے ہیں، وہ غلط ہے۔ سلاخ مٹی سوار بزرگ صورت آدمی تھا۔ میں نے اس کی بات مان لی اور پیغام دینے لگم چلا گیا۔ یہ پس والے مجھے اندر چلے ہی نہیں دیتے۔

دہائی کا پیغام سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا پیغام ہے۔ سلاخ مٹی سوار کو کیا پتا کہ صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ اور پھر اس علاقے میں سلاخ مٹی سوار۔ یہاں ہم نے نہ تو کبھی سلاخ مٹی دیکھی ہے اور نہ سلاخ مٹی سوار۔

میرا خیال تھا کہ دہائی کا پیغام سن کر شلب فس پڑے گا۔ لیکن جب میں نے اسے تمام بتایا تو اس کا چہرہ درد پڑ گیا۔ اس پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے لپک کر دست دیا ہسٹ لٹا کر اسے میرے اٹھ دیا اور پھر پچھنے ہوئے کلمہ کے پر لوں کو جوڑنے لگا۔

پھر رولا، آپ کو اگر فرصت ہو تو میری مدد کریں۔

حیرت سے میرا منہ کھلا رہ گیا، اللہ ہی کیا اسرار ہے۔ یہ شخص جو اس قدر ذہین ہے، دیرک ہے کہ ہم بات کرنے کے لیے ابھی منہ ہی کھولتے ہیں تو ہمارے منہ یہ سمجھ لیتا ہے، جو اس قدر صاحب رائے ہے کہ سب کی سنتا ہے، لیکن اپنی رائے پر قائم رہتا ہے، جس کے خیالات میں انفریٹ ہے، قدرت ہے، جو بچے ہوئے رکھی خیالات سے دور رہتا ہے، جسے تو اہل

فائدہ اوروں میں ہو تاکہ پڑھنا مشکل ہو جائے۔ ویسے بھی غلوں کو قومیت اس قسم کی ہوتی کہ وہ صاحب طلب نہ ہوتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ صدر صاحب کی خدمت میں پیش نہیں کیے جاتے۔ چونکہ صدر ایوب پڑے گئے تھے۔ مغربی ذہنیت کے ملک تھے۔ تو اہل کو نہیں مانتے تھے۔ عقل و دلیل کے قائل تھے۔

ایسے لگتا تھا جیسے ان غلوں کا چارج مجھے دینے کا مقصد میرا ذہن پر انگڑا کرنا تھا۔ میں ان غلوں کو بار بار پڑھتا اور سوچ میں پڑ جاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لکھنے والے یہ خط کیوں لکھتے تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا۔ ایک بات بہر طور واضح تھی کہ توجہ حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ کئی ایک غلوں میں لکھنے والے کا نام بھی مرقوم نہ ہوتا۔ خط دے گا گویا عاجز پر ختم ہو جاتا۔ تحریر اور انداز عام ہوتے۔ ان میں چند ایک خط معقول اور با معنی بھی ہوتے۔ ایسے خط عام طور پر قدرت اللہ کے نام ہوتے۔ باقی خط صدر مملکت کے نام ہوتے لکھا ہو تاکہ اللہ نے تجھے پڑا رکھا ہے، تو اپنی رعایا کو عدل دے گا، غریبوں کا خیال رکھنا ہو گا۔

آخر کار، ہر خط میں پاکستان کی بات لکھی ہوئی تھی۔ ہر خط پاکستان کی اہمیت کے احساس سے لکھا ہوا تھا۔ کئی ایک غلوں میں پاکستان کے تباہ کن مستقبل کا ذکر ہوتا کہ جلد ہی یہ ملک ایک عظیم ملک بن جائے گا۔ ایک عظیم فتح حاصل ہوگی اور پھر یہ ملک دنیائے اسلام کا مرکز بن جائے گا۔ کئی ایک غلوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا تذکرہ ہوتا اور پاکستان کے متعلق ایسے الفاظ استعمال

اس کی عظمت کے گائے چار ہے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے نہ کسی گنتی میں ہے نہ
 آبادی میں۔ دنیا میں مسلمانوں کے ایسے کئی ایک ملک ہیں۔ پاکستان قلبی طور پر ان پڑھ ہے
 اور خارجی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سیاسی طور پر گانفہ ہے۔ لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہی
 نہیں ہوا۔ دہریے سکران ہیں، عوام آزادی سے محروم ہیں۔ اگر جمہوریت آج بھی جائے تو چلے

ہے۔ وہ جہلم کے رہنے والے ہیں۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جنگ میں شامل ہوئے۔
 پھر رخصت لے کر مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ پھر پتہ نہیں کیا کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں نہ
 گئے۔ وہیں کے ہو رہے۔ اب وہ روضہ پاک کے حلالی بردار ہیں۔ بہت بڑا عہدہ ہے، اعرار ہے۔

اور جان بوجھ کر ان کے اثرات کو داخل ہونے میں دیتے۔

(۱۵)

اس خط نے بات واضح کر دی کہ قدرت کو کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ وہ کالی ہے۔
 اس کی ہم پر مہمور ہے۔ اسے کوئی اسائن منٹ ملی ہوئی ہے جس کی اس نے تکمیل کئی ہے۔
 ہر عمل مجھے یہ علم ہے کہ وہ سب اس اسائن منٹ کی نوعیت کیا ہے۔ صرف اتنا ہی پتہ چلا
 کہ اس کام کو پاکستان سے متعلق ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے قدرت کو سیکرٹری ٹوڈی پر بیڈیٹ منٹ
 کے عہد پر فائز کیا گیا ہے۔

قدرت کے اس عہدے پر فائز ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ سینئر نہیں تھا۔ تجربہ
 نہیں تھا۔ اس کی ہسٹری شیٹ سرکار کی دفاعی کی غماز میں تھی، اتنا اس کی پالیسی انتظامی
 نہیں تھی کہ امریکی حکومت کے کاندھات میں درج تھا کہ وہ کیوسٹ خیالات کا مالک ہے۔
 ہارکلوور میں اسسٹنٹ کمشنری حیثیت سے اس نے اپنے سینئر برٹش افسروں کو اس وقت
 حاکمیت میں لیا تھا جب اسے علم ہوا تھا کہ وہ گھوڑوں کو آگ لگانے کے لئے آئے ہیں۔
 ہر فرقہ کے دور میں اس نے عوام کو بچانے کے لیے سرکاری اہراج کا ذریعہ بنادیا تھا۔
 پاکستان میں جب وہ جنگ کاؤنٹی کمشنر تھا تو اس نے کھلی پھری لگائی تھی۔ جس پر انتظامیہ
 اسے منت راج ہو گئے تھے۔ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ عوام کو اس قدر قریب آنے دیا جائے اور
 ان کے خلاف کارروائی جائے۔

اس ہسٹری شیٹ کے افسر کو صدر مملکت کا سیکرٹری بنالیا کہ ان کی داخل مندی تھی۔ حیرت
 کہ اس عہدے کے لیے اس کا چناؤ کیسے عمل میں آیا۔
 قدرت نے بھی اس عہدے کے حصول کے لیے کوشش نہ کی تھی، اتنا اسے یہ عہدہ چھیند
 کہ اس عہدے پر فائز ہونے کے متعلق تصانیات آپ قدرت اللہ شاہ کی زبانی سنئے جو
 آپ اے کے ۱۳۱-۱۳۹ صفحات پر درج ہیں۔

(۱۶)

۳۔ اس وقت بھی آپ انتھاب کے موڑ پر کھڑے ہیں۔

۴۔ یہی کیفیت ملک اور اس کے سربراہ کی ہے۔

۵۔ اندازہ ہے کہ یہ تبدیلی بہتر حالات پیدا کرے گی۔

۶۔ پاکستان کے صدر کا لقب بدل دیا گیا ہے۔

۷۔ آپ کا رخ اس کی طرف ہے۔

۸۔ لیکن ابھی آپ اس قدر اثر نہیں ہوئے جتنا ہو سکتے ہیں۔

۹۔ بہت جلد آپ پر اثر ہو جائیگا۔

۱۰۔ آپ کو بہت سے کام کر رہے ہیں۔

۱۱۔ آپ اس ملک کی خدمت پر مہمور ہیں۔

۱۲۔ یہ صدر پاکستان کی خوشی بنتی ہے کہ انہیں آپ ساکارمہ حاصل ہے۔

۱۳۔ جلد ہی وہ آپ کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

۱۴۔ وہ خرابی کی بجائے جو اس وقت آپ کے قریب ہے، آپ کے دوش بدوش کام کرے گی۔

۱۵۔ صدر مملکت کار نمایاں کریں گے۔

۱۶۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اعزاز کسی دوسرے سربراہ مملکت کے نصیب ہو۔

۱۷۔ اللہ کے کلاموں میں کسی کو دخل نہیں

اس خط کے ۲۵ میں شاہد کے عیب متواتر سنئے تھے۔ لکھا تھا۔

۱۔ نماز میں آپ اپنا راستہ خود کاٹتے ہیں۔

۲۔ آپ دور و درمی کا شکار ہیں۔ نہیں چاہتے کہ راستے میں رکاوٹ پیدا ہو۔ پھر خود ہی رکاوٹ

پیدا کر لیتے ہیں۔

۳۔ بے شک آپ کا ایمین مضبوط ہے۔

۴۔ آپ کی اتنا محکم ہے۔

۵۔ آپ نیت ٹیک ہیں۔

۶۔ آپ کا قلب آلود نہیں۔

۷۔ لیکن آپ کے ارد گرد جو چنگاڑیں منڈلا رہی ہیں۔ آپ ان سے اثر قبول کرتے

مینک شروع ہوئے ہی ٹیلی فون کیا کہ کینٹ سیکرٹری مسٹر عزیز احمد مجھے اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ گورنر جنرل مسٹر غلام محمد تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم ابھی گورنر جنرل ہاؤس پہنچ جاؤ۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ میری بالکل کوئی واقفیت نہ تھی۔ وزیر خزانہ کے طور پر انہیں فقط چند بار دیکھا تھا۔ میں نے مسٹر عزیز احمد سے اس بارے میں کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔

غلام محمد صاحب کے ایک بھائی نے لاہور میں کسی فیکٹری کی لاٹ منٹ کے لیے درخواست دی ہوئی تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ شاید گورنر جنرل اس سلسلے میں کوئی سفارش کرنے والے ہوں۔ میں نے اپنے اس خدشے کا مسٹر عزیز احمد سے ذکر کیا تو انہوں نے اس سے بھی اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ مسٹر غلام محمد سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ اس لیے میں ان کے ساتھ بات چیت میں احتیاط سے کام لوں۔

مسٹر عزیز احمد کا مشورہ پہلے ہاتھ کر میں گورنر جنرل ہاؤس پہنچا۔ ایک اے ڈی سی مجھے اپنے ساتھ اور والی منزل میں لے گیا وہاں پر برآمدے میں تینوں بیجا ہوا تھا اور اس پر صوفے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گول میز پر بڑے خوبصورت پھول سجے ہوئے تھے۔

مسٹر غلام محمد ایک گدے والی آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہنچا ہوا تھا۔ روپل اور جرابیں ٹائی کے ہم رنگ تھیں۔ کوٹ کے کالر میں گلاب کا پھول دکھاتا تھا۔ سر پر کالی جٹا کپ تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ ان کے قریب والی کرسی پر گورنر جنرل کی پرسل پرائیوٹ سیکرٹری مس رودتہ بول بول رہی تھی۔ یہ بڑی طرمدار، ٹانگ اندام، خوبصورت نیم امریکن، نیم سوس لڑکی تھی جیسے وہ دانشمندانہ سے منتخب کر کے اپنے ساتھ پاکستان لائے ہوئے تھے۔ مس بول پر نگاہ پڑتے ہی میں نے دل ہی دل میں مسٹر غلام محمد کے حسن انتخاب کی داد دی۔ اے ڈی سی نے میری آمد کا اعلان کیا تو دونوں نے نظریں گاڑ کر مجھے سر سے پاؤں تک

گھورنا اس کے بعد مسٹر غلام محمد نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ چند لمبے عجیب سی خاموشی طاری رہی۔ پھر گورنر جنرل نے بچوں کی طرح ٹون میں کر کے کچھ بولنا شروع کیا۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بولتے رہے، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے۔ اور کب زمان میں گفتگو کر رہے ہیں۔

جب وہ خاموش ہوئے تو مس بول بولی۔ ”ہزار سیکینیٹی فریٹے ہیں کہ انہوں نے آپ کو سیکرٹری کو گورنر جنرل کی پوسٹ کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس ٹاؤک دہانے میں یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ ایچ۔ اے ای امید رکھتے ہیں کہ آپ ان کے انتظار پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے ایچ۔ اے ای کا حکم ہے کہ آپ ابھی نیچے جائیں اور اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ صاف انکار کرنا تو مشکل تھا، اس لیے میں نے ایک اور ٹک چیش کرنے کی کوشش کی۔ ”میں اس وقت پنجاب گورنمنٹ میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ جب تک صوبائی حکومت مجھے وہاں سے فارغ نہ کرے کسی اور پوسٹ کا چارج لیتا ہرگز بے ضابطگی ہوگی۔“

یہ بات سن کر مسٹر غلام محمد غصے میں آ گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انہوں نے ٹوک کر کچھ دیر پھر ٹون میں کی، جس کا مضمون مس بول نے مجھے یوں سمجھایا۔ ”ہزار سیکینیٹی فریٹے ہیں، پنجاب گورنمنٹ جنم میں جائے۔ جس بے ضابطگی کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی آپ کے سمیت جنم میں جائے۔ پنجاب کے چیف مشر ملک اور خاں لون افیق سے سچے بیٹھے ہیں۔ انہیں ابھی یہاں بلایا جا رہا ہے تاکہ وہ آپ کو پنجاب سے فارغ کر دیں۔ اس کے بعد آپ فوراً نیچے جا کر اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ تیر تھانے پر نہ بیٹھا تو میں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ ”جناب میری والدہ اور ملتان لاہور میں ہیں۔ چارج لینے سے پہلے کیا میں وہاں جا کر انہیں کراچی لا

اس کے برعکس راجہ شفیق ایک متوازن فرد تھا۔ وہ حکم بحالیات میں ایک کلرک تھا۔ اس قدر خوش پوش تھا کہ دیکھ کر لگتا جیسے کوئی بڑا افسر ہو۔ بات کرتا جانتا تھا۔ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق بات کرتا۔ حتیٰ التوسع فریبوں کی مدد کرتا۔ اس میں تعلقات عامہ کی بڑی صلاحیت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ سارا افسر اسے جانتا تھا۔ اس کے تعلقات بڑے وسیع تھے۔ طبیعت کا راجہ تھا۔ ہر بات میں زیادہ چڑھ کر حصہ لیتا۔ شلو خراج قلم پر غصہ ہار رہنے والا تھا۔ یہاں اپنی زمینی جس میں پہلدار آتی رہتی تھی۔

بھائی جان کے حلقہ کے کچھ لوگ راجہ پر اعتراض کرتے تھے۔ کہ وہ دالیں، موٹے پھل، بھنے، اسی قسم کی چیزیں بھائی جان کو تحفے کے طور پر دیتا رہتا تھا اور یوں بھائی جان کو رکی بڑے بار بار چاہتا تھا اور اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو سرکار قلم کا مزار پر نشان بن جائے گا۔ مرد ہندو پر غلوں کے سخت خلاف تھے۔ زندگی بھر انہوں نے اپنے آستانے کو بھر غلوں بننے نہ دیا تھا۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے گائیڈ کی تھی کہ مزار پر کسی موتی کو بیٹھنے نہ دیا جائے۔ مزار پر چھت نہ ڈالی جائے۔ چار دیواری کو ٹوٹنا نہ کیا جائے۔

بھائی جان بھیا بیروں اور بیرو غلوں کے حق میں نہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی سرکار قلم کے امکانات کی خلاف ورزی کرے۔

بھائی جان پسند نہیں کرتے تھے کہ راجہ انہیں چھوٹے چھوٹے خائف بھیجے۔ ایک بار بھائی جان نے کہا 'راجہ صاحب آپ ہمیں یہ چیزیں نہ بھیجا کریں ہم یہ پسند نہیں کرتے۔'

اس پر راجہ جوش میں آیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے بھائی جان کے درود قلم سے میں بات کی تھی۔ کہنے لگا 'بھائی جان آپ کے اصول سر آگاہوں پر، لیکن ہماری خواہشات بھی کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمارے دل میں بھی چند ایک چاہا ہیں۔ آپ انہیں اچھا جائیں یا برا؟ ہم ان کو اندر سے نکال نہیں سکتے۔ وہ ہمارے خون میں دھبے بن گئے ہیں۔'

بھائی جان میں ایک چھوٹا سا مذہب اور بھی ہوا۔ زمین سے جب کوئی چیز آتی ہے تو میرا بھی چاہتا ہے کہ کچھ انہیں بھی بھیجوں جن سے مجھے حکایت ہے۔ میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں۔ اپنے

اس کی ایک بھوتی سی خوش پوری کرتا ہوں۔ آپ پر احسان نہیں دھرتا۔ آپ میری اسی چھوٹی اور لڑائی کو کیوں روک رہے ہیں۔ یہ سن کر بھائی جان کا سارا غصہ بند گیا اور وہ گردن ہٹا کر بیٹھ

راجہ شفیق اول تو بات نہیں کرتا تھا۔ جب کرتا تو منہ سے قہقہے کا فوارہ چل نکلتا۔ شاپ کے گھر وہ اکثر بیٹھا کرتا تھا 'شاپ سے تو کبھی تفصیلی ملاقات نہ ہوتی تھی۔ لیکن اسے یاد تھا اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا تھا۔ عفت بچے سے کہنا کرتی تھی 'شاپ کے مالے والے آپ سب درشتی پہلوں میں کام کا آدمی صرف راجہ شفیق ہے۔'

ایک دن راجہ شفیق کو ایک کام آدھان لکھوں کا ایک آدمی تھا جسے چڑاسی گلوں کا راجہ نے کہا کہ شاپ سے کہہ کر لکھوں آدمی کو دفتر میں چڑاسی لگوا دے۔

شاپ نے کہا راجہ سے کہنا کہ چڑاسی لکھا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی افسر لکھا تو میں یقیناً مدد کروں گا۔

ایک دن راجہ گھر گیا تو شاپ موجود تھا۔

راجہ نے کہا شاپ صاحب ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ آپ کی طرح بڑے لوگ نہیں ہیں۔ ہماری 'ای' لکھوانے کی درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بڑے لکھے آدمی کہاں ہیں کہ ان کے ارکانے کی سطرش کریں اگر آپ چڑاسی نہیں لکھا سکتے تو ہم جیسے چھوٹے آدمیوں سے یہ کام کیوں رکھتے ہیں۔

راجہ کی بات سن کر قدرت بہت شرمندہ ہوا 'وہ چار روز خون پر عطف افسروں کی منتیں کرتا رہا۔ وہ راجہ کے آدمی کو چین رکھ لیں۔'

راجہ بچے سے اکثر بتا رہتا تھا وہ میرا واحد ساتھی تھا۔ لیکن وہ میری ذاتی پریشانیوں کو دور نہ لے سکتا تھا۔

شاپ کے متعلق وہ غلے کر میں راجہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا راجہ یہ کیا جھیلایا ہے۔ تم میں نہیں آتا۔

اس نے غور سے وہ خط پڑھا کہنے لگا 'سبحان اللہ کیا خطا ہے۔ کتنی اچھی خبریں ہیں اس خط

شاید ایران سے کانٹھ ریشن ہو جائے۔

سکھوں کو ایک ریاست مل جائے۔

ہو سکتا ہے کہ سکھ ہمارے ساتھ مل جائیں۔

اب کشمیر کے لیے جنگ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ویسے ہی مل جائے گا۔ جوں اور

چٹا جائے گا۔ وادی اور آجائے گی۔

نہو بھی جائے ولا ہی ہے۔

سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس روز بھائی جان کہہ دینے کے موڈ میں تھے۔ ایسے ہی جیسے قدرت چٹکن کی کیفیت میں

ہوتے تھے۔ شاید بھائی جان بھی چٹکن میں تھے۔ مگر ان کے انداز میں وہ سرشاری اور مستی نہ

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

میں نے کہا یاد یہ قدرت اللہ شباب کون ہے، کس کام پر مامور ہے۔

وہ ہنس بولا، مفتی ہم چنڈو لوگ ہیں ہم بڑے نہیں سمجھتے، ہم تو صرف پھل کھاتے ہیں۔

میں نے کہا آخر پتہ بھی تو چلے۔

پتہ چلا کر کیا کرنا ہے۔ مفتی یہ بتا کیا کوئی ایسا بھی ہے جسے پوری بات کا پتہ چلا ہو۔

چک لالہ تک پتہ ہے، کسی کو گور خان تک پتہ ہے، کوئی نہ کوئی تو ہو گا جسے جہلم تک پتہ ہو گا۔

سیدھی بات ہے کہ شباب ایک بزرگ ہے۔ ورنہ سرکار قبلہ اس کی دستار بندی نہ کرتے اور

اسے کوئی کام کرنا ہے جو پاکستان سے متعلق ہے۔ اتنی سی بات ہے۔ ہماری لیے یہی کافی ہے۔

اب تو خلوہ خزاہ کریہ میں لگا ہے کہ وہ کونسا کام ہے، اس کی نوعیت کیا ہے، اسے کیوں یہ کام دیا

ہے، کس نے دیا ہے۔

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

یہ سوچیں کہ ہم کس طرح ۱۰ سروں کے کام آسکتے ہیں۔

پھر بھائی جان کی توجہ سرکارِ قبلہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ پہلی باتیں یاد آئیں، کہنے لگے۔ ہم باجی بھائی تھے۔ ٹانگ چنہ تھا، سکندر تھا محمد دین تھا، غلام محمد تھا، میں تھا، قین خام نکلتے اس لیے غم کروا دیے گئے۔ سکندر نے کہا میں خستہ جیڑوں گا۔ گھیا، کھروٹ آیا۔ پھر بھائی کیا، پھر واپس آگیا۔ غم عدولی کی وجہ سے غم کروا گیا محمد دین نے بھی غم عدولی کی، غلام محمد نے بھی، ٹانگ چنہ بھارت چلا گیا، پھر اس کا کچھ نہ ہو، میں چلا۔ دو سال سے کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ بھائی جان کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے، "بیت کو بھابھات متکل ہے۔ بیت کے بعد ہر بات حکم بن جاتی ہے، ہر وقت حکم عدولی کا فخر لگا رہتا ہے۔"

بیعت کے بعد تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ پھر کوٹلی ہو جائے تو نیچہ دی ہو تا ہے جو سکندر کا ہوا۔ راجہ صاحب فقیری بہت مشکل ہے۔ بیعت کرنے کی نسبت دوست ہونا بہتر ہے۔

مشن

اس کے چند روز بعد ایک روز میں نے دیکھا کہ قدرت کی آنکھیں چرمی ہوئی ہیں، زبان میں گت ہے اور فہمہ لامیں عجیب قسم کی اچھل ہے۔ اس نے گھنٹی بجائی۔

آپ اپنی اسے کو بلا رہے ہیں، میں نے پوچھا۔

ہاں اس نے جواب دیا، مجھے ڈکیشن دینا ہے۔

میں نے کہا: شباب صاحب آپ ڈکلیشن نہ دیں۔

کیوں؟ اس نے پوچھا۔

میں نے کہا: جناب آپ اس وقت پرنسٹن ایل میں ہیں۔ آپ کو لوگوں کے سامنے
میں جانا چاہیے اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مجھے کچھ یہ کیا؟ اس نے پوچھا
اس وقت آپ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ جیسے فریج کی دوہلیں نہ رکھی ہیں۔
وہ مسکرایا، کچھ غفلت بھی دکھادی تھی۔

میں نے بھارت کے ریٹائرڈ سب جج کاغذ قبول کر لے دکھایا۔ آپ کو پتہ ہے وہ بڑا لاکھ کر میں اپنے مشن میں ناکام ہوا تو کیا ہو گا۔

15-5

میں سڑک کے کنارے ایک گوشت کے ٹوکڑے کی طرح پڑا ہوں گا۔ میرے جسم میں اپنے پائے ہوں گے۔ میرے جسم سے اس قدر بدبو آ رہی ہو گی کہ لوگوں کو گناک پر دوپٹا رکھ کر گزر رہے۔

یہ سن کر مجھ پر کچکی طاری ہو گئی۔

میرا جسم مطلوب ہو گا قدرت نے کہا مگر میری حیات قائم ہوں گی۔ بلکہ نازل انسان کی
 ہمارے گناہ و عیوہوں کی ناکہ میں اپنی تکلیف کو شدت سے محسوس کروں۔

یہ سن کر میرا دل جھپٹنے لگا میں تو سمجھتا تھا کہ قدرت ایک خوش قسمت آدمی ہے۔ اسے اول درجہ حاصل ہے۔ اس کی حیثیت اعزاز کی ہے۔ وہ ایک بزرگ ہے، جسے ہر اسرار طاقت حاصل ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں گھبرا گیا۔ میرے منہ سے سوئے صابون کے جلیبوں کی طرح کھٹ کھٹ بگڑنے لگی۔ مجھے خیال آیا کہ قدرت کی نسبت تو میں زیادہ خوش قسمت ہوں۔ میرے سر پر بار نہیں لگا رہی۔ میں ایک آزاد آدمی ہوں۔

اور آپ کو پتہ ہے اس نے کہا۔ اس کی آواز سن کر میں چونک کر جاگ پڑا۔

کیا میں نے پوچھا۔

کہ میری کیفیت ایسی ہوگی کہ کوئی میرے قریب نہیں آئے گا۔ کراہت کی وجہ سے لوگ
میں سے دور بھاگیں گے۔

لیکن میں نے پوچھا یہ پابندی آپ پر کب عائد ہوئی۔ کیا پیدائشی ہے یا —

۱۹۳۶ء میں اس نے جواب دیا، "ایک طرف تو اپنے لئے کچھ اور کامیابیوں کی تلاش میں۔ اگر یہ وہ تھیں تو میں کب کا وہاں پہنچ جاتا۔"

اس کیفیت کے بازو جو اس پر طاری تھی۔ اس آکسنیسی کے بازو جو اس کیف و مستی کے بازو جو اس میں ایک لوٹ تھی۔ ایک بے پناہ احساس ہے جس کا اطلاق کیے ہوئے تھی۔ میرے دل میں جاننے کا چھوٹا کر کے کی خواہش جہاں کی طرح چمکے تھی۔ میں نے محسوس کیا

جیسے وہ بزرگ نہ تھا۔ بلکہ ایک عام انسان تھا، تھا ہمارا ہوا۔ پھر جس انسان۔ اور وہ اسرار جو اسے
 لیے ہوئے تھا۔ وہ دراصل ایک زنجیر تھی، ایک مجبوری، لاچار۔
 اس روڈ ساری رات مجھے غیر نہ آئی۔

چمگا دڑیں

قدرت اللہ شامپا با کردار آدمی تھا۔ اس میں بہت سی مثبت خصوصیات تھیں۔ کچھ
 وہ روایات قدرت نے وراثت میں پائی تھیں۔ والد اور والدہ دونوں ہی پاکیزہ اور سادہ مزاج تھے۔
 اور ان کے والد بہت ذہین تھے وہ امتحانات میں فسط کلاس فسط آیا کرتے تھے۔ والدہ بڑی
 ماہرہ تھیں۔ قدرت کا ایمان تھا کہ اس کی زندگی میں جتنی بھی برکت تھی وہ والدہ کی دعاؤں کی
 برکت تھی۔

قدرت کی شخصیت میں وہ بڑی زبردست قوتیں تھیں۔ اس میں سب سے پہلے برداشت کر
 لینے کی قوت عام انسان سے بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس کی دل پاور اس قدر طاقتور تھی کہ
 اسے کوئی چیز کر سکتا تھا۔

مستقلہ خیر

قدرت میں طبع نہیں تھی، حرص نہیں تھی۔ فرائض نہیں تھی، لیکن ساتھ ہی اس میں چند
 کمزوریاں بھی تھیں، یہ کمزوریاں بڑی مشکلہ خیر تھیں۔
 مثلاً اس میں ایک تنہا تھی۔ ایک عجیب قسم کی ہچکچاہٹ تھی۔ لیکن وہ اپنے آہنی عزم

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پرائی چیزیں

کچھ لوگوں کو پرائی چیزوں سے خدا واسطے کا لگا ہوتا ہے۔ ان میں پرائی اور بے کار چیزوں کو پیڑھ دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہ چیزیں کسی مقصد کے لیے نہیں سنبھالی جاتیں، اس لیے انہیں کہہ کام آئیں گی۔

سنانے کہتے ہیں، عورتیں اس لیے چیزیں نہیں بچھتی کہ انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے پیڑھ دیں تو پڑوسن اٹھائے گی اور انہیں کام میں لے آئے گی۔ وہ چیزوں کو اس لیے سنبھال کر نہیں رکھتیں کہ داشتہ آئیہ کار۔

وہ مرد جنہیں پرائی چیزوں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ پڑوسی کے ڈر کے وجہ سے انہیں سنبھال کر نہیں رکھتے۔ یہ تو آرٹ فار آرٹ سبک قسم کا شوق ہے۔ یہ شوق لوگوں میں عام ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شباب میں بھی پرائی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی عادت تھی۔ بے کار چیزوں کو سنبھالنا لیکن روپے پیسے بے دریغ ہٹا تھا۔ جب وہ بالینڈ میں عظیم قہار تو اس کے بیشتر خدا ایک ہی اللہ معنوں کے حامل ہوتے تھے۔

اسے روپوں کا چپک بچھ رہا ہوں۔ ساتھ لوگوں کے پتے ارسال کر رہا ہوں۔ آپ ان لوگوں کو اسے اسے روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔

کی عدت سے اس جھجک اور چٹکاپٹ کو دور نہ کر سکا تھا۔ جب بھی وہ حملہ کرتی، وہ گھبرا کر بیٹھ جاتا۔ اسے ایک دچکا لگتا، لیکن جلد ہی سنبھل جاتا۔

مجھے شک پڑتا تھا کہ قدرت بھی میری طرح احساس کمتری کا شکار ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس پر فوری طور پر ٹکڑ پڑ سکا تھا۔ دراصل قدرت میں دو بڑے طاقت ور پرزے لگے ہو تھے۔ ایک بریک دوسری شاگ ابھار رہی۔

شاید اسی وجہ سے وہ سفارش نہیں کر سکا تھا۔ جب بھی اسے سفارش کرنی پڑ جاتی تو اور چٹکاپٹ کی مچھلی چل پڑتی۔ پھر وہ اسے التوا میں ڈال دیتا، ڈال دیتا۔ قرار کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ مجبور ہو جاتا تو فون پر سفارش کرتے ہوئے بیٹھے چھوٹ جاتا۔ سفارش کرتے ہوئے اس کا رویہ متوازن نہ رہتا تھا۔ ایسی بے بسی اور آہ و زاری سے فٹیں کرنا کہ اس پر ترس آنے لگتا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں کی فٹیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بنیادی طور پر قدرت اکیلا تھا۔ محفل سے کترا تھا۔ ملاقاتی رخصت ہوتا تو وہ احمیہاں کا سانس لیتا۔ وہ اینٹی سوشل نہ تھا، اس سوشل تھا۔

قدرت میں اونچائیوں کا خوف تھا۔ جب وہ ہوللی جہازی سیڑھی چڑھتا تو اس پر خوف طاری ہو جاتا۔ جوں جوں چڑھتا جاتا تو اس کو کرب پڑھتا جاتا۔ جب آخری سیڑھی پر پہنچتا تو اسے ہلے قبض جیسا غلاب سہا پڑتا۔

میں اب وقت پر بھی آ سکتے ہیں۔
 آ سکتے ہیں۔ پر آئیں گے نہیں۔

میٹ، میٹ اور کلون کی خالی چیخیں، کف، نکس، استہل شدہ پن، دھوپ کی
 بینکوں کے پرانے خول، سوکھے ہوئے مارکر، ٹوٹے ہوئے دستوں والے لیٹر اوپنر،

ہام

ہر ایک بڑی طرح دار بیگم جسے میڈم کہہ کر بلائے تھے، قدرت کی جانب مائل ہو گئی۔ وہ
 لہجہ مرکب تھی، لیکن اس میں اس قدر بلاشت اور کھٹکتی تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ بہت بڑی
 علمی تھی اور اس قدر آواز ملتی تھی کہ اسے کوئی ٹھیک نہ تھی۔ ہر موضوع پر بات کرتی۔
 انہوں میں دعوت عالم تھی۔ کوئی ہو، کیسا ہو۔

صرف نظر کو عادت تھا۔ میں تھی۔ اس کے جسم کے ہر بند کو عادت تھا۔ تھی۔ مرد کو
 لہجہ صرف بچے لگتی تھی۔ کسی بات کو چھپاتی نہ تھی۔ میاں سے کہتی، میں کیا کروں، میں ایسے
 ہی مائل تھی ہوں۔ میاں بے چارے بس تھا، اسے روک نہیں سکتا تھا، دیکھ دیکھ کر شاید اسے
 دیکھ کر اسے ات پر مٹی تھی شاید وہ بیہوش ٹام بن چکا تھا۔

میڈم نے آکر قدرت کو چنگ کیا۔ اس معاملے میں قدرت بڑا بڑے پاک سپاہی تھا۔ اس
 نے فلاح قبول کر لیا۔ ہم ڈر گئے، اب کیا ہو گا۔ وہ بڑی طاقتوں میں تصادم ہو گا۔ ایک کے پرچے
 ادا نہیں گئے۔ پورا ایک مینہ میدان کار دار گرم رہا۔

میڈم شام کو آجاتی۔ کہتی، آئیے ڈرائیو تک "سپری" ہو جائے اور وہ دونوں موٹر میں بیٹھ کر
 چلا جاتے۔ پھر آدھی رات کو لوٹتے۔

میں نے شب سے پوچھا، آپ جو ڈرائیو تک جاتے ہیں تو وہاں کرتے کیا ہیں۔

ہلا، کچھ نہیں۔

تو پھر جانے کا کہو۔

میں ڈرائیو تک کرتا ہوں اور میڈم باتیں کرتی ہیں۔

کیسی باتیں۔

اپنی رام کتابیں سناتی ہیں۔

میڈم کی کتابیں رام کتابیں تو نہیں ہو سکتیں، راولن کتابیں ہوں گی۔

ہاں راولن کتابیں ہی ہیں۔ بے چاری نے بڑے مصائب جھیلے ہیں۔

وہ تو خود بخشی راولن ہے۔

قدرت کی سب سے بڑی کمزوری عورت تھی۔ ایسی عورت جو چاہے نظر ہو اور اس
 سے راستے سے بھٹک جاتی ہو۔

ایک بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ خواتین قدرت کو دیکھ کر اس پر رعبہ کیا ہوں
 تھیں۔ کیوں اس کے گرد منڈلاتی تھیں۔ قدرت کے خدو خصل، قد کاٹھ کوئی تفصیل چاہے
 تھی۔ اس کی آنکھ ٹھنڈی نہیں تھی۔ اس میں بلاناہ نہیں تھا۔

کہتے ہیں عورت سب سے پہلے مرد کی آنکھ کو دیکھتی ہے۔ اس میں بلاناہ ہو تو دل
 ہوتی ہے۔ ٹھنڈی آنکھ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

قدرت کی آنکھ بھی چمک تو مارتی تھی، لیکن وہ چمک بلانے کی چمک نہ ہوتی۔
 قدرت کی آنکھ میں ایک ٹھیک تھی۔

میں وہاں پر حیران ہو کر آتا تھا۔

کہ عورتیں قدرت پر کیوں رعبہ جینی تھیں۔ اس کے گرد کیوں منڈلاتی تھیں کہ تو
 مراد مستقیم سے بھگی ہوئی حیثیتوں میں میں دل چاہی لیتا تھا۔ قدرت کی سب سے
 خواہش یہ تھی کہ پاس پاس وہ جائے نماز کیجے ہوں اور وہ کوئی ایسی طاقتوں کے ساتھ نماز پڑھے
 میں زندگی بھر جنس کا غلبہ ظلم رہا تھا۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ عورت اس
 نماز پڑھنے پر کیسے راضی ہو جاتی ہے۔

بھرنے مجھے خیر رعبہ بھری کی بات یاد آجاتی۔ جب رعبہ بھری کو زہر دتی چٹکے میں
 کیا۔ جب بھی گاہک آتا تو پتہ نہیں کیسے وہ اسے اس بات پر رضامند کر لیتیں کہ پہلے آئے ہو
 چاہے لیں، پھر عیاش۔

جب گاہک نماز پڑھ رہا ہو تو رعبہ بھری اللہ کی منت کرتی۔ یا باری تعالیٰ میری تک تو

میں نے آئی ہوں لب تو جانے اور تیرا کام۔

مجھے خیال آتا شاید قدرت بھی کسی کام کر رہا ہو۔

بہر حال ایک بات یقینی تھی کہ قدرت کسی ایک بھڑی سے اتنی ہوئی حیثیتوں کو

”نہیں وہ بولا۔ کم ہیام خط ہے۔ دیکھ لیجئے۔

وہ دوسری خط تھا۔ لکھا تھا یہ آپ نے کیا کیا۔ ایک غلاطت بھری پوٹلی کو یہاں بھیج دیا۔

قدرت ان خراجوں کو بیٹھیں یا چنگوڑیں کما کر تا تھا۔ بیٹھ ایک نایک چنگوڑ اس کے گرد

لیٹی رہتی تھی۔ عفت یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑی رہتی تھی۔

ہر ایک روز اس نے بھائی جان سے بات کی۔ بھائی جان بولے دیکھو بیٹی۔ ہم بھی قسویٰ

ال لاکہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان پر اعتماد نہیں کر سکتیں تو ہم پر اعتماد کرو۔ جو دم آپ کے دل

میں ہے وہ ملنا ہے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ شاب صاحب جب باہر جاتے ہیں یا ڈرائیونگ کرتے

ان پر وہ اکیلے نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ ان کے محافظ ہوتے ہیں۔

ایک بچے کا سوال ہے

ہر ایک چنگوڑ آگئی۔

وہ شباب کے دفتر میں آئی۔ سیکورٹی نے فون کیا، جناب ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی

کون ہے قدرت نے پوچھا۔

اپنا نام مسز عزیز بتاتی ہے۔ عمر میدہ ہے۔ یہ وہ ہے۔

کس کام کے لیے ملنا چاہتی ہے۔

آتی ہے کہ شاب صاحب مجھے نہیں جانتے۔ میں مدینہ منورہ سے ہن کے لیے ایک پیغام

دلا ہوں۔

قدرت نے کہا، انہیں بھیج دیجئے۔

بچہ در کے بعد وہ داخل ہوئی۔ شباب نے اسے بڑے احترام سے دیکھو کیا۔ فرمایے، وہ

خاتون نے کہا، میں تنگی میں ہات کروں گی۔

قدرت نے اپنے پی لے کر اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

گئے گئی، میں سر زمین حجاز سے آئی ہوں مجھے باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو شباب سے

وہ مانتی ہے۔ کبھی ہے، میں ایک مردار ہوں۔ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے رہتے ہیں اور

اپنی چوٹیں ہری کرتے رہتے ہیں۔

”بڑی اچھی تشبیہ دی ہے۔“

بے چاری جسنی طور پر مجبور ہے۔ کبھی ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے

ریں اور فوسٹے مارے دیں۔ بے چاری جسم کے ہاتھوں مظلم ہے۔

”آپ کو ترس آتا ہے۔“

ہاں۔ بد قسمت ہے۔

وہ توقع کرتی ہوتی ہوئی کہ آپ بھی فوٹو گاریں۔

شاید وہ بولا۔

چاہتی کیا ہے، میں نے پوچھا۔

وہ چاہتی ہے کہ اس گندے نالے سے باہر نکل آئے۔

واہ، میں نے کہا، بیک وقت دو متغیر خواہشات۔

یہ بڑی تکلیف دہ کیفیت ہے، شباب نے جواب دیا۔

پورا ایک مہینہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔

پھر چار ایک دن وہ نہ آئی تو میں نے پوچھا، وہ میڈم کیا ہوئی۔ آتی نہیں۔

قدرت نے سرسری انداز میں کہا، مدینہ شریف چلی گئی۔

کیا عمرہ کرتے۔

نہیں، وہ بولا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں بیٹھ کے لیے مدینہ شریف میں آباد ہو چلاؤں گی۔

دس پندرہ دنوں کے بعد قدرت نے مجھے ایک خط دکھایا۔

میں نے پوچھا، کس سے آیا ہے۔

بولا، مدینہ شریف سے۔

میڈم نے بیٹھا ہے کیا۔

نہیں، وہ بولا۔

پھر کس نے بیٹھا ہے۔

اچھا تو میں جانتا ہوں، آپ کے لیے بھی پان لے آؤں گا، قدرت چاہے گی۔

میرا خیال تھا کہ وہ دوس پندرہ منٹ میں واپس آجائے گا، لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا وہ کھینے کڑو

کے، وہ نہ آیا تو میں گھبرا گیا۔ پان کی دوکان کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لیے

پان کی دوکان پر پہنچا۔

انٹرن کی بات تھی کہ پان والا شہاب کو بھی چاہتا تھا اور مجھے بھی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا

میرا تو وہ بولا۔

کیوں۔

یہاں وہ کچھ دیر سرٹکائے، خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے مراٹھا گیا۔

یہاں جنگل کا رول چل رہا ہے، کل آرہی، کھڑ

لڑو یا مر ڈال بات ہے، ہے نا، میں نے کہا۔ میرے گرد و پیش میں ہر وقت ایک

مگر، ڈنک لگائے بیٹھ، رات ہے۔

الحسن بن تہان کی پہنچ کو قبول کر لیتے ہیں چنگاروں میں بڑی طاقت ہے۔ تو اتنا مضبوط نہیں
اس مقابلہ کر سکے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ قدرت چپ ہو گیا۔

اسلام عورت اور ضبط

میں نے کہا آپ ایک فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔
میں فیصلہ نہیں کر سکتی مسلسل کش کش میں رہتا ہوں۔ وہ بولا۔
مجھے ایک بات بتائیے۔ آپ فرما کر اس بات کیوں نہیں اپناتے۔ کیا اس لیے کہ آپ کو تصادم
پانہ ہے یا عورت۔
مجھے دونوں ہی پسند ہیں۔ تصادم سے میری انا کو تسکین ملتی ہے۔
اور عورت سے 'میں نے پوچھا۔
عورت مجھے اچھی لگتی ہے۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔
پھر مدح نے اس نے سر اٹھایا بولا 'آپ بھلی جان سے بات کیجئے شاید وہ فیصلہ کرنے میں میری مدد کر
سکیں۔

بھائی جان نے بڑے غور سے میری بات سنی۔ پھر دیر تک خاموش رہے۔ بولے 'وہ جو بھی
راتے ہیں ٹھیک کرتے ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے کہ ان کے معاملات میں دخل دیں۔
میں نے کہا مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ چنگاروں سے طاقت افروز کرتے ہیں اور دوسری جانب
ازساز کر دیتے ہیں۔ بے شک وہاں بات ہے۔ ملیہ کی رب دایا ایلر مرول پٹ کے اوپر دھڑلے۔
بھائی جان مسکرا دیے۔ بولے 'بھائی کی باتیں بڑی جوتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ
سکتی۔ ہمارے سرکار قبلہ بھی کسی زمانے میں یہ فیشن کیا کرتے تھے۔ وہ پہلوں تھے۔ دود
المراسے میں کشتی لڑتے تھے۔ اس قدر طاقت ور تھے کہ کبھی ان سے خائف رہتے تھے۔ اپنی
قوت مضبوط کو آزمائے کے لیے وہ جنگ میں ملے جاتے اور کسی خوش شکل خواتین کے چہرے پر
ہنر جاتے 'اسے رات بھر کے لیے بک کر لیتے۔ پھر اسے کتے کپڑے اندر دے 'خود بھی برہنہ ہو
جاتے اور پھر طوائف کی گود میں بیٹھ جاتے۔ بیٹھے رہتے، بیٹھے رہتے، جب تک خواہش کا جذبہ
عاجب رہتا، بیٹھے رہتے۔ پھر اٹھ بیٹھتے۔ طوائف سے کتے کپڑے پہن لے۔ خود کپڑے پہنتے اور

ہاں۔ وہ بولا۔ ہاں لے کر میں دائیں آ رہا تھا تو سرک پر ایک بڑا کھڑا تھا۔ اس کے
ایک ٹھنڈی تھی۔ اس نے مجھے روک لیا۔ کتے لگا سا بھاگے پیچے جاتا ہے 'اس ڈنڈی پر۔ میں
سرک کے پیچے اترتا ہوں۔ تو مجھے ٹھنڈی پکڑا رہا۔

میں نے سوچا بڑا سبب ضعیف ہے کیوں نا ٹھنڈی اس کے سر تک پہنچا دوں۔ میں نے
پوچھا 'بھائی آپ کا گھر کہاں ہے ؟
وہ بولا 'یہ پاس ہی ہے پیچھے گھٹ میں۔

جب ہم دونوں جنگ میں پہنچے تو ہیلانے کہا۔ ٹھنڈی یہاں رکھ دو اور اس پھر جیٹہ جا۔
میں بیٹھ گیا۔ پھر اس بڑے نے مجھے اس قدر جھاڑ پلائی کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے
اپنی زبان کی تلواریں پلائی۔ اس کی زبان دہریں بھی ہوئی تھی۔ اس کی آواز لاش کی طرح لگتی
تھی۔ وہ اس قدر طاقت سے مجھ سے خطاب ہوتا کہ میں سو کر رہ جاتا۔ اس کی آنکھیں پلایا
چمک رہی تھیں 'جیسے سناپ کی آنکھیں جھپکتی ہیں۔ اس نے کھنکھ پانہ کہ میری ساری قوت
سلب کر لی۔ مجھ میں بولنے کی طاقت نہ رہی۔ ذہن شل ہو گیا اور میں دو کتے وہاں لاش کی طرح
پڑا رہا۔

لیکن وہ کتنا کیا تھا 'میں نے پوچھا۔

کہتا تھا 'تو سمجھتا ہے کہ تو نے اس عورت کو پاؤں پیش کیا تھا۔ اس کی تواضع کی تھی۔ لیکن وہ
مٹا ہوا کیا تھا 'میں ایسا سمجھتا ہے تو تو خود کو دھوکا دے رہا ہے۔ واصل تو نے اسے پاؤں اس لیے
پکڑا کیا تھا کہ اس عورت کی رنگین اور طرح دار انگلیوں کے لمس کی لذت حاصل کر سکے۔
کیا کیا کیا میں نے اسے لٹکا 'انگلیوں کا لمس اور لذت۔

شاید وہ ٹھیک کہتا تھا 'قدرت بولا 'جب وہ عورتیں آتی تھیں تو میں نے اس کے ہاتھوں کی
طرف دیکھا تھا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ بڑی پرخس انگلیاں ہیں۔ اور مجھے ایسے لگا جیسے وہ گلابی
تھیں۔ پھر میں نے دیکھا تھا کہ اس نے نیلی پالش نہیں لگایا ہوا تھا۔

لیکن اس بڑے کو کیا حق حاصل تھا کہ آپ کو سر زلزل کرے 'میں نے پوچھا۔

اس کی سر زلزل میں اپنی حیثیت تھی۔ قدرت کی آواز ہم پر گئی۔ بڑے نے کہا 'یہ چنگاروں
تیار راستہ کو بنا کر کے لیے آتی ہیں۔ ان سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے 'گنور دم 'دائیں

اسلام کا حوصلہ تھا۔ بے پناہ جرأت تھی۔ اپنی جاہلیت تھی کہ آتے ہی ہم سب کو مکور کر لیا۔
ہات بڑا میدان کا کارزار گرم ہوا۔ شدید تصادم عمل میں آیا۔ قدرت کا منہ پاش پاش ہو گیا۔
اسے اپنے خون کا گھر داس کیمرہ ہو گیا اور وہ ایک ہزیمت شدہ، دشمنی پاشی کی طرح میدان چھوڑ
کر ہانسنے پر مجبور ہو گیا۔

مسزین ایک اوجھڑ عمر کی بیوہ تھی، تھکافت، ہنس مکھ حسینہ۔ اس کا بندہ زندگی سے سرشار
تھا۔ شخصیت ایسی کہ ہر راگزمر متوجہ ہونے پر خود کو مجبور پائے اور پھر حواس گم، قیاس گم، دیکنا
ادیکنا رہ جاتا۔ جدھر سے گزرتی لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے۔ اس کا حسن صرف خدا و خلقی نہ تھا۔ اس
کی ہر حرکت حسین تھی۔ گرہیں ہی گرہیں۔ ڈگنشی ہی ڈگنشی۔ وہ فو حسن کی شہزادی تھی۔
مسزین کو اپنی طاقتوں کا شعور تھا۔ وہ شعوری طور پر اس بات کا اہتمام کرتی تھی کہ کوئی بیچ
نہ جائے۔ انحصاراً فرمت شکل کشش نہیں دیتی تھی۔ گیسوئے تبادر کے چل کو پچھلائے رکھتی
تھی۔ وہ اپنی اپیل کی تکرار صرف خواص پر نہیں چلاتی تھی۔ ہر راگزمر کو بے مقصد تقریریں دیتی
کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ شی واڑاے بکھر۔

پتہ نہیں وہ کہاں سے آئی تھی۔ کیوں آئی تھی۔ پتہ نہیں قدرت اسے کیوں جانتے تھے۔
لب سے جانتے تھے۔

ایک روز راجہ شفیق اپنا ہوا میرے گھر آیا اور دھڑام سے آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ ایسے
گنا تھا جیسے کوئی حادثہ ہوا ہو۔ اس کے لسان خطا تھے۔

کیا ہوا راجہ؟ میں نے پوچھا۔

ذرا غصہ چاؤ وہ بولا، مجھے دم لینے دے۔

خیریت تو ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر تک وہ پڑا رہا۔ پھر اٹھ بیٹھا۔

کیا ہوا؟ میں نے پھر پوچھا۔

کئے گا، مارے گئے، مفتی مارے گئے۔ توہ ہے۔ ایک مصیبت اور کھڑی ہو گئی، مصیبت
نہیں قیامت۔ پتہ نہیں دہرا کیا ہو گا۔ ایسے گنا ہے جیسے دہرا گھرنا مصیبتوں سے گھر گیا ہو۔ کچھ

پھر طوائف کو رقم دے کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کے لیے دعا کرتے اور واپس آ جاتے۔
لکنا خیل میں نے پوچھا۔

انہیں اپنے منہ پر بڑا بدن تھا، پہلی جان نے کہا۔

شادی شدہ تھے کیا۔

جوانی میں شادی کی تھی۔ چند مہینے چلے۔ پھر کہنے لگے، 'اے بھلا ہمارے بس کی بات نہیں
ہے۔ اور انہوں نے بیوی کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا، وہ بولے، 'بڑے آدمیوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ بس دیکھتے جاؤ، کریڈ
نہیں۔ کریڈ نے سچے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کریڈ گے تو اپنی ہی مت ماری جائے گی۔

مفتی صاحب ہمارا کام ان کی مدد کرنا ہے۔ جہاں تک ممکن ہے ان کی خدمت کریں گے۔
ان کا سرکار قبلہ سے رابطہ ہے اور ہم گم گم غلام ہیں۔

آپ کا بھی یہی مسلک ہونا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہے خدمت کرو۔ پوچھو نہیں۔ کریڈ
نہیں۔ جنت نہ کرو۔

لیکن پہلی جان؟ میں نے کہا، میں سمجھتا ہوں، چاہتا ہوں۔

پہلی جان بولے، مفتی بی۔ ان معاملات کو سمجھنے کے لیے ایک حس چاہیے، ایک خصوصی
حس۔ عقل کے زور پر آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقل ناقص ہے، جو عقل سے سمجھنے کی
کوشش کرتا ہے، اس کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیا پتہ کسی روز اللہ کی مہربانی سے آپ
میں وہ حس پیدا ہو جائے۔ پھر ہماری باتیں واضح ہو جائیں گی۔

راجہ شفیق بولا، پہلی جان یہ مفتی تو ہے یہ جاننے کے پکڑ میں پھنسا ہوا ہے۔

جو پکڑ میں پھنس جاتا ہے وہ ڈوب جاتا ہے، پہلی جان نے کہا، تیر نہیں سمجھ سکتے لیکن ہم مفتی
کو ڈوبنے نہیں دیں گے۔ اسے ابھی کام کرنا ہے۔ بہت سا کام کرنا ہے۔ ابھی تو ڈوڑی تیار ہو رہی
ہے۔ جب پھول کھلے گا تو ہماری بات سامنے آ جائے گی۔

مسزین۔ دی بکھر

پھر ایک، بس بھری چنگڑ میدان میں آگئی۔ اور ہم سب کے گرد پکڑ لگنے لگی۔ اس میں

ہوئے والا ہے مفتی۔

تو بات تو کر۔

آج صاحب کا فون آیا تھا۔ راجہ شفیع شہاب کو صاحب کا کہنا تھا۔ صاحب نے کہا 'راجہ صاحب آپ قاری ہیں ایک میں نے کہا' جی کیا حکم ہے کہنے لگے 'ابھی دس چندہ منٹ میں آپ کے دفتر کے گیٹ پر ایک کلائی موٹر کے گیٹ کے دفتر کے گیٹ پر چلے جائیں اور ان کا انتظار کریں۔ میں نے کہا 'جی ہمت۔ پھر اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا' میں نے پوچھا 'صاحب کہنے لگے 'ان کے سامن فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ سرکاری ہنگر خالی کر رہی ہیں۔ انہیں فوری طور پر ایک ہنگر کرائے پر لینا ہے۔ آپ کئی مدد کریں۔

بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ خیر میں گیٹ پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد کلائی موٹر آگئی۔ اس میں سے ایک خاتون باہر نکلے۔ سبک اپ کے بغیر سادہ سے کپڑوں میں 'وہ اتنی نئی محنت لگتی تھی کہ میں اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ مجھے بڑی بے تکلفی سے ملی بیٹھ جیسے سال باسل سے ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں' کہنے لگی 'آپ راجہ شفیع ہیں' میں نے کہا 'جی میں راجہ شفیع ہوں۔ صاحب نے مجھے فون کیا تھا۔

مجھے پتہ ہے 'وہ بولا۔

آئیے اندر دفتر میں۔ ایک پرالہ چائے 'میں نے خاتون سے کہا۔

میں راجہ 'وہ بولی 'میری پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر اندر ایک ہنگر بن کرنا ہے۔ لٹ لٹا کے منٹ راجہ۔ لیڈر یو ٹیو ڈاٹ۔

پھر جو میں نے دیکھا۔ تو دیکھا ہوں کہ سڑک پر لوگ چلتے چلتے رک گئے ہیں اور آکھیں پھاڑ پھاڑ کر مہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دفتری چاہ دیکھا تو سٹاف کمریکیوں سے جھانک رہا تھا۔ میں گھبرا گیا یہ پوچھیں گے کہ کون تھی 'تو میں کیا جواب دوں گا۔

پھر اس نے بے تکلفی سے میری ہاتھ پکڑ لی۔ بولی 'چلو جلدی چلیں۔ تاخیر کی تو یہی مجیز لگ جائے گی۔ اتنی بے تکلفی۔ میں تو سخت گھبرا گیا۔

مفتی دو گھنٹے ہم شہر میں کھلے ہوئے رہے۔ جہی بھی جاتے لوگ پٹی پٹی آکھوں سے

میں دیکھتے۔

پتہ ہے مفتی 'میں تو سارے شہر میں چانا پھانچا ہوں۔ لوگ میری چاہ دیکھ کر آکھیں لے لیں۔ ایک نے تو کہہ دیا۔ راجہ 'آج تو توجہ کا راجہ بنا ہوا ہے اور مفتی وہ ایک ایک بات کرتی تھی۔ مفتی تھی مسکراتی تھی۔ میں سب جانتی ہوں کی سی مسکراہٹ۔

پہرے نے اسے ہنگر کرائے پر لے دیا 'میں نے پوچھا۔

اسے کلاس ہنگر لے کر دیا ہے۔ بڑی خوش تھی۔

پھر وہ مجھے گھر چھوڑ کر چل گئی۔ چاہتے ہوئے کہ وہی تھی 'راجہ پھر کب لوگے۔ خلی مکان میں لے کی بات نہیں 'اسے فرسش بھی کرانا ہو گا۔

تو کوئی ایسی بات نہیں 'میں نے کہا 'تو تو کتنا قمار ہے گئے۔

میری تو جواب ملی ہو جائے گی 'وہ بولا۔ سارا دفتر بیٹھے گا۔ راجہ وہ کون تھی۔ سارا شہر کہہ گا راجہ آجکل لوٹتی ہوا میں اڑتا ہے۔ دفعتاً 'وہ چونکے اور پھر ایک اور بات ہے 'وہ بولا۔

وہ کہا 'میں نے پوچھا۔

گتا ہے صاحب سے خاتون کے پرانے تعلقات ہیں۔ میں نے دوبار صاحب کی بات کی تو وہ اپنی بات میں جاتی ہوں اسے وہ تو بندہ دروازہ ہے 'نہ خود باہر آتا ہے' نہ کسی کو اندر جانے دیتا

اچھا یہاں تک۔ بڑی بے تکلفی ہے 'میں نے کہا۔

دیکھ لو 'وہ بولا 'مجھے تو پتہ ہے گتا ہے 'جیسے ان کا فیصلہ چل رہا ہو۔

میں راجہ 'میں نے کہا 'تجھے نہیں پتہ۔ قدرت کے سرے تو دو گردن والے کھڑے رہتے ہیں۔ وقت۔ کسی کو اگلے لگانے کی اجازت نہیں دیتے۔

دار مفتی 'ہم تو اچھی غاسی مومل۔ صلیوں میں پھنس گئے ہیں 'وہ بولا۔

ہند ایک دنوں کے بعد مجھے خود دین کے ہل چانا پرالہ۔ قدرت نے کہا 'میں ذرا معصوف ہوں۔ اگر آپ ہن کے ہل جا کر یہ پکٹ دے آئیں تو۔

میں دے آتا ہوں 'میں نے جواب دیا۔ آپ مجھے آتا پتہ دیں۔ قدرت نے ایک پکٹ ہاتھ میں چھوڑا پھر ایک کٹہر پر مکان کی نوکیشن کا نقشہ بنا دیا۔

جب میں روانہ ہونے لگا تو قدرت نے کہا 'ذرا احتیاط سے لے چاہا۔ پکٹ میں قرآن کریم

کالو ہے۔

کلورڈ

میری عادت ہے کہ زیادہ حسین یا بنی خنی یا مذہب عورت کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔ غلام سے ملنے سے میں خوف تھا۔ قہر ڈرتا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ کہہ دوں جو اسے ناگوار ہو اور میری باتیں قدرت کو نہ بتا دے۔

مجھے دیکھ کر وہ بولی، آئیے آئیے بڑی دیر لگلی آپ نے آئے میں، نہ بیٹھے۔ گھبراتے ہیں آپ۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔

کب سے جانتی ہیں آپ مجھے۔

جب سے آپ نے شاپ سے ملنا جتنا شروع کیا ہے۔ میں نے تو آپ کو دیکھا تھا کراچی میں۔

میں تو آپ سے ضرور ملتی۔ لیکن اس نے مجھے منع کر دیا تھا۔ آپ انہیں کب سے جانتی ہیں۔

۱۹۵۶ء سے۔ ابھی آپ کراچی نہیں آئے تھے جب سے۔

پھر تو آپ زیادہ جانتی ہیں میں نے کلمہ۔

کچھ فرق نہیں پڑتا وہ بولی چاہے آپ اسے ایک سال سے جانتے ہیں یا دس سال سے۔ روزانہ ہند کر کے بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی جان نہ لے۔

مجھے آج تک پہنچے نہیں چاکر وہ کون ہے میں نے کلمہ۔

لونسوں (انہی کہیں) وہ بولی، سیدھی سیدھی چیز ہے۔

مجھے تو ٹیڑھی لگتی ہے۔ میں نے کلمہ۔

آپ خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اس لیے۔ ورنہ وہ ایک سادہ شخصیت ہے، سادہ اور معمول۔ ایک بچہ ہے۔ اس میں جھجک ہے، گھبراہٹ ہے، خوف دامن گیر رہتا ہے، وہ لہلہ نہیں کر پا کہ کشمکش میں پڑا رہتا ہے۔ بڑا دل ہے، جرات کا اقتدار ہے۔ کلورڈ ہے۔

ان میں بلا کا مجز ہے۔ ہمدردی ہے۔ خدمت ہے، نیکی ہے، ان میں بہت مثبت خصوصیات

اور میں نے کلمہ۔

مفتی صاحب وہ بولی۔ جب تک سسرورنگ نہ ہو۔ جرات نہ ہو نیکی کا جذبہ بے کار ہے۔ آپ لوگوں نے اسے خواہ مخواہ دینا یا با رکھا ہے۔

دین کا قدرت کے متعلق رویہ بڑا بے باک تھا۔ وہ قدرت کو مڑکی حیثیت سے دیکھتی تھی۔ میں اسے انسان کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔

ایک بھٹے کے بعد راجہ آکیم۔ وہ طے میں تھا کہنے کا، مفتی ہم سب لفظی کر رہے ہیں، ہم اس وقت سے زیادتی کر رہے ہیں۔ ہم دین کا حوصلہ برباد کر رہے ہیں۔ اس کا انجام انہیں ہو گا۔

راجہ قدرت کے گھر جایا کرتا تھا اس کا مفت سے گمراہ رابطہ تھا۔ عفت کے چھوٹے

بھائی کا نام کرتا۔ گھر کے متعلق انتظامات کرتا۔ راجہ دینا، وہ ایک طاقتور گھر کے متعلق

علامت کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ قدرت سے ملنے سے لگپگاپا تھا، لیکن عفت کو بڑے شوق سے

دیکھتا تھا۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں عفت کے ساتھ تھیں۔ وہ دین کے بے باک ارادوں کو دیکھ کر

گھبرا جاتا تھا۔ لیکن غالب ہے کہ اس نے عفت کے دل میں شک کا بیج بونہا تھا۔

ایک دن راجہ مجھ سے ملا۔ کہنے کا، مفتی یہ عید عداوت تو بہت بڑی تلاش ہیں۔ مجھے

مکان ملا تھا۔ کہنے لگا، راجہ صاحب آپ نے میرا بھگہ کیسے لوگوں کو دے دیا ہے۔ میرا مکان

اب عام ہوتا جا رہا ہے۔ وہاں لوجوان امراں کا گھٹکا لگا رہتا ہے۔ ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے۔

اسی رات تک ٹھیک جاری رہتی ہے۔

پھر ایک اور صاحب آئے، راجہ نے کہا جو اسی علاقے میں رہائش رکھتے ہیں، جس دن

مفتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ میں نے کہا، یہ غی کرایہ دار علاقوں جو آپ کے علاقے میں

آئے، ان کی رہت بہت کیسی ہے۔

ایا بات ہے اس علاقوں کی، وہ بولا، یہاں لٹھ۔ اتنی خبر ہے کہ بچے میں تیسوں اور بیوقوفوں

کا گھٹکا لگا رہتا ہے۔ پھر بچے میں روز قرآن خوانی ہوتی ہے، باقاعدہ قاری صاحب آتے ہیں۔

اس آتا ہے۔ انوں پڑوس کے بچے باقاعدہ درس لیتے ہیں۔ سینے میں ایک مرتبہ مولود شریف

ہو گا۔ راجہ شفیق کہنے کا، مفتی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تجھے اتنی ہے کیا؟

میں نے جواب دیا، کچھ کچھ آتی ہے۔ ساری نہیں۔

میدان جنگ گرم ہے۔ وہ طاقتیں متصادم ہیں۔ ایک طرف قرآن ہے، دوسری طرف

خدا کا ہے۔ ایک جانب خیر ہے، دوسری جانب شر ہے۔

یہ مخلوق دو حصوں میں غنی ہوئی ہے۔ راجہ۔ اندھیرے اچالے بچہ آزاد ہیں۔ بے چاری

دین۔

راجہ فیسے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا کتنے لگا، تمہاری یہ فلسفہ بازی نہیں پلے گی۔ تم شباب صاحب کی فاباز طرف داری کر رہے ہو۔ تم حفت پر ظلم کر رہے ہو۔ بس میں زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ بھائی جان کو پیش کر دوں گا۔

ان دنوں بھائی جان مستقل طور پر پنڈی میں رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا مکان کرپے پر لے رکھا تھا اور وہ اسلام آباد کا ایک بنگلہ خیر کردار رہے تھے۔

حکم کے پابند

اگلے روز ہم دونوں بھائی جان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی جان پر اثر ڈالنے کے لیے راجہ نے بڑی جذباتی تقریر کی۔ کہنے لگا، بھائی جان میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم سب عفت باقی سے دھوکا کر رہے ہیں۔ ہمیں مسز دین کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو اعلیٰ دعوئی کرتی ہے کہ شباب صاحب اس کی ملٹی میں ہیں۔

بھائی جان پہلے تو چپ چاپ بیٹھتے رہے پھر دم آواز میں بولے، راجہ جی، دین ہماری ہمیشہ سے بیکہ یوں کہتا چاہیے کہ دین ہمارا بھائی ہے۔ وہ مخلوق نہیں مرے، اس میں جرأت ہے، حوصلہ ہے۔ شباب صاحب ہنچکا رہے ہیں۔ ہال مٹول سے کالم لے رہے ہیں۔ اب وہ اپنا وعدہ کیوں نہیں بھرتے۔ اب تو راستے کی رکھوت دور ہو چکی ہے۔ انہوں نے خواہ مخواہ دین کو غصے میں ڈال رکھا ہے۔ بے چاری غلاب میں جگا ہے۔

بھائی جان کی بات سن کر ہمیں ہنسنے لگا۔ راجہ، اندھیرا ہو کر بیٹھ گیا۔

میں حیران تھا، یہ بھائی جان کو کیا ہوا۔ ہم نے تو دین کی بات کو ان سے چھپا کر رکھا ہوا تھا،

کہ وہ راجہ غاموش رہنے کے بعد دہر پھر گیا ہوئے کہنے لگے، وہ مخلوق دو دفعہ ہم سے مل چکی ہے۔ کمر آئی تھی۔ پھر اس نے ہم سے کہا بھائی جان مجھے دربار میں لے چلئے۔ میں بابا کی دعا پڑھتی تھی۔ ہم نے سرکار قبلہ کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے کہا، انہیں لے آؤ۔ وہ اندھیرا اندھ میں آئی۔ ہم نے اسے بلایا ہے۔

ہم تو راجہ جی حکم کے پابند ہیں، بھائی جان بولے، ہم تو سرکار قبلہ کے ایک اولیٰ نالی ہیں۔ ہم نے ہم کو دربار میں لے گئے۔ وہ وہاں بیٹھ کر روٹی رہی۔ سرکار قبلہ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ بس بات ختم ہو گئی۔

راجہ صاحب اس مخلوق پر بڑا غلام ہوا ہے۔ اس نے بہت دکھ سہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ آگ سے دھندلے ہو جائے۔ وہ آگ سے ہو آگ سے ہو کر رہے۔ مسجد نبویؐ میں دوا لیا کر کے آئی ہے۔ کتنی ہے، اس میں بھی میں وہاں رہی۔ رات کو دیکھتی رہی کہ میں مسجد نبویؐ کے ایک کالم سے لگ کر بیٹھ رہی ہوں۔ دوسرے کالم کا سامرا لے عفت کھڑی ہے۔ اور درمیان میں شباب صاحب بیٹھ

اس نے بڑی عہدیت کی ہے۔ اس کی صرف ایک مانگ ہے۔ اس کی مانگ پوری ہوئی ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنا ہے، راجہ جی۔

بھائی جان بولے، راجہ صاحب، ہمیں اس بات سے کیا لینا دینا۔ وہ جانتے ہیں، سب جانتے ہیں، ہم نے تو سرکار قبلہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے۔

راجہ جوش میں آ گیا، کہنے لگا، بھائی جان اس میں صاحب کی بدنامی ہے، ہم سب کی بدنامی

بھائی جان نے نچ ہو کر ذریعہ کہا، دین خدا کیے بیٹھی ہے۔ کتنی ہے، ہاں یہ سچ ہے، دین کے لیے، ہاں ہوں۔ میں اس سمندر میں روٹی کی طرح لگی ہوئی ہوں۔ یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ آپ مجھے اس دلدل سے نکال سکتے ہیں۔ وہ اپنا وعدہ لپٹا کیوں نہیں کرتے۔ جو وہ مجھے

سارا دین تو میں اس لپت سے نجات حاصل کر سکتی ہوں۔

معلوم نہ تھا۔ کئی ام ساری میں نے کہا۔

آپ نے میری نماز کو بھی کر دی۔

میں نے موضوع بدلا، میں آج ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔

والہم لائے ہیں کیا اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، سمجھا نہیں کیا خود آیا ہوں۔

اے۔

والہم پوچھنے آیا ہوں۔

اے۔ وہ بولی۔

اے۔ آیا ہوں کہ آپ کون ہیں۔

اے۔ ساعت کے لیے وہ خاموش رہی، پھر بولی۔

آپ نے یہ سوال اس سے پوچھا ہے کبھی۔

اے۔

اے۔ نہیں پوچھا۔

اے۔ لا کوئی قاعدہ نہیں۔ وہ بات ٹل دیتے ہیں۔

اے۔ بات ہی نہیں وہ لوگوں کو بھی ٹل دیتا ہے۔

اے۔ کو بھی ٹل رہے ہیں۔

اے۔ سب سے زیادہ۔

اے۔ اے۔

اے۔ اس نے گہرے۔

اے۔ لاؤف میں نے پوچھا کیا لوگوں کا خوف۔

میں نے اس نے سرنگی میں بلایا، میرا خوف، وہ میرے ہاتھوں سے خوف زدہ ہے۔ میری

خوف زدہ ہے۔ اپنی ہاتھیں مت چلاؤ۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ ورنہ میں میرے بازو

میں سے اندر دوں گا۔ وہ میرے لمس سے ڈرتا ہے۔ ایک بار میں نے زیادتی کی تھی۔ خوف

میں نے اسے اٹھائیں اٹھ کر باہر نکل آئی تھیں۔ اس روز میں نے چاہا، مجھے اس پر ترس آ گیا۔

آپ نے شام صاحب سے اس بات کا ذکر کیا ہے کبھی، میں نے بھائی جان سے پوچھا۔

وہ سب جانتے ہیں، بھائی جان نے جواب دیا۔ انہیں ہر بات کا پتہ ہے، لیکن وہ اٹھا۔

ہیں۔ انہیں جرئت سے کام لینا چاہیے۔ سچی بات یہ ہے مفتی صاحب کہ میں ان کی کبھی

آئی۔ کبھی میں نہیں آتا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں، جیسے کہ وہ کر رہے ہیں۔ ہر حال میں

ساتھ دیتا ہے اور دیکھیے راجہ جی آپ کو عفت بیٹی کے دل میں خلوک پیدا نہیں کرتے ہاں

اب جو پیدا ہو گئے ہیں تو آپ ہی انہیں دور کریں۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ یہ آپ کا کام ہے

اے آپ ہی کو سرائیام دنا ہو گا۔

پولٹا کوٹکا

بھائی جان کی باتیں سن کر میں دو دن سوچتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دین سے علی

کرت بات کروں گا۔

شام کو جب میں دین کے گھر پہنچا تو وہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ جب تک وہ نماز پڑھ

رہی، میں اسے تنگلی ہاتھ کر دیکھتا رہا۔

میرے سامنے سڑکوں میں تھی بلکہ کوئی اور غفلت تھی، دھواڑی لاگ لگاؤ سے پاک کرا

جی سٹی، جس نے خود کو حوالے کر رکھا ہو۔

اس نے سلام پھیرا، دعا مانگی اور پھر میرے پاس آ بیٹھی، کہنے لگی، میں ایسے نہیں

کرتے۔

کیا مطلب، میں نے پوچھا۔

غفلت جب نماز پڑھ رہی ہو اسے تنگلی ہاتھ کر نہیں دیکھتے۔

آپ تو نماز پڑھ رہی تھیں۔ کسی اور گن میں تھیں کیا آپ نے کیسے نوٹ کیا کہ میں

ہاتھ کر دیکھ رہا ہوں۔

کوئی غفلت مرد کی تنگلی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی یکسوئی ٹوٹ جاتی ہے۔ غفلت

عورت باہر نکل آتی ہے۔

اس کی حالت غیر تھی۔ اس قدر غیر تھی کہ میں خوف زدہ ہو گئی۔

یہ کب کی بات ہے؟ میں نے پوچھا۔

ابتداء لئی ایمان کی، وہ یولی۔ میں اس کی چاہ متوجہ نہیں کرتی تھی میں نے اسے دو ایک ۱۰
تھا لیکن اس میں توجہ طلب کرنے کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ نہ شخصیت، نہ نظام، کوئی 'بل' یا
نہ تھی۔

پہلے وہ میری طرف متوجہ ہوا تھا۔ بڑی شدت سے متوجہ ہوا تھا۔ میں نے کوئی اشارہ
 دی۔ کوئی بات ہوتی تو اہمیت دیتی تھ۔

اک صرف عمدہ ہی عمدہ تھا۔ مجھے کوئی غرض نہ تھی۔ میرے پاس سب کچھ تھا۔
دیکھتی، سرنگوں ہو جاتے۔ لوگ میرے اشارے کے منتظر تھے۔ جو چاہتی ہو جاتا۔

وہ تو اب بھی ہے، میں نے کہا۔

نہیں، اس نے ہلکی سی آواز بھری۔ پتہ نہیں اس نے مجھے کیا کر دیا ہے۔ میں ایک تھرا
نے مجھے رو کر دیا ہے۔

وہ میرے ہاں آتا تھا۔ اور اور ————— وہ اٹھ بیٹھی۔ اور دیوان پر جا کر بیٹھ گئی اور کہا میں نے سوچا۔

ذرا آئیے اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا 'لوہر آئیے' میرے پاس میں پاس جا کر آئیے۔ اب بیٹھ جائیے۔ اونٹنوں، یہاں نہیں میرے قدموں میں بیٹھ جائیے۔ میں آئیے۔

دو جب بھی آتا تھا۔ ہوں میرے قدموں میں بیٹھ جاتا تھا جیسے آپ بیٹھے ہوں۔

میں نے کہا: "ہاں، میں نے یہ سب سیکھا ہے۔"

”جو کہو گا ہے“ میرے کاندے۔

ہاں گونگا ہے۔ گونگے کو زبان لگ جاتی تھی۔ اور وہ بولے جاتا۔ بول بول کر اس کا

آتا ہے۔ رحمت ہو کربات کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اسے کما میری پاس ایک بی بی مر

ہمیں
-۶-

اور
ہل

۳۴

اب

۵۰۴

34

اور
ہاتی

7700

— 177 —

$$\frac{1}{2} \leq \frac{1}{2}$$

745

وہ مان گیا۔

”قرہ وقت پر دین آگئی“ میں نے اسے ڈرا بینک روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد شباب
اپنے اسے بٹھا کر میں اندر چلا گیا۔
میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ پندرہ منٹ کے بعد ڈرا بینک روم میں
وہ آسا ہوا۔ میں بھاگ کر باہر نکلا۔

دین بڑے وقار سے ڈرا بینک روم کے بیرونی دروازے میں کھڑی تھی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

بھگودا بھاگ گیا وہ بولی۔

میں دوڑ کر سڑک پر پہنچا دیکھا کہ دوڑ شباب دوڑے جا رہا تھا دوڑے جا رہا تھا۔
کچھ دیر کے بعد میں نے شباب کے گھر فون کیا۔
اب ملا کہ وہ تو دورے پر کراچی چلے گئے۔

اگلے دن دین مجھے اپنے گھر لے گئی۔ سارا دن وہ دیوانہ وار کراچی فون کرتی رہی۔ وہ کرب
میں ڈھکی تھی۔ ہوش و حواس قائم نہ تھے۔ ایک دیوانگی طاری تھی۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔ بھائی
میرا دشمن ہیں۔ سرکار قبلہ نے اجازت دے دی ہے۔ عفت مان گئی ہے۔ مدینہ منورہ سے
دوری مل گئی ہے۔ اب یہ شخص میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پولو ملتی۔

میں گھبرایا ہوا اس کے پاس بیٹھا تھا مجھے کیا پتہ؟ میں نے کہا۔

میں اسے بھسم کر دوں گی وہ چلائی۔

میں نے بھائی جان کو یہ واقعہ سنایا۔ سن کر منہمک ہو گئے۔ منہ نہ چلے۔

پتہ نہیں اس روز مجھے کیا ہوا تھا۔

میں بھائی جان پر برس پڑا۔ میں نے کہا بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔
یہ قدرت اللہ شباب کون ہے یہ حترمہ کون ہے۔ آپ ایک با اصول آدمی ہیں۔ با کردار
آدمی ہیں۔ لیکن آپ نے اس سلسلے میں اپنے سارے اصول توڑ دیے ہیں۔ آپ بائبل اس کے
گم گئے ہیں۔ آپ نے ہمیں تجھ سے ڈال دیا ہے۔ ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ کیا کرنا ہے۔

میں نے حیرت سے دہرایا۔

میں آپ کے گھر آچاؤں اور آپ اسے فون کر کے بلائیں وہ بولی۔

اور ان کو نہ بتاؤں کہ آپ ان کو ملنا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا۔

کیوں نہ بتائیں وہ بولی کوئی چوری نہیں کوئی دھکی چھپی بات نہیں صاف کہیں کہ میں
اس سے ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔

اور اگر وہ نہ آئے تو۔

بے شک نہ آئے۔ نہیں آئے گا تو از خود فیصلہ ہو جائے گا۔

بھگودا

میں نے دین سے ملے کر لیا۔

اگلے روز میں نے شباب کو فون کیا۔ میں نے کہا آپ میرے گھر آجائیں۔ ان دنوں میں
ایک کوارٹر میں رہتا تھا۔ میرا مکان بڑا ک کے ایک سرے پر تھا۔ وہ ایک چھوٹا مکان تھا۔ ایک
جانب ڈرا بینک روم تھا دوسری جانب رہائشی کمرے تھے۔ تھیلے کے لیے ڈرا بینک روم بڑا
موزوں تھا۔ پاؤں کی آواز رہائشی حصے تک نہیں پہنچتی تھی۔

شباب نے پوچھا خیریت تو ہے۔

میں نے کہا بالکل خیریت نہیں ہے۔

وہ گھبرا گیا کیا ہوا۔

میں نے کہا ہوا نہیں۔ ہونے والا ہے۔

پوچھا کیا ہونے والا ہے۔

میں نے کہا میرے ڈرا بینک روم میں آپ کی دین سے تھیلے میں ملاقات ہونے والی

ہے۔

وہ از سر نو گھبرا گیا کہنے لگا آپ اسے مل نہیں سکتے۔

میں نے کہا شباب صاحب ٹالے نہیں۔ کب تک ٹالیں گے آپ ٹالنے سے بات ختم
نہیں ہو جاتی تذبذب برپا ہے۔ میں نے کہا شباب صاحب جو ہونا ہے لازماً ہو گا۔ آپ

کدھر جاتا ہے۔ ہمارا راستہ کھوٹا کر دیا ہے۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

سینتیسولن باب

پراسرار

ایک روز دفتر میں ایک صاحب تشریف لائے دیکھتے ہیں عوامی سے آدمی تھے لیکن انداز بڑا
 اچھا تھا۔ بری بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ گئے، کہنے لگے، شہاب صاحب سے ملنا ہے۔
 میں نے کہا، جناب شہاب صاحب تو دور سے پر گئے ہوئے ہیں۔
 کب آئیں گے، اس نے پوچھا۔
 میں نے کہا، جناب دو ایک دن میں آئیں گے۔
 اس نے سرگرمی کا ایک لمبا سانس لیا۔ کہنے لگے، یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔
 میں نے کہا، آپ دو دن کے بعد تشریف لائیں۔
 بولا، میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے کہ انتظار کر سکوں اور کام اشد ضروری ہے۔

پراسرار

میں نے سوچا یا اللہ یہ کیا سائل ہے کہ جس کے پاس انتظار کرنے کے لیے وقت نہیں ہے
 اور کام اشد ضروری ہے پھر اس نے اپنا تعارف کر لیا کہنے لگا، میرا نام ایمر رانی ہے میں صفائی

میں نے پوچھا کیا ہوا؟
 وہ بولا، بات ختم ہو گئی۔ وہ جسم سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔
 مجھے یقین نہ آیا۔ کیسے؟ میں نے پوچھا۔
 انہوں نے شیطانی قوتوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔
 کیا آپ کے خلاف جادو کیا ہے۔
 ہم سب کے خلاف 'حقت اور میں' سب کے خلاف جادو نہیں، شیطانی عمل بڑی
 مشکل ہوئی۔ مجھے شیطان سے لڑنا پڑا۔
 کیا کیا کیا۔ کلام کے دور پر لڑنا پڑا۔
 نہیں، وہ بولا، تو نہ بکلیجی..... اور اس نے فون بند کر دیا۔
 چند ایک دنوں کے بعد راجہ نے فہریش میں ہوئی سے مجھے فون کیا بولا، فوراً میرا آ جاؤ۔
 کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔
 وہ بے ہوش پڑی ہیں۔
 کون ہے ہوش پڑی ہے۔
 اس نے خواب آور گولیاں کھلی ہیں۔
 کس نے؟ میں نے پوچھا۔
 دین نے، وہ بولا۔ ہونٹ والے انہیں سی ایم ایف لے جا رہے ہیں۔ تم فوراً میری پہنچو۔
 نہیں راجہ بلکہ تم یہاں آ جاؤ فوراً۔
 پاگل ہو تم، وہ چالایا۔
 بھائی جان کا حکم ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
 بھائی جان کو علم ہے کیا۔

ہاں انہیں پتہ ہے۔
 دو دن کے بعد ہسپتال سے فون موصول ہوا کہ محترمہ دین خطرے سے باہر ہیں۔ پتہ نہیں
 وہ فون کس نے کیا تھا۔

کیا آپ اس سے انطربو لیتا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔

نہیں جی، وہ بے تکلفی سے بولا، انطربو کیا لیتا ہے۔ میں انہیں چاہتا ہوں۔ پرانا نیاز مند ہوں۔ جب وہ جھگ میں ڈپٹی کسٹریٹ سے جب سے میں جھگ کا رہنے والا ہوں۔

کیا کام ہے آپ کو کن سے۔

نئی کام ہے، وہ بولا۔ ہاں، وہ رک گیا، پھر کہنے لگا اگر آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہو تو میں ابھی کن سے فون پر بات کر لوں۔

جی نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جواب دیا۔

اس نے سگریٹ کے چار ایک کش لگائے۔ کہنے لگا، میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ ممتاز مفتی ہیں نا۔

میں چونکا۔

وہ بولے گیلہ جاتا تو در سے ہوں۔ البتہ ملاقات کا موقع آج ہی ملا ہے۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں، میں نے کہا۔

او نہیں جی۔ ہم صحافی لوگ ہیں۔ چنانہارا کام ہے۔ جاننے کے لیے ہم صبح شام کہیں ہوتے رہتے ہیں۔

میں نے کہا، معلوم ہوتا ہے آپ شباب صاحب سے صحافی کی حیثیت سے ملنے نہیں آتے بلکہ دوست کی۔

وہ مسکرایا۔ بولا۔ ہاں جی شباب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے دوست جانتے ہیں ورنہ صحافی کی کیا حیثیت ہے۔ اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا۔

میں نے کہا آپ سے ایک بات پوچھوں۔

پوچھیے، وہ بولا بے تکلف پوچھیے۔

آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں نا۔ اے لیے پوچھ رہا ہوں۔

ہاں وہ بولا میرا خیال ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔

تو یہ بتائیے میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ شباب کون ہے۔

وہ میرا سوال سن کر چونکا۔ کون ہے کا مطلب اس نے پوچھا۔

میرا مطلب ہے کہ گزشتہ چار سال سے میں شباب صاحب سے منسلک ہوں، لیکن مجھے ان کی شباب صاحب کا سرا نہیں ملا۔

وہ ہلکا لگا۔ بولا میں ان کا دوست ہوں۔ کئی سال کن کے قریب رہا ہوں۔ بے شک شباب صاحب ان کا سرا لائی ہے، لیکن اس کا سرا مجھے بھی نہیں ملا آج تک۔ کسی کو نہیں ملا۔

آپ وہ جھگ کا ڈپٹی کسٹریٹ تھا تو وہ اکثر بیس بدل کر حالات کی ٹوہ لگانے باہر نکلا کرتا تھا۔ وہ مجھ لے جاتا تھا۔ ہم دونوں علیہ بدل لیتے تھے۔

ہاں سمجھا نہیں، میں نے کہا۔ کس بات کی ٹوہ لگائے۔

وہ مسکرایا۔ سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا۔ وہ جس طرح پرانے زمانے کے بادشاہ رات کے لباس بدل کر نکلتے تھے کہ دیکھیں ہاڑی رملی کس حال میں ہے۔

کارٹر آپ کن کے بہت ہی قریب ہیں۔ میں نے کہا۔

بہت قریب ہوں وہ بولا، لیکن شباب قریب ہونے کے باوجود فاصلہ قائم رکھتا ہے۔

اپنی لکھنر، اصلی، جعلی

انارڈش میں آگیا۔ بولا مفتی صاحب کیا آپ نے سنا ہے کہ کسی کے علاقے کا ڈپٹی کسٹریٹ ایک بار اس سڑکار پر دو سیکٹے بیٹھا رہا۔

ایک دن میں نے پوچھا، میں نے کہا، شباب صاحب یہ سوچ کر کون ہے جس کے پاس آپ کے ہمارے انداز میں بیٹھے رہتے ہیں۔

شباب نے کہا، وہ سوچ کر نہیں۔ وہ بھی اس علاقے کا ڈپٹی کسٹریٹ ہے۔ میں بھی ڈپٹی کسٹریٹ ہوں، لیکن صرف یہ ہے کہ وہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

گوارے شاہ

پھر وہ گھوڑے شاہ تھا، گھوڑے شاہ اک مست تھا۔ آوارہ پھرتا رہتا تھا۔ ہوش و حواس

نہیں رہتے، لیکن شام کے وقت وہ ایک مخصوص جگہ آ بیٹھتا تھا۔ کچھ دور بیٹھا رہتا پھر دفعتاً اٹھ اٹھتا، بچاس قدم دور ایک کھجے تک دوڑتا جاتا پھر دوڑتا ہوا واپس آکر بیٹھ کر ہانپنے لگتا۔

ایئر مسکرایا۔ مجھے پتہ ہے جب انہیں بھیج رکھنا ہو تو وہ موضوع بدل دیا کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے مزید کہہ نہ کی۔

ایئر کی باتیں میرے لیے کام کی باتیں تھیں۔ اس کا انداز بے تکلف تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کمرہ ملا تھا ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی جھلسکی میرے فریم میں فٹ بیٹھ رہی تھی۔ جو میں نے اپنے کام کے دور پر شاپ کے متعلق اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے میں نے جان بوجھ کر اس کا کوئی طویل دینا شروع کر دیا۔

ایئر صاحب میں نے پوچھا "شباب فقیروں" بلاڈل اور مستویں میں کیوں دلچسپی لیتے ہیں۔ میں نے "وہ بولا" جھنگ میں وہ صرف آٹھ دس سینے ڈی سی رہے۔ اس دور میں میں ان کی باتوں پر مرکوز رہی "ایک تو بیلوں کی طرف اور دوسرے غریبوں کی حالت مندوں اور عوام کی طرف۔"

ایک روز شاپ نے مجھ سے پوچھا "ایئر صاحب یہ بتائیے کہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے مجھے عوام کے لیے کیا کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا "سب سے بڑی بات تو آپ کر چکے ہیں۔ آپ نے کھلی پھری لگا دی ہے۔ عوام کے پاس آتے ہیں اور اپنے مسائل پیش کرتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ آپ ان کے راستے تبدیل کر جاتے ہیں" وہ باغ میں غریباں ہاتھ میں لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ ہر روز وصول کرتے ہیں۔

وہ تو ہے "وہ بولے" اسے چھوڑیں آپ کوئی تجویز بتائیں۔ میں نے کہا "جھنگ تعلیمی طور پر بڑا ایک ورڈ علاقہ ہے۔"

انہوں نے پوچھا "اس لیے کہ تعلیمی سہولتیں مہیا نہیں کی گئیں اور لائق لڑکوں کے ہاں باپ اس قدر غریب ہیں کہ وہ تعلیم کا خرچہ اٹھا نہیں سکتے اور علاقے کے زمیندار زمین چاہنے کے کامیوں کے بیٹے کو اپنا وار جانیں۔"

پندرہ میں منٹ بیٹھا رہتا۔ پھر دوڑ لگا۔ شکر کے لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جب وہ دوڑا ہے اس پر کھٹ کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے مستقبل کو جاننے کے شوقین گھوڑے شاہ گرد گھیر ڈالے رکھتے تھے۔ جب وہ دوڑا تو چار پانچ سال اس کی پیچھے پیچھے دوڑتے۔ اس پر مجھے "بلا" کیا میں مقدمہ جیت جاؤں گا۔ کیا مجھ سے میرا بیاد ہو جائے گا؟ کیا میری لیا صحت حاصل ہوگی۔ دوڑتے ہوئے وہ صرف ایک فٹ سے میں ہر سوال کا جواب دیتا تھا۔

ایئر راہی بولا "ایک دن شاپ نے مجھے بلایا کہنے لگا چلو گھوڑے شاہ کو دیکھیں۔ میں نے انہیں جواب دیا تو بہانوں کا ہنگامہ لگا دیتا ہے۔ کہنے لگا "کوئی حرج نہیں۔ ہم ٹوپی کھلی لوڑھ کر جائیں گے۔ میں نے کہا شاپ صاحب آپ تو کھٹ کو نہیں مانتے۔ نہیں، میں نہیں مانتا" وہ بولا۔ تو پھر آپ گھوڑے شاہ سے کیا پوچھیں گے۔ کچھ پوچھا نہیں میں اسے آڑھا پہانتا ہوں" وہ بولا۔ تقریباً۔

خیر جی ایئر نے کہا "پہلے دن تو میں موقع نہ ملا۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ملتی صاحب ہم وہاں جانے دیتے رہے۔"

تیسرے دن اتفاق سے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جب گھوڑے شاہ دوڑا تو شاپ صاحب نے بھی ساتھ دوڑ لگا دی۔

واپسی میں نے پوچھا "کیوں آپ نے گھوڑے شاہ کو کیسا پہنایا۔"

بولے "ٹھیک ہے۔ فزاق نہیں۔"

آپ نے کیا پوچھا تھا؟ میں نے کہا۔

بولے "میں نے پوچھا تھا کہ میرا کیا ہو گا؟"

پھر اس نے کیا بتایا۔

کہنے لگا۔ "پڑھ ہے" پڑھ ہے "پڑھ ہے۔"

اس کا مطلب کیا ہوا؟ میں نے پوچھا کیا پڑھ۔

کہنے لگے "یہ مجھے بھی نہیں معلوم کہ پڑھنے کا کیا مطلب ہے؟ لیکن یہ فقیر فزاق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر شاپ صاحب نے موضوع بدل دیا۔"

”وہ بولا“ ملحق صاحب شہاب صاحب کی باتوں کا مزہ لیں ہوا ہی مٹھا آدی ہے۔ حقیقت میں وہ نہ پاگل ہو جائیں گے آپ۔ اس کا سرانہ کسی نے پایا ہے نہ کوئی پائے گا۔ مجھے بھی یہ یاد آتا۔ کچھ دیر دُوبُ جھگے گا تا رہا پھر ایک دن مجھے مٹس آگئی۔ میں نے خود سے کہا“ ایمر اللہ! ام لہا بیڑ نہ گن۔

میں نے کہا“ یہ بتائیے کہ شہاب کو بیڑوں فقیروں سے کیوں دلچسپی ہے۔

”انہوں“ وہ بولا“ فقیروں سے دل چسپی ہے۔ بیڑوں سے نہیں۔ بیڑوں کو وہ برا جانتے ہیں“

”یہ لوگ ٹھگ ہیں بمو بے بھالے مسلمانوں کو کوٹتے ہیں۔

میں نے کہا ایثار صاحب مجھے اس بات کا علم ہے کہ قدرت اللہ شہاب غریبوں کی مدد کرتے

عوام کے لیے کام کرتے ہیں۔ میں تو یہ جانتا چاہتا ہوں کہ شہاب صاحب کون ہیں؟

”وہ نظر اٹھا بولا“ آپ کا مطلب ہے کہ شہاب صاحب کوئی ہیں۔

میں نے کہا“ ہاں“ وہ عوام کی مدد صرف ٹیک دلی اور ہمدردی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ مجھے

کہہ کہ ان پر ایسے کام کرنا عاید ہے۔

”ایثار“ طلب“ ایثار نے پوچھا۔

میں نے کہا“ مجھے شک پڑتا ہے کہ ان کا کوئی مقام ہے اور اس مقام کی وجہ سے ایسے کام

کرتے ہیں۔

”میں نے مجھے علم نہیں“ ایثار نے جواب دیا۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ شہاب ایک پراسرار

شخص ہیں۔ ان کا ہمیدہ کسی نے نہیں پایا۔

”ایثار“ غافل۔

یہ صدر کے بی اے خالد صاحب تھے۔ میں الخواہ ان سے شہاب کی بات چھیڑ لینا تھا کہ

شہاب کا ہمیدہ کیلے۔

”ایثار“ خالد نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ عنوان ہے ”ایثار ان صدر میں سولہ

کتاب خالد صاحب کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ مصنف کے بارے میں اس کتاب کا

تعارف ان میں لکھا ہے۔ ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

اگلے روز ہی شہاب صاحب نے ایک حکم نامہ چھاپی کر دیا۔ راضی دُوبُوں پر ایک جہت کی من کے حساب سے قلعی سرچارج لگا دیا۔ یوں چالیس ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے ہزار ہزار ملحق طلباء کے ہمانہ دینیے لگا دیے۔

ایک دن میں نے فیسے میں کہا“ شہاب صاحب یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ عین قلعی دکانوں کے بارے میں پریس میں کوئی خبر نہیں آئی۔ وہ کہتے ہیں آپ نے منع کر دیا ہے۔

اس پر شہاب صاحب مسکرائے۔ بولے“ ہمیں کام سے غرض ہے۔ قصیر کو چھوڑ دینا صاحب۔

آف دی ریکارڈ

ایثار نے ایک نیا سگریٹ سلگایا۔ بولا“ پتہ نہیں نہیں شہاب صاحب کو قصیر سے چڑھتی جب بھی وہ مجھ سے بات کرتے تو کہتے ایثار صاحب یہ باتیں آف دی ریکارڈ ہیں۔

میں نے کہا“ ایثار صاحب آپ تو شہاب صاحب کے انٹرویو لیا کرتے ہیں۔

ایثار قہقہہ مار کر ہنسا۔ عجیب آدمی ہیں جب تک شپ کے دوران بات نہاتے ہیں تو

تفصیلات دیتے ہیں جب اشاعت کے لیے انٹرویو لیتا ہوں تو تفصیلات گول کر جاتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں آپ نے تو مجھے یہ بات یوں سنائی تھی۔ اب آپ اسے مختصر کر کے رہے ہیں۔

جواب میں وہ کہتے ہیں“ وہ بات آف دی ریکارڈ تھی۔

ایثار کی شہیت مجھے سے حد پند آئی۔ اس کی باتوں میں صحافیانہ عنصر نہ تھا۔ صحافی تو کام

ہوتے ہیں۔ باتوں میں ہیرا پھیری برتنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایثار کی باتوں سے پینڈو کی خوشبو

رہی تھی۔ اس کی بات میں بے باک تھی۔

میں نے کہا ایثار صاحب میں آپ کا وقت تو ضائع نہیں کر رہا۔

”وہ ہنسا بولا“

میرا وقت جتنی نہیں ہے اور مجھے یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ میں تو شہاب صاحب سے

تہا تھا۔

میں نے کہا“ مجھے شہاب کی باتوں سے دلچسپی ہے۔

۱۔ اہل اور ساتھ خالد کی کلی ناک۔

۲۔ محمد گمر میں خالد صدر صاحب کا بی ایس قباور میں صدر کے نیکر شری کاو لیس ڈی۔
۳۔ قدرت اللہ شہاب تھے۔ خالد کے ساتھ میں تقریباً دو تین سال صدر گمر میں رہا۔
۴۔ انعامات بڑے خوش گوار ہیں دی رہے۔ ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ میں
۵۔ اہل مسلمان قباہ خالد اسلام بیتا قباہ میں مغرب زندہ قباہ مشرقی رنگ میں رہا ہوا قباہ وہ
۶۔ کار بند قباہ میں اصولوں سے بے نیاز "ہے" کی دنیا میں بیتا قباہ خالد "کیا ہونا
۷۔ "کا دلدادہ قباہ

۸۔ گزار ہونے کے بعد خالد نے اپنی یادداشتوں پر ایک کتاب لکھی جس میں جگہ جگہ شہاب کا
۹۔ نام ہے۔ اس کتاب میں سے مختصر اقتباسات اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں کہ خالد صاحب نے
۱۰۔ "صاحب کو کیسے پایا۔

۱۱۔

۱۔ پہلے روز شہاب صاحب صدر گمر میں آئے تو کسی کو بتا ہی نہ تھا
۲۔ کہ یہ کون صاحب ہیں۔ کیوں آئے ہیں۔ ایک کو نے میں فائل کر سنی پر
۳۔ دواہاری طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک ایک فائل گود میں رک کر اسے
۴۔ پڑھتے رہے۔

۵۔ ان میں ایک عجیب قسم کی جھگ تھی۔ شریطے اور کم آمیز
۶۔ تھے۔

۷۔ انہوں صدر میں شہاب اپنا مسئلہ ساتھ لائے تھے۔ ظہور عصر
۸۔ کی نمازیں اپنے کمرے کے ایک کونے میں ادا کرتے تھے۔

۹۔ انہیں پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا "تو ان کی بیگم کے قول کے
۱۰۔ مطابق اس کی وجہ مجاہدہ تھی۔

۱۱۔ شہاب کثرت محبت کو چھپانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ایسی
۱۲۔ کہ لہز پڑتے چہل دو دروازے سے نظر نہ آئیں۔ رمضان میں سخت

حیرت ہے کہ اہل بی خالد نے ۱۲ سال صدر گمر کے اکھاڑے میں کس طرح
۲۔ گزارے۔ اگر خالد میں تماش بی بی یا ذاتی منلو کے مصر ہوتے تو بات سمجھ میں آ
۳۔ جاتی۔ لیکن خالد تو پیدائشی طور پر صراط مستقیم ہے۔ شاید یہ بیماری موروٹی ہو۔
۴۔ بچپن میں ہی خالد میں اسلامی ذوق بیدار ہوا۔

۵۔ پھر ایک اہل دین کی باتیں سن کر اس میں مزید لہل آگیا۔ جوانی میں ہی خالد
۶۔ صوم و صلوة کا پابند ہو گیا۔ واڑھی رک لی۔ اس زمانے میں واڑھی رکنا فیشن میں نہ
۷۔ تھا انا پڑھے کھائے لوگ میووب سمجھتے تھے۔ خالد کے دل میں تبلیغ کا جذبہ قبضہ صمت
۸۔ کا خون تھا۔

۹۔ پھر ایک روز ان جانے میں خالد عالم دین کے کمرے میں داخل ہوا تو اسے
۱۰۔ مصروف کار دیکر خالد کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ راہبوں پر اعتماد نہ رہا عمل
۱۱۔ کر شاہرہ کج رو چنگیزی بن کر رہ گئی۔ واڑھی منڈوا دی۔ صوم و صلوة ناک پر رک
۱۲۔ دیئے۔

۱۔ دو ایک سال بعد احمد کی کیفیت قائم رہی "پھر اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ
۲۔ وسلم کی سوانح پڑھ لگ گئی۔ اسلامی کردار کی عظمت اور سرفرازی پر ہوئی بے اعتدالی
۳۔ دخل گئی۔ توجہ اسلام کے ظاہری کوائف سے ہٹ کر باطن پر مرکوز ہو گئی۔ اسلامی
۴۔ کردار مطیع نظر نہیں گیا جس پر وہ آج تک سختی سے عمل پیرا ہے۔

۵۔ ایک ایسا شخص جسے ہر حالت میں جگہ کہہ دینے کی بری عادت ہو "جو لوگوں کو
۶۔ خوش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو" جو صورت حالات سے بے نیاز ہو کر قدم
۷۔ اٹھانے کا عادی ہو "ناراضی مسکراہٹ سے عاری ہو" بلا تعمیل میں سرکنے کا عادی نہ
۸۔ ہو" وعدہ خلافی کو ناقص سمجھتا ہو" حقوق العباد کا دنیو نہ ہو" ایسے آدمی کا سوا
۹۔ سال صدر گمر میں ملازمت کرنا میرے لیے حیران کن بات ہے۔ خصوصاً "اس زمانے
۱۰۔ کا صدر گمر بدو افتادہ اور کاو اور مرکز قباہ۔

۱۱۔ خالد کا اسلمی نام محمد بشیر تھا۔ وہ والدین کے لیے ایک بشارت لایا تھا جب وہ بڑا
۱۲۔ ہوا تو اس راز کو افشا کر پابند نہ کیا۔ پاپ میں کیوں "اس نے محمد بشیر کو اہل بی میں کیا

مجاہد کرتے تھے جس طرح کہ فرقہ ملامتیہ کے بزرگ کرتے ہیں۔

۵۔ ۱۹۹۰ء میں شہاب صاحب نے سول سروس سے استثنائے پیش کر

دیا۔ صدر نے پوچھا آپ ملازمت سے کیوں الگ ہوتا چاہتے ہیں۔

شہاب نے کہا سول سروس کو چکننا متعود قلم ہضم کرنے کا عزم

ہو جانے کا ارادہ نہ تھا۔

بہتول شہاب صاحب سول سروس کے چوبہ دان سے رہائی پانے

کی یہ فن کی دوسری کوشش تھی۔

جج پر گئے تو جی بی فڈ سے قرضہ لیا۔

اور جج سے متعلق تمام تر مسئلے خود کیس میں کھڑے ہو کر سرانجام

دے دیے جلالاں کہ دفتر کے حوالے سے تمام انتظامات بیٹھے بیٹھے عمل میں

لائے جاسکتے تھے اور یہ تمام مسئلے انہوں نے چوری چوری ادا کیے۔

۶۔ جب صدر ایوب کی جسوست کی پیشکش گاڑی چلی جو جگہ جگہ

رکتی تھی اور ان جگہوں پر چلے ہوئے تھے تو:

ایک جگہ گاڑی میں شہاب ڈرائیو پر پہنچے۔ مجسٹریٹ جسم کے ایک

اخر جگہ گاڑی کے گینٹ پر کھڑے تھے۔ انہوں نے شہاب کو روک لیا کہ

لگے دوسری طرف عام پبلک کا دروازہ ہے، اور سے جا لیجئے۔ شہاب

صاحب چپ چاپ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اسنے میں صدر

ایوب کی آوازیں سنائی دیں۔ شہاب۔ شہاب۔ اے وی سی نے دیکھا کہ

درخت تلے کھڑے ہیں۔ وہ بھاگ کر ان کے پاس گیا اور انہیں جگہ

میں لے آیا۔

۸۔ اسی سفر کے دوران ایک چلے میں صدر صاحب کے شاف کے

لیے خصوصی فٹیش تھیں۔ شہاب صاحب بھی اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

تینتین میں سے ایک نے دیکھا کہ وہ کرسی پر اس عاجزانہ انداز میں بیٹھے

ہیں تو اسے شک پڑ گیا کہ ضرور یہ کوئی باہر کا آدمی ہے۔ اس نے آکر

شہاب کو بازو سے پکڑ کر اٹھادیا۔ بولا جیٹو اور پبلک میں بیٹھو۔ شہاب اٹھ

بیٹھے ابھی دوسری قدم اٹھائے تھے کہ صدر ایوب نے آواز دی اور آؤ

شہاب۔

۹۔ ایوان صدر سے رخصت ہوتے وقت شہاب صاحب نے صدر

ایوب کو ایک فریم شدہ آیت تھے کے طور پر دی۔ اس آیت کا مطلب

تھا۔

لوگو! وہ بات کہیں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں ہو۔ خدا کے

نزدیک ایسی بات بہت بڑا منگی کی ہے۔ کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

۱۰۔ یحییٰ جنان کا زمانہ شہاب کے لیے کرب و بلا کا زمانہ تھا۔ لندن

میں پہلے گزیریں تھے۔ یو نیٹکو سے ایک سو ڈالر ماہوار ملتے تھے۔ اسی پر

مگر وہ تھا۔ پیش منہ ہو چکی تھی۔ ان دنوں لٹاقے بھی آئے۔ تنگم کو

فاقوں نے اس قدر بڑا حال کر دیا کہ باہر غناقی حقیقی سے جا ملیں۔

۱۱۔ راجا منٹ سے کچھ دیر بعد شہاب صاحب واٹر می رکھ کر بے

تقاب ہو گئے، درنہ نظریہ آنے والی واٹر می تو اس وقت بھی تھی، جب

۱۹۵۳ء میں پہلی مرتبہ ایوان صدر میں داخل ہوئے تھے۔

۱۲۔ گورنر جنرل ہاؤس میں قدرت اللہ شہاب کی آمد غلام محمد کے

پرست شاف کے لیے باعث رحمت ثابت ہوئی۔

گورنر جنرل کی بڑا منگی پر سینئر شاف ہمیشہ طوفان کا رخ جو نیئر

شاف کی طرف موڑ دیا کرتے تھے۔ شہاب صاحب کی آمد پر یہ رسم ٹوٹ

گئی۔ شہاب دوسروں کی خطاؤں کو بھی اپنے کمانے میں ڈال کر خوش

ہوتے تھے۔ یوں سارا شاف شہاب کا گرویدہ ہو گیا۔

۱۳۔ قدرت اللہ شہاب اردو کے لویب تھے مگر شاید کم ہی لوگوں کو

علم ہو گا کہ ان کی انگریزی اردو سے کہیں بہتر تھی۔

۱۴۔ سکندر مرزا کے دور میں جوتو توڑ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ

شروع ہوا تو شاپ صاحب بہت د گھبر ہوئے اور سول سروس سے کنارہ کشی کی کوشش شروع کر دی۔

۱۔ شاپ صاحب دوسرے امور کی طرح پول ہال کے مدنی نہ بن سکے۔ البتہ دوسروں کی سنتے اور لطف اٹھاتے۔ اپنے اندر کا اہل صرف قلم کے ذریعے خارج کر سکتے تھے۔ زبان کے استعمال میں انہی تھے۔

۲۔ ایوان صدر میں چھ برسوں کے دوران ہمیں یہ حسرت ہی رہی کہ شاپ صاحب کسی طاقت کی کوکھی یا مستفی پر کبھی تو سرزد فرمیں۔

۳۔ وہ دو ڈیپلٹنٹس قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے کہ فلاں عزیز کے ہاں ممبر ہیں یا ان کا کوئی خراج نہیں ہوا۔ اسلام آباد سے لاہور تک کا کاریہ واپس کر دیتے کہ فلاں عزیز کی کار میں آئے تھے۔

۴۔ غلام محمد اپنے جائز حق سے دست بردار نہیں ہوتے تھے، لیکن شاپ صاحب کو جائز حق سے محرومی بھی اجناس محرومی میں جتنا نہ کر سکتی تھی۔

۵۔ ۶۱-۶۲ء میں ۳۰ جون کو کلیم منظور کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ شاپ صاحب کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شاپ نے کراچی سے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ جیلی کا کلیم بمبلی بان کی میز کی فلاں دروازے میں کسی میٹوں سے رکھا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے ڈھل کر بمبلی صاحب کے دستخط کرائیں اور وقت مقررہ ختم ہونے سے پہلے داخل کراویں۔ شاپ نے میرے اصرار پر دستخط تو کر دیئے مگر اس انداز سے جیسے کوئی کردہ فعل سرزد ہو رہا ہو۔

۶۔ شاپ صاحب محض نمبر بنانے کی خاطر صدر ایوب کے آگے

غلام صاحب کی کتاب میں شاپ صاحب کے متعلق اور تفصیلات بھی ہیں جو ان کے کردار و روشنی ڈالتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قلم تر سروس کے دوران کا رویہ قطعی طور پر منفرد تھا۔ اور ان کی انفرادیت میں ہر اسراریت کا عنصر نمایاں تھا۔

اشتیئے

۱۔ شاپ صاحب نے کئی ایک بار سول سروس سے اشتیئے دیا جس کی تفصیلات ایم بی خالد نے اپنی کتاب میں رقم کی ہیں۔

۲۔ قدرت اللہ شاپ نے ۱۹۳۱ء میں انڈین سول سروس کی ابتداء کی اور ۱۹۷۶ء میں ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ اس پچیس برس پر محیط سروس کے دوران انہوں نے چار مرتبہ سول سروس سے علیحدہ ہونے کی تاہم کوشش کی۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ چار بار علاوہ بھی انہوں نے ایک آدھ بار اشتیئے لکھ کر جب میں تیار رکھا مگر پیش کرنے کی نوبت نہ آئی۔ سول سروس کی تاریخ میں قدرت اللہ شاپ واعد فرد ہیں جنہوں نے اشتیئے پر اشتیئے دیا۔ مگر بقول ان کے "سول سروس کے چرے دن سے رہائی نہ مل سکی۔" اور ساٹھ سال کی طبی عمر اب گئے میں پڑا زحمت انہیں بچاتا ہی نہ۔

۳۔ پہلا اشتیئے انہوں نے ۱۹۳۱ء میں اس وقت دیا جب کہ ان کو انڈین سول سروس میں داخل ہونے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے۔ دوسرا اشتیئے پاکستان میں سکندر مرزا کی مداخلت کے دوران دیا اور تیسرا ایوب خان کے دور حکومت میں۔ دوسرا اور تیسرا اشتیئے اس لئے منظور نہ ہوا کہ صدر پاکستان انہیں پسند کرتے تھے۔ چوتھا اشتیئے انہوں نے یحییٰ خان کے عہد میں دیا۔ یہ اس وجہ سے منظور ہوا کہ صدر پاکستان انہیں بہت نا پسند کرتے تھے اور چاہتے کہ "بچہ بچا کے نہ جائے۔"

۴۔ میرے پرانے کاغذات میں ان کے اس اشتیئے کا قلمی نسخہ موجود ہے جو انہوں نے صدر ایوب خان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پرنٹڈ نوٹس کے لیئرڈ کے چھ صفحات پر مشتمل اس اشتیئے سے ان کی شخصیت اور ان کے عم کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔ ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

اندہر باہر میرے خلاف کسی کے دل میں محاسن پیدا نہ ہوئی۔ میرے سامنے مزید ترقی کا راستہ کھلا ہے اور کسی بھی سول سروسٹ کے لیے اس سے بہتر سازگار حالات نہ ہوں گے جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں، لیکن اس کے باوجود ذاتی وجوہات اور تھکنے کی اس کیفیت سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں کیوں کہ میرے نزدیک اچھی اور آرام دہ زندگی کے علاوہ بھی انسان کے مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ میں اپنے طبعی رجحان کے مطابق آزاد مکتبہ اور ایک عام آدمی کی مانند زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ میری اس خواہش کے پس پردہ کوئی سیاسی معاشرتی یا باہلی عنصر نہیں ہے۔

۶۔ کسی زمانے میں میری اولین ترجیح تھی کہ نوجوانوں میں اخلاقی اور روحانی اتھارہ پیدا کروں لیکن میں نے اب محسوس کیا ہے کہ مجھ میں ایسا کرنے کی پوری صلاحیت موجود نہیں کیونکہ میں نے اپنی جوانی کی ایام نوجوانوں کے تجربات حاصل کرنے اور سمجھنے کی بجائے بے مقصد گزار دیے ہیں۔ اس کے علاوہ میں خود میں ایسی اخلاقی اور روحانی توانائی محسوس نہیں کرتا کہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بن سکوں۔ مجھے اپنی اس کمی کا اعتراف بھی ہے اور افسوس بھی۔

۷۔ لگاتار مجھے اپنے ثانوی مقاصد کی طرف لوٹنا پڑا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوہی اور بھٹی خیلہ میں کام کروں۔ ایک اعلیٰ افسر کے روپ میں نہیں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے میرا سول سروسٹ ہونا ہی میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ تعمیری اور قومی موضوعات پر بھی میں وہ کچھ نہیں لکھ سکتا جس کے لکھنے کی میں صلاحیت رکھتا ہوں جو کچھ بھی لکھوں گا یا کہوں گا اس پر میرے سول سروسٹ کی چھاپ لگ سکتی ہے اور اسے سرکاری یا اجرت کا پرائیویٹز کرنا ہائے گاہیہ صورت حال میری اور میرے وطن کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ میں ثقافت اور لوہ کو محض وقتی

”میں جناب صدر کی خدمت میں ایک ذاتی درخواست پیش کرتا ہوں۔

۲۔ پرے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سول سروس سے ریٹائرمنٹ لے لوں۔ اس کی وجہ کسی قسم کی باہمی یا احساس عروہی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس میں محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ بدلے ہوئے حالات میں میرے لیے اپنے من کی پسند کی زندگی بسر کرنا اب ممکن ہو سکے گا۔

۳۔ ۱۹۹۲ء میں جب میں نے انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کی تو میرا ارادہ محض پیور و کسکی کا تجربہ حاصل کرنا تھا اور اس کے لیے میں نے اپنے ذہن میں پانچ سال کا عرصہ کافی سمجھ رکھا تھا مگر پاکستان کے قیام سے میرے لیے نئے دور کا آغاز ہوا اور میں نے سول سروس چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جنوری ۱۹۵۸ء میں مجھے اس وقت کے صدر کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کرنا پڑا کیوں کہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ میرے لیے ان حالات میں ملازمت جاری رکھنا تو درکنار زندگی رہنا بھی ممکن نہیں۔ میں ملک چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی گزارنا چاہتا تھا خواہ مجھے اپنی پیشین سے بھی عزم ہونا پڑے۔ لیکن افسوس کہ ایسا کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس کے بعد انقلاب آسمانی اور میرے سروس کیہر کا خوشگوار ترین دور شروع ہوا جو آج کل جاری ہے۔

۴۔ مجموعی اعتبار سے سول سروس کے دوران میرے ساتھ مہربانی کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہر قسم کی معاشرتی، سیاسی یا حسب نسب کی قوت نہ ہونے کے باوجود میں اکثر عقل و حکم عموں پر فائز رہا ہوں۔ ابھی حال ہی میں میرے دو سب (STATUS) اور تنخواہ میں اضافہ کیا گیا ہے۔ محض حسد کی بناء پر اکادمی کا تلخ واقعات کے سوا سول سروس کے

کاراردہ رکھتا ہوں۔

۱۰۔ میں نے یہ لہا مضمون محض اس خیال سے تحریر کیا ہے کہ یہ واضح کر سکوں کہ سول سروس سے ریٹائر ہونے کی غرض صرف وہی ہے جو میں نے لوہ بیان کر دی۔ ایک پچاس سالہ شخص عزت اور خوش حالی کی فوری چھوڑ کر کسی نئے کیریئر کا آغاز کرنے سے گھبراتا ہے۔ جس میں نئے سرے سے جدوجہد اور کوشش کا امکان ہو، لیکن میرے ضمیر میں جو غلط اندازہ بچا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تجربہ اپنی ذات پر کرتا چاہتا ہوں۔ اگر اس مشن میں پوری طرح کامیاب نہ بھی ہو سکا تو بھی مجھے افسوس نہ ہو گا کیوں میری یہ کوشش دینداری پر مبنی ہو گی کہ میں اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے کچھ کر لوں۔

۱۱۔ اگر میں اپنے انتخاب کردہ پیشے میں خاطر خواہ انکم نہ بھی پیدا کر سکا، علاوہ کہ مجھے یقین ہے کہ کر سکوں گا، میری پیشہ ہمارے لیے کافی ہو گی۔ کیوں کہ ہم میاں پوری سادہ سے سادہ زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔ میری پوری جو ڈاکٹر سے کام کرنے پر آمادہ ہے۔ میں نے اپنی شریک حیات کی مکمل رضامندی بلکہ حوصلہ افزائی پر ہی یہ انتہائی قدم اٹھانے کا عزم کیا ہے۔

۱۲۔ اپنے اس فیصلے میں جناب صدر کی خوشنودی بھی شامل کرتا چاہتا ہوں۔ گذشتہ ڈیڑھ سال جو میں نے جناب صدر کی خدمت میں گزارا ہے وہ میرے کیریئر کا بہترین اور خوشگوار ترین عرصہ ہے۔ جناب صدر نے ملک میں نئی زندگی کا احساس پیدا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں آگے ہو کر اپنا اصل کام شروع کرتا چاہتا ہوں اصل میں میرا مشن ہی جناب صدر کے افکار اور فلسفے کی تشریح ہو گا۔ سول سروس کی حیثیت سے میں صرف عام قلم کا WRITING قائل ورکر کر سکتا ہوں۔ آگے ہو کر میں ان کے افکار کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے کتابیں لکھ

(HOBBY) کے طور پر نہیں بلکہ پیشے کے طور پر اختیار کرنا چاہتا

ہوں۔

۸۔ میرے یہ نظریات دوسرا پہلو بھی ہے۔ ہمارے ملک میں رائے نگار۔ صرف دانشور بننے کی رائے کو سمجھا جاتا ہے اور جو لکھے گئے لفظ سے بنی یا جھوٹی ہے۔ اس ذریعہ ابلاغ کا بے دریغ استعمال ہو رہا ہے جس کے سبب حقیقی روایات نے ختم لے لیا ہے۔ اگر کوئی تنقید کی غرض سے لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کی تحریر میں کتنی اور بعض اوقات دشنام طرازی تک ذمیت پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی تریف کے دو حرف لکھتا ہے تو اس پر خوشامدی ہونے کا لیبل چسپاں ہو جاتا ہے۔ لکھنے لکھانے کا یہ فیشن جاری رہے گا۔ کیوں کہ لکھنے والے کے مزاج میں کتنی ہے یا وہ احساس عموماً کا شکار ہے یا اس کی تحریر کے پس پردہ ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسا ان تین کمزوریوں سے پاک ہو تو کم از کم وہ ابتدا تو کر سکتا ہے چاہے یہ ابتدا کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ اس وقت تعمیری اور مشروط رائے عامہ، ملک کی اہم ترین ضرورت ہے اور وہ ضرورت ہے جسے کوئی حکومتی ادارہ پر نہیں فرما کر سکتا۔ یہ کام صرف کھلی فضا میں ہو سکتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں اس کام کا حیرا افغانوں۔

۹۔ میری دیرینہ خواہش ایک اور بھی ہے۔ میں جناب رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ پر کل وقتی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سیرت پر ایسی کتاب جو دلچسپ ہو، مکمل ہو اور دور جدید کے انہماک کو متاثر کر سکے۔ غیر مسلم سوانح نگاروں نے اس موضوع کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے، جب کہ مسلمان سوانح نگاروں کا قلم جذبات اور عقیدت کی نظر ہو گیا۔ جدید دور کا ذہن، مسلم یا غیر مسلم، مختلف اپروچ کا مستحق ہے۔ میں اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس کام کے لیے بہت دقیق مطالعہ اور تحقیق درکار ہے اور میں اسے اپنی زندگی کا آخری مشن بنانے

ایک مرتبہ کسی صاحب نے آدمی رات کو مجھے ٹیلی فون کر کے پوچھا کہ کل صبح ہی کائنات سے پہلے مٹا دئے گی، تاکہ وہ وقت پر پہنچ سکیں۔ ایک دفعہ ہی کلینتہ کی روزانہ صبح نے اٹھاسکی، کیوں کہ وہ "تر" اور "شک" وزارتوں کی تقسیم پر بھگوت نہ ہو سکا تھا۔ پانچ فر جب سودا لے ہو گیا تو وزراء کرام صبح اٹھاتے ہی اپنی اپنی وزارت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اچانک انکشاف ہوا کہ وزارت تعلیم کسی نے قبول نہیں کی۔ مجھے بھگایا گیا کہ چلو دیکھو کون سا وزیر ابھی تک گاڑی کی انتظار میں کھڑا ہے۔ اتفاق سے ایک صاحب جن کی ٹانگ میں تکلیف تھی اور بھاگ نہیں سکتے تھے ابھی پورچ میں گاڑی کے منتظر تھے۔ انہیں پکڑ کر لایا گیا کہ چلو تعلیم کی وزارت کا قلدان بھی سنبھال لو۔ وہ بندہ خدا راضی نہ ہوا تھا اور بڑی مشکل سے وزارت تعلیم اس کی مرضی کے خلاف اس کے سرعوب دی گئی۔

صاف برداری کی تقریبات میں شرکت کرنے کے علاوہ میرا دوسرا کام صدر پاکستان کے لیے تقریریں تیار کرنا ہوتی تھیں۔ مجھے مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ ہر موقع کے لیے چار پانچ صفت کی تقریر جمعیت دہا کیوں کہ مجھے علم تھا کہ مقرر اور سامعین دونوں خود سمجھتے ہیں کہ کچھ کہا جا رہا ہے۔ کہ اس کا وہی مطلب نہیں ہے بلکہ آرٹ برائے آرٹ والی بات ہے۔

ایک مرتبہ ایک ہی دن میں دو تقریبات تھیں۔ ایک تقریب سائنس کانفرنس اور دوسری ہسٹری کانفرنس کا افتتاح تھا۔ میں نے ایک باسٹرڈ رافٹ تیار کر لیا اور پھر لکس مضمون کو غور رکھتے ہوئے کچھ الفاظ کی رد و بدل کر دی۔ ایک تقریر میں کہا گیا تھا کہ سائنس تاریخ ساز کردار ادا کرتی ہے اور دوسری تقریر میں کہا گیا تھا کہ ہسٹری بذات خود ایک سائنس ہے۔ بقیہ متن ایک جیسا تھا سوئے اتفاق سے اے ڈی سی نے

سکوں کا بکھروے سکوں گا۔

۳۰ فی اٹل میری درخواست پر کسی کاروائی کی ضرورت نہیں البتہ اگر جناب صدر میری تجویز کو اصولی طور پر تسلیم کر لیں تو میں تیار ہی شروع کر دوں گا اور جب جناب صدر خود مناسب سمجھیں گے ملحدہ ہو چاقوں گا۔

آخری دن

جب شباب صاحب ایوان صدر سے رخصت ہوئے تو انہوں نے ایوان صدر میں اپنے مشاہدات پر ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" ایم بی خالد نے اپنی کتاب میں اس مضمون سے اقتباسات دیئے ہیں۔

شباب صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا چھ صفحات پر محیط اس خط کا مسودہ (ڈرافٹ) میرے پاس موجود ہے۔ اسی طرح میرے پاس ان کے اس مضمون کا آٹھ فل سیکپ صفحات کا ڈرافٹ پڑا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" موجود ہے۔ اس مضمون میں غلام محمد کا تذکرہ کرنے کے بعد سکندر مرزا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جنرل سکندر مرزا کے باقی کام کرنے کا عزم میرے لیے کم اعصاب شکن نہیں تھا۔ جب ۱۹۵۱ء میں پاکستان اسلامی جمہوریہ بنا اور جنرل سکندر مرزا نے جمہوریہ کے پہلے صدر کا حلف اٹھایا تو میں پھولا نہ سہا تھا کہ اپنے ملک کے پہلے صدر کا سیکرٹری ہوں مگر افسوس کہ یہ جذباتی کیفیت بہت جلد امدت ثابت ہوئی۔ وزارت میں بیٹھنے اور ٹوٹنے کا سلسلہ اس برق رفتاری سے شروع ہوا کہ طبیعت اچلت ہوئے گی، ہر صبح دفتر میں آتے ہی پہلے دیکھو پاکستان سے صبح کا خبرنامہ ضرور من لیتا تاکہ اگر راتوں رات کائنات بدل چکی ہو تو میں اپنا کورٹ اور ٹال ساتھ لیتا چلوں تاکہ صبح اٹھانے کی تقریب میں اپنے فرائض منصبی ادا کر سکوں۔

لوگوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے جن پر تم نے حکومت کرنی ہے۔ اس تنبیہ کے بعد سیم صاحب کو بلایا گئی تئیں نے کافی بی اور پھر نے I.C.S افسر کو بکشر اور لیڈی کشر باہر گاڑی تک چھوڑنے آئے۔ یہ جسی وہ سول سروس اور یہ قہارہ عذاب جس میں قدرت اللہ شباب نے اپنے آپ کو خود چلا کیل چل کہ خود کردہ را علاقے نیست اس لیے وہ سستی تھم اور کو پیش بسیار کے باوجود اس عذاب سے نہایت نہ پاکے اور ساتھ سل کی طبی عمر کو بچ کر رہی نصیب ہوئی۔

قدرت اور خالد

قدرت اللہ شباب سے میرا تعارف اکتوبر ۱۹۵۳ء کی اس صبح کو ہوا جب وہ کراچی میں گورنر جنرل غلام محمد کے سیکرٹری کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ عہدے کے اعتبار سے گورنر جنرل کے پرسنل سٹاف میں وہ سب سے سینئر افسر تھے اور میں بی۔ اے ٹی گورنر جنرل کے پرسنل سٹاف میں سب سے جونیئر۔ وہ گورنر جنرل سیکرٹریٹ کے سربراہ بھی تھے اور اس طرح ہم دونوں میں افسردہ ماحول کا رشتہ بھی تھا جو وقت کے ساتھ سرکاری حدود پھیلاؤ کر دہستی کی شکل اختیار کر گیا اور ۳۲ برس تک قائم رہا حتیٰ کہ شباب صاحب دنیاوی رشتے ٹاٹے توڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

شباب صاحب چھ برس تک گورنر جنرل اور بعد ازاں صدر پاکستان کے سیکرٹری رہے۔ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں ایم این صدر کو خیر باد کہا اور ۱۹۶۸ء میں ان کی چھوٹی سی دوران بھی ہماری خط و کتابت رہی اور ایک مرتبہ ملاقات بھی ہوئی۔ وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ وزارت تعلیم سے منسلک تھے کہ ۱۹۷۵ء میں میری پوسٹنگ بھی وہیں ہو گئی اور ایک بار پھر مجھے ان کی قربت میں کام کرنے کی سعادت نصیب

دونوں مواقع پر غلط تقریر جناب صدر کو پڑھنے کے لیے سمجھا دی۔ چنانچہ سائنس اور ہنسی میں چلی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لیے کسی کو بھی اس غلطی کا احساس نہ ہو سکا البتہ پریس کے نمائندوں کو متن حوالے کرتے وقت ضرور احتیاط برت لی گئی تھی۔

سول سروس

مارشل لاء کے غلو کے متعلق ایم بی خالد لکھتے ہیں کہ۔

سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات جب وقار اور صوبائی وزارتوں اور اسمبلیوں کو توڑ کر جنرل سکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کیا تو اس کارروائی میں قدرت اللہ شباب شریک محفل نہیں تھے۔

سول سروس کے متعلق ایم بی خالد رقم طراز ہیں کہ۔

قدرت اللہ شباب نے آئی سی ایس اور سی ایس بی کی خدمت خود گواہی دینے سول سروس کے وہ اہل نہ تھے۔ ان کے ایک سینئر کونیک جناب ایم بی احمد نے ایک دفعہ I.C.S کی اصلی نوعیت سمجھائی۔ انہوں نے بتایا کہ I.C.S کی تربیت لے کر اپنی پہلی پوسٹنگ پر جو B.A.C کی اسٹیپ پر تھی پروموشن کے مطابق کشر صاحب بہادر پر کھل کرے چلا گئے۔ چاکر دیکھا کہ کوئی کے برآمدے میں ملاقاتیوں کی لمبی قطار کرسیوں پر بیٹھی ہے جن میں کچھ خان بہادر اور رائے بہادر قسم کی چیزیں بھی تھیں۔ ایم بی احمد چڑاسی کو اپنا کارڈ دے کر قطار کی آخری خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہ باری پر بلائے جائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد چڑاسی نے دروازے کی پک اٹھائی کشر صاحب بہادر نمودار ہوئے۔ اور ایم بی احمد سے ہاتھ ملا کر انہیں کمرے میں لے گئے۔ سامنے بھاگ کر ٹوب مرمت کی کہ تم کیسے I.C.S ہو تمہیں چاہیے تھا کہ ملاقاتیوں کو نظر انداز کر کے پک اٹھا کر انور آ جائے اور خلاف کرائے۔ تم انہی

— ہوئی۔

سید شبیر شاہ

جب میں MSI میں رولینڈی آیا تو یہ شہر پورے ماسکبہ قہار میں صرف چند ایک جانی جانے والے، غمغمیہ تھیں۔ غمغمیہ میں ایک شخصیت ایسی تھی جو ہر آنے والے کی توجہ جذب کر لیتی تھی۔ انہیں لوگ شاہ صاحب کہتے تھے۔

شک صاحب کا انداز گفتگو اس قدر بے زور اور بے پاک تھا کہ ایسے لگتا تھا جیسے وہ شہر گورنگے ہوئے ہیں جن کا لب و لہجہ نہایت چال کا تھا۔ طور طریقے سے درویش نظر آتے تھے اس حد تک عمل کے قائل اور نہ ذہنی کے خلاف تھے کہ لگتا تھا جیسے فقی ہوں۔ وہ سب سے بڑے قائل تھے۔ پر فیشن کے لحاظ سے صحافی تھے، دہلیگ قسم کے صحافی۔ کسی کو صحافی نہیں کرتے تھے، چوک میں کھڑے ہو کر بیویوں پر نقطہ چینی کیا کرتے تھے اور ان سب اوصاف کا بخود غریبوں کے بڑے ہمدرد تھے، منہ نہایت نہیں مٹتی تھیں۔

رولپنڈی کے دانشور شلہ صاحب سے مت متاثر تھے۔
کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ شلہ صاحب بنیادی طور پر خاکسار ہیں اور علامہ مشنری کے ہوا
ہیں۔ ان کا بھی شلہ صاحب قراقرم انہیں نکلا تھا کہ امر تھے۔

ایک روز وہ ہمارے دفتر میں آگئے یہ دفتر کشمیر پبلسنی کا ڈائریکٹوریٹ تھا۔ وقت کا، تھا۔ ہم سب ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

آئے ہی ہوئے کیوں لہذا تو ضائع کر رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ دشمن فائیس چلانے
 تم مقبوضہ کشمیر کو آزادیاں دلا دے گا۔ بھائی میرے اس کام کے لیے عمل کی ضرورت ہے
 کہ میں رہنمائی رہنے سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔

[illegible]

نہری ہم کار دوست مس روپیہ فخری نے میرے کان میں کہا شاہ صاحب خاکسار ہیں۔

九

”اے“ مجھے وہ دن یاد آگیا جب میں نے پہلی مرتبہ خاکسار کو دیکھا تھا۔

تلمیہ سے پہلے وہ دہلی میں اہل حق پر گورنمنٹ ہائی سکول میں میٹر تک تعلیم معمری لایا تھا۔ لیکن وہاں سے چلے گئے۔ میری بیوی نے بتایا تھا۔ ہمارا کوئی پرسان محل نہ تھا۔ بلوری والے افسانے ہو رہے تھے۔ میرے تفریحی رشتے دار خاندان تھے، مجھ سے ملنے نہ آتے تھے اس لیے کہ ان کے لئے اہل حق کی مرضی کے خلاف تحقیق کی ایک طاقتوں سے شادی کر لی تھی مجھ پر ان کا مقدمہ تھا۔

ایک روز جب میں سکول سے واپس آیا تو دیکھا کہ خاکی کپڑوں میں ملبوس ایک شخص ہماری

— 114 —

مجھے دیکھ کر اس نے زبردست سلوٹ مارا۔ اس پر مجھے تسلی سی ہو گئی۔ خفیہ پولیس کا ہوتا
ہو گا۔ سلوٹ نہ مارا۔

اپ کس سے ملیں گے، میں نے پوچھا۔

میں یہاں ڈیوٹی پر ہوں وہ بولا۔

نہایتی۔

اگر بی بی جی کو کوئی اور راستہ پتا ہے کہ آپ یہاں آئیے ہیں اور آپ کی گھروالی بیمار ہیں۔ اس لیے یہاں میری گھروالی گئی ہے کہ جب آپ دفتر جائیں تو میں یہاں موجود رہوں۔ اگر بی بی جی کو کوئی اور راستہ پتا ہے تو براہ کرم بلا ٹھکانا یا ہسپتال لے جاؤں۔

اسی بات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

ہی قسلی کے لیے وہ بولا، جناب میں خاکسار ہوں۔ مصری شلہ میں ہمارا دفتر ہے آپ کو
مصری خدمت کی ضرورت ہو تو دفتر جا کر رپورٹ کر دیں۔

میں صبح شام دن رات کام کرتے دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ میں نے جان لیا کہ ہم ان لوگوں بن سکتے ہیں کہ ہم میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ البتہ میرے دل میں بیٹھ کے یہ لوگ میری عزت قائم ہو گئی۔

دل کراچی میں رہنے کے بعد جب میں واپس پٹنڈی آیا تو دارالافتاء کراچی سے پٹنڈی کے ایک آدمی کے درجے سے شہ صاحب کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئے تھے۔ ان کی مصروفیت کے متعلق شیر شاہ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں۔

تو یہ تھی مسلمین، کشادہ، صحت افزا اور مسائل سے آزاد راولپنڈی صدر ایوب کے یہاں پر منتقل ہونے کے بعد ہم سے جتنی جاری تھی اور دیکھا جا رہا تھا؟ انتھائی، متفقہ اور عدلیہ کی مرکزیت، اقتصادی اور انسانی ترقی کے نئے امکانات، کمزوری اور پس ماندگی کے احساس سے نجات اور مساویانہ حیثیت کا یقین۔ یہ مساویانہ حیثیت کا احساس ہی تھا جس کا احترام راولپنڈی میں پہلے سے متعم اخبار نویسوں کو ایک فوری فکرائی کی شکل میں درپیش ہوا۔

صدر ایوب کے راولپنڈی منتقل ہونے سے پہلے کراچی کے کئی اخبار نویس یہاں آچکے تھے تاکہ نئے دارالافتاء میں اپنی ذمہ داریاں اہمیا شروع کر دیں۔ وہ آج کے عمران کا رویہ ہمارے ساتھ ایک قابض نوع کی طرح تھا۔ ان کی نگاہوں میں ہم ایک ڈیڑھ پل ہیڈ کوارٹر کے صفائی کرنے والے کی وجہ سے گاڑی پائوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اس لیے ہمیں ان "مذہب" اور "مقتدر" لوگوں کی ہمہ گیر ہمدستی کو قبول کرنا پڑا۔ اس میں وہ اکیلے نہیں تھے، وزارت اطلاعات اور پریس انفارمیشن کا قیام عملہ پر پبل انفارمیشن آفیسر سزر ولس کی قیادت میں کراچی سے آنے والے اخبار نویسوں کا ہمنوا تھا۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر فوراً "طاقت آزمائی کا فیصلہ کر لیا" وہ مسئلہ تھا پریس کلب کا۔

انسانی کی حیثیت سے شہ صاحب صدر ایوب کو قدرت اللہ شاہ سے ملنے رہتے

ایک مہینہ خاکسار ہمارے گھر باؤٹی دیتے رہے، پھر مجھے علم ہوا خاکسار ایک تحریک علامہ مشرقی نے چلائی ہے۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی کہ ایک اعلیٰ پائے کا حاملی اور خدمت گاہی تحریک۔

میں نے عائد کی تھی کہ بڑی مشکل سے حاصل کیا لیکن بار بار پڑھنے کے بعد میں ان کی دقیق زبان کو سمجھ نہ سکا۔ بہر حال میرے دل میں خاکسار کی عزت پیدا ہو گئی۔ پھر 1955ء میں پہلی مرتبہ میں بمبائی خواجہ جان محمد بٹ سے ملا تو انہوں نے بریکسٹن، لکنا بھی میں تو خاکسار ہوں۔ تحریک ختم ہو چکی ہے، لیکن خاکسار سپرٹ جوں کی توں قائم ہے۔

جن

یوں شیر شاہ کی میرے دل میں عزت پیدا ہو گئی۔ شاہ جی دوسرے خاکساروں سے مختلف تھے۔ وہ غالی عمل اور خدمت نہیں تھے، ساتھ دانشور بھی تھے اور اس قدر "دوکل" تھے کہ انہیں نہ کسوختا تھا۔ میں لیے بھرتے۔

ان کے غلوں اور سچائی کے سب قائل تھے۔ ان دنوں راولپنڈی میں سیوڈ سٹنڈا کے قریب ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا، اس جس کا نام دوگی قند ایوب لوگ اکثر دوگی کی آغوش، چائے پیتے اور ایوب پر بحثیں کرتے۔ دوگی میں لیبیوں کو ادھار پر چائے اور کھانا مل جاتا تھا۔ کبھی کبھی شاہ صاحب دوگی میں آجاتے اور پھر وہاں ان کی بات دار آواز کو مٹتی۔ یہ تم کیسا ایوب تحقیق کر رہے ہو جو لوگوں کو ملاتا ہے، چکاتا نہیں، کچھ ایسی حقیقتات کہ جو انسان کو عمل پر ابھاریں۔ انھو! دیگر نہ حشر میں ہو گا پھر کبھی۔

پٹنڈی کے بیشتر ایوب شاہ کے مداح تھے، منہ زبانی مداح۔ ان پر شاہ کے پیغام اکثر نہیں ملتا تھا۔ صرف ان کی شخصیت سے متاثر تھے۔ شاہ کی شخصیت راولپنڈی کے ایوبوں، دانشوروں اور اہل کاروں پر چھائی ہوئی تھی۔

انہی دنوں شاہ صاحب نے پٹنڈی سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار شائع کرنا شروع کیا، اس کا نام بکنوریل تھا۔ اس کام میں میں نے بھی شاہ صاحب کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ شاہ صاحب کام کے حوالے سے انسان نہیں بلکہ

کار رہا ہوں میں نے پوچھا۔

بولے، آپ اسے گمراہ کر رہے ہیں۔

اچھا میں نے جواب دیا شاہی میں تو سمجھتا ہوں کہ شاب مجھے گمراہ کر رہا ہے۔

نہیں نہیں مذاق کی بات نہیں، وہ بولے، میں سنجیدگی کے بات کر رہا ہوں۔ آپ اسے گمراہوں پر لے جاتے ہیں۔ عرس پر لے جاتے ہیں۔ بیویوں فقیروں کی منزلوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ سب جگہیں ایڈوں اور بھجکے جاتے ہیں۔ آپ ایسا کرنے سے باز آجائیں آپ کا یہ رویہ ملک کے منافع کے خلاف ہے۔

اپنی خود نوشت میں وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

شاب صاحب بیورو کریمت لور سے تعلق رکھتے تھے، مگر بیورو کریمت کے خواص سے عاری معلوم ہوتے تھے۔ دانشور بھی سمجھے جاتے تھے مگر ان کی اکثر حرکتوں سے معروف قسم کی دانش اور منطق کی کوئی بو نہیں آتی تھی۔ مثلاً، وہ مفتی، غلام دین دانی اور کوئی ایک دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کی گمنام افروزی قبول پر جاتے اور بڑے اٹھاک سے بھنڈا راکھتے۔

اس کے باوجود ان میں ایک کشش تھی، اور مجھے ان کے پاس جانے میں خوشی محسوس ہوتی۔ بیوروں کے لیے نہیں صحبت کے لیے، بحث و تحقیق کے لیے جس میں میرا مذاق و شوق تو کافی نمایاں ہوتا، مگر وہ اسے بے نیسی لینے اور کم گوئی کا چوڑا لوڑے مختصر جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ان کی یہ کی مفتی لور دانی پوری کرتے۔

قد میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے صدر ایوب جیسے چھ فٹ، ہارمب اور خیرود سربراہ مملکت کی معیت میں کچھ بے تعلق معلوم ہوتے، تاہم شاب صاحب میں ایک غیر محسوس رعنائی تھی۔ ان کے مزاج کی سادگی، لباس، صحبت اور گفتگو میں پورے کمال قسم کے ہر جواب کا عدم وجود اور اس بناء پر میری دعوت کو بھی بلا جھجک قبول کر لینا، ان کے الطوار اور

تھے۔ اپنی خود نوشت میں شبیر شہر لکھتے ہیں۔

میں صدر ایوب کو فوج کے سربراہ کی حیثیت سے تو کچھ کچھ جان تھا، سربراہ حکومت کی حیثیت سے اس وقت جانے کا موقع ملا جب انہوں نے راولپنڈی کو ملک کا صدر مقام بنایا۔ وہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ قدرت اللہ شاب بھی بلور پر پہل ٹیکرٹی اسی طرح منسلک تھے جیسے وہ کئی سال تک غلام محمد اور سکندر مرزا کے ساتھ تھے۔

شاب صاحب سے میری پہلے کوئی واقفیت نہ تھی، مگر جلد ہی انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا، یا یوں کہیے کہ میرے لیے اپنے دفتر کے دروازے وا کر دیے۔ ہو سکتا ہے یہ دوائے وقت کے ریڈیٹنٹ ایڈیٹر ہدایت اختر کی وجہ سے ہو، جو صحافت میں اس وقت میرے قریب ترین ساتھی اور شاب صاحب کے ہم وطن تھے (دونوں کا جوں سے تعلق تھا) یا ممتاز مفتی کے شاب کے عملے میں شامل ہونے کی وجہ سے ہو جن کے ساتھ شاب صاحب کا ذہنی اور عجیب و غریب قسم کا روحانی رشتہ تھا۔ اس رشتے کی نوعیت کو تو میں نے کبھی سمجھنے کو شش نہ کی، تاہم شاب صاحب سے کچھ اس طرح کی قربت ہو سکتی کہ انہوں نے اپنے قیام کے دوران صدر ایوب کے ایڈروان ملک کم و بیش ہر دور سے مجھے ساتھ رکھا۔

شبیر فقیر

شاہ صاحب کو بیوروں فقیروں سے سخت نفرت تھی۔ وہ مقبول، مگر یوں اور غیر غلاموں سخت خلاف تھے۔ اتفاق سے ایک دن شاہ صاحب نے شاب، بھائی جان اور مجھے سائیں اللہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا۔ اس پر وہ پیش میں آ گئے۔ مجھے سخت جھڑپھاڑی۔ میں نے آپ کا دوست شاب ایک قاتل آدمی ہے، مسلمان آدمی ہے، صاحب کردار شخصیت آپ کیا کر رہے ہیں۔

میں نے کہا 'شاب صاحب میں ساری زندگی اس کی خوبی سمجھتا رہا ہوں اور اب بات خیر ہے کہ میرے جذبے میں شدت ہے۔

پہلے تو آج یہ نہ ہوتا۔

اب وہاں میں نے پوچھا۔

اب میں صدر ایب سے ملت نہ دیا جاتا۔ اسے علم تھا کہ یہ ہو گا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے نقطہ کے لیے کچھ نہیں کیا۔ عجیب پر اسرار آدمی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ شاہ

میں نے جواب دیا 'وہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا' مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اللہ 007

اب لے بیٹھے

میرے تمام دوستوں کو مجھ سے شکایت تھی۔

وہ مفتی تھے کیا ہو گیا ہے 'میرے چہتا۔

اللہ قدرت اللہ شاب ہو گیا ہے 'اعظمی جواب دیتا۔

تم دونوں احقر ہو 'مسعود قریبی کہتا' بھی کس سے گھر کر رہے ہو۔ یہ شخص وہ مفتی نہیں

ہو، ہمارا یاد رہو اگر تھا۔

شاب بائینڈ چلا جائے گا تو ٹھیک ہو جائے گا 'علا قسلی دیتا۔

اگر وہ 'مسعود سرتقی میں ہلا کر کہتا' خوش فہمی میں نہ رہو۔ آگے سے گراہوت پھر آگے

میں بیٹھتا۔

لیکن 'یار' 'میرے کہتا' شاب تو بڑا پیارا آدمی ہے۔

ہست پیارا 'علا لقمہ دیتا۔

اگر سے پیارے ہی گئے 'گروڑوں میں بیٹھے ہیں' 'اعظمی چلا تا وہ بڑا پیارا آدمی ہے' بڑا ٹھیک آدمی

ہارورڈ کی طرح سب دروازے کھلے ہیں 'لیکن کسی کو اندر آنے نہیں دیتا' مسعود کہتا۔

مفتی کو اندر بیٹھا ہے 'میرے چہتا۔

میں بھائی 'میں جواب دیتا' میں بھی جہاد کی طرح ہار کر اہوں تھیں چاہو۔

جائے اندر ہو یا باہر 'مسعود کہتا' لیکن یہ سچ ہے کہ

میں نے کہا 'شاب صاحب میں ساری زندگی اس کی خوبی سمجھتا رہا ہوں اور اب بات خیر ہے کہ میرے جذبے میں شدت ہے۔

شاب نے پھر سرتقی میں چلا دیا۔ بولے حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں کرتے۔ اگر جذبہ میں شدت ہو تو توازن پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کے نزدیک توازن ایک ضروری

کیلت ہے۔ شاب کی یہ بات سن کر میں لاجواب ہو گیا 'لیکن میں نے دل سے یہ بات تسلیم نہ کی اور نہ ہی شاہ کو بتائی۔ یہ تسلیم کرنا میرے کردار کا بنیادی عنصر شدت تھا۔ تسلیم کر لیتا تو میرے

یقین کی دنیا و حرام سے بچنے کا ذریعہ بن جاتی۔ آخری دنوں میں جب شاب بائینڈ جارہے تھے 'شاہ صاحب مجھے ملے۔ کئے گئے مفتی

بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

کیا بات ہے 'میں نے پوچھا۔

کئے گئے 'یہ تمہارا دوست مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔

کون سا دوست 'میں نے پوچھا۔

شاب صاحب کی بات کر رہا ہوں۔

وہ میرا دوست نہیں ہے 'میں نے کہا۔

شاہ صاحب چونکہ 'ایا مطلب۔

جس طرح آپ میرے دوست نہیں ہیں 'میں نے کہا 'ملاں کہ تیرے سال سے ہمارا

دوسرے سے رابطہ ہے۔

شاہ صاحب پھر چنگے۔

میں آپ کی عزت کرتا ہوں 'لیکن ہم دونوں کے درمیان احترام کی ایک دیوار حائل ہے۔

ایسی ہی احترام کی دیوار شاب اور میرے درمیان حائل ہے۔ اس سے بھی بڑی 'اس سے بھی

اگرچی 'میں اس کا درج ہوں۔ وہ پاکر اور آدمی ہے لیکن ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں

ہے۔ شاہ بولے 'ہے شک وہ صاحب کردار ہے۔ ٹھیک ہے 'مسلماں ہے۔ بات کو سمجھتا ہے۔

ہمارا بار تھا رنگین و خوش نوا مفتح
مگر اسے بھی چنپ شہاب نے پیٹے

تبادلہ

(محالی سال میں شہاب کے اوائس ڈی کی حیثیت سے صدر گھر میں رہا۔)

پھر شہاب کو انفرمیشن سیکرٹری بنا دیا گیا اور میں اس کے ساتھ وزارت اطلاعات میں چلا گیا۔
۱۹۷۳ء میں شہاب کو پابینڈ کا سفیر بنا کر ایک بھیج دیا گیا۔ صدر گھر میں میری کوئی دفتری
اہمیت نہ تھی۔ میں قدرت اللہ شہاب سے شکستہ رہا ان کے دفتر سے نہیں۔ مجھے برائے نام
قسم کے کام سونپے جاتے تھے۔

دفتر کے افسر مجھے بڑی محارت سے دیکھتے تھے۔

انہیں اس بات پر غصہ آتا تھا کہ یہ کون ہے جسے سیکرٹری اتنی اہمیت دیتا ہے۔ جسے دفتر میں
کوئی الگ کمرہ نہیں دیا گیا۔ کوئی خصوصی کام نہیں دیا گیا، لیکن جسے ہر وقت سیکرٹری اپنے پاس
لٹائے رکھتا ہے اور ہر بات میں اس کے مشورے کو اہمیت دیتا ہے۔

ان کا یہ غصہ بڑی حد تک جائز تھا۔ چونکہ میرا کوئی شلیس نہ تھا۔

قدرت اللہ نے میرے لیے ایک خصوصی پوسٹ منظور کروائی تھی۔ یہ پوسٹ ایک فائنو

پوسٹ تھی جس کی صدر گھر میں چنداں ضرورت نہ تھی۔

قدرت اللہ کا رویہ میرے متعلق معذرت خواہ نہ تھا۔

اسی صدر صاحب کے لیے اردو میں ایک تقریر لکھیں پڑ گئی۔ ملٹری سیکرٹری نے میرے نام حکم دیا کہ آپ کو وائس ڈی وو گئے کہ اندر اندر تقریر لکھ کر اپروئل کے لیے مجھے پیش کرے میں نے تقریر لکھ کر بھجوا دی۔

ملٹری سیکرٹری کے کمرے سے اک شور و غوغا بلند ہوا۔ سارے دفتر والے سم گئے پھر صدر کو اپنی ڈی وو ڈاؤنڈا میرے پاس آیا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا کئے لگا آپ کو بلا رہے ہیں۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو مجھے دیکھتے ہی جھنجھکیوں کی ایک بو چھاڑ پڑی۔ پھر بولے 'آپ اس کے لیے تیار ہیں کہ صدر کی خدمت میں چٹل سے لکھا ہوا مسودہ پیش کیجیے ہیں۔ میں نے کہا 'جناب میں سرکٹ رائٹرز اور سرکٹ رائٹریٹ چٹل میں لکھتا ہے۔ اس پر ایک اور بو چھاڑ پڑی۔

بولے 'لوہر سماری اردو کیسی ہے۔ اس میں ذہن کی چاشنی ہی نہیں۔ میں نے کہا 'جناب عالی ہم سرکٹ رائٹرز چاشنی والی اردو نہیں لکھتے۔ خدمت بھری ایک اور بو چھاڑ پڑی چھوٹی میز لا کر لٹائی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

پتہ نہیں ملٹری سیکرٹری نے کیا کچھ لکھ کر اسے صدر صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ صدر صاحب نے میری طلبی کر لی۔

میں پیدائشی طور پر ایک ڈر پرک آدمی ہوں۔ چھوٹی سی بات واقعہ ہو جائے تو ڈر سے چلان ہاں ہے لیکن اللہ نے مجھ ایسے ڈر پرکوں کے قحط کے لیے ایک قانون بنا رکھا ہے کہ خطرہ گزر جائے تو خوف معدوم ہو جاتا ہے میں نے زندگی میں جتنے بھی جرات کے کارنامے کیے ہیں وہ اسی اصول کے مرکبوں منت ہیں۔

اب میں صدر ایوب کی خدمت میں حاضر ہوا تو خوف معدوم ہو چکا تھا اور میں ان کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے استغاثہ ہو۔

پہلا دن قاضی میں نے صدر ایوب کو اتنے قریب سے دیکھا تھا انہیں دیکھ کر میں ہلا ہوا گیا اتنا مرادہ حسن اتنی پارہم ہضیت۔

طبی طور پر میرے ذہن میں سیاست کا خائبہ سرے سے خالی ہے۔ مجھے سیاسی امور میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مجھے شعور ہی نہ تھا کہ گردو پیش میں سیاسی سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ دفتری سیاست کے بارے میں مجھے صرف ایک بات کاظم تھا کہ صدر کا ملٹری سیکرٹری ہر بات میں شاب کی اطلاع دلاتا کرتا تھا۔

صدر گھر میں ملازمت کے دوران میں کبھی صدر ایوب سے نہیں ملا تھا۔ کبھی سلام کر کے لیے بھی حاضری نہ دی تھی۔

ایک دو پتہ نہیں کس تقریب پر صدر گھر کے تمام ملازم صدر ایوب کو مبارکباد دیا کرتے تھے۔ قدرت اللہ نے مجھ سے کہا آپ بھی صدر صاحب کو مبارکباد دے انہیں۔ میں نے کہا 'میرا صدر صاحب سے کیا واسطہ میں تو آپ کا وائس ڈی ہوں۔ ہاں آپ مبارکباد دے جائیں تو ساتھ میری طرف سے بھی دے دیں۔

شاب نے کہا 'عالی صاحب بھی تو صدر کے وائس ڈی ہیں۔ وہ جب بھی مجھ سے ملے آتے ہیں تو پہلے صدر صاحب کو جا کر سلام کرتے ہیں۔

میں نے کہا 'شاب صاحب عالی بڑا آدمی ہے۔ نو اب ہے وہ رکھ رکھاؤ کے اقواب ہوتا ہے۔ میں تو ایک چھوٹا آدمی ہوں 'احساس کمتری کا مارا ہوا۔ آپ نے تو خواب تو مجھے صدر کے کنبے بننے میں ڈال دیا ہے۔ میں رازوں میں کرا ہوں 'دیئے شاب صاحب ایک بات کہوں۔

میں نے کہا 'کسی وقت مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی میں رازوں میں کرا ہیں۔ وہ قہقہہ مار کر میں پڑا کئے لگا مجھے بھی کبھی کبھی ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔

چٹنی

ان دو ٹھکانی سلی کے دوران صرف ایک بار میری صدر ایوب کے سامنے چٹنی ہوئی تھی۔ ایک چارج شیڈ ملازم کی حیثیت سے۔

ہوا میں کہ شاب کو صدر صاحب نے کسی کام سے کرا بھی بھیجا ہوا تھا اس کی غیر ماضی

SOVEREIGNTY IN ECONOMICS

SELF SUFFICIENCY IN SOCIAL & POLITICAL ORDER:-

EMERGENCE OF A SUPER MAN

AN AMIR WHO IS SILKY-SOFT IN PEACE

STEELY HARD IN WAR

IN PROPRIET HOOOD:-

MOHAMMAD, A LEADER WHO IS DENIGN & RUTHLESS

ACCORDING TO NEED.

REFLECTION OF PROPHETS OWN ATTRIBUTES.

ایڈیٹور کو روایتی سے پہلے ایک روز شبانہ سے ملے دیکھ کر کہنے لگا 'میں صدر ایوب کو اسلام کی چٹانِ راقبہ کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ میں نے بڑی کوششیں کیں، لیکن بات نہیں ہو سکی۔' جب شبانہ ہالینڈ سے رخصت پر آیا۔ ان دنوں رمضان شریف کے دن ۲۰ ویں رمضان کو جب وہ صدر ایوب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ کوشی میں مصروف تھا۔ اس پر شبانہ کو بہت صدمہ ہوا۔

شبانہ کے دل میں صدر ایوب کی بڑی عزت تھی۔

ایک روز میں نے شبانہ سے پوچھا کہ آپ جو صدر ایوب کی عزت کرتے ہیں۔ کیا اس کا کوئی دلائل ہے؟

میں نے اس لیے نہیں، شبانہ نے جواب دیا 'بلکہ اس لیے کہ وہ صاف ستھرے کردار کے ہیں۔ ایک نیچے ہیں اور فہم و فراست والے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ وہ پاکستان کو وہ مقام دے دیں جس کے ہم مستحق ہیں۔ اس لیے آپ ان کے قیام کے لیے دعا کریں۔'

میں نے کہا 'شبانہ صاحب میری دعا سے کیا ہوتا ہے۔'

کہنے لگا 'ہو تا ہے آپ کو دعا کی طاقت کا شعور نہیں۔'

میں نے کہا 'آپ خود دعا کریں۔'

انہی دنوں دعا میں ہوا اثر نہیں ہوا تھا۔ اجتماعی دعا میں ہوتا ہے۔

شبانہ مسلسل اس کوشش میں لگ رہا تھا کہ صدر ایوب کی توجہ اسلام کی طرف مبذول کرے۔

صدر ایوب کی والدہ صوم و صلاۃ کی پابند تھیں۔ جب بھی ایوب گھر سے رخصت ہوا، گتے تو وہ انہیں روک لیتیں۔ کہیں ذرا ٹھہرو۔ پھر قرآن کریم اٹھا کر لے آئیں اور بیٹے کہیں میں قرآن کریم اٹھاتی ہوں تو اس کے نیچے سے گزر۔ دیکھ بڑے ایوب سے سر ہٹا کر گزرتا۔

ایک دفعہ وہ بیمار پڑیں اور شبانہ عیادت کو گیا تو شبانہ سے کہنے لگیں 'میری وفات کے بعد ایوب کو پیغام دینا اسے کہنا کہ زندگی بھر جو میں تیرے لیے کرتی رہی ہوں وہ اب تجھے خود کرنا ہو گا۔'

صدر ایوب اپنی والدہ کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن ان کی ایسی باتوں کا اثر نہ لیتے تھے۔ شبانہ کی کوشش تھی کہ آہستہ آہستہ ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی جانب لے آئے۔ ایک دم بات کرنے کے حق میں نہ تھا۔ آج ایک بات کرتا۔ وہ بھی سرسری طور پر نہ تھا۔ تیز کہہ لیں بات جو دل میں کانٹے کی طرح لگ جائے اور سوچنے پر مجبور کر دے آٹھ دن کے بعد وہ سری بات چلا دیتا تھا۔

سب سے پہلے شبانہ نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ صدر ایوب کو تجھے کے طور پر دیا۔ پھر اقبال کے کلام کا انگریزی ترجمہ پیش کیا۔ پھر ایک نوٹ میں اقبال کے فلسفہ خودی کو آٹھ الفاظ میں بیان کیا۔

ایم بی خالد نے اپنی کتاب ایوان صدر میں سولہ سال میں اس نوٹ کا تذکرہ کیا ہے اور خودی کا متن بھی پیش کیا ہے لکھتے ہیں۔

شبانہ صاحب نے اس نوٹ میں خودی کا عنوان دے کر نیچے لکھا تھا۔

INDIVIDUAL IS INDIVIDUALS SELF RESPECT

THE HUMBLER BEFORE THE HUMBLE.

THE PRIDE BEFORE THE PROUD

IN NATIONS INDEPENDENCE:-

شباب کا مشورہ دیتے تھے اور اس کے مشوروں کی قدر کرتے تھے۔ یہی بات قدرت اللہ کے ذوال
الہدٰی بن گئی۔

یہ روز کریم اگرچہ شباب کی بہت عزت کرتے تھے لیکن دل ہی دل میں انہیں شباب بہت
کھٹکتا تھا۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ ایک جو نیر افسران پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ شباب کی ذاتی
مداخلت تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ شباب نے صدر ایوب کو طعنی میں
لے رکھا ہے۔

پاکستان کے سیاست دان شباب کی حق میں نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنے مفاد کے مطابق
صدر ایوب کو سانچے میں ڈھالیں۔ اس امر میں شباب بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ اس لیے وہ چاہتے
تھے کہ صدر ایوب شباب کے اثر سے نکل جائیں۔

ایک روز صدر ایوب کا بیٹا اہانت حاصل کیے بغیر صدر کی گاڑی لے گیا۔ اس پر صدر
ایوب کو بہت غصہ آیا اور وہ سربانہ اٹھا کر بیٹے کا انتظار کرنے لگے تاکہ جب بھی وہ آئے تو اس کو
سرزنش کی جائے۔

ایک روز صدر ایوب کو والدہ کا پیغام موصول ہوا کہ علاقے کا پنڈاری پہلے بھ سے سو روپے
لیا کرتا تھا۔ اب وہ سو روپے نہیں لیتا کہتا ہے، تیرا بیٹا پادشاہ بن گیا ہے اب تو میں ہزار روپے سے
کم نہیں لوں گا۔

اس بات پر صدر ایوب گھبرا گئے انہیں بات سمجھ میں نہ آئی۔ انہوں نے شباب کو بلایا کہ
مشورہ لیں۔

شباب نے کہا 'پنڈاری ٹھیک کہتا ہے' اسے ایک ہزار روپے دیں۔ صدر ایوب غصے میں
بولے تو کیا آپ رشوت کو جائز سمجھتے ہیں۔

شاب نے کہا 'محترمہ شاید میں آپ کو گمراہ کر دوں۔'

محترمہ ہنسی کھینے لگی 'سبز شاب کسی کو گمراہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لوگ اس لیے گمراہ ہوتے ہیں کہ وہ خود گمراہ ہونا چاہتے ہیں اس میں عافیت کھتے ہیں۔'

کیس ایسا تو نہیں کہ آپ بھی خود گمراہ ہونا چاہتی ہیں 'شاب نے کہا۔

دیکھئے سبز شاب 'وہ بولی 'آئی ام ڈیٹے سیریس۔ میں نے امریکی ریکارڈ میں آپ کی فائل کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ کیوسٹ خیالات کے مالک ہیں۔ شاید اس لیے کہ اغیار میں سروس کے دوران آپ نے ایسے غریب لوگ کام کیے جو اختتامیہ کی خلاف ورزی پر محمول کیے جاسکتے ہیں۔ آپ نے قلم کے دوران بھوکے حالات معدول کو شہر دی کہ وہ چالوں کا ڈب لوٹ لیں۔ پھر آپ نے بڑے برطانوی افسروں کو حراست میں لیا۔'

برما پاکستان میں جب آپ جنگ کے ڈپٹی کنٹرلر تھے تو آپ نے مکلی بھری ٹکا دی۔ شاید ان باتوں کی وجہ سے آئندہ روز کو تین ہو گیا کہ آپ کیوسٹ ہیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ رک گئی پھر بولی 'لیکن وہ لاہ آباد روڈ میں کے بعد میں کال تھیں۔ یہ کہہ سکتی ہوں کہ آپ کیوسٹ نہیں ہیں 'نہ ہی آپ فٹا مینسٹ ہیں۔'

تو پھر میں کیا ہوں 'شاب نے شرارہ 'پوچھا۔

جیسے نہیں پتہ آپ کیا ہیں 'وہ بولی 'برمال آپ کیوسٹ نہیں ہیں اور امریکی حکومت کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے۔ یہ بات امریکہ کے انٹرنٹ میں ہے اور آپ کے انٹرنٹ میں بھی۔

برمال یہ بات امریکہ کے حکومتی مکتوبوں میں ملے شدہ تھی کہ شاب کیوسٹ خیالات کا حامی ہے۔ اس لیے امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ شاب اور صدر ایب کا باہمی رابطہ قائم رہے۔

پھر جین سے دوستی کے قیام کی وجہ سے دونوں سپرہوڈ شاب کو اس عہدے سے ہٹانے کے لیے صدر ایب پر دباؤ ڈالے گئیں۔

صدر ایب بہت اچھے صدر تھے 'لیکن سیاست میں کیے تھے۔ وہ ڈالے کے فن سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے دباؤ کے تحت قدرت اللہ شاب کو سیکرٹری ٹوپر پیڈنٹ سے ہٹا کر وزارت اطلاعات کا سیکرٹری بنا دیا۔

اس تبدیلی کوئی عملی فرق نہ پڑا 'چوں کہ صدر ایب اور شاب کا رابطہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس پر یہ دینی دباؤ نے شدت اختیار کر لی اور صدر ایب مجبور ہو گئے۔

جب شاب کو علم ہوا کہ اس کا چہرہ ذریعہ غور ہے تو اس نے صدر صاحب کو اپنا استغفرے بھیج دیا۔

اس پر صدر ایب گھبرا گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شاب مستغفر ہو جائیں۔ انہوں نے شاب سے کہا کہ میں آپ کا استغفرے منکر نہیں کروں گا۔ آپ کوئی سی وزارت میں بحیثیت سیکرٹری اپنی تعیناتی کروالیں۔

شاب اپنی خد پر اڑا رہا۔

صدر ایب میں بڑا حلق تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وقت کے ساتھ ساتھ شاب کی خد کمزور پڑ جائے گی۔

ان دنوں صدر ایب مری میں مقیم تھے۔ انہوں نے شاب کو حکم دیا کہ آپ دوڑ مری آئیں تاکہ ہم باہمی بات چیت سے اس مسئلے کا حل تلاش کر سکیں۔

چند روز شاب دوڑ نہ مری جاتا رہا۔

سرکار قبلہ کے دربار میں جب یہ خبر پہنچی تو بھی لوگ ٹکر مند ہو گئے۔

بھائی جان خاموش ہو گئے۔

سامیں کرم دیں 'بولے 'صدر ایب اپنے پاؤں پر کھلاڑی مار رہے ہیں۔ کوئی انہیں جا کر کہائے کہ ایسا کرنے سے وہ خود کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

آغا صاحب نے کہا 'یہ تو ہوتا ہی تھا شاب نے میرا حکم نہیں کیا۔ میں نے سرکار قبلہ سے شکایت کی۔ اس کا نتیجہ سامنے آگیا ہے۔ شاب اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں۔

راجہ شفیق جیسے میں بولا 'بھائی جان آپ شاب صاحب کو کیوں نہیں روکتے۔ ہمیں مستغفری دینے سے روکتے۔

بھائی جان بولے 'وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں ہم ان کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ پس اگر وہ چاہیں تو ہم کچھ معاملات میں ان کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔

بھائی جان بولے۔ آپ بلگ ہیں جو چاہیں کریں، لیکن اگر اسٹیفن منظور نہ ہوا تو پھر میں۔
آپ کو چلاؤ، منظور کرنا ہو گا۔

ہاں وہ تو ہے، 'شباب' نے کہا۔

ہمارا خیال ہے کیوں آپ کسی جگہ کے سفیر بنا قبول کر لیں۔

ہاں، 'شباب' نے کہا لیکن ان کا ارادہ ہے کہ مجھے یو این لو میں بھیج دیا جائے۔

آپ کا کیا ارادہ ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میں یو این لو کی دلدل میں پھنسا نہیں چاہتا۔ وہاں کوئی کام نہیں ہوتا۔ میں ہو سکتا۔ بس
یہ کاری تقریریں سنو اور لو گھٹتے رہو۔

سفارت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میری زندگی کی سب سے بڑے خواہش ہے کہ میں جدے کا سفیر بنوں، لیکن مجھے جدے نہیں
بھیج سکتے۔ مجبوری ہے دراصل میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ مجھے کسی اہم سفارت میں بھیجیں۔ میں
چاہتا ہوں۔ کہ کوئی چھوٹی سی جگہ ہو۔ کوئی کام دام نہ ہو۔ اور وہاں میں اپنا کام کر سکوں۔

اپنے کام کا کیا مطلب ہے، راجہ نے پوچھا۔

بھائی جان بولے، 'اپنے کام کا مطلب اپنا کام ہے اور کیا۔'

بہر حال اس روز بھائی جان نے برطانیہ کو کہ 'شباب اسٹیفن پر مدد نہ کریں بلکہ کسی سفارت
میں تینائی کرالیں۔'

اگلے روز 'شباب' نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا، 'آپ خارج ہوں تو یہاں آجائیں۔'

یہاں کہاں، میں نے پوچھا۔

میں گھر میں ہوں۔

دفتر میں آ رہے کیا۔

نہیں، وہ بولا۔

میری جائیں گے کیا۔ صدر صاحب سے ملے۔

نہیں، وہ بولا۔ آپ آجائیں۔

مگر پہلے تو دیکھ کر 'شباب' شب خرابی کے لباس میں اطمینان سے بیٹھا ہے۔

UrduPhoto.com

میں نے کہا، 'آپ تو چھٹی کے موڈ میں بیٹھے ہیں۔'

ہاں، وہ بولا، 'چھٹی کا موڈ ہے آج۔'

معلوم ہوتا ہے آپ نے فیصلہ کر لیا ہے۔

کیسا فیصلہ، اس نے پوچھا۔

مستقبل کے متعلق فیصلہ، میں نے کہا، 'کیا آپ نے بھائی جان کا مشورہ قبول کر لیا ہے۔'

کون سا مشورہ۔

سفیرین کا رہا کر جانے کا مشورہ۔

وہ مسکرایا، میں فیصلہ کرنے والا کون ہوں۔

تو کیا صدر صاحب فیصلہ کریں گے۔

وہ تو خود مجبور ہیں، اس نے کہا، 'پتہ نہیں اللہ کو کیا منظور ہے۔'

تو اللہ سے پوچھ لیجئے گا میں نے اسے بھیجا۔

ان سے کون پوچھ سکتا ہے۔ ان کی تو منت کی جا سکتی ہے۔ آپ کو نور بابا کی وہ دعا یاد ہے جو

انہوں نے قصائی کی زندگی کے لیے کہی تھی۔

میں نے سرنگی میں بلا دیا۔

انہوں نے کہا تھا، 'یا اللہ یہ قصائی ہمیں اچھا گوشت دیتا ہے جو ہم تیرے بندوں کو کھلاتے

ہیں۔ اگر تو اس کی زندگی بڑھا دے تو تجھے کون پوچھنے والا ہے۔'

ہاں، میں ہنسا عجیب دعا مانگی تھی نور بابا نے۔

مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آتی کہ تجھے کون پوچھنے والا ہے، 'شباب' نے کہا۔

نمازی ٹوپی

بے شک نہ پوچھیں، ان کی منت کیجئے، میں پھر اپنے موضوع پر آیا۔

زندگی بھر میری یہ آرزو رہی ہے کہ مجھے جدہ میں سفیر بنا دیا جائے۔ لیکن منظوری میں ملی

شباب نے کہا۔

آپ نے کوشش کی تھی کیا میں نے پوچھا۔

آپ کو پتہ نہیں، وہ بولا، 'خانہ آفس جدہ کی سفارت کو ٹیل خانہ سمجھتا ہے، کوئی شخص

© Oneurdu.com

ہوں۔

دربار کون سے دربار۔

کئے لگا داتا کے دربار۔

جدے میں سفیر بن کر جانے کے لیے تیار نہیں۔

اچھا میں نے حیرت سے کہا پھر منظوری کیوں نہ ملی۔

جدے میں سفارت کی منظوری دینے شریف سے ملتی ہے۔ جو صاحب وہی حتمین ہیں۔

© Oneurdu.com

کیوں کیا ہوا' میں نے پوچھا۔

ہاں ہو گیا وہ بولا۔

انہوں نے اجازت دے دی، میں نے کریدنے کے لیے پوچھا۔

ہاں دے دی۔ اس نے بات کا رخ بدلا۔ ہم آج ہی واپس چلے جائیں گے۔

کیا واقعیہ۔

پہلے وہ بولا۔

آپ نے تو تین راتوں کی حاضری کا پروگرام بنایا تھا۔

ہاں اس نے کہا، میرا خیال تھا کہ ————— لیکن انہوں نے اجازت دے دی۔

اسی روز ہم واپس راولپنڈی چلے آئے۔

بہرہ رخی و حقوق اور سٹورف آف کا ایک سلسلہ چل پڑا اور وہ اس قدر مصروف ہو گیا کہ اس بات کرنی مشکل ہو گئی۔ بہر حال میں نے موقعہ پا کر کما شائب صاحب وندہ بھیجے کہ چائے پیلے آپ میرے ساتھ کم از کم دو یا تین گھنٹے اکیلے میں گزاریں گے۔ میں آپ سے بہت پُر کما چاہتا ہوں۔

شائب نے وندہ کر لیا۔

شہاب نے وعدہ کر لیا۔

آخری ملاقات

ہینڈ جانے سے پہلے ایک روز قدرت کا فون آیا، اگر آپ فارغ ہوں تو آجائے گا۔

کیوں خیریت' میں نے پوچھا۔

پارہ کا مطلب 'شباب' ہے پوجہ۔

وہ کھا جاتا کھا جاتا گلشن بن جاتا۔ میں نے وضاحت کی۔

حیرت ہے 'وہ یولا' لوگوں کی تو بموک اڑ جاتی ہے۔ ہرمل آپ کو گھبرانے کی چٹاواں

ضرورت نہیں۔

میں متلذذ انسان نہیں۔ شباب صاحب میں نے کہا۔

الطاف گوہر

اس نے موضوع بدلا۔ کتنے گئے میری جگہ الطاف گوہر آ رہے ہیں۔ وہ بڑے فائن آدمی ہیں۔

مجھے علم ہے۔ کہ وہ ٹیلنڈ ہے۔

ہمت ڈھین ہیں۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ ٹیلنڈ آدمی ہے، مگر آدمی کیسا ہے وہ 'میں نے پوچھا۔

بڑا ہمدرد آدمی ہے۔ آپ تو اسے جانتے ہو گے۔ لوہی آدمی ہے۔

لوہی تو ہے، مگر انسان کیسا ہے۔

ہمت اچھا انسان ہے۔ ڈھین ہے، لیفٹیشن ہے۔ عقل کا دلدادہ ہے۔ دوسرے کی بات

خود سے سنتا ہے کتنے ذہن سے سنتا ہے۔ متعجب نہیں ہے۔ اوپن مائنڈ ہے، لیکن منفرد سوچ کا

مالک ہے۔ یہ باتیں سول سروس میں نہیں چلتیں۔

سول سروس میں پیچھے پیچھے چلنے والا پھلتا پھرتا ہے۔ آگے چلنے والا مار کھا جاتا ہے۔ وہ سول

سروس میں زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ یہ ہماری سول سروس کا الیہ ہے، وہ ایسے شخص کو اچھا

نہیں جانتی جس میں LEADERSHIP ہو۔ انفرادیت کو برداشت نہیں کرتی۔ آپ کیوں

گھبراتے ہیں اس نے بات کا رخ بدلا۔

آپ فروری ۶۶ء میں ریٹائر ہو جائیں گے۔ فروری ۶۵ء میں آپ ریٹائرمنٹ کی چھٹی پر

چلے جائیں گے۔ صرف ایک سال تو ہے۔ اس دوران میں میں آپ کو ہالینڈ یا لاون گارڈینس ملتی

صاحب! اس نے کہا، آپ کو رزق کی کمی نہیں ہوگی، انشاء اللہ نہیں نہیں۔ اگر آپ میری اس

بات پر یقین رکھیں گے تو تسکین رہیں گے۔

مجھے رزق کا فکر نہیں ہے، میں نے جواب دیا۔

تو پھر آپ مجھے کیا کہنا چاہتے تھے۔

رکاوٹ آزمائش

وہ ایک اور مسئلہ ہے۔ میں نے کہا۔

تو بتائیے۔

وہ بہت تکلیف دہ مسئلہ ہے۔

آپ کو یاد ہو گا آپ مجھے کراچی میں ایک بزرگ بلایا کے پاس لے کر گئے تھے۔ اس بلایا کے

اہلے پر ایک پڑھا لکھا آدمی تھا۔ وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھا۔ وہ اپنا پروفیشن چھوڑ کر بلایا کا بلکا بن

گیا تھا۔

جب ہم بلایا سے مل کر واپس آ رہے تھے تو آپ نے کہا تھا، یہ ڈاکٹر بلایا کی آزمائش ہے۔

مجھے یاد نہیں، وہ یولا۔

آپ نے کہا تھا ہر بلایا کے ساتھ کوئی ناکوئی فرد ایسا ہوتا ہے جو اس کی آزمائش کے لیے مقرر

ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کچھ بلایا لوگ کو شعور ہوتا ہے

اور وہ شخص ان کی آزمائش ہے کچھ کو شعور نہیں ہوتا۔ یاد آگیا آپ کو کہ کہ نہیں۔ اس نے سرنگی

میں ہلا دیا۔ بہت میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ہر بلایا کے ساتھ ایک آزمائشی فرد لگا ہوتا ہے جو اس کی ہر بات میں رکاوٹ

پیدا کرتا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر اس کاظم نہیں لیکن بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ بات سچی ہے، اس نے جواب

دیا۔

بہی بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کے راستے کی رکاوٹ ہوں۔ میں آپ کی

آزمائش ہوں۔ جب بھی میں یہ سوچتا ہوں تو مجھے سخت دکھ ہوتا ہے۔ اس وقت میرا خیال چلتا ہے

کہ میں کیسں بھاگ چلاؤں۔ خود کو معدوم کر دوں۔

یہ سن کر شباب خاموش ہو گیا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے کہا کہ 'مفتی کی دوستی ایک چمڑے کی طرح ہے۔ جس کی نیسوں میں لذت ہے۔

وہ مسکرا دیا بولا 'ہاں میں نے سچ کہا تھا' لیکن مفتی صاحب لول تو میں چلا میں ہوں۔ بزرگ نہیں ہوں۔ ایک عام سائنس ہوں' آپ خراہ خراہ مجھ سے عقیدت لگائے بیٹھے ہیں۔ میں تو آپ سے دوستانہ تعلقات کا خواہی ہوں۔

شباب صاحب مجھے ہالے نہیں' میں نے احتجاج کیا۔

پلے آپ کی خوشی کی خاطر فرض کیجئے کہ میں چلا ہوں' وہ مسکرا کر بولا۔

اور آپ میری آزمائش ہیں' میرے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ اس صورت میں تو مجھے آپ کا ممنون احسان ہونا چاہیے آپ تو فرس کا اصول چاہتے ہیں کہ اگر رکاوٹ نہ ہو تو حرکت ممکن نہیں ہو سکتی۔ اگر کشش قفل نہ ہو تو بولے آگ نہیں سکتے۔ پلاؤں کے راستے میں رکاوٹیں نہ ہوں تو وہ آگے بڑھ نہیں سکتے۔ مادے طے نہیں کر سکتے۔ ایسا تو نہیں کہ آپ خود کو اہمیت دینا کے لیے اپنے آپ کو میرے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ میں اس وقت غفلت آگئی۔ کہنے لگی 'ٹھیک تو کہتے ہیں۔ مفتی جی۔ یہ ہمارے راستے کی رکاوٹ ہی تو ہیں۔ یہ اکیلے نہیں۔ بھائی ہاں ہیں' راجہ سہ لود یہ ہیں۔ یہی ہمارے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ فن کی وجہ سے میرا جی نہیں چاہا کہ ہائیڈ جلاؤں۔ شباب کی اس بات کی وجہ سے میں ساری رات سو نہ سکا۔ میرے ذہن میں وہ وہ خیال آئے۔ واٹ اے میں۔ واٹ اے میں' جو راستے کی رکاوٹوں کا ممنون احسان ہے' وہ آزمائش کو خوش نصیبی سمجھتا ہے۔

۳۹۔ سب سے نامور اداسی
۴۰۔ بزرگ اور آزمائش
۴۱۔ انوکھے خط



پروفیسر اشفاق حسین (۱۹۵۵ء)



ولایت بگرام (بمشیر)، صفوانہ (والدہ)، مختار مفتی (ابن)،



انبال مفتی (بھانجا)،

بے نام اداسی



غوسیا مفتقی (۱۹۶۶ء)

قدرت اللہ شباب کے جانے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے جی بجھ گئی ہو اور گھپ اندھیرا چھا گیا

ایسا تو کبھی نہیں ہوا قبلہ

طبعی طور پر میری سائنٹ کچھ ایسی تھی کہ کسی غمناک واقعہ پر مجھے ایک دم صدمہ نہیں
ہوتا۔ واقعہ کے بیت جانے کے بعد لوہی اور غم بوند بوند کرنا شروع ہو جاتے اور پھر بوند بوند
کرتے رہتے رہتے دگرے رہتے۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی واقعہ کے بعد اندھیرا گھپ ہو گیا ہو۔
ابھی بھی قدرت لہٰذا سے میرے تعلقات کسی خاص نوعیت کے نہ تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا
کہ وہ ایک عظیم کردار کا حامل تھا۔

احترام کی دیوار

میرے دل میں اس کے لیے جذبہ احترام تھا۔ وہ میرا دوست نہیں تھا کیوں کہ ہم دونوں
لے در میان احترام کی دیوار مائل تھے۔ اس کے کردار کی تین خصوصیات نے مجھے متاثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت تھب تھی۔ بڑی سے بڑی بری سے بری بات بھی اس کے دل کو



غوسیا، قدرت اللہ شباب، تہمینہ

میلا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ لوگوں کی ایک دلی پرست خوش ہوتا تھا۔ لیکن لوگوں کی برائیوں، بیہوشی یا بدبختیوں پر آزرہ نہیں ہوتا تھا۔

بھائی جان اور قدرت اللہ میں سب سے بڑا فرق یہی تھا۔

بھائی جان اصولی آدمی تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی اصول کو انسان پر فوقیت نہ دی تھی۔

بھائی جان دوسروں کی کیوں؟ کیوں یا بدبختوں پر آزرہ ہو چلا کرتے تھے۔ وہ عقیدے کے دلدادہ تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی عقیدے کی توجہ نہ لی تھی۔

قدرت اللہ کی دوسری خوبی جس نے مجھے متاثر کیا تھا اس کا جذبہ تہددی تھا۔ اس نے کبھی تہددی کا انکار نہیں کیا تھا۔ اس کا جذبہ تہددی نظر نہیں آتا تھا۔ صرف محسوس ہوتا تھا۔ جیسے دیکھنے کو ہلوں پر راکھ جم جاتی ہے اور انگارے نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کی گرمی پانچو محسوس ہوتا رہتا ہے۔

قدرت اللہ کی تیری خصوصیت جس نے مجھے متاثر کیا اس کا فقر تھا۔ عملی طور پر وہ خود کو کسی شخص سے بہتر نہیں سمجھتا تھا۔ میں اسے ایک پاکیزہ شخص سمجھتا تھا۔ کیوں کہ وہ مہارت گزار تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر سانس کے ساتھ کام پڑھنے کا عالمی ہو۔

چوں کہ مجھے علم تھا کہ میں پاک نہیں ہوں۔ بلکہ جسمانی ذہنی طور پر ناپاک ہوں۔ اس لیے میں نے قدرت سے کبھی ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ میں کبھی اس کمرے میں نہیں سویا تھا جس میں قدرت سوتا تھا۔

ہم دونوں آمنے لاہور جاتے اور اشتیاق کے گھر ٹھہرتے تو باہر میرا بہتر قدرت کے کمرے میں اگادتی تھی۔

نہیں ہاں! میں کتا میں اس کے کمرے میں نہیں سوؤں گا۔

لیکن کیوں؟ وہ پوچھتی۔

وہ آدمی ذات کو چھوڑ کر گناہ ہے ہلم
تہددی تھی۔

نہیں ہاں! میں اس کے کمرے کی پاکیزہ فضا کو خراب نہیں کر چاہتا۔

ابتدائی ایام میں ایک دو یا تین دونوں آگے بڑھ کر ریل گاڑی دورے پر گئے تھے۔

قدرت اللہ نے ایک کوپے روز دکر لیا تھا۔ اس نے میرا بہتر اوپر کی سیٹ پر لگا دیا تھا۔ میں کوپے میں سو نہ سکا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے اندر کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا کہ سانس لینے میں دشواری ہو گئی جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو میں دسے پاؤں پیچے اتر ا اور پھر پیچے کوپے سے باہر نکل گیا۔ صرف قہر کا اس کے ڈبے کھلے تھے۔ ہمیشہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ جیسے کچھ ڈبے کے فرش پر آڑوں بیٹنے کی جگہ ملے۔ نکل اور کمری کے باوجود میں وہاں یوں اطمینان سے بیٹھا تھا جیسے فست فیر مشرق مل گئی ہو۔

دن چڑھا تو شباب کا پانی اے مجھے دھو دھا ہوا آگیا۔

کتنے لگا پلے صاحب بارہ ہیں۔

شباب نے مجھ سے بالکل نہ پوچھا کہ آپ کئی پلے گئے تھے۔ کیوں پلے گئے تھے۔ لیکن لگا کر اپنی آنے والی ہے اپنا سہلان درست کر لیجیے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے طودی بات چھیڑی۔ میں نے کہا میں چلا گیا تھا۔

بولہ! ہاں جب آپ گئے تھے تو میں جاگ رہا تھا۔ پلے میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرتا رہا۔ پھر آپ پلے گئے اچھا کیا پلے گئے۔

میں نے بات نہ ماننے کے لیے بھوت بولا۔

میں نے کہا میں ایئر کنڈیشن سے الے رہا ہوں۔

ہاں وہ بولا میں بھی ہوں۔

پھر آپ "اے سی" میں کیسے سوتے ہیں۔

آپ ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور سکی ہو جاتے ہیں۔ میں خود سے لڑتا رہتا ہوں۔

خود سے لڑتا تو اچھی بات ہے۔

نہیں اس نے جواب دیا ہار نہ مانا جی تو شوکت لہس کی آگ صورت ہے۔ ہار ماننے میں تڑپا سکو ہے۔

شباب کے کردار کی ان تین خصوصیات کی وجہ سے میرے دل میں اس کا احترام تھا۔

لیکن کسی محترم کے پلے جانے کے بعد یوں گھپ اندھیرا تو نہیں ہو جاتا۔ زندگی میں ملا تو نہیں پیدا ہو جاتا۔

جموئی 'حم کا چور احساس۔

اگر میں چاہتا تو اس کو دور کر سکتا تھا۔ راولپنڈی میرے دوستوں سے بھرا ہوا شہر تھا۔ مسعود تھا، عمار تھا، عرفان تھا، پھر میرے پرانے دفتر کے لوگ تھے۔ مس فخری تھی جس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔ حالانکہ اسے علم تھا کہ میرا ساتھ دینے سے وہ اپنی ملازمت خطرے میں ڈال رہی ہے۔

ان دنوں بھائی جان نے پھر سے مری میں رہائش اختیار کر لی تھی کبھی کبھار وہ پنڈی آ جاتے۔ ان کے آنے کی سب کو اطلاع ہو جاتی۔ ہم سب راجہ شفیع 'والی' ملک آٹا خانہ میں 'دربار' میں جا بیٹھے پھر وہیں ایک فروری 'حم کی محفل' لگ جاتی۔ پتہ نہیں کیوں 'دربار' کے حلقے میرے دل میں وہ جوش و خروش نہیں رہا تھا۔ بھائی جان کی عزت میرے دل میں جوں کی توں قائم تھی۔ لیکن دل میں وہ کشش نہ رہی تھی۔

ڈاؤنڈول

میں اپنے دل کی بات کسی سے نہ کہہ سکتا تھا۔ صرف راجہ شفیع ایسا فرد تھا جسے میں دل کی بات بتا سکتا تھا۔ راجہ مجھ سے پوچھتا 'یہ تجھے کیا ہو گیا ہے ملتی۔ نہ تو 'دربار' میں حاضری دیتا ہے۔ نہ اپنے پرانے دوستوں سے ملتا ملتا ہے۔ دوگی میں تو نہیں آیا کبھی۔ حلقے کی محفل میں تو نہیں جاتا۔ بات کیا ہے۔

میں جواب دیتا 'پتہ نہیں راجہ مجھ پر اک بے باق اواسی چھالے رفتی ہے۔

کسی لڑکی سے محبت ہو گئی ہے کیلہ ایسا ہے تو مجھ کو بتا۔ بس ایک اشارہ کر دے۔ میں اسے انکار نہیں نہ لے آؤں تو میرا نام راجہ نہیں۔

نہیں راجہ محبت نہیں دینے ہی اواسی ہے۔

وہ تو ہے جب پڑتی ہے تو سارے گھرانے پر پڑتی ہے۔ آج کل سب ڈاؤنڈول ہو رہے ہیں۔ بھائی جان کا 'دربار' رکا ہوا ہے۔ سائیں کی تیار پڑے ہیں۔ تسماری یہ حالت ہے۔ 'والی' بھی گھر بند ہوا بیٹھا ہے اور میں گواہی گلی کی طرح اکیلے مارا مارا پھرتا رہتا ہوں۔ دراصل راجہ یہ بات نہیں سمجھا تھا کہ میں 'دربار' سے کٹ گیا ہوں۔

یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

بے شک وہ محترم تھا، محسن تھا، اس کے ہونے سے مجھے بڑے دنیاوی فائدے حاصل تھے۔ ایک انتہائی مثبتیت حاصل تھی، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ زندگی ایک غلام میں بدل جائے۔ دلچسپیاں بے معنی نظر آنے لگیں۔ دوست بیگانے محسوس ہونے لگیں۔

کراہتا حبشی

انہی دنوں۔ ایک نیا نیا ٹیپ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اس میں طفیل کے گائے پھرے ہوئے تھے 'یہ گائے ستودہ یوں بیان کرناؤں نہیں کیے گئے تھے۔ ریکارڈنگ کچی تھی۔ لیکن فرائی اہتمام سے پاک تھی۔

جب وہ 'بول ملی ٹیپا بڈیا' سچ کر کہتا تو ایسے لگتا جیسے کوئی حبشی کراہ رہا ہے۔ دکھ سے بے حال ہو کر چیخ رہا ہے۔

اگرچہ گیت کا کمزور خاصہ ہے معنی تھا۔

بول ملی دیا پلدا وے۔

تیرے دکھوں نے مار مکیا وے۔

میرا سائل ہائی۔

ان دنوں طفیل کے انداز اور آواز میں واقعی حبشی عنصر قلعہ م راشد کے حبشی میرید جس کے صدیوں جبرسا ہو۔

سارا سارا دن میں ٹیپ لگائے رکھتے یوں پڑا سنتا رہتا جیسے مگر مجھ سمندر کے کنارے دھوپ میں ریت پر پڑے رہتے ہیں۔

مجھ پر ایک عجیب 'حم کی اواسی چھال' ہوئی تھی۔ کمری گاڑھی اواسی اور اس اواسی کو دور کرنے کی خواہش نہ تھی۔ انسانی چاہتا تھا تو گاڑھی ہو جائے۔

ایسی کیفیت مجھ پر زندگی میں کبھی طاری نہ ہوئی تھی۔ بھٹوں میں جدائی کے کئی بار موقع آئے تھے ایسے موقعوں پر بے چینی ہی محسوس ہوا کرتی تھی۔ بے چینی کے طوفان میں ایک سکون کا حلقہ ہوتا تھا چلو اچھا ہوا 'حم کا احساس۔ جھلا ہوا میری جمہوری ٹیپ۔ میں تو پانچا بھرن سے

سرے سے الیت ہی نہ تھی۔

میرے گھر والے بھی میری اس کیفیت پر بہت پریشان تھے۔

میری بیوی میری اس کیفیت پر ناراض تھی۔

میری بیوی ایکن آپار کی شیشی ہے۔ ایکن آپار کے شیخ نو مسلم ہیں۔ اپنی گزشتہ بہت پرستی پر

دوبست شرمندہ ہیں۔ اس سینس آف گھٹ کی وجہ سے جو ان کے اندر دھکا بیٹھا ہے۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

..... کہ ... فتنہ کو ختم ... ۱۱۔ ... ہیکر منکر ... ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔

ڈیجیٹل ہو گیا ہوں۔ اور قدرت اللہ پر مرکوز ہو چکا ہوں۔ راجہ نے قدرت اللہ کی
خصیت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ یہ اندازہ نہ لگا سکا تھا کہ قدرت اللہ میرا مرکز بن چکا
ہے۔

میں خود اس بات پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

بھائی جان کے مجھ پر بڑے احسان تھے۔ انہوں نے مجھ میں بیداری پیدا کی تھی۔ مجھے

خوافات سے نکال کر پاکیزہ فضا میں لے آئے تھے۔ مجھ پر رقت طاری کر کے میری برائتوں کی کو

دفعی ہیں۔ آپ نے وہ مخلوق بنا ہو گا کہ وہ میرے از گولڈ دیے از قیمت۔

کیا وہ واقعی میں گولڈ ہیں۔

ہاں وہ بولے، مجھے اس بات کا علم ہے۔

مجھے تو ایسے گمنا ہے جیسے وہ جیل ہوں۔

پائل: وہ بولے گولڈ ہوتا ہے وہ گولڈ دکھائیں۔ جو دکھتا ہے وہ گولڈ نہیں ہوگا۔

غفور صاحب کی باتیں سن کر مجھے حیرت ہو جاتا ہے کہ

لیکن اس کے برعکس رد عمل ہوا۔ مجھے فہم آئے لگا۔ خود پر فہم۔ یہ میں کیا کر رہا ہوں۔

یہ کس طرف چل رہا ہوں۔ ہانا مجھے دو مانیات سے کیا لیتا رہا ہے۔ اگر دنیا کے ساتھ ساتھ اللہ

کا ایک نظام چل رہا ہے۔ تو ہم اللہ پڑا چلے۔ مجھے اس سے کیا لیتا رہا ہے۔ آئی ڈونٹ بلانک

لوت اور میں جانے کی دھن میں کیوں لگا ہوں۔

دن میں تیسویں باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ نہیں سمجھ سکتے۔ دوسری نظام بھی

ان میں سے ایک ہے میں خواہ غلو کا شر لاک ہو مڑنا بیٹھا ہوں۔ اپنی زندگی حرام کر رکھی ہے۔

ہانا، قدرت اللہ چاہے اللہ میں کا چپا ہے یا نہیں، وہ جو بھی ہے پڑا ہو۔ مجھے کیا لیتا رہا ہے۔

خود فریبی

وہ دن میں ذہن میں ڈال کر یہی خیال سوچتا رہا۔

تیسرے دن میں مکر سے ڈاکٹر لکھا۔ دوگی میں جا بیٹھا۔ ریڈیو شیشن پہنچا۔ مسعود عمر عواد

سے کہیں مارا رہا۔ مس فخری سے شرارتیں کرتا رہا۔

شام کو جب میں واپس مکر پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ خوش وقتی کی یہ ساری انکسار سائز

ملف اسپرڈ تھی۔ آمد نہیں بلکہ آورد تھی۔ خود فریبی تھی۔ اپنے دوستوں میں میں وہ نہ تھا جو

ہوا کرتا تھا۔

پھر وہ ایک دن میں دربار میں جا کر بیٹھا رہا۔ مائیں اللہ بخش سے باتیں کرتا رہا جیسے پہلے کیا

کرتا تھا لیکن ان باتوں میں وہ گمن نہ تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ مزار مجھے اوپر الٹا رکھا رہا تھا۔

دل ہی دل میں میں دعا میں مانگ رہا تھا کہ کیسے ملک، راجہ، آگاہی والی نہ آجائے۔ کیس

نہیں وہ مسکرائے۔ آپ کو نہیں پتا کیا۔۔۔۔۔ کہ انہوں نے کوشش کر کے

میں چارہ کیوں کر لیا تھا۔

نہیں مجھے نہیں پتا۔

وہ مسکرائے بولے اس لیے کہ وہاں کوئی سرکاری کلم نہیں ہے۔

آپ تو کہتے ہیں انہیں خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔

مفتی صاحب وہاں وہ اپنا کلم کرنے کے لیے گئے ہیں انہوں نے خذیکہ کا بہت بڑا پلان بنایا

ہوا ہے۔ مثلاً وہ یہاں احتکاف اور دیگر دکانیں نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں چپ رہنا ممکن نہ تھا۔

مراٹے نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہائیڈ میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی لائبریری

ہے۔ جس میں قلمی نسخے بڑے بہتات میں ہیں۔

یہ بتائیے کہ آپ کے اندازے کے مطابق وہ کب واپس آئیں گے۔

پانچ سال لگیں گے، غفور نے جواب دیا ایک ہائیڈ میں، دو مصر میں، پھر شاید وہ جدے

میں۔ مفتی صاحب آپ ان کے جانے پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ انہیں چاہی تھا کہ ان کا جانا ملک

کے مفاد میں ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ باہر چلے جائیں۔ کچھ دیر کے لیے۔

لیکن وہ کل مول کر رہے۔ بل مول ان کی عادت میں داخل ہے، مگر اس وقت چلے

جاتے تو بہتر ہو کہ خیر اب بھی ٹھیک ہے۔

میں نے پوچھا غفور صاحب ایک بات بتائیے۔ مجھے بتائیں گے؟

بولے ہاں جیسے۔

گولڈ اینڈ قیمت

میں نے کہا یہ بتائیے کہ قدرت اللہ شام کون ہے۔

اس پر غفور مسکرا دیے۔ کہنے لگے یہ بات میرے علم سے باہر ہے۔ مجھے صرف یہ پتا ہے

کہ وہ اچھے آدمی ہیں لوڈ ان کا یہاں ملک میں رہنا ملک کے لیے باعث برکت ہے۔

لیکن آپ تو کہہ رہے ہیں کہ ان کا ملک سے باہر جانا ضروری تھا۔

وہ بھی درست ہے۔ غفور نے کہا۔ آپ کو پتا ہے کہ اچھے لوگوں کے راستے میں رکاوٹیں

© Copyright 2000

بنا پر سائیں اللہ بخش نہیں چاہتے تھے کہ آنا کو اقتدار حاصل ہو۔

قدرت اللہ شباب کے کردار کا بنیادی عنصر بن کر قلم وہ کسی شخص کو خود سے کٹر نہیں سمجھتا تھا۔ بزرگوں کے ساتھ اس کا رویہ قطعی طور پر مختلف ہوتا تھا۔ عام آدمیوں سے وہ جنگ کر لیتا تھا لیکن بزرگوں سے بات کرتے ہوئے وہ تن کر کھڑا ہو جاتا۔

شریف سے مجھے ایک بزرگ کا خط موصول ہوا "لکھا تھا" ہم یہاں شباب صاحب کے سامنے کر رہے ہیں۔

اباحہ کر میرے دل میں شکر گزارا کی کا جذبہ پیدا ہوا شباب کو خط دکھایا تو وہ بڑی بے نیازی سے انہیں کرنے کے لیے ان کی ذہنی تکی ہوئی ہو گی۔

قدرت کا جواب سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

دن میں نے قدرت اللہ سے پوچھا کہ آج کل بزرگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟

اباحہ آج کل بزرگ تو ہیں، لیکن عینکس افرحہ کے ہیں۔

اباحہ دن جنت کے حقیقی بات ہو رہی تھی۔ اس روز قدرت اللہ چٹکن کے عالم میں تھے۔

قدرت میں وہ عجیب و غریب قسم کی باتیں کر دیا کرتے تھے ایسی باتیں جو وہ عام حالت میں نہ کر سکتے تھے۔

اباحہ نے "ایک صاحب تھے جو ریاضی میں ایم اے کر چکے تھے انہیں روحانیت کا شوق پڑا۔

قدرت کرنے لگے، پھر تھوڑے دنوں میں وہ روزانہ داتا صاحب کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اس سرے پر پہنچ گئے کہ داتا صاحب کے درویش کے حاضری کی صورت پیدا ہو گئی۔

اباحہ وہ داتا صاحب کے درویش بیٹھے تھے۔ داتا صاحب نے کوئی بات کی تو وہ بولے، "میں

قدرت تو ریاضی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ داتا صاحب نے فیسے سے ان کی جانب دیکھا

قدرت پھر دہرایا۔ ان صاحب نے اپنا اعتراض پھر دہرایا۔ اس پر داتا صاحب نے ان کے

تہذیب داریا۔ اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی پائیں آٹھ پھوٹ کر بہہ گئی۔

اباحہ یوں "میں نے پوچھا۔

مشکل یہ تھی کہ آنا خیف کسی بات میں بھائی جان سے مشورہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔

اباحہ بھائی جان کو نہیں مانتا تھا "چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ مرتبے میں کسی صورت وہ بھائی جان سے

نہ تھا چونکہ اس کا سائیں اللہ بخش سے براہ راست تعلق تھا۔ اور یہ تعلق بہت قدیم تھا۔ وہ

ہیں طعن دیا کہ آپ تو احکامات مری سے لیتے ہیں۔ (مری میں بھائی جان مقیم تھے) ہم تو

راست سرکار قبلہ کے حکم کے پابند ہیں۔

دورخی

میں سوچ میں پڑ جاؤں ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی بزرگ کے دو ہانکے۔ ایک دوسرے

خاک کھاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے سبقت لے جاتا

کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ بھلا ہر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ بڑے اخلاق سے

ہیں، لیکن درپہ درپہ دل ہی دل میں یہ جذبہ موجود رہتا ہے کہ دوسرے کو تھپا دکھائیں۔ رقابت اور

کمپٹییشن کا جذبہ چھپائے رکھتے ہیں۔

پیر و مرشد کو اس دورخی کیفیت کا علم ہوتا ہے، مگر وہ التزاماً دخل انداز نہیں ہوتے۔

قدرت اللہ شباب سے ملنے کے بعد اس کے وسط سے مجھے اس بات کا اندازہ ہوا

عام طور سے بزرگ ایک دوسرے سے پر غاش رکھتے ہیں۔ اور اس پر غاش کا عملی طور پر

کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

مجھے اس بات کا بھی شعور ہو چکا تھا کہ ہر بزرگ کو اپنے مرتبے پر مان ہوتا ہے کہ ہر بزرگ

میں ایک ایسی ہی "میں" ہوتی ہے جیسے عام آدمیوں میں ہوتی ہے۔ انہیں اپنے شیش کا

ہوتا ہے۔

بزرگوں کے درمیان اختلافات ہوتے ہیں۔ کوئلہ دار ہوتی ہے، ڈبلی ڈبلی چھپی لڑائی۔

میں انہیں جنگیں بھی ہوتی ہیں۔ جو کبھی کبھی ہلاکت تک پہنچ جاتی ہیں۔

میرے لیے یہ عجیب انکشافات تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگی "میں" کی نفی کیے بغیر

دست ہوئے 'بزرگ جت برداشت نہیں کرتے' جت کرنا ہر دو کول کے خلاف ہے۔

یہ سن کر میرے ذہن کا لیوڑ اڑ گیا۔ دانا اور کسی کو تھپڑا ماریں۔ وہ دانا جو صرف دنا بنا ہے۔ جو اب بھی وصل کے بعد ساتوں کو دسے رہے ہیں، دیے جا رہے ہیں۔ وقت کے ساتوں کا جہوم بڑھتا جا رہا ہے یہ تو خیر جلد محضر قہا پات آغا صاحب کی ہو رہی تھی۔

جب بھائی جان مری سے آئے تو میرے نے آغا صاحب کی اس مجددانہ کیفیت کی رپورٹ دی۔

مجددیت

بھائی جان یہ سن کر چپ ہو گئے۔
راجہ شفیع نے کہا 'آغا صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے قہا۔
میرا بونا' جناب اس روز آغا صاحب اپنے آپ میں نہیں تھے۔
دانی نے کہا 'یہ صاحب مزار کی تدبیریں ہوئی۔
بھائی جان بولے 'شاید آغا صاحب کو کچھ ملنے والا ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولے۔
شروع ملنا چاہیے۔ انہوں نے تیس سال سرکار قبلہ کی خدمت کی ہے اور فقیر کی خدمت

آغا عتیف میں دلی ہوئی شدت تھی جس کا انکسار کبھی کبھار ہوتا تھا۔ ایک روز آغا صاحب آئے، آتے ہی انہوں نے خلاف معمول با آواز بلند سائیں اللہ بکلی کو نکالنا شروع کر دیا۔ گلیاں دینی شروع کر دیں۔ آغا کی آنکھیں انگوروں کی طرح سرخ تھیں۔ چڑھ سوجا ہوا تھا۔ کھمرے ہوئے تھے۔

لگ لگائے بغیر نہیں رہتی۔
راجہ کسے لگا 'یہ تو مجددانہ رنگ ہے۔ ظاہر ہے کہ فقیر نے جو دیا ہے آغا صاحب میں اسے

پھر وہ خود پر اتر آئے۔ مزار کی چوکٹ کو آگاہی کے کوشش کی۔ مزار پر چڑھا گیا۔ قبلہ کو مخاطب کر کے تازیانا پائیں کیں۔ مزار کے قریب رہنے والے لوگ گھروں سے باہر آئے۔ وہ حیرت سے آغا کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ آغا صاحب سے کچھ کہے۔

بھائی جان بولے 'جو دنا ہے وہ ساتھ عرف بھی دے گئے۔
دانی نے کہا 'آپ آغا سے بات تو کریں۔

می را

نہیں بھائی جان نے کہا 'یہ آقا اور سرکار قبلہ کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں دخل دینے والے

می را مزار کا ظہور قہا۔ میرے کا مکان مزار کے پہلو میں تھا۔ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی کوٹھی میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتا تھا۔ اور مزار کی خدمت کیا کرتا تھا۔ چھارو دنا صفائی کا۔ رکنا۔ میرے کی حیثیت ایک چوکیدار غلام کی تھی۔ میرا مزار کا متولی نہیں تھا۔ سائیں اللہ کا حکم تھا کہ مزار پر کوئی شخص متولی بن کر نہ بیٹھے۔ مزار پر چست حیرت نہ کی جائے۔ مزار کی ہر دھاری کو لو نہ جانے کیا جائے۔

ای روز آغا صاحب کے دونوں بھائی مزار پر آ گئے۔ وہ بھائی جان کی خدمت میں وفد کی صورت میں آئے تھے انہوں نے آکر بتایا کہ آغا ہوش و حواس کو بیٹھے ہیں۔ کھر میں با آواز بلند فحش کلامیں دیتے ہیں 'تازیانا پائیں کرتے ہیں۔ جناب ہم ایک شریف خاندان کے فرد ہیں۔ آغا کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث بدنامی ہے۔ ازراہ کرم ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ سرکار نہیں چاہتے کہ ان کی قبر کو مقبوریت دیا جائے اور

بھائی جان بولے 'ہمیں ایسا لگتا ہے' جیسے آغا صاحب کو مرتبہ ملنے والا ہے۔

متولی آ بیٹھیں۔

نہیں جناب 'انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں ایسا مرتبہ نہیں چاہیے جو باعث بدنامی ہو اور

دعائی کو فت کا باعث ہو۔

جس خود کریں گے۔ مجھے مدد ملے کہ اس کا کوئی حق نہیں۔

جب شب پائین روانہ ہونے لگا تو میں نے پھر آٹا کی مرضی یاد دلائی۔

کہنے لگا میں نے وہ مرضی اٹھایا کہ ہر کوئی دے دی ہے وہ اس پر ایکشن لیں گے۔

یہ بات جہان کن تھی چونکہ شب ہر سال کے اعداد بخیروری کیا کرتا تھا اور حتی الوسع کوشش کرتا کہ اس کی مدد کرے، کیا مرد قلندر نے اسے منع کر دیا تھا کہ آٹا کی مرضی پر ایکشن نہ لے۔

تین تالی

یہ بات میرے لیے جہان کن تھی۔ اٹھایا کہ ہر بنیادی طور پر فہم کے افسر تھے۔ انہیں روز اور ریکویشن کا علم تھا، پھر انہوں نے یہ فہمی کیوں کی کہ آٹا کی جو فہمی انہوں میں ایک ریکورڈ پوسٹ پر فائز تھے ایک کانٹر سیکچول پوسٹ دے دی۔

آٹا مجھ سے ملے کہنے لگے، مفتی صاحب زبان بند رکھئے، آٹا اس بے ضابطگی کی طرف توجہ نہ دلائے، گھر سرکار قبلہ کا وارنٹ مل گیا ہے۔ مجھے یقیناً افسر نے ملے گی۔ مرد قلندر کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا آٹا صاحب میں تو زبان بند رکھوں گا، لیکن اگر اسے ملے بے ضابطگی کی نشاندہی کر دوں تو۔

اسے لو آپ کا دوست ہے وہ بولے۔ آپ اسے بات سمجھا دیں۔

صغیر ہمارے اسے لو تھے میں صغیر صاحب سے ملا۔ صغیر صاحب سے میرے بڑے اچھے

مراسم تھے۔ اور وہ بھلا، بعد روانہ ہوئے رکھتا تھا۔

صغیر کو بات بتائی تو وہ بولا، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اٹھایا کہ ہر ایسی فہمی نہیں کر سکتے۔ میں نہیں مانا۔ آپ نہیں یا نہ نہیں، لیکن جب کلمات آپ تک پہنچیں تو فہمی کی نشاندہی نہ کرنا۔ تقریباً ایک سال آٹا اس کنٹر سیکچول آٹا کی کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے پرنٹ مجھے فہمی انہوں سے ایک خط موصول ہوا۔ لکھا تھا آپ نے ہمارا آدمی بنام آٹا حنیف مستعار لے رکھا ہے۔ مہربانی سے اس کے متعلق حتی فیصلہ کریں یا تو اسے اپنے حکم میں

بجائی جانے لگا، دیکھیے یہ معاملہ دینے والے اور لینے والے کے درمیان ہے۔ دینے والا جانے اور لینے والا بھاری کوئی حیثیت نہیں کہ اس بات میں دخل دیں۔ آپ سرکار قبلہ کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کریں اور دعا کریں کہ آٹا حنیف کو عرف عطا کیا جائے کہ وہ سرکار قبلہ کی دین کے متحمل ہو جائیں۔

درخواست

آٹا حنیف نے ہمیں بتائے بغیر ایک درخواست صدر ایوب کی خدمت میں بھیجی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں فہمی انہوں میں لازم ہوں۔ افسر کا حکمانہ امتحان پاس کر چکا ہوں۔ تقریری کا انتظار ہے۔ عالی چاہ میں اپنی ذوق رکھتا ہوں اور ایک انٹر نیشنل ایلی سوسائٹی کا نیکرڈی رہا ہوں۔ ایوب اور صحافیوں سے میرا رابطہ ہے، میں اس بات کا خواہاں ہوں کہ مجھے وزارت افریقہ میں کوئی سیٹ عطا کیا جائے۔ صدر ایوب نے یہ مرضی قدرت اللہ شب کو بھیج دی۔ لکھا، اگر اصولی طور پر ممکن ہو تو آٹا حنیف کو وزارت اطلاعات میں کوئی پوسٹ دے دی جائے۔ جب یہ درخواست شب کے پاس گئی تو وہ دست حیران ہوئے کہنے لگے، آٹا صاحب نے یہ بات مجھ سے کیوں نہ کی۔ وہ درخواست چند ایک ماہ ویسے ہی پڑی رہی۔

میں نے چار ایک بار شب کو یاد دلایا کہ آٹا کی مرضی پر آپ نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

برابر وہ جواب دیتا کہ ہاں۔ بڑا اچھا کیا کہ آپ نے مجھے یاد دلایا۔

جب بھی میں آٹا کی مرضی کی بات کرتا تو شب یکی جملہ دہرات، لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہ کرتا۔

ایک روز تنگ آکر میں نے شب سے کہہ دیا کہ آپ بھی آٹا کے لئے سرکار قبلہ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔

اس نے پچھا، میں اللہ بخش صاحب کی کیا پالیسی تھی۔

میں نے اسے ساری بات بتائی کہ جب بھی آٹا صاحب کے افسر بننے کے امکانات پیدا ہوتے تھے، سرکار قبلہ انہوں کو رخصت دے دیتے تھے۔ آپ بھی ایسی کر رہے ہیں۔

یہ سن کر شب چپ ہو گیا۔ میں نے ضد کی تو بولا۔ ہاں آٹا صاحب کی تین تالی سامنے اللہ

آجائے اندر سے سمجھیں آواز آئی۔

اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ چھ سات سائل بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ہلکا بیٹھا ہے۔ کمرے کی دیواروں پر جابجا قرنی آیت کے پوسٹر لگے ہوئے ہیں۔ ایک دیو نیکل صبح ایک طرف اچھر کی ہوئی ہے۔

سائل ہادی ہادی ہلکا سے اپنے سائل کے حلق پر چبھتے۔ ہلکا بڑے غور سے ہر سائل کی بات سنتا اور ہر کردار انکا کمری سوچ میں پڑ جاتا۔ ہر کچھ دیر کے بعد وہ سر اٹھاتا اور سائل کو جواب دے دیتا۔

صفر کو دیکھ کر ہلکا اجماعی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہلکا آپ خیریت سے ہیں صفر صاحب۔

ہی قاضی صاحب 'لفظ کا شکر ہے۔

کیسے آتا ہوا' قاضی نے پوچھا۔

آپ نے قربا تھا تا کہ مشکل کو اتنا اس لیے میں حاضر ہو گیا ہوں۔

ہلکا مسکرایا ہوا 'صفر صاحب آج تو مسواہ ہے۔

لوہو صفریو لا' میں سمجھا مشکل ہے۔

کل آئیے ٹائپ لے کر' پھر میری طرف متوجہ ہوئے ہوئے۔

فرمائیے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

صفریو لا' یہ میرے عزیز دوست ہیں۔

ہاں تو فرمائیے' ہلکا نے مجھے متوجہ کیا۔

مجھے تو بتا بہت کچھ نہیں پوچھنا' میں نے جواب دیا میں تو صرف سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں' میں نے کہا۔

خوب خوب بڑی کرم نوازی ہے آپ کی' ہلکا نے کہا۔

صفریو لا' حضور ان کے ایک دوست ہیں۔ ان کی تین تائی ملک سے باہر ہو گئی ہے۔ یہ جانتا چاہتے ہیں کہ وہ کب واپس آئیں گے۔

ان کا اسم گرامی ہلکا نے پوچھا۔

بتاب ان کا نام ہے قدرت لفظ 'صفر نے جواب دیا۔

پرمانش پوسٹ دے دیں بصورت دیگر اسے واپس بھیج دیں۔

اس خط کو چاہ کر اظہار گوہر کو احساس ہوا کہ غلطی ہو گئی ہے۔ اظہار گوہر حیران تھے کہ یہ غلطی کیسے ہوئی۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ اظہار گوہر کو کیا پتا تھا کہ یہ ایک مرحوم قلمند کی شرارت تھی۔ اظہار گوہر اس بات کو کیسے سمجھتے وہ تو ایک سک بند دانشور تھے۔ صرف عقل کو مانتے تھے۔ ان کے ذہن میں قادیان اور ملا جیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

قدرت لفظ شباب اظہار گوہر کی ملا جیوں کے معترف تھے۔ کہتے تھے 'اس شخص کو لفظ نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں' مگر سول سروس میں کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔

میں نے پوچھا 'کامیابی کیوں نہ ہو گی۔

ہوئے' سول سروس میں بیچے بیچے چلے واپس کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ آگے چلے واپس کو نہیں۔ سول سروس میں میڈیا کر بیٹھے پھرتے ہیں۔

بہر حال۔ آٹا کی تین تائی میں غلطی کو دور کرنا لازم ہو گیا۔

اور اظہار گوہر نے جوں توں کر کے آٹا کے لیے انٹرفیشن انفری آسانی نکال لی اور آٹا کو انفری مل گئی۔

یہ خبر آٹا کو ملی تو وہ جاہل میں آگئے 'ہوئے شباب نے تو کچھ نہ کیا تھا اور اسی لیے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ آخر کار قلمند مدینہ میں آگئے۔ ان کی بات کو کون جال سکتا ہے۔

بھائی جان ہوئے' یہ پڑھا ہوا ڈاکٹر ہے۔

اس پر صفر بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگا 'مفتی جی' یہ کون بزرگ ہے۔ جس نے پیورو کے تمام انفریوں کو اہوا کر دیا۔

میں نے کہا۔ تم معاصر دنیا چاہتے ہو کیا۔

شیر اور بکری

ہلکا ہاں 'پھر نہ لگے۔ میرا بھی ایک ہلکا ہے۔ میں بھی آپ کو لے چلوں گا اس کے پاس۔

صفر مجھے یہ سب بات جاننے کے ایک مکان میں لے گیا۔

اس نے دروازہ کھولا۔

تقاضی بلایا سرخاک کر چیتہ گئے۔

پھر دھتا "پاپائے سرافعلیا ہوئے" یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔

صغیر صاحب۔ یہ تو آپ نے زیادتی کر دی۔

لیلیٰ کی اس بات پر ہم حیران ہوئے۔

پاپا بولے "میں تو ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ آپ نے بکری کو شیر کے روپرو بخا دیا۔ نہ صغیر

صاحب کہاں بکری کہاں شیر۔

بزرگ اور آزمائش

بزرگ

دراصل ان دنوں میں بزرگ کے مفہوم کو نہیں سمجھتا تھا۔

ان دنوں میں سمجھتا تھا کہ بزرگ بڑے طاقت ور لوگ ہیں۔ مستقبل میں جھانک سکتے ہیں۔ لوگوں کے رخ بدل سکتے ہیں تقدیریں بدل سکتے ہیں۔ کرامات دکھا سکتے ہیں اور یہ طاقتیں انہیں مجاہد اور مہارت کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں پھر بزرگوں سے رابطہ کے بعد آہستہ آہستہ جھ پر انکشاف ہوا کہ بزرگوں کے متعلق میرا نظریہ بالکل غلط تھا۔

بزرگ تو بڑے عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔ عام انسان کی طرح آزمائشیں ہوتے بلکہ انکساکت کے پابند ہوتے ہیں۔ اتنی پابندی کہ ان کا بال بیل بندھا ہوتا ہے۔ اتفاق کی پابندی ' خدمت خلق کی پابندی ' شریعت کی پابندی ' پرائیوکل کی پابندی ' ایک کڑے ڈسپلن کی پابندی اور سب سے بڑھ کر کلام کی پابندی۔ کلام کے چٹاؤ میں ان کی اپنی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔

داتا صاحب کی کتاب پڑھ کر مجھے پتہ چلا کہ دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایئر گروپز ایک روحانی نظام چل رہا ہے جس کی ایک کڑا نظم و ضبط رائج ہے۔ جس کی جواب دہلیبیاں نہیں ہوتیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پہرچھے ہے بھی پتہ چلا کہ ہے شک بزرگوں کو کچھ طاقتیں حاصل ہوتی ہیں، لیکن ان کو استعمال کرنے پر اتنی پابندیاں ہوتی ہیں کہ چھپائی کی یہ کسلوت سلق آتی ہے کہ

”وہن پر پھلتی چھتری سرہانے ڈوہ دکھ کے سوئی۔“

مطلب ہے کہ اس چودھریاں کا بڑا دل گردہ ہے جس کے سرہانے دودھ دکھا ہو اور وہ اسے بے بغیر سو جائے۔

ایسے ہی بزرگوں کا حال ہے دودھ کی گڑی سرہانے رکھی ہے، لیکن پینے کی ممانعت ہے۔ کہتے ہیں حضرت علیؓ جنگ میں تھوڑی دلی کر رہے تھے۔ ایک دشمن کو گرا دیا۔ اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھنے میں تھوڑا بھگتے والے تھے کہ دشمن نے ان کے چہرے مبارک پر ٹھوک دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ دشمن کو قتل کے بغیر اٹھ بیٹھنے اور اسے چھوڑ دیا، کسی نے پوچھا یہ کیا کیا آپ نے۔ فرمایا اس نے میرے منہ پر ٹھوک دیا تھا اس کے بعد اسے قتل کرنا تو اس میں ذات کا فصد شامل ہوتا اور انتقام کا فصد بھی آجائے۔ جنگ میں تو صرف اٹھ کے ہم پر قتل کرنے کی اجازت ہے۔

میں نے جانا بزرگ پر لازم ہے کہ وہ لاگ لکھ سے پاک ہو۔ بندہ بشر ہوتے ہوئے لکھ سے پاک رہتا ہے بعد مشکل ہے۔

میں نے جانا کہ بزرگ کسی کے دوست نہیں ہوتے، کسی کے دشمن نہیں ہوتے۔ کسی کے عزیز نہیں ہوتے۔ کسی کو عزیز میں رکھتے۔ اگر انہیں حکم ہو جائے کہ بیٹے کو قربان کر دو تو وہ بڑے اطمینان سے بیٹے کو اٹھ لگا کر قربان گھڑی طرف چل پڑتے ہیں۔

جوں جوں میں بزرگ کے منہم کو کھتا کیا توں میں میرے دل میں بزرگوں کے لیے احرام اور ہر دلی کے جذبات پیدا ہوتے گئے۔ احرام اس لیے کہ وہ اللہ والے ہیں اور ان میں اللہ دل کر وہ ہے، اعتبار ہے، عقل ہے برداشت کرنے کی طاقت ہے کہ وہ ذات کی نفی کرنے کی ہمت رکھتے ہیں اور ہر دلی اس لیے کہ وہ اتنے مجبور ہیں پابندیاں میں بکڑے ہوئے ہیں اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ تو تمہیں بزرگ بتا دیاں تو میں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائیگا نہ حضور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالے گا میں اس کا تحمل نہیں ہو سکتا مجھ پر یہ ظلم نہ کیجیے۔

اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ نام لٹا دیا جاتا ہے۔ سب با سب کا مجاہد ایک چھوٹی سی لغزش کی وجہ سے مٹی میں مل جاتا ہے۔

بزرگ لوگوں پر مسلسل خوف طاری رہتا ہے، اللہ کا خوف کہ چلے یا ان چلنے میں حکم عدولی نہ ہو جائے۔ کہیں وہ لاگ لکھ کے پھیر میں نہ آجائیں۔ کہیں نفس شیون نہ مارے دے۔

ابتدائی ایام میں جب مجھے شعور نہ تھا کہ شباب چھلکن کے عالم میں ہے، جب مجھے علم نہ تھا کہ جو تجربے ہوتے ہیں وہ چھلک بھی جاتے ہیں، اب جب مجھے یہ شک نہیں پڑا تھا کہ وہ کاشی ہے اور کسی کام پر مامور ہے، یا وہ میرا ہوا ہے۔ اس نے اللہ کا تھا، اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو جانتے ہو کیا وہ گاہ میں ایک پانچ ہوں گا۔ سڑک کے کنارے پڑا ہوں گا۔ میرا سارا جسم کل چکا ہو گا۔ اس میں مٹھایاں رنگتی ہو گی۔ لیکن میرا ذہن بالکل ٹھیک ہو گا۔ حیات بیدار ہوں گی، تاکہ لذت کا احساس ہو، تاکہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ لوگوں کو مجھ سے کراہت آئے گی۔ جسم سے بدبو کے مہما کے اٹھیں گے۔ کوئی شخص میرے قریب نہیں چھلکے گا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے حیرانی ہوئی۔ یہ کس مشن کی بات کر رہا ہے۔ صدر کے سیکرٹری کا کیا مشن ہو سکتا ہے۔ بلکہ، یہی تاکہ صدر کے احکامات کی تعمیل کرے اور اگر صدر غراض ہو جائے تو ذرا سے زیادہ بھی کرے گا کہ تو کبھی سے خرواش کر دے۔

۱۹۸۸ میں جب شباب اور میں نے اکٹھے جاکا قلعہ ج کے دوران شباب نے مجھے بتایا کہ عام بزرگوں کو ج کرنے کا شوق نہیں ہو گا۔ چوں کہ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں تو جیسے جوتا پھیرا ناکہ پڑتا ہے، ایسے ہی جوتے کے ساتھ اپنی دستار بزرگی کو بھی اٹھا لگایا ہوتا ہے۔ چوں کہ حرم میں صرفہ بندے کی حیثیت سے داخل ہو سکتے ہیں اور یہ یقینی ہو گا کہ وہاں ہی پر انہیں جاتے بزرگی مل جائے گی طے لے، نہ لے نہ لے۔

پہرچھے پتہ چلا کہ قیامت کے بعد جب ۱۲ سوا کی پیمبری لگے گی تو عام آدمی سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کتنے اچھے کام کیے اور ہر اچھے کام کا ۱۰ دیا جائے، لیکن بزرگ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو سونپائیاں کرنے کی استطاعت دی گئی تھی، لیکن آپ نے صرف ۳۰ نیک کام کیے۔ اتنے کم کیوں کیے جواب دو۔

کرامتیں

ان دونوں میں بزرگوں کے تذکرے پر احکا راقا تو مجھے تذکرے لکھنے والوں پر بڑا غصہ آتا تھا۔ تذکرے بزرگوں کی کراستوں سے بھرے ہوتے تھے۔ کوئی تذکرہ نویس 'صاحب تذکرہ کے کردار کے حلقے میں لکھتا تھا کہ وہ کتنے عظیم کردار کے مالک تھے، کوئی اس پر روشنی نہیں ڈالتا تھا۔ کوئی انھیں انسان کی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ سبھی بزرگ کی بات کرتے ہیں ان کی ہر نیچل قوتوں کی بات کرتے تھے۔ کثف کی بات کرتے تھے، کراستوں کی بات کرتے تھے۔ ان کی بڑی کمزوریوں کی بات کرتے تھے۔ اس مسلسل تکلف کی بات نہیں کرتے تھے۔ جس میں وہ گرفتار رہتے ہیں۔ اس مسلسل استحقاق اور آفاقی کی بات نہیں کرتے جس کے تحت وہ زندگی گزارتے ہیں۔ بزرگوں کے تذکرے پر اچھڑا کر قاری سمجھتا ہے کہ بزرگ ایک صاف سترا، نمایاں دھوا ہوا، پاک صاف شخص ہوتا ہے، جو ایک اعزازی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور جسے ہر نیچل قوتیں حاصل ہوتی ہیں۔

ولایت

اس زمانے میں بھی یہی کہتے تھے۔ جب انسان کو بزرگی عطا ہوتی ہے تو کچھ بڑے کی طرح اسے دھوکہ چھتری کی دی جاتی ہے، کوئی لاکش باقی نہیں رہتی۔ ایک دن اس نے شہاب سے اس بارے میں پوچھا۔

کنے لگا مجھے تو اس بارے میں علم نہیں، لیکن بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگی عطا ہوتی ہے تو تمام حیات یعنی **فَلْکِ** **MAGNIFY** ہو جاتی ہیں، رختانہ میں تیزی آ جاتی ہے، شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ خواہشات میں دھار پیدا ہو جاتی ہے

کیا جیت رختانہ میں ہی شدت پیدا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، دو بلا شدت ہو مطلق دو لوگوں رختانہ چار تہہ گنا تیز ہو جاتے ہیں۔

انہوں نے تصویر کھینچی تھی۔ گئے گئے، جب ولایت ملتی ہے تو کچھ اس قسم کا منظر ہوتا ہے۔
 ر سمندر کا کنارہ ہوتا ہے۔ سامنے اقلہ سمندر ہوتا ہے۔ طوفان زدہ سمندر، جو بے کنارہ ہوتا
 ہے۔ دلی کو ایک ڈوبے ہوئے اور پھونکی ہوئی کشتی دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اب تیری بہت
 ہے۔ اب روحانی سمندر میں جتنی دور جا سکتا ہے چلا ہے۔

یہ تو بڑی بے بسی اور بے چارگی کی بات ہے، میں نے کہا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ ولایت بہت بڑا اعزاز ہے۔

ہاں ہے 'دو یولا' بڑا اعزاز ہے۔ ساتھ ہی بہت بڑی بے بسی ہے 'بے چارگی' ہے۔ دونوں پہلو ہیں۔ لوگ صرف ایک پہلو دیکھتے ہیں۔

شباب جی مجھ سے ایک وعدہ کریں، میں نے کہا۔

—Uganda's

مجھے اس کشت سے بچالیں۔

کیا مطلب ہے وہ پولہ۔

مجھے ڈر ہے کہ مجھل جان یا کوئی اور چلے جائے۔ اللہ کی راہ پر نہ ڈال دے۔ مجھے وردی نہ پتا ہے۔ دیکھنے میں ایک بورا اور کمزور آدمی ہوں، آرام طلب ہوں، محنت یا مشقت کا لاف نہیں۔ میری قوت ارادی بہت کمزور ہے۔ مجھ میں حوصلہ نہیں، صبر نہیں، برداشت کرنے کی بہت نہیں۔ میں ایک عام بندے کی حیثیت سے جینا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا میں تو ہوں اگر بھائی جان! کسی اور نے مجھے سپاہی کی دروہی پتادی تو میں مارا جاؤں گا۔ آپ جانتے ہیں، میں ایک ہڈی پادی آدمی ہوں، میں سالک نہیں بن سکتا۔ مجھ میں قوتِ ازان کا فقدان ہے۔ میری طبیعت میں بھیذویت کا عنصر حاوی ہے۔ میں عقل و خرد کو دھونے لگا۔ اپنا ہوش میں رہے گا۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گیا۔

پھر یوں لوگ تو یہ اعزاز حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

شاید میں بھی کرتا۔ اگر آپ سے نہ ملتا تو شاید کرتا، لیکن میں نے تصور کا بس سراغ دیکھ لیا۔

میں نے پوچھا یہ ولایت کیا چیز ہے۔
 کہنے لگا غور صاحب نے ایک مرتبہ بتایا تھا مجھے۔

نہ ہائیں۔ سو واٹ۔

میں نے کہا اس روز آپ کو پیغام ملا تھا کہ یہ فوت ہو رہے ہیں غلط ہے، جو لکھ
اچھا ہے کہ ہیں، وہ صحیح تھا۔ کیا یہ بائق الفطرت پیغام نہیں تھا۔
دیکھیے وہ بولایا بائق الفطرت واقعہ کہ کسی کرم فرمائے ہدایت دی تھی۔ فرض کیجئے اگر وہ
پر نیچل بھی جاتا تو اسے عمل میں نہیں لایا تھا۔ میں بائق الفطرت واقعات جزئیات میں کرتا
اگر مجھ پر ایسے واقعات ہوتے ہیں تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔
یہ واقعات کون عمل میں لاتے ہیں۔
مجھے علم نہیں۔ غالباً دی فورسز ہی پوچھ۔

قدرت اللہ شہاب نے شہاب ثانی کے آخری باب میں لکھا ہے کہ چھبیس سال مجھ سے
غیر خدا تکلیف ہوتی رہی۔ اگر شہاب مجھے یہ بات بتا دیتا تو میرا کریمہ کا جذبہ ختم ہو جاتا۔ لیکن
شہاب نے مجھے یہ بات بھی نہیں بتائی تھی۔
شہاب کے متعلق میں نے چند باتیں محسوس کی تھیں۔
۱۔ کہ وہ ایک بلند کردار کا مالک ہے۔
۲۔ کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔
۳۔ اللہ کا عابد بندہ ہے۔
۴۔ حضور سرور کائنات کا کوئی نظام ہے۔

۵۔ اس پر اسرار ہدایات ملتی رہتی ہیں جو نور مزلزل ہوتی رہتی ہیں۔
۶۔ اس نے بھی دعوتی نہ کیا تھا کہ وہ بزرگ ہے یا اسے کوئی منصب حاصل ہے۔
۷۔ چونکہ ہدایات ملتی تھیں اس لیے ظاہر ہے کہ وہ کسی کام پر مامور تھا۔ اسے کچھ کرنا
تھا۔ کیا کرنا تھا؟ اس کام کا مجھے علم نہ ہوا۔ البتہ اس نے چمکن کے عالم میں کئی بار مجھے بتایا تھا کہ
اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو میرا حشر کیا ہوگا۔
تو شہاب سے میری دلچسپی صرف اسرار کی وجہ سے تھی یا اس کے عظیم کردار کی وجہ سے؟
میں اس کا احترام کرتا تھا۔
اگر وہ بزرگ ہو نہ یا بزرگ ہونا تسلیم کر لیتا اور مجھ سے کہتا کہ میری بیعت کر لو اور

ہے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔

میری بات سن کر وہ ہر خاموش ہو گیا۔
کتنے لگا مفتی صاحب آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ میں بھی آپ کا ہم خیال ہوں ایک عام
مسلمان اللہ کا بندہ بن کر جینے سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوگی مرتبہ نہیں۔
بے شک آپ ایک مسلمان ہیں، میں نے کہا، لیکن آپ عام بندہ نہیں ہیں۔ جو آپ میں
اس نے کچھ کنا چاہا، لیکن میں نے اسے چپ کر دیا۔
میں نے کہا شہاب صاحب، یہی لائیزوی بیٹے دیت دیڑی کرناؤں۔

اگر ایسا ہوتا

اگر شہاب ایک بار میرے سامنے تسلیم کر لیتا کہ میں ایک بزرگ ہوں تو ساری بات ہی ختم
ہو جاتی۔ میں اسے ایک بیابان لیتا۔ میرے دل میں اسرار کی حیرت نہ رہتی اور میرے اندر کے
داخل ور کو جاننے کا جذبہ نہ رہتا۔ اس کے برعکس میں کر میں سکون سے بیٹھ جاتا۔ یوں میری
زندگی کا رخ ہی بدل جاتا اور شاید اللہ ہماری گھنٹی کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔
مجھے شہاب سے صرف اس لیے دل چسپی پیدا ہوئی کہ اس کی زندگی میں پر اسرار باتیں
واقعہ ہوتی تھیں اور میں اس اسرار کا عید چاہتا تھا۔
ایک بار میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا بھی تھا۔
میں نے کہا، شہاب صاحب آپ کی زندگی میں یہ بائق الفطرت نوعیت کے واقعات
ہوتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے۔

مجھے نہیں معلوم، اس نے جواب دیا۔
ہوتے تو ہیں، باتیں نے پوچھا۔
ہاں شاید۔ آپ انہیں بائق الفطرت سمجھتے ہیں۔ میں بائق الفطرت کو ماننے میں۔
بزرگ لوگ جو کراہتیں دکھاتے ہیں، میں نے کہا۔
چھوٹی بات ہے، وہ بولا۔
اس کے بغیر لوگ انہیں مانتے نہیں۔

@Geraldine

بلائی کی وجہ اپنے اپنے شوق کی کوٹائی ہے۔

یہ بھی جب گورکھ دھندا ہے۔ مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں کوٹائی رہ جاتی ہے۔
شوق خیز ہو تو مجاہدہ کمزور رہ جاتا ہے۔ ان دونوں کو ہم آہنگ کرنا اپنے بس کا روگ تو ہے نہیں۔ چنانچہ مجبور ہو کر ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔
جہاں محنت اور شوق دونوں اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ وہاں جغزی بے بسی کام آگئی۔

اپنی محنت کو شوق یا شوق سے محلات پر قابو پانے کی کوشش میں ایک قسم کا دعویٰ ہوتا ہے۔ عاجزی میں مجبوری اور صبر۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ اب چند ایام سے کچھ افکار محسوس ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ رو جاری رہے۔

اپنا جائزہ لیا تو اس اندرونی بندش کی وجہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی۔ پچھلے اگست میں جب واقعات نے پلٹا کھلیا اور صبح شام مری کا آنا جانا شروع ہوا تو جو نتیجہ نکلا اس میں خدا کی کوئی بہتری ہی تھی۔ زبان سے یہی کہہ دیا۔ لیکن دل میں میں کسی غصہ گوشے میں شکست کا احساس ہنسا رہا کہ آخر ایسا ہوا تو کیوں ہوا۔

پاکستان میں تو دعوتوں، دوستوں، عزیزوں کے بیگانوں میں یہ احساس دیا رہا لیکن یہاں کی تبدیلی اور دفتر کے عالم بے کاری نے اندر ہی اندر اس احساس کو ہوا دی۔ خدا کی طرف سے بہتری کا انتظام ایک طرف۔ اندر ہی اندر یہ احساس شکست و مایوسی دوسری طرف۔ اس تضاد اور تلخ میں دل و دماغ اور روح کے لیے جو جو بند نہ بند ہیں وہ کم ہیں یہ تضاد ایک قسم کا کفرانِ نعمت تھا۔ شکر ہے کہ اب یہ بات سمجھ آگئی۔ چنانچہ اب میں نسبتاً بارش محسوس کر رہا ہوں۔ اب انشاء اللہ جلد ہی لکھنا بھی شروع کر دوں گا۔

۵ جون ۱۹۸۰ء کے خط میں قدرت اللہ نے لکھا۔

میں اب ہر دن اپنے پروگرام میں لگ گیا ہوں۔ پچھلے چھ ماہ گویا (IN TUNING) کا عرصہ تھا۔ اب کہیں جا کے FREQUENCY کی

(WAVE LENGTH) کا کچھ کچھ سراغ ملے گا ہے۔ دعا کرتے بھی رہیں اور بھائی جان اور سائیں صاحب سے کرواتے بھی رہیں۔

اس چھ سینے میں تزکیہ نفس کی سہ لا حاصل بھی کی۔ نفس تو مونا ہی رہا لیکن جسم ضرور پٹا ہو گیا۔

تقلیل طعام، تقلیل مقام، تقلیل کلام اور تقلیل کام کا ملوسم سمجھنے کی ضروری بات کوشش کی چنانچہ اب تک ۱۹ پانچ دن گھٹ چکا ہے۔ دینہ ذبح کر کے ساڑھے نو سو روپے کیسے میں ڈال کر سامنے رکھیں تو صبح اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر بے کار ہو رہا اتر گیا ہے۔

دعوت سے کتنا تو محال ہے لیکن ذوقا یعنی اندازہ لگتا ہے۔ انشاء اللہ

اگلے سال ارض منور کی زیارت نصیب ہو گی۔ قیام طویل ہو یا مختصر ہر صورت میں آپ کی شراکت کا اہتمام بھی ضرور ہو گا انشاء اللہ۔

یہ خطوط میرے لیے حیران کن تھے۔ مجھے بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ شاب صاحب لیں تزکیہ نفس میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی زبردست کو بکلی سرزد ہو گئی ہو۔ جس کی وجہ سے پراپتیت کرنا ضروری تھا۔

لیکن میری دانست میں کوئی کوٹائی تو نہ ہوئی تھی۔

ہوا صرف یہ تھا کہ صدر ایوب نے بیرونی اور شاید اندرونی دباؤ میں آکر شاب کو حکومت کے معاملات سے الگ کر دیا تھا۔

ذاتی طور پر شاب کو حکومت یا عہدے سے دلچسپی نہ تھی۔

ایڈووکیٹ فقور صاحب تو برہنہ کر رہے تھے کہ شاب کا حکومت سے الگ ہو جانا ملک کے حق میں نقصان دہ ہے۔ خود صدر صاحب کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاب صاحب کی حکومت سے وابستگی ملک کے لیے باعث برکت ہے۔

بھائی جان بھی شاب کی علیحدگی پر غور مند تھے۔ سائیں کرم دین کہتے تھے صدر نے شاب کو الگ کر کے اپنے پاؤں میں خود کھلاڑی ماری ہے

شاب نے پاکستان سے روانگی سے پہلے ہم سب سے کہا تھا کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا

ہے۔ جب پاکستان کا آئین بنایا تھا تو اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔ اس پر شباب نے مدح و تحسین کا اعلان کیا اور مائیں بی بی غوثی سے پھرے نہیں سارے تھے۔

پاکستان کا اسلامی جمہوریہ بن جانا بھی محض ایک اتفاق امر تھا۔ صدر ایوب اور اس کی کابینہ سیکرٹری مزاج کے لوگ تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اقوام عالم میں پورا قار حثیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کو سیکلر حثیت دی جائے۔

صدر ایوب نے پوری پوری کابینہ کے ہر رکن سے پوچھا تھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ ہر رکن نے سیکلر کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ آخر میں انہوں نے قدرت اللہ سے بھی پوچھا تھا۔ حلال کہ قدرت اللہ کابینہ کا رکن نہ تھا۔ لیکن صدر ایوب اتفاقاً قدرت سے پوچھا کرتے تھے۔

قدرت اللہ نے کہا تھا: مجھے اتفاق نہیں ہے۔ دنیاوی نقطہ نظر سے میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ اس پر صدر ایوب نے کہا تھا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں اور قدرت اللہ نے جواب دیا تھا کہ جناب میں مقرر نہیں ہوں۔ تقریر نہیں کر سکتا اگر آپ اجازت دیں تو میں کل لکھ کر اپنے دلائل پیش کر سکتا ہوں۔

اگلے روز کابینہ میں قدرت اللہ نے لکھ کر اپنے دلائل پیش کیے تھے اور حیرت کی بات تھی کہ ساری کابینہ نے قدرت اللہ کے دلائل کو تسلیم کر لیا تھا۔

ان سب باتوں سے یہ پتا چلتا تھا کہ قدرت اللہ کی دینی پاکستان میں غلبہ اسلام سے متعلق تھی۔

کوٹاہی

قدرت اللہ نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ صدر ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی طرف لائے۔ قدرت اللہ نے انہیں قرآن کریم کے مطالعے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ علامہ اقبال کے کلام کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن اس میں وہ پورے طور پر کامیاب نہ ہوا تھا۔ صدر ایوب کے سیکلر دلائل نظر کو بدل نہ سکا تھا۔

میری رائے میں قدرت اللہ کی یہی ایک کوٹاہی تھی، لیکن یہ کوٹاہی تو صدر ایوب کی تھی۔

ضروری ہے ان کی نگاہی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ ان کا رہنا ضروری ہے وہ لاکھ رکن ہے خدمت کر سکتا ہے۔ بھائی جان نے کہا تھا کہ 'شاب صاحب کے جانے کے بعد نفسا نفسی ہو جائے گی۔ ہم سب کے حصے میں آئے گا پھر جب زندہ دار لوگ نکل دیئے جائیں گے۔ پھر جب شاب صاحب ایوب سے خدا حافظ کئے جانے والے تھے تو لاہور سے غفور صاحب فون آگیا تھا۔ غفور نے کہا 'آپ صدر ایوب سے آج نہ ملے۔ میں آ رہا ہوں۔ ذہنی بات کروں گا۔ آپ صدر صاحب سے اظہار غارتگی نہ کیجئے' بات بہت اہم ہے۔

شام کو غفور صاحب آگئے۔ پتہ نہیں۔ انہوں نے شاب سے کیا کیا باتیں کیں۔ مجھ سے ملے تو کہنے لگے 'شاب صاحب کا باہر جانا ضروری ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے شاب صاحب سے کہا تھا کہ باہر چلے جائیں یہاں نفسا نفسی کا طوفان آنے والا ہے، لیکن وہ نہ گئے اگرچہ اب دیر ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی ٹھیک ہے۔ ملک کے وسیع تر مفاد کے لیے ضروری ہے۔ انشاء اللہ انہیں چند ماہ کے بعد واپس بلا لیا جائے گا۔ پھر ان کی حثیت زیادہ پر اثر ہوگی۔

میرا اندازہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اگرچہ وقت کے متعلق صرف اللہ کی ذات کو علم ہے۔

شاب صاحب صدر سے ملے تو صدر نے کہا 'میری عارضی غلطی تھی ضروری ہے۔ جو جو کام تم نے ملک کے لیے کیا ہے، مجھے ایک ایک بات یاد ہے۔

صدر نے کہا 'شراب تم میری کمال کے بچے جاپتے ہو۔ جس میں نکلنے کے لیے پڑیاں توڑنی پڑیں گی۔

پاکستان

یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے مجھے یاد آتی ہیں۔ مجھ میں نہیں آتا تھا کہ اصلی بات کیا تھی۔ میں بری طرح سے کنفیوز ہو رہا تھا سوچا کہ پاکستان کو اپنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ چوں کہ اسلامی جذبے کے زور پر قائم ہوا ہے اس لیے اسلامی ملک ہے، لیکن اسلامی ملک تو دنیا میں بیسیوں ہیں۔ پھر اسے خصوصی اہمیت کیوں دی جا رہی

میں نے کہا "ضرور وہ اپنے کام سے آئے ہوں گے۔
 کہنے لگی "بیشک کام سے آئے ہیں۔ چلی اٹھ آتے ہیں۔ ایک رات رہتے ہیں۔ اگلے روز کام
 کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔
 میں نے کہا اب کی بار بھی کام سے آئے ہوں گے۔
 بولی "نہیں" وہ کہتے ہیں مجھے کوئی کام نہیں ہے میں تو صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا
 ہوں۔ کتب ختم کر کے واپس چلا جوں جگ
 کیا واقعی؟

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بزنس میں ہوئی جہاز کا کرلیہ خرچ کرے۔
 اپنا وقت ضائع کرے ایک کتب پڑھنے کے لیے۔
 ٹھیک ہے گنہگار کی عقل کو چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا ہے۔ لیکن ابلی تو ایک کچا گنہگار
 ہے۔ گنہگار کم۔ کم "احسن زیادہ۔"

حاتم طائی

پھر درخت "قدرت اللہ کے کردار کا ایک اور پھل سامنے آگیا۔ اس کا ایک خط موصول ہوا۔
 اس خط میں ایک چمک خروغ تھا۔ ساتھ ایک پرہ خاں میں چار آدمیوں کے نام اور پتے لکھے
 ہوئے تھے۔ ہر نام کے سامنے رقم لکھی ہوئی تھی۔ نیچے درایت تھی کہ ان لوگوں کے چوں پر
 نئی آرزو بھیج دیے جائیں۔ اس معاملے میں تہل کو کام میں نہ لائیں۔ ہر صورت میں انہیں
 یہ رقم پہلی تاریخ سے پہلے موصول ہو جانی چاہئیں۔ اگر مئی آرزو ایسوں سے کچھ بچ جائے تو
 اسے اپنے پاس نکالت کے طور پر رکھ لیں۔ اگر ڈالہ خرچ ہو تو مجھے واپس ڈاک اطلاع دیں۔
 اس نوعیت کے پہلے خط کو تو میں نے اہمیت نہ دی، لیکن جب ہر تیسرا خط اسی نوعیت کا
 موصول ہونے لگا تو میں حیران رہ گیا۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ خرچ کرنے میں قدرت اللہ خاصہ بخیل واقعہ ہوا ہے۔ خرچ
 کرنے میں وہ بڑا مہلک تھا۔

ایک دفعہ میں نے صفت سے شکایت کی۔ وہ بڑی کہنے لگی "جی نمائے گی کیا" پھر دے گی

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی آپ بیتی لکھوں جس میں اپنی کمزوریوں اور کمزوریوں کو
 سچائی سے بیان کر دوں۔ چوں کہ ان دنوں مجھ میں جرأت نہ تھی "اس لیے میں نے اسے جگ
 بیتی کی شکل میں لکھا تھا میرا خیال نہیں تھا کہ اس کتاب کو کسی قسم کی اہلی حیثیت حاصل ہوگی۔
 اشتقاق احمد اور پانو قدیر مجھ سے بہتر اہلی شعور رکھتے تھے۔ چونکہ انہوں نے باقاعدہ اردو
 ادب کا مطالعہ کیا تھا اس کے برعکس میں نے صرف انگریزی ادب پڑھا تھا "وہ بھی نفسیات کے
 حوالے سے۔"

پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ جب میں صدر گھر میں او
 ایس ڈی ہوا تو چک لالہ میں مجھے ایک مکان ملا تھا۔ وہ ایک ایک ڈیڑھ سال کے بعد ہمیں گھر
 لائن میں ایک کوآرڈر مل گیا۔ اس لیے ہم گھر لائن میں آگئے۔

دہاں آئے ابھی دو ایک دن ہوئے تھے کہ شام کے وقت پڑوسیوں کی لڑکی آئی۔ کہنے لگی۔
 کراچی سے میرے اکل آئے ہیں۔ انہیں سونے سے پہلے پڑھنے کی عادت ہے۔ اگر آپ کے
 پاس کوئی کتب ہو تو دے دیجئے "صرف رات کے لیے چاہیے کل وہ کراچی واپس چلے جائیں
 گے۔"

ابھی میں نے کتابوں کے ہڈل نہیں کھولے تھے۔ اتفاق سے علی پر کا ابلی کھلی پڑی تھی۔
 میں نے سوچے کچھ بغیر وہ کتب اسے دے دی۔

کیا واقعی

اگلے روز وہ لڑکی کتب واپس دے گئی۔ کہنے لگی "اگلے ساری رات کتب ہی پڑھتے رہے"
 سوئے نہیں۔

آٹھ دن کے بعد وہ لڑکی پھر آئی۔ کہنے لگی "کراچی والے اگلے پھر آئے ہیں۔ پہلے تو
 وہ کام سے آئے تھے اب کہتے ہیں "میں صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ مجھے وہ
 کتب دے دیں۔"

میں نے کہا "لی بی آپ کے کراچی والے اگلے کرے گی۔"

کہنے لگی "ان کا اپنا بزنس ہے۔"

راولپنڈی میں ہم تین چار سال اٹھتے رہے تھے، لیکن قدرت نے کبھی امام بری کی بات نہ

کیلے ہماری تو جتنی کڑواہٹوں کے بعد اس قدر قلیل رہ جاتی ہے کہ مشکل سے دہل روئی چلتی

[illegible]

انہیں اندر داخل ہونے نہ دیتا تھا۔ ذات سے بہت کر خواہشات پوری نہ ہوتیں تو یہی اسے دھکا
میں لگا تھا۔ قدرت اللہ نے پاکستان کے قیام اور استحکام کے متعلق صدر ایوب سے بڑی
امیدیں استوار کر رکھی تھیں۔

لیکن جب وہ صدر صاحب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ سامنے ہوتل اور گلاس رکے بیٹھے
ہوئے تھے۔

مجلد

پھولی کے انعام پر جب قدرت جانے لگا تو میں نے کہا چند ایک باتیں چاہتا ہوں۔
کیا جانا چاہتے ہیں آپ اس نے پوچھا۔

اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ سے دلچسپی ہے۔ دیکھیے شباب صاحب آپ میری
مقیدت کا ذائقہ اڑایا کریں۔

میں مذاق نہیں اڑاتا، وہ بولا، آپ عقیدہ ہالے عقیدت ایک پھولی چیز ہے۔

میں ایک چھوٹا آدمی ہوں، بڑبڑاتی ہوں۔ میرے اندر عقیدے کا غلغلہ تھا ہے۔ لیکن میری
مقیدت میں غلوں سے۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میری غلوں میری عقیدت کا ذائقہ
اڑائیں۔

میری بات اسے گئی۔ بری طرح گئی، بولا، ہاں پوچھئے۔ آپ کیا جانا چاہتے ہیں۔

ایک شرد ہے، میں نے کہا مجھے ٹالے نہیں۔

یہ بتائیے کیا آپ نے انڈیا، جاپان میں سفر کرنے کی کوشش کی تھی۔

ہاں، اس سے سرملٹ میں ملا دیا۔

اس لیے کہ آپ کو وہیں مجلد کر کے کامو قہ طے۔

ہاں وہ بولا۔

آپ مجلد کیوں کرنا چاہتے تھے۔

مجلد ایک دھولی ہے، وہ بولا، وہ آپ کو زمین پر پٹ پٹ کر دھو رہا ہے۔

میں اپنی شکست کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔

نے کبھی لام بری کی یا ان کے مزار پر جانے کی بات نہ کی تھی۔

یہ آپ کو نصیحت، لام بری کی حاضری دینے کی بات کیجئے سو مجھے، میں نے قدرت اللہ سے
پوچھا۔

کہنے لگا، جاپان میں اسلامی کتابوں کی دنیا بھر میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس لائبریری
میں بے شمار قیمتی مسودات ہیں۔ اشفاق سے ایک قیمتی مسودہ دیکھنے میں آیا، جس میں لکھا تھا کہ
لام بری نے فرمایا تھا کہ ہمارے علاقے میں ایک اسلامی شر آپد ہو گا، جو دنیا کے اسلامی ملکوں کا
مرکز بنے گا۔

وہ کلی کتاب کب کی لکھی ہوئی تھی میں نے پوچھا۔

وہ ڈھائی سو سال پہلے کی، وہ بولا۔

میری ہنسی نکل گئی۔

آپ فہم رہے ہیں۔ آپ کو یقین نہیں آیا کیا اس لیے پوچھا۔

یقین کی بات نہیں، میں نے کہا، اسلام آپد کی بات ہے جو اس وقت زیر حیر ہے۔

اسلام آپد کی کیا بات ہے اس نے پوچھا۔

اسلام آپد بنگلہ کا شہر ہے جس کی حیرتیں نہ اسلامی رنگ ہے، نہ پاکستانی۔

اسلام آپد نے لام بری اور ان کے نور پور شاہوں کو آؤٹ آف پورٹ قرار دے دیا ہے۔

اشفاق نے لام اور ان کی درگاہ پر شرم ساری محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام سڑکوں کو توڑ

دیا ہے۔ جو نور پور جاتی تھیں اور نور پور کو جانے والے ناگہوں کو اسلام آپد شرمیں داخل ہونے
کی اجازت نہیں ہے۔

وہ مسکرایا، کہنے لگا، بزرگوں کے ساتھ بڑے کھلے لوگ ایسا ہی بڑا کیا کرتے ہیں۔

قدرت اللہ کی رخصت کے دوران انکی ایک مجلس ہوئیں۔ انہیں کے گھر جلی وہ فہرے
ہوئے تھے۔ اشفاق احمد کے گھر مزار پر، دربار میں۔

یہ انوکھ کریم تھی کہ قدرت اللہ کو روک لیا جائے گا۔

قدرت اللہ کے کردار میں ایک بات واضح تھی۔ وہ ذاتی خواہش کو دل میں رکھنے سے

انکار کرتا تھا۔ سرسری قسم کی خواہشات آتی تھیں، اس کے دل کا دروازہ کھلتا تھا، لیکن وہ

آپ صدر ایوب سے بات کیوں نہیں کرتے؟ میں نے پوچھا۔

نہیں وہ بولا، اگر میں واپسی کے لیے کوئی تو ذات کا مسئلہ بن جائے گا، ذات کا مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہیں دینے ہی کریں۔

دینے مفتی صاحب؟ وہ بولا، اگر میں 'ول' کروں تو وہ مجھے بلانے پر خود کو مجبور نہیں کے، لیکن میں 'ول' کیوں کروں۔

پھر مس یوں

میں نے کہا یہ بتائیے کیا اب بھی بیگ میں چمکادریں بجز بڑاتی ہیں۔ میں 'وہ مسکریا' چمکادریں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

کس سوچ میں پڑ گئے آپ؟ میں نے پوچھا۔

بولا، پرانی بات یاد آگئی۔ آج سے آٹھ دس سال پہلے میں نے رمضان مبارک کی انائیسیوں کو جانگنے کا پروگرام بنایا تھا۔

میں موقع پر مس یوں کا فون کیا کہ 'لنچ میرے ساتھ کھاؤ نتیجہ یہ ہوا کہ روزہ نہ رکھا۔ اب روزہ ہی نہ رکھا تو رات جانگنے کی بات ہے مفتی ہو گئی۔ پچھلے رمضان ایڈن سٹائیسویں کو شب بیداری کا پروگرام بنایا۔ اسی روز فون آیا۔ مس یوں نیوڈارک سے ہل ہی تھی۔ کہنے لگی 'میں آ رہی ہوں' مجھے پیرس میں ٹیلے اور پھر اپنے ساتھ ایک لے جائیے میری والدہ میرے ساتھ ہو گئی۔

دس سال کے بعد بھر دی بات۔ مقدمہ سٹائیسویں شب کا پروگرام فتح کرنا تھا۔

کیا مس یوں کو اس بات کا شعور تھا؟ میں نے پوچھا۔

نہیں 'قدرت نے کہا' اس لیے ہماری کو کیا پتہ کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

کون استعمال کرتا ہے؟ میں نے پوچھا۔

ہاں میں 'کون' شرکی قوتیں اور کون۔

شرکی قوتیں آپ کو دہک کیوں بناتی ہیں۔

صرف مجھے ہی نہیں۔ کوئی بھی ہو، جو راستے پر چل نکلے جس کے پیچھے ہاتھ کاٹھڑ ہو۔

آپ 'ہاں' بھی مجاہدہ کر سکتے تھے۔

نہیں 'وہ بولا' میں کسی ایک باتیں ممکن نہ تھیں۔ یہاں کم کھانا کم سوؤ تو ممکن تھے کم ہونے ممکن نہ تھا۔ مجاہدے سے فرات بڑھ جاتی ہے۔ مجھے کلف پسند نہیں وہ ایک چھوٹی چیز ہے۔

فرات سے کیا ہوتا ہے؟ میں نے پوچھا۔

لوگوں کے اندرونی اوجھلے نظر آنے لگتے ہیں۔ جب مفت کا بھائی فوت ہوا تو مفت کو بڑا

مذہر ہوا۔

'ایک دن اتفاق سے میری نظر پڑ گئی۔ دیکھا کہ مفت کے اندر قصائی چمرا چکے گوشت کاٹ رہا تھا۔ مجھے مفت پر ترس آنے لگا۔

دیکھیے مفتی صاحب 'وہ بولا' مجاہدے سے کچھ نہیں ہوتا۔ باہر کی دنیا جیسے دینے ہی رہتی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تقدیر بھی وہی رہتی ہے 'بدلتی نہیں' صرف

زادہ نظر بدل جاتا ہے۔ دکھ دیکھا ہی رہتا ہے، لیکن اس کی دھار کھاتی نہیں۔ باتیں وہی رہتی ہیں لیکن باتوں کی وہ اہمیت نہیں رہتی۔ ذات سے اخراج ہو جائے تو واقعات اور اسامات پر حس

نہیں رہتے۔

میری زندگی عمل طور پر بدل چکی ہے اس نے کہا۔ یہی ہے ہم آہنگی زادہ ہو گئی ہے۔ ذات کٹنی پیچھے ہٹ گئی ہے۔ پہلے صدر ایوب نے کوٹھل سمجھ لیا تھا ملاح کہ وہ راستے کا ایک سنگ

میل تھا۔ اب وہ بات نہیں دی۔ اگرچہ پھر بھی مقابلاً صدر ایوب پاکستان کی جڑ کو کھینے کے بارے میں

سکھنے۔ دوسروں کی بہت اس میں زیادہ صلاحیت ہے۔ فکر کے سامنے بٹتے بھی لوگ ہیں 'ان

مب میں صدر ایوب بھرے، لیکن صدر میں دین اور فائدہ کا جذبہ بڑھ نہیں پایا۔ نقطہ نظر میں مزید وسعت پیدا نہیں ہوئی 'بلکہ محدود ہوتا جا رہا ہے' دنیاوی ہوتا جا رہا ہے۔ وہ عقلیت نہیں

برہی۔ جمہور کی بجائے ڈیڑے کی طرف رغبت ہو گئی ہے۔ ممکن ہے 'گناہات رکھتے ہیں مگر

ہو سکتے ہیں اللہ بڑا رحیم ہے

آپ کی واپسی کی کیا صورت ہے؟ میں نے پوچھا۔

کہنے لگا 'وہ صورتیں ہیں۔ تو قیومی شرائط پر مجھے واپس بلایا جائے۔ اور یا واپسی ایوب کے

بعد میں آئے گی

ان مطلق صاحب 'شاید آپ نے صدر صاحب کو مناسب طور پر نہ پایا ہو۔

بھائی جان آپ دیکھ رہے ہیں۔ 'ہاں' میں نے کہا 'راتوں رات علوم کا کلب بدل گیا ہے۔
اسلام کے بعد پہلی مرتبہ ہم نے محسوس کیا ہے کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے' لیکن بھائی جان 'صدر
صاحب کا رویہ عوام سے ہم آہنگ نہیں تھا۔

مطلق ٹھیک کہتا ہے 'وفاقی دلائل' صدر کی تقریر میں وہ جوش نہ تھا جو عوام میں دھڑکتا جاگ
اٹھا ہے۔

بھائی جان بولے 'بھئی ہم تو حکم کے پابند ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا
ہے' لہذا صدر کو توفیق عطا فرماتے۔

انواہیں یا خبریں

پیر انواہوں کا ایک وطن چل پڑا۔

اگر میں مقتدر کے دربار پر جا کر دوا کرکٹ اگر مجھ پر دھت طاری نہ ہوتی۔ اگر میں
بھائی جان سے عقیدت نہ پالیتا۔ اگر مجھے قدرت اللہ شہاب نے غے کا نوحہ نہ ملتا تو میں بھی ان
لوگوں کو انواہ سے زیادہ شیشیت نہ دیتا۔

جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ جو بات قدرت کے ظاہر اصولوں سے ہٹ کر ہوتی
ہے۔ جس بات کا سائنس کی لب میں تجزیہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کو کم دانش ور انواہ سمجھتے ہیں۔
جہاں کہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے کہ قدرت کے کچھ
امور ایسے بھی ہیں جن کا ہمیں اور ادراک نہیں ہے اور صرف چند دلائل ایسے ہیں جن کا سائنسی
لب میں تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ دانش ور ہر اس بات کو 'نہ' وہ سمجھ نہیں سکتے انواہ کہ کمال دیتے ہیں۔
بہر حال اب ان مشابہات کے بعد میرے لیے وہ انواہیں نہیں کہ خبریں تھیں۔
لاہور کا ایک مسٹ جو کبھی نہیں بولا خدا ور نے لوگ چپ لٹے کہ تھی 'کلی کچوں میں

جنگ

وفاقی کے خواب کے ایک پھٹے کے بعد بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اتنا ہلکا تھا کہ سارا پاکستان سناٹے میں آ گیا۔

چھ جنوری کی رات کو سارے لاہور کو جگا دیا گیا 'اعلان کر دیا گیا کہ ایشیائی بغض کی روپوش ہے
کہ کل صبح بھارت لاہور پر حملہ کرے گا۔ اس لیے لاہور کے عوام کو خبردار کیا جاتا ہے کہ قبائلی
بھگادو مکھڑوں سے باہر میدانوں میں نکل آؤ تاکہ ہم باری سے جانی نقصان نہ ہو۔ اس اعلان کو
سن کر لاہور والے ڈر کر پناہ لینے کی بجائے جہاز کے نعرے لگاتے گئے۔

لاہور پر بم باری ہوئی تو لاکھوں شہر قتل میں پناہ لینے کی بجائے چھتوں پر چڑھ گئے اور
بھارتی ہوا بازوں کو نکلے رکھنے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں میں کرنے والوں کے دلوں سے
میں عدم ہو گئی ہو اور پاکستان کی محبت از سر نو جاگ اٹھی ہو۔ چاروں طرف سے پاکستان کا مطلب
کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے گونج رہے تھے۔ پاکستان اور اسلام کا تعلق جو گرد آلود ہو چکا تھا
سے ابھر گیا تھا۔

پاکستانی افواج میں تو یہ جذبہ کبھی گرد آلود نہ ہوا تھا۔ ان میں شہادت کے لیے تازہ ترپ پیدا
ہو گئی تھی۔

جب صدر ایوب نے ریڈیو پر بھارت کے حملے کا اعلان کیا حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ
گیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ صدر ایوب بول رہے ہیں۔
ان کے انداز میں گہرا متحقی، انچاسا متحقی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے کھلے قہر قہر کاپ
رہے تھے۔ وہ جہاز کی بات نہیں کر رہے تھے 'جنگ کی بات کر رہے تھے۔ وہ مملکت خدا دلائی
بات نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ ملک کی بات کر رہے تھے ان کے لیے یہ اسلامی جوش نہ تھا۔

میں نے بھائی جان سے بات کی 'میں نے کہا 'بھائی جان ساری امیدیں جو میں نے صدر
ایوب سے استوار کر رکھی تھیں' خاک میں مل گئی ہیں۔ لگتا ہے وہ عقلیت جو پاکستان کے کسی
ایک سربراہ کو ملنے والی ہے 'صدر ایوب کے نصیب میں نہیں ہے۔

سب اللہ کے ہاتھ میں ہے 'وہ بولے 'وہ ملک ہے جو چاہے کرے۔ ہم تو اس کے چاکر ہیں'

پاکستان اور دعا

ہم نے قاضی صاحب سے عرض کی کہ پاکستان کے لیے دعا کریں۔ قاضی صاحب بولے 'مفتی صاحب میں آپ کے لیے دعا کر سکتا ہوں۔ دوسروں کے لیے دعا کر سکتا ہوں پاکستان کے لیے دعا کرنے کی میری کوئی حیثیت نہیں ہے پاکستان کے لیے بڑے بزرگ کلام کر رہے ہیں۔ میں تو اک جھوٹا آدمی ہوں۔ بڑے کلام بڑوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں بڑے بزرگ میدان جنگ میں پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں ورنہ یہ بے ہوتا کہ چٹڑی میں اوہم گرائے جائیں اور ان میں سے صرف پانچ بچیں۔'

مکرم بھر کر چلانے لگا لوگو! دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کیا عجوبے دکھاتے ہیں۔ ڈرو نہیں فتح ہماری ہوگی۔ سیالکوٹ سے آنے والے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سینکڑوں سفید گھڑ سوار دیکھے جو سفید وردیاں پہنے ہوئے تھے 'ہاتھوں میں کھواریں تھیں۔ کہتے تھے کہ ہم علقہ پر جا رہے ہیں۔ روزنامہ جنگ کو دیندہ منورہ سے خط موصول ہوا۔ لکھا تھا 'جس روز لاہور پر حملہ ہوا۔ اسی رات دیندہ منورہ میں مقیم دو افراد نے خواب میں دیکھا کہ حضور اعلیٰ مسلم گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ پوچھا حضور! اتنی جلدی میں کہاں جا رہے ہیں فرمایا 'پاکستان میں جلو کے لئے جا رہے ہیں۔'

۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں قدرت اللہ کا گانا جو انہوں نے ۲۰ کو لکھا تھا اس خط میں قدرت اللہ نے جنگ کے متعلق افسانہ خیل کیا تھا ملاحظہ ہو۔

آزمائش کا دور

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو فضل کیا ہے۔ وہ مقام شکر بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ہم لوگ جیسے جہولانہ کے مسلمان ہیں وہ تو ظاہر ہے۔ اس پر بھی خدا نے ہمارے فرائض ایمان کی لاج رکھا۔

آزمائش کے وقت جو غراؤ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ مسلط ہوتے ہیں۔ عداوت، 'میں' اس لیے ہن پر ٹھانے بنانا یا اسناد کے لیے ان پر کھینے کرنا مناسب نہیں۔ اصلی چیز تو تباہی ہے۔ اٹھنے کے علاوہ ایمان کی تباہی بھی۔

۲۔ افراد اور قوموں کی زندگی میں دعا بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لیے دعا کرتے ہیں، اور کچھ دلوں کے لیے 'یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہئے' ضروری اور موثر ہیں، لیکن کچھ دلوں میں غل غل۔ ایسے بھی ہیں جو مصلیٰ اللہ کی رضا کے لیے اس کی محبت کرتے ہیں، جب تک کسی ملک یا قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں، اس ملک پر مصیبت تو آنے سے، لیکن چاہی نہیں، دعا اور کوشش کریں کہ پاکستان میں ایسے لوگ ہمیشہ موجود رہیں۔

۳۔ ہندوستان کے تصور گند نہیں ہیں۔ بین الاقوامی منڈی میں بھی انصاف اور ایمانداری بہت کم پایا ہے۔ اس لیے ابھی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے ختم نہیں ہوا۔

قدرت اللہ اپنے خطوط یا بیانات میں سب سے کام لینے کا دعویٰ تھا۔ اس نے کبھی بڑھا چڑھا کر بات نہ کی تھی۔ اس کی بات غلط تھی، غیر ضروری تنبیہات کو قدرت اللہ حذف کر دیتا تھا۔

رہائی کے بل کو چھو کرنے کے لیے آیا تھا۔ دریا پر پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ دریا پر ایک عظیم جگہ چل رہی ہیں۔

ایک اور پائلٹ قیدی نے بتایا کہ ہم دو دریا پر حملہ کرنے آئے تھے۔ مصلح پائلٹ صاف تھا۔ حالات سازگار تھے لیکن جو نمی ہم دو دریا کا پچھتے تو پہ نہیں ایک گاڑھا ہادل کہیں سے آگیا اور اس نے دو دریا کو چھپا لیا۔

پاکستان کے صحافی اور لویہ جو مختلف محاذوں کا دورہ کر کے آئے تھے، انہوں نے بتایا کہ جس بھی بھارتیوں نے ہتھیار ڈالے، وہ مصلح غلط فہمی کی وجہ سے ڈالے چونکہ پاک فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن بھارتی فوج نے سمجھا کہ پاک فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔

سینئر فائر

جنگ ۶ جنوری سے شروع ہوئی تھی۔ ۲۳ کو سینئر فائر ہو گئی۔ سینئر فائر کے احکامات سن کر فوجی کمانڈر بہت سچے آئے، اس لیے کہ پاکستان کی فوجیں جگہ جگہ بھارت کے علاقے کے اندر دوڑ نک پش قیدی کر چکی تھیں۔ ان کے تشدد نظر کے مطابق سینئر فائر منظور کر لیا، سخت حفاظت تھی چون کہ سینئر فائر کا فیصلہ دہوکے تحت کرنا پڑا تھا۔

فٹور ایڈووکیٹ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جنگ میں میری ڈیوٹی سرگودھا پر لگی ہوئی تھی۔ میں نے نقصان ہونے نہیں دیا، اللہ احسان ہے۔

کہنے لگے: میں نے بروقت صدر صاحب کو خط لکھ کر بتایا تھا کہ سینئر فائر کے لئے دہوکے کا آپ جانتے رہے۔ اگر آپ کو حلیم کرنا پڑے تو بے شک منہ زبانی حلیم کر لیں۔ عمل کرنے میں تاخیر کریں اور فرض کیجیے سینئر فائر عملی طور پر کرنا پڑے تو صرف دو یا تین گھنٹے کا ہو، لیکن صدر صاحب نے اس چیز کے کسی حصے پر بھی عمل نہ کیا۔

بزرگوں کا خیال تھا کہ اس جنگ میں پاکستان کا پلہ ہماری تھا۔ پاکستان کو ٹیجی ادا ہو حاصل تھی۔ لیکن صدر صاحب میں ہندو بھلا نہیں تھا، اس لیے بات بن کر بھڑکنی۔

ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے سرہلو میں جب تک اسلام اور جملہ کے لیے ہندو نہ ہو گا کچھ نہ ہو سکے گا چون کہ پاکستان کی تمام تر اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔

اس کا کتا تھا کہ شدت اور جذباتیت روحانی دنیا میں DISQUALIFICATION بھی ملتی تھی۔ اس کے برعکس غفور صاحب مکمل کرپاٹ کر دینے کے عادی تھے اور ان کا انداز جذباتی تھا۔

غفور کا خط

غفور صاحب کا کتا تھا کہ یہ جنگ پاکستان کے لیے ایک دریں موقع تھا جو صدر صاحب کی بے حس کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔

۲۱ فروری ۲۰۱۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو ٹیک میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

”ہمارے حکمران طبقے کو یہ علم نہیں کہ ملک میں روحانی انقلاب آ رہا ہے جس سے صرف پاکستان اور ہندوستان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں درویشوں کی تعداد کثرت سے ہے یہی ایسے لوگ ہیں جو چشمِ دزدان میں ہندوستان تو کیا ان ملکوں میں انقلاب لا سکتے ہیں جہاں اسلام کا نام و نشان نہیں۔“

سبز دہلہ جنگ ہندو پاک کے واقعات کو اگر آپ غور سے مطالعہ فرمائیں تو انسانی عقل و فکر حیران رہ جاتی ہے۔

میرے بہت سے فوجی دوست کہتے ہیں کہ اس جنگ نے انہیں صحیح اور سچا مسلمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی اور نبی آخر الزماں کی کرم لولائی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اتنی شدید فوجی اور جنگی تعلیلیں کر کے فتح حاصل کی ہے۔ یہ جنگ درویشوں کی کمانڈ کے تحت روحانی انشی قوت سے لڑی گئی۔

تم بزدل ہو

۲۸ اگست ۲۰۱۱ء کو غفور صاحب راولپنڈی شریف لائے۔ مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر

۱۔ نہ میں ہی اصل تفصیل ملاحظہ کریں۔ خط نمبر ۷۱

UrduPhoto.com

آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا: ”کتنے گئے“ صدر ایوب سے ہم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ ”پس کہ صدر ایوب کے کردار میں کئی ایک خوبیاں ہیں۔ وہ ظلم نہیں، ٹیک نیت ہیں۔ لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں، خود پسند نہیں، ذاتی مفاد کے قائل نہیں، لیکن ”جہاں“ وہ سبیکدہ ہیں۔ ان میں اسلامی رتھان نہیں ہے اور وہ کچھ زیادہ ہی ریشل ہیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ قدرت اللہ انہیں گائیڈ کرتے رہیں۔ اب شہاب صاحب کے جانے کے بعد وہ چند ایسے لوگوں کے زیر اثر آ گئے ہیں جو انہیں صحیح مشورہ نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا اسی وجہ سے میری ڈاؤنی گئی تھی کہ میں انہیں باقاعدہ خط لکھوں۔“

غفور صاحب نے بتایا کہ جنگ کے بعد میں مکہ معظمہ میں تھا۔ مکہ شریف کے ایک کھڑپہ نے مجھے ایوب کے پیام سے پکارا۔ میں نے کہا میں ایوب نہیں ہوں، غفور ہوں۔ اس نے میری بات پر توجہ نہ دی اور مجھے ایوب کہنے پر مصراہ۔ پھر اس نے مجھے کچیاں دینی شروع کر دیں۔ بولا ایوب تم بزدل ہو۔ تم بھلو کر گئے، ڈرتے ہو۔ کافر سے جہاد نہیں کرو گے، بولو۔ غفور صاحب نے کہا میں نے اس واقعہ کی خبریں ذریعہ خط صدر پاکستان کو پہنچا دی تھی۔

بزرگوں کی مینٹنگ

پھر مکہ معظمہ میں بزرگوں کی ایک مینٹنگ ہوئی۔ اس مینٹنگ میں زیادہ تر بزرگ صدر ایوب کے خلاف تھے۔ دو جن ایسے بھی تھے جو صدر ایوب کے حق میں تھے۔ اور چاہتے تھے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔

غفور صاحب نے کہا کہ میں نے اس واقعہ کی صدر ایوب کو اطلاع دی۔ میں نے صدر صاحب کو لکھا کہ اگر آپ کو ان باتوں کا نتیجہ نہیں آتا تو فی الفور اپنا کوئی امر سمجھ دیجیے تاکہ وہ خود آکر دیکھ لے کہ یہاں نقصان کے خلاف ہے۔

غفور صاحب نے کہا انہوں نے صدر ایوب سے اپنا افسر بھیجنے میں بہت دیر کر دی۔ انہوں نے اعوان صاحب کو بھیجا۔ اعوان صاحب جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو میں وہاں سے آچکا تھا۔ غفور صاحب نے کہا کہ مکہ شریف سے آنے سے پہلے مجھے کہہ کے ایک بزرگ نے تعویذ دیا کہ ایوب صاحب اسے پتے نہ رکھیں۔ پاکستان میں آکر میں نے بہت کوشش کی وہ تعویذ صدر

لوگو کے عالم میں قلم اس صورت حال میں لکھنے کا سوال پیدا ہی نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے مگر ایسے ہوتا ہے کہ کوئی پرانی عادت یا نشہ جو آپ چھوڑ چکے ہوں، وقتوں کے بعد پھر سے آپ پر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کیفیت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وہ شیشہ ہائے سہ کشی کہ معلومت اسی میں تھی
جنہیں وہیں پرے پرے۔ وہیں کی غماک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہا ہوں میں

کبھی کبھار شیشے بھٹائے بھٹے پر ابلی حملہ کر دیتا تھا۔ وہ میرے دورِ دورہ آکر کھڑا ہو جاتا۔ مجھ سے کہتا: یہ تو کیا کر رہا ہے۔ یہاں سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یہ ظلماتی دنیا جس میں تو بی رہا ہے، یہ تجھے کبھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ یہ تیری دنیا نہیں ہے۔ یوڈنٹ بلاگ، نوٹ۔ تو تو خشکی پر رہنے والا ہے۔ کیوں خواہ خواہ ٹولہ مگرے پانٹوں میں غوطے کھا رہا ہے۔ تجھ میں بزرگ بننے کی خواہش نہیں ہے، ملاحیت نہیں ہے۔ تیرے کردار میں استقامت نہیں ہے پھر تو یہاں کس امید پر بیٹھا ہے۔ صرف اس لیے کہ اپنی CURIOSITY کی تسکین کر سکے۔ صرف جاننے کی خواہش کی تکمیل تو مقصد حیات نہیں بنائی جاسکتی۔ آج تجھے اس ماحول میں جیتے ہوئے دس گیارہ برس ہو چکے ہیں، لیکن روحانی دنیا کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جان سکتا۔

قدرتِ اہلہ شباب ایک وسیع سمندر ہے، جس کی نہ کوئی سمت ہے نہ کنہار۔ تجھے آج تک کچھ نہیں آیا کہ وہ کون ہے کس کام پر مامور ہے۔ چھوڑا ہے۔ اسے اپنا کام کرنے دے تو اپنا کام کر۔ تو تو ذات کا ابلی ہے۔ "ذاتِ دی کو بزرگزی، ہتھیاریاں مل جیے" چل کی غفلت کے در پر جا کر بیٹھ۔ یہی تیری اصلیت ہے۔ یہی تیری منزل ہے گزشتہ تین سال میں ابلی نے دو تین بار مجھ پر حملہ کیا تھا اور ایسے بھگدے وار کیا تھا کہ میں کئی دن ڈھمی پر بندے کی طرح تڑپ رہا تھا۔

بھائی جان سب میری عقیدت کمزور پاتی جا رہی تھی۔ اگرچہ دل میں ان کا احترام ہوں گا توں قائم تھا۔ مرنے والے کی خدمت میں میں باقاعدہ حاضر ہوا دیا کرتا تھا، لیکن دل میں اک خوف سا رہا کرتا تھا۔ بھائی جان کے الفاظ میں وہ بہت ڈانڈے ہتھے۔ طاقت ور تھے اور کوئی کمر برداشت



ملکسی مفتی
اپنے بے گانے



مفتی مفتی



مقبول قریشی



صباح مفتی



ڈاکٹر امانت مفتی



انجم نذیر واریٹ



امجد مفتی (بھائی)

اُس کرتے تھے۔ قدرت اللہ کا عظیم کردار اور وسعت دل کی وجہ سے میری زندگی کامرکزیں
ہو گا اور اس جذبہ عقیدت و ثبات کا مضرب ثل ہو گیا تھا۔

آ رہے ہیں

پھر ایک دم قدرت اللہ کی اُن کی خبریں آنے لگیں۔

دو ایک ممالوں نے مجھے بتایا کہ باہر کے اخبارات میں ان کے آنے کی خبریں چھپی ہیں۔

راجہ شفیع دودا دودا میراں آیا کئے گا شہاب صاحب واپس آ رہے ہیں۔

وائی نے مجھے فون کیا کئے اہلی یہ کسی خبریں سن رہا ہوں۔

میری سے بھائی جان کا ڈاکہ کر سننے میں آیا ہے کہ ستارا واپس آ رہے ہیں۔ اس کے
مطلق معلومات حاصل کر کے آ گئیں۔

سائیں کرم دین بولے "ایک" واپس آئیں گے" انہوں نے اُمیں حلق سے باہر بھیج کر
لال لعلی کی جی "اب بھگت رہا ہیں۔

میرے دوست شیر شاہ۔ کما مہارک کو شہاب صاحب آ رہے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ وہ
وزارت تعلیم کے سیکرٹری کی جگہ سے کام کریں گے۔

پھر فخر صاحب کا خط ہوا لکھا تھا

شہاب صاحب کی واپس آئی اشکات عینہ منورہ سے چھ ماہ پہلے جاری ہو چکے ہیں۔ کچھ
میں شمع آ رہا کہ وہ کیوں نہیں رہے۔ آنے میں کیوں تاخیر کر رہے ہیں۔

آخر میں قدرت کا خط موصول ہوا لکھا تھا "اشکان غالب ہے کہ ہم واپس آ رہے ہیں۔ اب
کی ہار شاید وزارت تعلیم تقرر آئی۔

لیکن قدرت اللہ کی آواز پہلے ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے میرے ذہن کا فیروزہ اڑا
کر رکھ دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ہل گئے۔ یہ کیا ہوا۔

یہ ۱۹۹۹ء کی بات ہے۔ ملازمت سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ میں نے سرکاری گھر نکالی کر دیا تھا
نور قریب ہی ایک مکان کرائے لے لیا تھا۔

اس مکان کی ایک سٹاپی سٹاپ پر تین کمرے تھے جن کے ساتھ ساتھ ایک لمبا برآمدہ



تسکینہ مصفیٰ



نور پرت



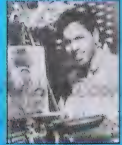
سویلا



فریدہ رحمانی



نقش اور نیو



عسکری تصویر بناتے ہوئے



لہذا اس کا ایسا حقا کہ عقل و خرد روحانیت کے لیے باعث تقویت ہیں۔

اس لیے میں قدرت اللہ کی آمد کا انتظار کرتے دکا۔

مکس کی زندگی عیش و فراز سے بھری ہوئی تھی۔

جب وہ دو سال کا ہوا تو اس کا باپ گھر بھڑک چلا گیا۔

جب وہ چار سال کا ہوا تو اسی عیش کے لیے چھوڑی جلی مٹی، پھر پاپ پتہ نہیں کہیں سے آ

گیا۔ وہ مکس کو اعلیٰ لگا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

نوف زوہ پچھ

اسے بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کئی کوئی چھوڑ جاتا ہے کبھی کوئی آ جاتا ہے۔ اسے لوگوں پر بھروسہ نہ رہا تھا۔

مگر میں صرف ابا تھے اور بوڑھی دادی اہل۔ وہ باہر کھیلنے نہ جاتا تھا کہ کہیں وہ دونوں اسے بھڑک نہ چلے جائیں۔

باپ سکول باسڑ تھا۔ جب وہ پڑھانے کے لیے سکول جاتا تو مکس ضد کر کے باپ کے ساتھ جانا نہ دیتا۔ جتنی دیر ابا پڑھاتا رہتا، مکس دیوار سے لگ کر کھڑا رہتا، جب ابا شاف روم میں جاتا تو

مکس ساتھ جاتا اور وہیں کرسی سے لگ کر کھڑا رہتا۔

مکس ایک اکیلا اور خاموش بچہ تھا۔

پھر گھر میں ایک اہی آگئی۔

یہ وہ اہی نہ تھی۔ پتہ نہیں کون سی اہی تھی۔ وہ اور بھی گمراہ گیا۔

۱۹۵۱ء میں جب وہ چھٹی آگے تو مکس کو اینٹ میری سکول میں داخل کر دیا گیا۔

جس گھر میں مکس پرورش پا رہا تھا، وہاں لکھتے تھے، کتابیں تھیں، پمپلین تھیں۔ باپ سارا دن پمپلن پر بیٹھ کر سکھاتا تھا۔ باپ کی ریڈیو دھرا ہوا جو ہر وقت چلا رہتا کیوں کہ ابا

موسیقی کے بغیر لکھ نہ سکتا تھا۔ گھر میں کوئی قانون نہ تھا اصول نہ تھا پابندی نہ تھی۔ گھر میں فریت تھی اور آزادی تھی۔

باپ کے چند ایک دوست تھے وہ سب بیڑی میں ملازم تھے۔ عمر تھا، مسعود تھا، مرزا تھا، ہوا

پہنہ کرتی ہے۔ دونوں آپس میں ملا کرتے تھے۔ پھر مکس کو پتہ چلا کہ گھر والے لڑکی کی شادی کر رہے ہیں۔ اس پر مکس ان کے گھر چلا گیا اور لڑکی کے عزیز و اقارب سے، جو فوج میں افسر تھے، بات کی۔ جواب میں لڑکی کے بھائی اور باپ نے مکس سے بد کلائی کی اور تحلیل کر کے اسے گھر سے نکال دیا۔ اس شاک سے مکس کے ذہن کا توازن قائم نہیں رہا۔

میں اس لڑکی سے مل چکا تھا۔

ایک اے کے بعد میں نے مکس سے صاف کہہ دیا تھا کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنا جین ساتھی خود تلاش کرو۔ تلاش کرنے کے بعد مجھے بتا دینا۔ پھر میرا کام شروع ہو جائے گا۔ اس کے لواحقین سے میں خود جا کر ملوں گا۔ ختمیں کروں گا، ہاتھ جوڑوں گا، اگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئے تو ہم لڑکی کو انوکھا کر لیں گے۔

ایک دن مکس میرے پاس آئے کہنے لگا، آپ فادر ہیں کیا۔ اگر فادر ہیں تو ذرا باہر آئیے۔ میں آپ کو اپنے ایک دوست سے ملانا چاہتا ہوں۔

جب میں ڈرائیگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ ایک بھرے جسم کی سنجیدہ چٹ کپڑی لڑکی تھی۔

میں نے زندگی میں چٹ کپڑی خواتین تو دیکھی تھیں۔ لیکن چٹ کپڑی لڑکی میں نے دیکھی تھی۔ لڑکیاں تو رنگ دار ہوتی ہیں، دھاری دار ہوتی ہے۔

چٹ کپڑی سفید اور سیاہ لباس پہنتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔ دراصل چٹ کپڑی سنگار کرنے میں درجہ مکمل حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ وہ اس انداز سے سنگار

کرتی ہے کہ تاثر "سلوکی" کا قائم رہتا ہے اور یوں نظر آتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔ کہتے ہیں کہ چٹ کپڑی کا ڈسپانی نہیں لگتا۔ اور وہ مہربان ہو جائے تو جنت میں جائے گی

آزاد نہیں رہتی۔

کئی ایک دن میں نے متوجہ نہیں گزارے۔ میں یہ جانا چاہتا تھا کہ آیا یہ محبت میں تحلیل کا نتیجہ تھا یا واقعی مکس کو کوئی مشاہدہ ہوا تھا، اس معاملے میں میرے حلقہ ارباب میں قدرت اللہ کے سوا کوئی شخص نہ تھا جو میری راہ فرما کر سکھ میرے جاننے والوں میں قدرت اللہ ہی ایسا مرد تھا جو روحانیت اور عقل و دانش کو ہم آہنگ سمجھتا تھا۔ میری طرح انہیں متعلق نہیں سمجھتا

ہر ایک روز ایک عجیب بات محل میں آئی باپ لکھنے میں مصروف تھا۔ بیڑو جل رہا تھا۔
 آواز غلی گیت ہو رہے تھے۔ نکسی چپکے سے آبا سے ریڈیو کی سوئی گھما کر راگ لگا دیا۔
 آپ نے حیرت سے نکسی کی طرف دیکھا۔ یہ کیا ہوا۔ پھر اسے خیال آیا کہ شاید مجھے خوش کرنے
 کے لیے نکسی نے پکارا لگا دیا ہے۔

ابن چند ایک دنوں میں بات محل کر سامنے آ گئے۔ نکسی کی بہنوں نے آپ سے شکایت
 لی کہ بھائی انیس فلمی موسیقی سننے نہیں دیتا، سوئی گھما کر راگ لگا دیتا ہے۔ باپ کو یہ سن کر
 ہلکی حیرت ہوئی، لیکن اس نے بات کو زیادہ اہمیت نہ دی، چونکہ نکسی کے ہمہ مدد خل اور طور
 طریقے سے یہ کبھی ظاہر نہ ہوا تھا کہ وہ ایک ذہین لڑکا ہے یا اس میں مفکارہ ساریت ہے۔
 اب میں وہ ایک میڈیا کر لڑکا تھا، بلکہ ایک لگتا تھا پیسے سے حس ہو۔

جب نکسی جو میڈیکسین میں پڑھا تو باپ نے فیصلہ کر دیا کہ سینٹ میری کول چھوڑ دے
 اور نیٹرکولیشن کی تیاری کرے۔ سینٹ میری کے ڈاکٹر برز نے نکسی کو سرٹیفکٹ دینے سے
 انکار دیا اور کہا کہ اپنے ڈیڑی کو میرے پاس بھیجو۔

ڈاکٹر برز نے کہا یہ بچہ میٹرکسین کرے گا۔

نکسی یہ بچہ میٹرک کرے گا، باپ نے جواب دیا۔

نکسی ڈاکٹر برز بولا، یہ میرا فیصلہ ہے۔

آپ فیصلہ کرنے والے کون ہیں، باپ نے پوچھا۔

میں اس کا ٹیچر ہوں، وہ بولا۔

میں اس کا باپ ہوں۔

آپ ٹیچر کی اہمیت کو میں جانتے، برز نے کہا۔

جانتا ہوں، باپ بولا، میں نے بارہ سال پہلے کو پڑھا دیا ہے۔

حیرت ہے، ڈاکٹر برز بولا کہ پھر بھی آپ بات نہیں سمجھتے۔

کوئی بچہ بھی بات نہیں سمجھتا، چوں کہ وہ کتبلی دنیا میں بیٹا ہے۔ مضر برز آپ بھی کتبلی دنیا
 میں بیٹے ہیں۔

بہر حال ہم اس بچے کا سرٹیفیکٹ اٹھ نہیں کریں گے، ڈاکٹر برز نے کہا۔

تھا، یوسف ظفر تھا، وہ اکثر گھر آ جاتے۔ آتے ہی بیٹھ جاتے، نعرے مارے، قہقہے لگاتے، مذاق
 اڑاتے یا تاش کی بازی لگاتے۔ ہارنے والے سے جہاد وصول کرتے اور جب جہاد کی رقم
 کافی ہو جاتی تو وہ نکسی کو لکھاتے اور اسے کلفڈ خریدنے کے لیے بازار بھیج دیتے۔ پھر نکسی
 منڈلی میں کلفڈ کی سروس کرتا، کہاں کی کر وہ سب نعرے لگاتے ہوئے بیٹھ چکا کرتے ہوئے چلے
 جاتے اور اب پھر سے پٹائی پر بیٹھ کر لکھنے لگتا تھا۔

چھوٹا

نکسی کا کوئی اپنا دوست نہ تھا، اس لیے وہ لپاکے دوستوں میں بیٹھا رہتا تھا۔ اسے لپاکے
 دوستوں سے سخت شکایت تھی کہ وہ اس سے سارے کام کرایا کرتے تھے۔ نکسی چائے لگاؤ۔
 نکسی پانی۔ نکسی تاش کھائے، لیکن انہوں نے کبھی نکسی کو دوست کی حیثیت نہ دی تھی۔ ان
 کے نزدیک وہ محض ایک چھوٹا تھا۔ کوئی ایک آواز کر باری باری سب سے ہاتھ ملاتا، لیکن نکسی کو
 چھوڑ دیتا۔ اس پر نکسی سخت احتجاج کرتا کہ اسے اہمیت نہیں دی، پھر جب نکسی کے احتجاج میں
 غم و غصے کا مظہر پیدا ہو گیا تو انہوں نے نکسی کو کچھ کچھ اہمیت دینا شروع کر دی۔

انہی دنوں نکسی میں بیداری کی پہلی کرن پھوٹی۔

اگرچہ اس کے باپ کو بچے راگ کی پہچان نہ تھی۔ موسیقی کے محقق صرف کتبلی علم
 حاصل تھا۔

..... نہ گئے میں راگ تھا نہ کان میں وہ خصوصی حس تھی جو موسیقار کے لیے از بس
 ضروری ہوتی ہے۔ لیکن ایک بات ضرور تھی۔ پکارا گن کر اس کے باپ پر ایک عجیب سا بے
 یام اثر ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جب بھی لکھتے بیٹھا ریڈیو پر موسیقی لگاتھا، کوئی ایسا شیش جہاں
 سے ایسا گانہ شروع ہوا تو اس میں بچے راگ کی آمیزش ہوتی۔

UrduPhoto.com

پہلی بیداری

نکسی کو اس کی دونوں بہنوں کو بچے راگ سے چڑ تھی۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ شیش
 جہاں دیتا اور ایسی جگہ ریڈیو لگا دیتا جہاں سے قہقہے لگنے شروع ہو رہے ہوتے۔

ٹھیک ہے، باپ نے کہا کل سے کسی سکول میں آئے گا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے میٹرک لیٹن پاس کر لیا۔
اس زمانے میں باپ کی زندگی میں انقلاب آیا تھا اور وہ مرد قلندر کے مزار پر جانے لگا تھا۔
کسی بھی اس کے ساتھ باقاعدہ مزار پر حاضری دیتا تھا۔ راجہ شیخ نور دانی اس کے دوست بن گئے
تھے اور بھائی جان اس پر شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ پھر وہ کراچی چلے گئے۔
حلقہ بٹالوں کا۔

چند ایک ماہ کے بعد راتے ایک رہے، پھر ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے باہر ایلی
لگائے کیوس پر چاقو سے رنگ توپ رہا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ظاہر تھا کہ وہ وہاں خانے
کا بڑا ہے۔

تصویر بنا رہے ہو، میں نے پوچھا۔

ہاتھ آزمایا ہوں، وہ بولا۔

میں حیران ہوا، یہ لڑکا موسیقی سے پیشگیب کی طرف کیسے آگیا۔

پانچ چھ مہینے وہ ہاتھ آزمائے میں لگا رہا اس دوران میں گھر میں سات آٹھ کیوس آکٹھے
کئے، کمزوں کا ایک ڈھیر، درختوں کا ایک جھنڈ، قلعے کا بیوی منظر، مری کا شہر و صوب چٹھاؤں میں۔
مری کا لینڈ سکیپ، قدرت اللہ شہاب کی بیوی ڈاکٹر عفت کو اس قدر پسند آیا کہ وہ انکار کر
نے لگی۔

پھر وہ کسی سے کہنے لگی، چھوڑ لاؤ، کوئی اے ایم اے میں کیا رہا ہے۔ آؤ ہم طرا
بہشت نگر کا روپار کرتے ہیں۔ تو تصویریں بنانا چاہیں چٹائی جاؤں گی۔ تبھی اس تصویر کو بڑا
کر بت سی میری لئے والیاں خرید رہی تھیں۔ پانچ سو روپے میں ایک تصویر بچوں کی۔

پھر دھنا، پیشگیب کرنے کا تھار اتر گیا اور کسی کاغذ کی لیکسٹو میڈیم میں حصہ لینے لگا۔
DECLAMATION پھر بحث۔ پھر وہ کرکٹ کھیلنے لگا اور کوکلی گیند بچھکنے میں خاصی شہرت
میں پھر یہ فٹس کیا ہوا۔ دھنا، اسے سٹیج پر لے کر گھن گئی اور اس نے کئی ایک ماہ کی
کے بعد ایک پبلک سٹیج پر لے کر ڈالا۔

اسٹیج پر لے کے بعد اس کی توجہ آڈیو اور ویڈیو کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ سارا سارا
کباڑیوں کی دکانوں پر جگ میں پرندوں کو تلاش کرتا اور پھر آکر مجھے کہتا ہو، جڑاروں کا دیکھا۔

طبلہ

کراچی میں کسی باپ کے ساتھ دلچ ایڈ کے دفتر میں چلا جاتا دفتر میں ساز تھے، پربیکڑے،
کیرے تھے، ٹیپ ریکارڈر تھے، اندر بیڑھا تھا، لیکن انشا تھا اور حقیقت چاندھری تھا۔
دفتر کے باہر قیصر تھا، جس کے ساتھ باپے چٹا دولوں سارا دن کراچی میں آوارہ گردی کرتے
تھے۔ شام کے وقت اندر بیڑھے گھر محفل موسیقی لگتی تھی۔

پیارنگ سے شدہ موسیقی سن کر کہتے نہیں کیا ہوا۔ ایک روز جب طبلہ نہ آیا تو کسی
نے انکار طبلہ بھانا شروع کر دیا۔ یہ ایک حیران کن بات تھی۔

کسی کی ملاجیت کو دیکھ کر پیارنگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کسی کو طبلے کے متعلق
ترتیب دینا شروع کر دیا۔ چھ مہینے کسی طبلہ بھانے کے محفل میں لگا رہا، پھر اس نے طبلہ بھانا
چھوڑ دیا۔

ایک دن میں نے پوچھا، تم نے طبلہ بھانا کیوں چھوڑ دیا کہنے لگا، ابو طبلہ بھانا مقصود نہ تھا۔
تک کہتا بھانا تھا سو سمجھ گیا ہوں، تلک کا بھید مل گیا ہے، اور وہ اندر دھج رہی ہے۔ بس یہی کہا
تھا اب طبلہ بھانا وقت ضائع کرنے کے برابر ہے۔

پھر کراچی سے ہم واپس پٹنڈی آئے اور کسی گاڑوں کاغذ میں داخل ہو گیا۔
اس کے بعد کسی میں ایک تبدیلی واقع ہوئی۔ پہلے وہ سارا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔

اب زیادہ وقت گزرتا ہے، کراچی کے گزرتا ہے۔

پیشگیب

ایک روز میں نے پوچھا، آج کل کیوں رہتے ہو۔

اٹھے کہوں سے پاس ہو جاتا تھا اور پڑائیں حاصل کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا ابو احسان نہ تو ملاحظہ
 سے پاس ہوتا ہے نہ محنت سے۔ احسان سوچہ بوجہ کے زور پر پاس ہو تا ہے۔
 ایک سال کے بعد ملکی میرے پاس آیا کئے گا ابو میں نے سی لائیں کی تیاری مکمل کر
 لی ہے۔ میں ابھی پڑائیں حاصل کروں گا۔
 بڑی خوشی کی بات ہے میں نے کہا۔
 لیکن وہ بولا میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھو۔

کئے گا کیا یہ ضروری ہے کہ میں سی لیں بیٹوں۔
 میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور کہا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم عزت کی نوکری
 کرو۔

ابو میں سی لیں ہی کو عزت کی نوکری نہیں سمجھتا۔

میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میں سی لیں ہی بیٹا نہیں چاہتا وہ بولا۔

تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں نے پوچھا۔

اس لیے اس نے جواب دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں محنت سے ہی چراتا ہوں۔ اب
 فیصلہ آپ پر ہے اگر آپ چاہیں کہ میں سی لیں ہی بیٹوں تو میں احسان، دول کا در نہ نہیں۔

میرا الیہ یہ ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو یہ خوش فہمی دے رکھا ہے کہ میں وسیع القلب
 باپ ہوں اور ان کی رضامندی کے بغیر کوئی بات ان پر ٹھوسا پسند نہیں کرتا۔

بسر میں اس روز میرا بی بی چاہتا تھا کہ فرائز دلی کا وہ ڈھونگ چاک ہل کر کے دول لیکن
 مجھ میں جرأت نہ ہوئی۔ میں نے بیٹے پر جبر رکھ کر کسی سے کہا کہ کوئی ان نہیں۔ اگر تم سی لیں
 ہی کو عزت کی نوکری نہیں سمجھتے تو نہ کسی ٹھیک ہے۔

ان دنوں ملکی کی کئی ایک سیلیوں تھیں یہ نہیں وہ اس کی بی بی تھیں دوست تھیں یا
 محبوبائیں تھیں۔

میں نے ایک دن کسی سے کہا کسی اب تجھے شادی کر لینی ہے بہتر ہے کہ تو اپنا جیون

تیمیں میں یک رہا ہے اور ابو کہا ہے کہ پتہ ہی نہیں کہ اس کے جبک میں کچھ ساڑھ سسکم چلا
 ہوا ہے۔ جو کوڑیوں کے مول بک جائے گا۔ اس زمانے میں ملکی نے شہت سے محسوس کیا کہ
 اس کا باپ ایک غریب آدمی ہے اور وہ ایسی چیزوں کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کے
 باوجود مگر میں نے ایک شخصیں آگئیں دیکھا اور انیس ڈیڑھ لاکھ چیک کر۔
 پھر ایم اے میں تعلیمات کے پرنسپلز کے لیے اسے چاہا کہ لے لاہور گورنمنٹ کالج میں
 جاتا پڑا۔

چھ ماہ وہ اشفاق اور باؤ کے گھر رہا وہاں اس نے اشفاق سے بہت کچھ سیکھا چونکہ اشفاق
 کی جملہ قابلیتوں میں مستری کی قابلیت بھی موجود ہے۔ وہ مشینوں سے کھیلتا رہا ہے۔ بڑے پیار
 سے انہیں ہاتھ لگاتا ہے۔ اپنے بیٹوں سے کہتا ہے 'خالوں اس منشی سی جان پر کیوں ظلم کرتے
 ہو۔ دیکھتے نہیں کہ وہ اتنی سی ہے لیکن اتنا بڑا کام کر رہی ہے۔

باؤ نے ملکی کے گرد متا کے ڈھیر گود دیئے اور اسے لت پت کر دیا۔ اشفاق کے گھر نے
 ملکی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

پھر وہ گاؤں کالج میں پیکرار ہو گیا۔

سی لیں بی

انہی دنوں میں نے ملکی سے کہا ایک بات باؤ کے۔
 کئے گا کہیے۔

میں نے کہا پہلے وعدہ کرو کہ تم زندگی بھر گورنمنٹ کی نوکری نہیں کرو گے۔

کیوں اس نے پوچھا۔

اگر گورنمنٹ کی نوکری کرتی ہے تو سی لیں الیں الیں کرنا لازم ہو گا سی لیں الیں کے بغیر
 گورنمنٹ کی نوکری کرنا ہے مرنی ہے۔

اچھا وہ بولا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں سی لیں الیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ سی لیں
 الیں کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

ملکی کو ملاحظہ عاشق نہ تھا لیکن اسے احسان پاس کرنے کا اگر آتا تھا نتیجہ یہ کہ وہ بیٹھ

© Oneurdu.com

ملک کا مضر موجود نہیں ہے، محبت کا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کسی روز اگر آپ کے میاں کی آزادی ترقی نظر مجھ پر پڑ گئی تو میں پانگوں کی طرح بازاروں میں گھوم پھر رہا ہوں گا، چڑا سو جا ہو گا، منہ سے دال نکھ رہی ہو گی۔

میں نے یہ سب

ساتھی خود تلاش کرے، مجھے اس کا بیج دے دے باقی میرا کام۔

اس کے کچھ دیر بعد وہ چٹ کپڑی کو گھر لے آیا اور مجھ سے کہنے لگا: ابو اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے ایک دوست سے مل لیں۔

میں نے اس کے

رہی۔ بس خلا میں تنہا ہوا ہوں اور خود بھی ایک خلا ہوں۔

سکیمبر

پھر یہ خلاصہ میر نگیب کی آمد پر ہو گیا۔

میر گیب ایک مصری نوجوان تھا، خوش شکل رنگین مزاج فہم کھ۔ وہ یونیورسٹی کا ایک ایکسپرنٹ تھا۔ جسے پاکستان کے لوگ گیت اکٹھے کرنے کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا۔

یونیسکو وزارت تعلیم سے اکثر مطالبات کیا کرتی تھی جو کالعدمی لومیت کے ہوتے تھے اور جنہیں پورا کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یونیسکو کالوں ایک بیچے جانے آئی کو لوک گیت جمع کرنے کے لیے بھیج دیا ایک غیر معمولی بات تھی۔

وزارت تعلیم کو کیا پتہ کہ گیت کیا ہوتا ہے؟ سر کیا ہوتی ہے؟ تال کیا ہوتی۔ میر بجیب کی آمد پر فن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

بہر حال انہوں نے سمیر کو انٹرکین میں قہر ادا کیا۔ بولے، ہم چند روز میں لوگ گیٹیوں کا انتظام کر دیں گے، آپ انتظار کریں۔

دیر تک وہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ پھر آگے کے باہر نکل گیا۔ کسی سے گیتوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے چاروں کا پتہ دے دیا۔ میر گیب کو چارے بہت پسند آئے وہیں شریعت کی جھلک تھی۔ دو مہینے میر گیب پائیوں سے گیت سنتا اور چٹکیاں بجاتا رہا۔

پھر کسی نے میر کو بتایا کہ یہ گیت تو چہارہ گیت ہیں لوک گیت نہیں ہیں۔ اس کا دل ٹوٹ گیا وہ سیدھا سیکر ٹری تعلیم کے پاس پہنچا۔

لوک ورثہ

اتفاق سے ابن دلوں قدرت اللہ پکڑی تعلیم تھے۔ انہوں نے عکس کو سمیٹنا معلوم مقرر کر

تھکی نے میر کبک کو ابھیلا کہ بھائی پاکستانی لوگ میت آٹھے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔
لوگ گت ہاتھوں کے جھاڑوں میں، نہر، چلنے والے، آرٹ گاڑ لیا، چلنے والے، شہر، جمع

انے کے لیے بھی گھڑاں گھڑاں گھومتا پڑے گا! ان گھڑاں جو شہروں سے دور واقع ہیں! جن پر ابھی شہری اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ وہاں جانے والے مقامی لباس پہنتا ہو گا اور ٹرک انہوں میں قیام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

آنحضرت کی سیر تکب کو فرنگ و تارہا۔ انگل کے ایک پھرت کے لیے یہ ایک انوکھی
فرنگ تھی۔

پھر وہ دونوں سندھ، بلوچستان، قمبر، کرکھر اور راجہ کے دورِ اقدار گھاؤں کی جانب نکل گئے۔ جہاں مظلوم پاکستانی کھجور مغرب زدہ شہروں، کلاں آباد اور بدینے کے حلقے سے ابھی بچا ہوا بچا ہے۔ جہاں لوگ ساز و آوازوں پر دھنکے کرا رہے ہیں۔

پتہ نہیں تھکی سنے وہاں کیا دیکھا۔ ہر سال چند مہینے کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس پر لوگ روئے گا جنہوں سوار تھا۔ چیکو سلا کیہ میں اس کی پانچویں کا مرکز مقلد تھا اب لوگ روئے ہو گیا۔

جہانگیر

عکس کا ایک لنگوئیہ دوست تھا۔ جمائگیر۔

جائیکر ایک کمزور بچہ تھا۔ بچپن سے ہی اسے لگتی تھی کہ اس کا بچپن اور جوانی اس بیماری کے خلاف مسلسل جدوجہد میں گزر رہے۔

جناغیر والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اس کے والدین آج سے والہانہ محبت تھی۔ میں نے زندگی بھر اس قدر پیار کرنے والے والدین نہیں دیکھے، جتنا گیسو پیار ان کا واحد مقصد حیات تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے ہڈی سے ہڈی قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

اس کی آنکھوں سے بشارت کے چھپٹے اڑتے رہتے۔ اور وہ ہر وقت جذبہ محبت سے

جھلکتی رہتیں۔ اس کے انداز میں ایک بہانہ تازگی تھی۔ مزاح کی حس تھی اور خدمت کا جذبہ تھا۔

جہاں تکیر بھی عام نوجوانوں جیسا نہیں تھا۔ اس کی فہمت میں عین صلاحیتیں نمایاں تھیں۔

میں کوئوں سے پوچھتا ہوں 'یہاں کوئی تعزیر ہو رہی ہے۔

وہ کہتے ہیں 'تم دیکھ نہیں رہے سامنے تخت بچا ہے۔

یہاں تاج پوشی ہوگی۔

کس کی تاج پوشی۔

وہ جواب دیتے ہیں۔ جن کی تاج پوشی ہوئی ہے۔ وہ ابھی نہیں آئے

اتنے میں پہنچ پر ایک شخص نمودار ہوتا ہے۔

یہ کون ہے 'میں نے ان سے پوچھتا ہوں۔

یہ اس تعزیر کا ناظم ہے وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ آنے والے بادشاہ آج پہناتے گا۔

پھر وہیں دیکھا ہوں تو ناظم نے دونوں ہاتھوں میں تاج اٹھا رکھا ہے۔ اوسے

سے میری چٹخ نکل جاتی ہے۔ یہ تو قدرت اللہ شہاب ہے۔ ساتھ نہایت آنکھ کھل جاتی

بڑا عجیب و غریب خواب ہے۔ میں نے کہا۔

ایسا خواب مجھے کبھی نہیں آیا۔ مقبول نے کہا۔

تم قدرت اللہ کے حقیق سوچتے رہتے ہو گے 'میں نے کہا۔

قلبی نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ میں انہیں سرسری طور

پر جانتا ہوں۔

مقبول قریشی میرا دلدادہ ہے۔ میری بڑی بیٹی سویرا کی مقبول قریشی سے شادی ہوئی تھی۔

جب اس کی چاندی سے شادی کا پیغام آیا تھا۔ ان دنوں وہ سی۔ اے کی ٹینک حاصل کر رہا

تھا ان دنوں قدرت اللہ شہاب ملک سے باہر تھے۔

میں نے انہیں خط لکھا جس میں مقبول قریشی کے کو ایک درج تھے اور ساتھ ہی ایک نوٹ

کرافٹ ملوف تھی۔

قدرت اللہ نے جواب دیا کہ میں نے مقبول قریشی کو غور سے دیکھا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ ابھی

آدی ہے اور انشاء اللہ موزوں رہے گا۔ آپ معاملہ میں چھوڑیں اور مقبول قریشی کا پیغام منظر

کر لیں۔

مقبول قریشی ایک خوش مزاج خوش پوش نوجوان تھا۔ اس میں مزاج کی حس موجود تھی

لیکن بنیادی طور پر وہ ایک عقیدہ اور عقیدہ نوجوان تھا۔ سو اگلے کو پہننے کرتا تھا۔

انکوائس میں ہونے کی وجہ سے وہ جذباتی رویے کا حامل نہ تھا۔ وہ بڑی صریحی کو پہننے

کرتا تھا۔

مقبول قریشی عام طور سے خواب نہیں دیکھا کرتا تھا۔

نہ چاہتے کے نہ سوتے کے۔

ایک روز وہ سخت گھبرا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا 'میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا

ہے۔ عام طور پر مجھے خواب نہیں آتے۔ کبھی کبھار آتے بھی تو وہ بامعنی نہیں ہوتے۔

کنفیوزڈ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خواب بالکل واضح تھا۔

میں نے پوچھا۔ کیا دیکھا تم نے۔

بولتا۔ دیکھا ہوں کہ ایک بہت بڑا جھوم ہے۔ وہ سب کسی تعزیر پر جا رہے ہیں۔ ان میں

بڑا جوش و خروش ہے۔ میں بھی اس جھوم میں شامل ہو جاتا ہوں۔

ہم در یک چلتے رہتے ہیں۔

آخر ہم ایک بہت بڑے عظیم الشان قلعے میں پہنچتے ہیں۔ قلعے کے اندر داخل ہوتے ہیں۔

ایک بہت بڑے ہائی کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ سامنے ایک اونچا

سیج بٹا ہوا ہے۔ اس پر ایک تخت بچا ہوا ہے۔

دوسری شادی

شہزاد کی وفات کے بعد میں دوسری شادی کرنے کے حق میں نہ تھا۔ مجھے کثرت ازدواج سے نفرت تھی، چونکہ میری زندگی والد صاحب کی کثرت ازدواج کی وجہ سے تباہ ہو چکی تھی۔
 اسی نے مجھے دوسری شادی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسی کتنی تھی۔ دیکھو ممتاز بے شک اپنے لیے دوسری شادی نہ کرو، لیکن اس بچے کی طرف دیکھو۔ کیا بچہ اکیلا تنہا لاوارث دنیا گزارے گا اسے مگر نصیب نہ ہو گا۔ مجھ پر بھروسہ نہ کرو، میں تو جانے والی ہوں۔ قہر بڑا نہیں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ اس بچے پر رحم کرو۔
 شادی سے پہلے میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس روز میری بیوی نے نکاح سے بدسلوکی کی، اسی روز میں علیحدگی اختیار کر لوں گا۔ میری بیوی اقبال بیگم کا پر مجھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے گھر میں سوسیلٹی پر احساس تک نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جب اس کی اپنی بیٹیاں بڑی ہو گئیں تو ایک دن اس کی کوہنوی میں میرے منہ سے نکل گیا کہ جب نکاحی کی ہاں فوٹ ہوئی تو۔

ٹریکیں یہ سن کر حیران رہ گئیں۔ دادا سے پوچھنے لگیں۔ کیا نکاحی ہمارا بھائی نہیں ہے۔ جب انہیں حقیقت حال کا پتہ چلا تو وہ ان روٹی رہیں۔

میں خوف زدہ تھا کہ دوسری شادی مجھ پر ایسے اثرات پیدا نہ کرے جو والد صاحب کی دوسری شادی نے مجھ پر کیے تھے۔ میری زبان کے دھارے کا رخ ہی بدل دیا تھا۔
 ابائی دوسری شادی کے بعد دھنیاں میں اپنے ہی گھر کی نوکرانی بنادی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب میں وصال سال کا قادیب میں نے ہوش سنبھالا تو میں ایک نوکرانی کا بیٹا تھا۔ گھر میرا اپنا گھر نہ تھا۔ لہذا گھر مجھے کبھی نہیں نہ ہوا۔

دوسری امی نے ہم سے بڑی بدسلوکیاں کیں۔ جس کی وجہ سے احساس کمتری میرے بندہ اند میں رہا گیا۔

میری دوسری امی سالکوت کی شیار تھیں۔ بڑی خوبصورت عورت تھی۔ وہ میری آئیڈیل بن گئی۔ اس لیے عورت کے ساتھ میرا دل (LOVE HATE) تعلق قائم ہو گیا۔

اپنے بے گانے

برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان اور بھارت کے درمیان بلوچداری لائن مقرر کرنے میں بڑی بے انصافی کی گئی تھی۔

ضلع گورداسپور جو مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ تھا، بھارت میں شامل کر دیا گیا تھا۔ جاناں کے مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔

منہیں محلے میں رہنے والے عزیز و اقارب اور برادری کے تمام لوگ پاکستان میں چلے ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ قافلے کی صورت میں پاکستان پہنچے تھے۔ کچھ راستے میں شہید کر دیئے گئے جو پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے وہ جگہ جگہ بکھر گئے۔

ہمارے چند ایک قریبی عزیز لاہور میں مقیم ہو گئے۔

جب نکاحی اور میں پاکستان میں پہنچے تو ہماری حیثیت لاوارثوں کی تھی۔ رشتے وادوں سے میل ملاپ کا سولہ ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ کوئی ہمیں منہ لگانے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہم ان کے دل میرے خلاف غم و غصہ اور نفارت کے چند بلب سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے ملنے کے دواواں نہ تھے۔ چند ایک جو ملے تھے بہت تھکے رہتے۔ چوری چوری ملنے لگے کسی کو پتہ نہ چل

کے شاعر ادیب فن کار اور دانش ور سوار تھے۔

مجھے والد صاحب کی وفات کی خبر گاڑی میں ملی تھی، لیکن میں نے اپنا نہاری رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں کرائس کا آدمی نہیں ہوں۔ کرائس کا متبادل کر سکتا ہوں۔ بھاگ جاتا ہوں۔ دوسرے میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ باپ کی وفات کے بعد بڑا بن کر آجینا ہے۔

امجد مفتی، سلمین مفتی

وفات سے پہلے والد صاحب نے ایک دن مجھے پاس بٹھا کر بڑی سنجیدگی سے کہا تھا ممتاز میری ایک بات مان لو۔ تم باقی بہن بھائیوں سے تعلق رکھو یا نہ رکھو یہ تمہاری مرضی ہے۔ لیکن امجد سے ضرور تعلق قائم رکھنا۔ وہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔

سارے بہن بھائیوں میں امجد واحد بیٹا تھا جس نے اپنے عہد کی قربانی کی تھی۔ اس بات پر مجھے خوشی محسوس ہوتی تھی کہ لہذا امجد سے محبت کرنے کے لیے بہن بہن کی محبت کا انداز مجھے پسند نہ تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ امجد کو اپنا بچہ سمجھتا تھا۔ میرے ہاں۔
دو اسے اپنے بیٹا بنا رہے تھے۔ اس کی صلاحیتوں کو اپنے سانچے میں اہل رہے تھے۔

اس پر میں نے کئی بار احتجاج بھی کیا تھا۔

میں کہتا تھا۔ امجد نے اپنے دور میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اسے چاہیے کہ مطابق حریت دیکھتے۔ اسے اپنی کاروبار بنانی نہ پڑے۔ ایسا کرنے میں لاپرواہی کا رنگ ہے۔

اس بات پر لہذا مجھ سے مشتعل نہ تھے۔

امجد ہر بات میں اپنی بات کہتا تھا۔ والد صاحب میرے خیالات اس کے لیے اہل قبول نہ تھے۔
پھر اس کی شادی کی بات چل نکلی۔

ابا چاہتے تھے کہ امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں کریں۔

مجھے یہ بات پسند نہ تھی۔ اس لیے کہ ابا کے رشتے دار دور دور پر ہیں۔ اس لیے گانہ تھے۔

جب امجد کی شادی کی بات طے ہو رہی تھی تو میں ابا سے جا کر کہنے لگا کہ ابا اللہ کے واسطے امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں نہ کریں۔

میری بیٹی پنڈت پریس (SUPPRESS) ہو کر رہ گئی۔

میرے دل میں قادر ہو سبیلش کا پنڈت گھر کر گیا۔

یہ تمام پنڈت حقیقی لوہیت تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ میری ساری زندگی میں جن کا ہر عمل گیا۔ یہ تعلیمات میں علی پر کے اہلی

میں قلم بند کر چکا ہوں۔ یہاں صرف حوالے کے طور پر انہیں دہرانے پر مجبور ہوں۔

والد صاحب

میری دوسری بیٹی کی حکومت دو سال چلی۔ اس کے گھر کوئی بچہ نہ ہوا۔ اور وہ وفات پا گئیں۔

اس کے بعد والد صاحب نے دو اور شادی کیں۔ اس وقت میں دسویں پاس کر چکا تھا۔ ان

شادیوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا۔ پھر یہ بھی ہے کہ میری تیسری اور چوتھی والدہ کے

بچوں سے خوش گوار تعلقات رہے۔

والد صاحب بھی میری جانب مہمت رہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ان کے گھر کو اپنا نہ

سمجھ سکا۔

اس گھر پر بیچ بچگی کی مرگ چلی تھی وہ جوں کی توں قائم تھی۔

والد صاحب سے میں نے زندگی بھر اچھا سلوک نہ کیا۔ اب سوچتا ہوں تو مجھ پر شرمندگی

طاری ہو جاتی ہے کہ والد صاحب کی جو جو باتیں مجھے نا پسند تھیں، لہذا میرے بعد وہ اب

عالمیں ایک ایک کر کے مجھ میں پیدا ہوئی گئیں اور میری کوششوں کے باوجود تقویت پاتی گئیں۔

چونکہ والد صاحب کے گھر کو گھر نہ سمجھا اس لیے اس کے افراد خانہ کو بھی نہ اپنایا۔ بھائی

بھنوں کو بیگنے سمجھا۔

تیسری والدہ سے میری دو بیٹیاں تھیں۔ کشور اور انور۔

چوتھی والدہ سے تین بھائی تھے۔ امجد، ارشد اور سلمین۔

۱۹۶۶ء میں جب میرے والد فوت ہوئے تو اس وقت میں اس سیشن گاڑی میں سوار تھا،

صدر ایب کو متعارف کرانے کے لیے کراچی سے پشاور تک چلائی گئی تھی اور جس میں ملک بھر

کرامت کی رنڈا منٹ کے بعد اس کی بیوی نے اس سے اچھا سلوک نہ کیا اور وہ باطرح دربر ہوا۔ آخری ایام میں وہ اپنے بیٹے کے پاس آگیا۔ بدروہائی فوج میں لوٹنے کے لئے قاتل قاتل دار وادب پٹنڈی میں مقیم تھا۔ میں کرامت کو ملنے جایا کرتا تھا۔ چونکہ میرا لنگو بیہ تھا۔ میں اکثر اسے کہتا تھا کہ کرامت تیری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تو سب کو پرا دیتا ہے۔ سرگت اور چائے پتا دیتا ہے۔ شراب کی بندش ہو چکی ہے۔ اب تو کسرا یہ پر زندگی سے چٹا ہوا ہے۔ اب بس کر معلق رہے اور رخصت ہو۔

جواب میں وہ مسکراتا کہتا ہوتا تھا تو مجھ سے چھ لہ بڑا ہے۔

عرصہ درواز تک پہنچی لوگ جھونک مٹتی رہی۔

پھر ایک روز وہ رخصت ہو گیا۔

میں نے میت کے مکان میں کہا کیوں ہے تو کہتا تھا میں تجھ سے چھ لہ مینے بڑا ہی اب بول۔

مجھے محسوس ہوا جیسے اس کے کوٹ مسکراہٹ میں کھل گئے۔ اس مسکراہٹ میں بی بی تھی۔

ڈاکٹر اہلت مفتی اپنے باپ پر گیا تھا۔ اس کا باپ مبارک علی ہمارے محلے میں واقع ہرگ تھا۔ آخری ایام اس نے مسلسل عہدات اور تزکیہ میں گزارے تھے۔

میں اسے دیکھ کر حیران ہوا کہ آقا تھا۔ اکثر اہل سے کہتا اہل یہ حیرا بھائی کیسا افسانہ ہے۔ بالکل بے چارہ ہے۔ جیسے پانی ہو۔ اسے گلاس میں ڈال لو یا کنورے میں۔

ڈاکٹر اہلت بھی اپنے باپ کی طرح بڑا عہدات گزارا تھا۔ بڑا بڑا فانی۔ اس کا کراہیے کی طرح روشن تھا لیکن اس دیکھتے تھے اندر اقباب گھر میں وہ چڑھانے بھونٹ رہا تھا۔

میں اسے دو ایک بار قدرت اللہ کے پاس لے گیا تھا۔

میں قدرت سے کہا کہ یہ کیا گورکھ دھندلا ہے؟ شخص جو گرد و پیش کو دھندلا اور خدمت سے روشن کیے رکھتا ہے اس کے اپنے گھر میں کیوں اندھرا ہے۔

جس کا مسلک لوگوں کو سنبھل رکھا ہو۔ وہ خود کیوں ہے چین رہے۔ کیوں اضطراب زدہ رہے۔

جیسے کیوں اضطراب ہے؟ اہلے کہا وہ لوگ میری بہت عزت کرتے ہیں۔

میں نے کہا کیا اچھا کی شادی آپ اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کی عزت بڑھے۔ یہ تو انا پسندی ہوگی؟ آپ کو چاہیے کہ اچھا کی شادی ایسی جگہ کریں جو اس کی زندگی کے لیے اہم خوشی ہو۔

آپ اس کی شادی کسی تعلیم یافتہ لڑکی سے کریں۔ کسی ملازم گھرانے میں کریں۔

کسی ملازم گھرانے میں رشتہ کرنا مجھے منظور نہیں؟ انہوں نے کہا۔

اب سے بائیس ہو کر میں نے اچھا کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن اچھا نے میری بات کو اہمیت نہ دی۔ انا اس نے سمجھا کہ میں اس کی شادی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ابا کی وفات کے بعد اچھا نے اپنا رنگ انقلاب اس کی شخصیت میں اتنی مثبت خصوصیات پیدا ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اس میں فنا کا وصف اس شدت سے پیدا ہوا کہ اس نے ہر شخص کی خدمت کرنے کو اپنا شعار بنا لیا۔ اچھا کے گھر پر بڑے احسانات ہیں۔ اس نے زندگی بھر مجھ سے محبت کی ہے۔

سلمان مفتی بچپن میں ہی پولیو کا شکار ہو گیا تھا۔ ۱۹۸۵ میں سلمان فوت ہو گیا۔ میری طبی فطرت کی وجہ سے میں نے میرا رابطہ ٹوٹ گیا۔

حکایت کرامت اہلت

بھائی بہنوں کے بعد میرے کزن تھے۔ ماہوں ڈاؤ۔ پھوٹی ڈاؤ اور خالہ ڈاؤ۔

سب سے زیادہ دو رابطہ ماہوں ڈاؤ بھائیوں سے تھے۔ وہ میرے دوست بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔

تقسیم کے بعد حکمت لاہور آگیا تھا۔ کرامت ریٹوے میں ملازم تھا اور ان دنوں ملتان میں تحصیل تھا۔ اہلت جو ڈاکٹر بن چکا تھا وہ فیصل آباد میں مقیم ہو گیا تھا۔

مکے میں مقیم ہونے کے باوجود میرے کزن میرے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔

پھر حکمت پر اللہ آپڑی۔ اسے جوڑوں کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ معذور ہو کر صاحب فراش ہو

©Oneurdu.com

ہاں ہرگز نہیں جب تیرا جی چاہے۔ میں جواب دیتا۔

ہر ہم ایک تاریخ مقرر کر لیتے۔

اور اہل آنکھ دن پہلے ریلوے پلیٹ فارم پر جا بیٹھتے۔

تو رت مجھے کہتا۔ میں بھی نہیں سمجھ پاتا کہ یہ کیا گورکھ دندا ہے۔

ایسا ہونا نہیں چاہیے مگر ایسا ہوتا ہے جو سمجھ پاتا ہے خود کسی نہیں دیتا بلکہ یوں کہتا

Oneurdu.com © بعد دوست تھی۔

لطیف ایک بڑی دھکی خانوں تھی۔

اس کا میں جو میرا غلط زانو تھا؟ ایک ڈاکٹر تھا۔ اسے ملٹی طریق زندگی اس قدرت پسند آ گیا کہ وہ شادی کے دو ایک سال بعد مگر چھوڑ کر چلا گیا۔ بس لطیف کا ساگ دو ایک سال قائم رہا پھر اس پر زندگی بھر کی تعلیمی مسئلہ کر دی گئی۔

میاں جانے سے پہلے اسے اپنی تعلیمی کے طور پر ایک بیٹا دے گیا۔ زندگی بھر منظر مفتی میں کا واحد سارا رہا۔

بچپن میں مغرب شہزاد اور میرا راز دان اور پیچم بردار تھا۔ بڑا ہو کر وہ میرا دوست بن گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ بے تو جی اور تعلیمی کے بلاتدریپ، جیسے منظر کا انڈیل رہا۔ ۱۹۷۳ء میں منظر کا پاپ دہلی کا ہائیڈ آئرس تھا۔ اس وقت کے دوران وہ پھانچ میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتے کیا تو بند ہو جائیں گے اسے شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ایسی دردنگی کا غماز تھا کہ گاندھی نے خود اعلان بعد روئی کیا۔ منظر بھوان ہوا تو وہ بھی پاپ کی طرح انگریز تھا۔ اس میں بڑی ملاقاتیں تھیں، مگر وہ بڑے کار نہ آ سکیں، بہر حال منظر نے مجھ سے بڑی محبت کی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے متاثر رہے۔

تمکینہ، صبا مفتی

دیے تو شہزاد کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

لیکن ہم دونوں کی محبت کی وجہ سے ان کی زندگیوں ایک الیہ میں بدل گئیں۔

انوار سے پہلے میں نے شہزاد کو بہت سنبھالا تھا کہ بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں لیکن وہ نہ لائی۔

میں نے کہا، دیکھ جلی مشکلات ہوں گی جنہیں بچے برداشت نہیں کر سکیں گے۔

آخر میں فیصلہ ہوا کہ بچے، بچے نہیں جوں ہیں، اپنا اچھا برا بکھاتے ہیں۔ لہذا ان سے پوچھ لیا جائے۔

بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا ہم میں کے ساتھ رہیں گے چاہے کچھ بھی ہو۔

کتنے گلی، ممتاز تو نے سارے رشتے داروں سے جملہ تو لیا ہے۔

میں نے کہا، نہیں لیں، میں نے نہیں توڑا۔ ٹوٹ گیا ہے۔

چاہے کچھ بھی ہے، وہ بولی فریوہ سے تعلق نہ توڑا۔ میرے لیے۔

فریوہ میری، بشیرہ کی بیٹی ہے۔

فریوہ سے تعلقات قائم رکھنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے کہ فریوہ میں وہ تمام عیب موجود ہیں۔ جو مجھ میں ہیں۔ مثلاً، میری طرح وہ ایک ہڈی لڑکی ہے۔ میری طرح اس کے جذبات کا شیرہ بڑا گڑھا ہے۔ میری طرح وہ بھی فیمل ہے۔ اس کا قصہ بھی بھڑ بھڑا ہے۔ میری طرح وہ بھی منہ پھٹ ہے۔ میری طرح وہ بھی ایکسپریز پاؤں رکھ کر زندگی گزار رہی ہے۔ میری طرح اس کی بریک بھی کام نہیں کرتی۔

میں نے کتنے ہی ایک جیسے پر غصہ ایک ہی درخت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ انسان کی بات اور ہے۔ ایک جیسی خواہشات کے لوگ تو مل بیٹھے ہیں لیکن ایک جیسے اوصاف کے لوگ مل بیٹھ نہیں سکتے۔ بہر حال میں اور فریوہ بہت لڑائی لیا میں لڑا اور جھڑ جھڑ کر تھک گئے تو مل بیٹھے ہیں۔ فریوہ نے میری بڑی عزت کی ہے۔

پھر فریوہ کے میاں ہیں پر فخر نذر احمد۔

نذر احمد تحقیق اور تنقید کے آدمی ہیں۔ وہ CREATIVE CRITICISM کے قائل ہیں اور اس قدر عقلی لکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں میں بعد اترتھن ہے۔ اس کے باوجود میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں ان کا مداح ہوں۔

لطیف، منظر مفتی

پھر میری پوجی زاکرن لطیف تھی۔ وہ بڑی بالغ و بہار خانوں تھی۔ لطیف نے مجھ سے بہت محبت کی۔ ہم دونوں یوں اکٹھے رہتے تھے، جیسے لگو رہے ہوں۔

لطیف، شہزاد کی پڑوسی تھی۔ دراصل وہ دونوں ایک ہی مکان میں رہتی تھیں۔ درمیان میں کوئی دیوار نہ تھی۔ اسے علم تھا کہ میں شہزاد کے گرد کیوں پیچھے لیتا رہتا ہوں، لیکن اس نے کبھی مجھے ٹوکنا نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بات اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ٹوکنا بیکار ہے۔ اس

© Oneurdu.com

پھر ایسے حالات پیش آئے کہ بچے دل گئے۔

شہزاد کا بیٹا قیس بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا لیکن اس میں بے پرواہی تھی۔ آوارگی تھی جب میں راولپنڈی پہنچا تو شہزاد کی سب سے چھوٹی بیٹی نمکینہ کامیاب پنڈی میں ملازم تھا۔

نمکینہ کی شادی بہت چھوٹی عمر میں کر دی گئی تھی۔

نمکینہ کامیاب مجھے پسند نہیں کرتا تھا وہ مجھ سے کیل میل آپ رکنا نہیں چاہتا تھا۔

اس لیے نمکینہ چوری چوری مجھ سے ملتی تھی۔

نمکینہ کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔

کئی ایک سال ہم چوری ملتے رہے، پھر وہ بندش ٹوٹ گئی۔ جب نمکینہ کے بچے جون ہو گئے تو وہ مجھ سے ملا کر لے گئے۔ اس کا بیٹا مباح مفتی پیش پیش تھا۔

آخری ایام میں میرے رشتے داروں نے صدقہ دل سے مجھے معاف کر دیا۔ لیکن وہ عجیب جو قائم ہو چکی تھی نہ گئی۔

رفیق و ہرو

رفیق و ہرو دو واحد رشتہ دار تھا جس نے ہم سے زندگی بھر رابطہ قائم رکھا۔

رفیق اقبال بیگم کا بھائی تھا۔

اقبال بیگم کے تین بھائی تھے۔ عبدالقیوم، عبدالغفور اور عبدالرفیق۔

عبدالقیوم جہلم میں مقیم ہو گیا تھا۔ عبدالغفور نے تحصیل علم کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

تقسیم کے بعد ائین آباد کے شیخ کراچی مراعت کر گئے تھے اور انہوں نے موٹر پارک بزنس کو اپنا لیا تھا۔ چونکہ کاروبار کی اہلیت پڑی میں رہتی ہوئی تھی، اس لیے بہت جلد انہوں نے موٹر پارک بزنس میں ایک مقام پر آکر لیا۔

اقبال بیگم کے والد یوسف دہرو تقسیم سے پہلے جہلمی ہند میں بیجمری میں چھکے داری کا کام کرتے تھے۔

تقسیم کے بعد یوسف دہرو بھی اپنے بیٹے عبدالرفیق کو ساتھ لے کر کراچی چلے گئے۔



میرزا اسف زیا



محمد حسین (شہاب کا بھائی)



محبیب اللہ شہاب (قدرت اللہ کا بھائی)

آج پشہ ہونے کے باوجود دیانت دار آدمی تھے۔ کراچی میں کھپائی نام کرنے کے
 لیے ہر حربے استعمال کیے جاتے تھے وہ یوسف وہو کے لیے قاتل قبول نہ تھے، بچے رفیق کو
 اور وار جانے کے لیے راولپنڈی آنا پڑا یوں ہمارا رابطہ قائم رہا۔
 رفیق میرا سلا بھی تھا دوست بھی اور بھائی بھی۔
 انکس کے وقت وہ ہمیں سارا دیتا تھا۔
 عام حالات میں وہ میرا ساتھی تھا۔



ممتاز مفتی، پروین حافت، مولیٰ بیگم (الندن)



ممتاز مفتی، گلن، نجمینہ، عکسی، والدہ نجمینہ

وہ لڑکی نے اطلاع دی کہ وہ لاہور سے پنڈی پہنچ رہی ہے۔ ڈاکٹر عفت اپنے عزیز
 بھائی لاہور گئی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا چلو میں بھی عفت سے مل آؤں۔ اس لیے ابا
 کا ڈیوڑھی میں ائیئر پورٹ پہنچ گیا۔ جہاز لیٹ تھا اس لیے میں ائیئر پورٹ کی کنٹین میں
 اٹھا۔ اس زمانے میں ائیئر پورٹ کی کنٹین ائیئر پورٹ سے ملحقہ ایک عمارت میں تھی۔
 پھر وہاں کے بعد شہاب کی بھینچ اور بچے کنٹین میں داخل ہوئے۔ ان کے رنگ اڑا
 دئے تھے۔ سانس گویا اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی خوف زدہ کیفیت میں تھے۔
 کبھی کہا ہوا ہے، نے نہ مہلے

محمد ہد

”ہر پستی کے تحت خلاف قہ عمل اور صرف عمل کا قائل قہ

ہے نہیں ہیں مجھ میں قدرت اللہ سے ہٹ کر نہ پڑی۔
پھر امین صاحب اٹھے اور قدرت اللہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور تہذیب و تمدن سے
چلائے۔

حاجی عبدالعزیز

ایک روز قدرت کئے لکھنوی صاحب میں چار ایک دن کے لیے لاہور جا رہا ہوں۔ اگر آپ
فرصت ہو تو آپ بھی چلیے۔

آپ دوسرے پر جا رہے ہیں کیل میں نے پوچھا۔

نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ ایک ذاتی کام ہے۔

کوئی چکڑو ہے کیل۔

وہ مسکرایا۔ چکڑو میں ختم ہو گئیں۔ ہالینڈ میں ایک کرم نوازی یہ ہوئی کہ چکڑو میں ختم ہو
گئیں۔

تو پھر لاہور میں کوئی سزا ذاتی کام ہے۔ میں نے پوچھا۔

ایک بزرگ سے ملتا ہے۔ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ چلیے آپ بھی مل لیجیے۔ دراصل غفلت
کے ایک چٹاکی دیرینہ خواہش ہے کہ حاجی صاحب انہیں بیعت کے لیے قبول کر لیں۔

آپ کی سفارش مان لیں گے کیا؟

نہیں نہیں وہ گھبرا کر بولا۔ وہ تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میری کیا حیثیت ہے کہ سفارش
کروں۔ آپ کے دوست فقور صاحب ایڈووکیٹ ہیں نا وہ بھی خواہش مند ہیں کہ حاجی صاحب
انہیں بیعت کر لیں۔

دھن! میرے ذہن میں حاجی صاحب کی بیانی کا احساس اچانک ہوا۔ اچھا۔ اتنے بڑے ہیں
وہ میں نے پوچھا۔

۱۸۸۵ء کے فتر میں حاجی صاحب نے شرکت کی تھی اس وقت وہ نوجوان تھے۔ اب ان
کی عمر ۳۰ کے قریب ہو گی۔

بیانی بالکل ٹھیک ہے۔ وقت دوبارہ آگے ہیں بل سفید ہو کر دوبارہ کالے ہو گئے ہیں۔ ۵۵
یا ۶۰ کے ہیں۔ اب ۵۵ ویں بج رہا ہے۔

یہ کوائف سن کر میرے ذہن کا لہو اڑ گیا۔

وہی ڈاؤن ڈاؤن۔ وہی۔ وہی یو وراڈیڈ آرکب۔ قدرت اللہ کا سر جھکا ہوا تھا وہ ڈائینگ
نیشنل پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

امین نے پھر اسے لٹکا کر جواب دیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔

قدرت اللہ نے سر اٹھایا اور امین کی طرف بڑی معذرت اور بے بسی سے ہنسی پاندھ کر
دیکھنا شروع کر دیا۔

پھر اس کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو اٹھکا اور گل پر رک گیا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ
وہی نشہ ہے۔ وہی پرانی آکسیسی۔ جس میں چٹکن عمل میں آتی تھی۔ کیا ہالینڈ کے چاہدے
میں وجدان میں اس قدر شدت پیدا ہو سکتی تھی۔

قدرت اللہ ایک تن تھلا آیا اور قہ گھر میں غفلت کے سوا اسے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ کوئی
اس کی کیفیات سے واقف نہ تھا۔ شبیہ نہ بنوئی نہ ان کے بچے۔ دفتر میں کسی کو نہ تھا کہ یہ
فرض صاحب کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

محمد امین

غفلت کی پوزیشن بھی بڑی میسر تھی۔ وہ جانی تو تھی لیکن تھلے پڑ پڑتی تھی۔ نہ گھر
والوں کو تا سکتی تھی نہ میں سے مکمل کہت کر سکتی تھی۔

قدرت کا بنوئی ٹھیکری قہ وہ ایک صراط مستقیم فری قہ ٹیک دل قہ تخی قہ
تجی قہ پنڈائی قہ شدت کا بارہا قہ اور یہ حد نہیں قہ وہ خود جھوٹ بولنے سے گریز
کرتا قہ جھوٹ بولنے والے کو سخت چپندہ کرتا قہ منہ پست قہ اصولوں کا پابند قہ پکا
مسلک قہ صوم صلوہ کا پابند قہ فخر میں وہ اپنی دوائے کا بڑا اہکار کرتا قہ اور کسی قسم سے
نیورجزم کو گوارا نہ کرتا قہ حکومت کے احکامات بھی اگر اصول و قانون سے ہٹ کر ہوتے تو وہ
ان کی تعمیل سے بڑا اہکار کرتا قہ۔

ہر ایک کی مجلس میں پورے روشن قلب چارہائی کے لیے ایک غمخیز بندھی پڑی تھی۔ چارہائی پر ایک
بڑا اچھا ہوا تھا۔

قدرت اللہ ہل میں داخل ہوا تو میں جان بوجھ کر پیچھے رہ گیا۔
قدرت کو دیکھ کر وہ بوڑھا لپک کر اٹھا قدرت کا ہاتھ پکڑا لیا اور دواؤں دار سے چہ منے لگا۔
عنان اللہ 'سبحان اللہ' کہہ کر وہ قدرت کا ہاتھ پکڑ کر چلا اور اس کو انگوٹھوں سے لگا رہا۔
یہ منظر دیکھ کر میں رک گیا۔

حلقی صاحب بار بار کہہ رہے تھے۔ ہم نے حضور قبلہ سے عرض کی تھی کہ ہمیں بھی ان
صاحب کی زیارت کرائیے، جن پر آپ خوش ہیں۔ ہم نے سرکار قبلہ کی ۳۵ سال خدمت کی
علم بجالائے۔ لیکن سرکار ہم سے اتنے خوش نہیں ہیں جتنے آپ سے ہیں۔
حلقی صاحب پھر سے قدرت کے ہاتھ چومنے لگے۔

پھر بولے 'ہم نے درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی زیارت کرا دیں تو حضور ہماری
درخواست مان لی۔ حضور کی بڑی کرم نوازی ہے کہ انہوں نے آپ کی زیارت کرا دی۔

سبحان اللہ 'سبحان اللہ' وہ پھر قدرت کے ہاتھ چومنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر میں چپ چاپ
باہر نکل گیا۔ اس عالم میں ان دونوں میں غل ہونے کی جگہ میں حیرت نہ ہوئی۔

ہل سے باہر نکل کر میں ایک چوڑے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ یہ کیا معجزہ ہے 'قدرت اللہ
بزرگ سے ملنے آیا ہے یا بزرگ کو قدرت اللہ کی زیارت کرائی گئی ہے۔ یہ بزرگ صاف بات
کیوں نہیں کرتے۔ سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ کیوں خود خود کے اچھا ہوا لیتے ہیں۔

پھر دھن 'مجھے خیال آیا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ جس کی حلقی عبدالمعبود جیسے بزرگوں کو
زیارت کرائی جاتی ہے۔ جس پر حضرت مہاجر کی صاحب اس قدر خوش ہیں۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ہل کرے سے باہر نکلے۔ آگے آگے قدرت اللہ تھے۔ پیچھے حلقی
صاحب آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر میں اٹھا 'آگے بڑھ کر حلقی صاحب کو سلام کیا۔ حلقی صاحب
نے دینیک السلام تو کہہ دیا۔ لیکن انہوں نے میری جانب نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اس پر قدرت اللہ بولا۔ حلقی صاحب یہ میرے عزیز دوست ممتاز مفتی ہیں۔
اچھا اچھا وہ بولے اور میری جانب دیکھے بغیر شاباب کے ساتھ جوتوں میں مصروف رہے۔

اتنے بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے پوچھا۔

جناب مہاجر کی کی بیعت ہیں 'وہ بولا۔ مہاجر کی صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء
کے غدر میں انہوں نے ہندوستان میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ جو چند ماہ چلی، پھر
انگریزوں نے اسکو اور کلک حاصل کر لی اور اس اسلامی ریاست کو ختم کر لیا۔
کہتے ہیں قدرت اللہ نے کہا کہ اس وقت جناب مہاجر کی کو ایک مجذوب مست نے خبر دی
تھی کہ تمہارے خواب کی تعبیر آج سے نوے سال کے بعد نکلے گی۔

اچھا پھر میں نے پوچھا۔

انگریزوں نے مہاجر کی صاحب کو قید کر لیا 'قدرت نے کہا 'لیکن ایک روز انہوں نے دیکھا
کہ جیل کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اس لیے جیل سے باہر نکل آئے اور سیدھے کراچی کی
طرف پیدل چل پڑے۔ بیٹھوں چلے رہے پھر جناز میں سوار ہو کر مکہ کمرہ پہنچے اور پائی زندگی
وہیں بسر کی اسی وجہ سے انہیں مہاجر کی کہتے ہیں۔

یہ حلقی صاحب مہاجر کی صاحب کے مرید ہیں 'میں نے پوچھا۔

ہل 'شاباب نے جواب دیا۔ ان کے چار مرید تھے صرف حلقی صاحب پیچیدہ حیات ہیں۔

حلقی عبدالمعبود کے کو آٹھ چان کر میں بے حد متاثر ہوا اس لیے قدرت اللہ کے ساتھ
لاہور چلا گیا۔ شاباب نے مجھے بتایا کہ حلقی صاحب چھوٹی میں انگلیں روڈ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔
انگلیں روڈ پر غنت کے عزیروں کی بہت بڑی کوٹھی تھی۔ جواب خست حالت میں تھی،
صرف دو ایک کمروں میں رہا کرتی تھی۔

ساری کوٹھی ویران پڑی تھی۔ آباد کمروں میں دو ایک خست حال بوڑھی خواتین بیٹھی ہوئی
تھیں۔

شاباب نے پوچھا 'وہ بزرگ کہاں ہیں۔

ایک خانقہ نے جواب دیا 'وہ دھڑیل کرے میں ہیں۔ دو ایک بار آپ کا پوچھ بیٹھے ہیں۔

آپ ہی کا اللہ فرماتا ہے ہیں۔

حاضری یا زیارت

ہل کرا بڑا غل اور اندھیرا کرا تھا۔ اس کے ایک پرے سرے پر چار پائی بچھی ہوئی تھی۔

قدرت اللہ نے مجھے اشارہ کیا کہ ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

شپ ہوائے

قدرت نے کار کا دروازہ کھولا اور آگلی سیٹ پر حاتی صاحب کو بیٹے اور احترام سے بٹھایا۔ بھرپور سیٹ کا دروازہ کھول کر اشارہ کیا۔ بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔

حاتی صاحب قدرت سے مسلسل باتیں کرتے رہے۔ ان کی باتوں سے پتہ چلا کہ قدرت اللہ نے کلینڈ میں حضرت مہاجر کی صاحب سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ رابطہ اس قدر گہرا ہو گیا تھا کہ دوپہر بیٹھ کر بات کرنے کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور قدرت اللہ کو ان کی خوشنودی میں آگئی تھی۔

انار کلی میں جاکر گاڑی رک مگنی ریلوے جس سوسائٹی کے منتقل انار کلی سے باہر ایک معمولی سی چائے کی دوکان تھی۔

ایک طرف چائے کا بنیادی دیکھ چمے پر چڑھا ہوا تھا۔ جس میں کڑک چائے گرم ہو رہی تھی۔ دوسری جانب چار ایک بچا رکھے ہوئے تھے۔ جن پر چند ایک لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ دوکان میں صرف ایک لڑکا تھا۔ جو سرویس پر مامور تھا۔

یہ لڑکا جسم کا بھرا ہوا تھا۔ قد چھوٹا تھا۔ لباس میلہ تھا۔ ہل کھڑے کھڑے تھے، چہرے پر ایک بے ٹام سی بے حسی طاری تھی۔ ایک آنکھ میں پھولا تھا جس کی وجہ سے چہرہ اور بھی بد نما ہو گیا تھا۔

حاتی صاحب لاہور چھوڑنے کی ایک دن روڈ سے روز میں بیٹھ کر اس چائے خانے پر آئے تھے۔ ایک بچہ چائے کا پیٹے اور پھر اس لڑکے کو چہرے کے آگے آئے دے کر واپس چلے جاتے تھے۔

تین مرتبہ شباب طور میں حاتی صاحب کے ساتھ اس دوکان میں گئے۔ وہاں چائے پی اور پھر حاتی صاحب کو ایک دن روڈ پر پچا کر واپس آ گئے۔

میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ حاتی صاحب اس ہوٹل میں آئے کچھ آئے دیکھ کے لیے کیوں آتے ہیں۔

اگر بچے کو رقم دینی مقصود ہے تو ایک دم ہانچ دس روپے کیوں نہیں دے دیتے۔

پتہ نہیں وہ بولا۔ بہت بڑے بڑگ ہیں۔ بڑے بڑگوں کے بھید وہی جانتے ہیں۔

یہ ایک معمولی سی بات ہے، اس میں کیا بھید ہو سکتا ہے بھلا، میں نے کہا۔

میں نظر نہیں آتا۔ کچھ نامکھ مقصود تو ہو گا۔ کوئی مصلحت ہوگی۔ کوئی حکم ہو گا۔ آپ

اور میں ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

انوکھا اعزاز

اچھا ایک بات بتائیے، میں نے کہا۔

وہ میری جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

گذشتہ تین ماہاتوں کے دوران میں نے حاتی صاحب کو چھ بار سلام کیا ہے۔ تین بار آپ

نے میرا تعارف کرایا، یہ میرے دوست ہیں۔ ہے نا۔

اس نے سر ہلٹ میں ہلکا دیا۔

لیکن انہوں نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر میری جانب نہیں دیکھا۔ شاید آپ نے نوٹ نہ کیا

ہو۔

کیا تھا وہ بولا۔

اتنی بے اشتیاق بھی تو نہیں ہوتی چاہئے۔ ہانک میں ایک عام آدمی ہوں۔ منہ زبانی مسلمان

ہوں۔ پانچویں سے محروم ہوں، لیکن آخر ایک انسان ہوں۔

وہ چاہے توچہ کریں، نہ کریں۔ قدرت نے کہا۔ ان کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے زندگی میں

برکت پیدا ہوتی ہے۔

کیا وہ واقعی بڑے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

بہت بڑے، وہ بولا۔ عالم ہیں، شاعر ہیں۔ ان کی نوٹ تک میں ساتھ ہزار شعر کہتے ہوئے

ہیں۔ ۲۰ ہزار شعر انہیں زبانی یاد ہیں۔ قادی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ مومل

کے رہنے والے ہیں۔ یہاں آکر غیر ملاتے میں بس گئے ہیں۔ چار ایک دن کی پیدل مسافت کے

بعد سڑک پر پہنچتے ہیں۔ ہر سال حج پر جاتے ہیں۔ سارے یورپ میں گھومے اور لکھتے ہیں۔ One world .com ہے۔ جب ہم کسی کوچ کرتے ہیں تو خود کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور اسے اپنے سامنے اٹھتے ہوئے ہیں، میں نے کمال۔

ہاں وہ بولا بہت بڑے۔

پھر وہ آپ کے ہاتھ کیوں پوچھتے ہیں۔ کیوں انہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

یہ ان کی کرم فواری ہے، قدرت نے جو آپ دیا۔

اس کے بعد حلقی صاحب کا قدرت اللہ سے رابطہ پیدا ہو گیا۔ جب بھی حلقی صاحب حج پر جاتے تو راستے میں ایک رات قدرت اللہ کے پاس رکھتے، قدرت فرما، مجھے اور نکلی کو فون کرتے آجائے، آجائے۔ حلقی صاحب آئے ہوئے ہیں۔

ہم دونوں مودبناہ سلام کرتے حلقی صاحب کے پاس جا بیٹھے۔ حلقی صاحب ہم سے صاحب ہوئے بغیر قدرت اللہ سے جہاز میں مصروف رہتے ہوں جیسے قدرت کے علاوہ کوئی اور کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

ہر باج دس منٹ کے بعد جب بھی موقع ملتا۔ قدرت حلقی صاحب سے کہتے۔ یہ میرے دوست ہیں ممتاز مفتی، ساتھ ہی میری جانب اشارہ کرتے۔ حلقی صاحب میری جانب دیکھے بغیر سرسری طور پر اچھا اچھا کہ کر پھر سے قدرت سے جہاز میں مصروف ہو جاتے۔

اگلی مرتبہ جب حلقی صاحب پھر تشریف لاتے تو قدرت پھر مجھے فون کرتے۔ اس وقت ان کے انداز میں اس قدر معصوم خوشی ہوتی جیسے کوئی بچہ اپنے کسی ساتھی کو لٹو کھلانے کے لیے بلا رہا ہو۔

ایک دفعہ میں نے قدرت سے کہا چھوڑ دو یہاں آنے کا فائدہ آپ کے حلقی صاحب تو کچھ اٹھا کر بھی میں دیکھنے، بات کرنا تو الگ بات ہے۔

یہ سن کر قدرت گھبرا گیا کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، وہ بولا ہے شک حلقی صاحب متوجہ نہ ہوں۔ ہمارے لیے یہ اعزاز کیا کام ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔

ایک دوڑ میں نے شے میں کمال شائب صاحب یہ کیسے بزرگ ہیں۔ اس پر قدرت گھبرا گیا بولا، نہ ایسی بات نہ کہیے مفتی صاحب بزرگی لٹو کا ایک کٹھ ہے وہ مجھے چاہیں عطا کر دیں۔

چاہے کالے چر کو عطا کر دیں۔ بزرگ کو کوچ کرنے والے ہم کون ہیں۔ حج کرنے کی عادت اچھی

سید فیضی

قدرت نے میز پر پڑا ہوا ایک کٹھ اٹھایا اور مجھے تھما دیا۔ مجھے ایسے لگایا جیسے کٹھ پر قرآن کریم کی آیت لکھی ہوئی ہو۔ وہ دن میں سوچنا رہا کہ میرا ایمان کون دوست ہے جو حلقی دان ہو۔ میں نے مسودے سے پچھا مرے پچھا عطا سے پچھا کسی نے حلقی نہ بھری۔ پھر میں نے ریڈیو نشین پر مذہبی پروگرام کے نیشن کو فون کیا تو جواب میں فیضی بولا۔

فیضی، میں نے پچھا تو تمہی کیسے آگیا۔

فیضی ہنس کر لگا ریڈیو والوں نے ایک ٹاک کے لیے بلایا ہے۔

سید فیضی میرا پرانا دوست تھا۔ پیورو آف رٹرنس اینڈ ریسرچ میں ہم دونوں اکٹھے کام کیا کرتے تھے۔ وہ حلقی اور فارسی دونوں زبانوں میں دسترس رکھتا تھا فارسی کا شعر پڑھتا تو ایسے لگتا جیسے ابھی ابھی ایران سے آیا ہو۔ حلقی بولتا تو لگتا جیسے قرآن کریم پڑھ رہا ہو۔

اسلامی تقریبات میں دوسرے علماء کے ساتھ فیضی کو بھی مدعو کیا جانا تھا۔ وہیں سٹیج پر کھڑے ہو کر جب وہ تقریر کرتا تو ایسے لگتا جیسے حلقی کے تمام پردے بدل گئے ہوں۔ سننے تو یقین نہ آتا تھا کہ فیضی بول رہا ہے۔ فیضی کی شخصیت میں بڑے تبدلات تھے۔ وہ ایک وقت عالم بھی تھا، ادیب بھی، مولوی بھی اور مذہبی تھا۔ اس میں رنگین مزاحیہ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر بات پر ہنستا ہنساتے ہوئے رنگین پلڈ کی طرف متوجہ ہو جانا، ہر نسل کی آواز پر کان کھڑے ہو

Oneurdu.com

ہاتھ بچھیں اور سے بھگ جاتیں۔ پتلیاں لیٹیں مارتیں۔
میں نے چاکر کرنا یا ریش میں تو تجھے ڈھونڈ رہا ہوں۔
ہوئے مجھے ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔
مشکل کیوں ہے۔

ہر طرح کے کمالات نے اسے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اس کی ذات کو تمام خیرے
القاب حاصل ہیں۔

۵۔ کوئی بلندی نہیں جو اس کی وجہ سے اپنے کمال پر نہ ہو۔ دسترس سے زیادہ بلند
ہے۔

۶۔ پابند میں حسن و سرور غنی سے اس نے نیا پائی ہے ہانگ پورے چاند کی مانند جو کبھی
ڈوبنے والا نہیں۔

۷۔ یہ سلام ایک خاص بندے کی طرف سے ہے جو دینے کا رہنے والا ہے اور وہ سب
سے بہتر دینے والے اللہ کے رسول کا قربت دار ہے۔

۸۔ وہ حیرت میں بے زبہ ملاقات حاضر ہوا اور اس نے حیرت و ذلت سے انصاف کے
مجھے جتنے بہتہ دیکھے۔

۹۔ ایسی ایسی باتیں مروج سے منسوب ہیں کہ خلق خدا اس کا ذکر کرتی ہے اور لوگ جن
بہتوں کو نقل و حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

۱۰۔ اگر تم کو مہمانت کا میرے ساتھ سلوک کرو تو تم اس کے لال ہو اور غریبوں والے
انسان ہو۔

۱۱۔ درنہ میری بد قسمتی ہو گئی اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ ایک کریم النفس انسان کی دریاہی
اور بخشش سے۔

انجام بخیر

اس قصیدے کو چارہ کرہات ہانگ ہی واضح ہو گئی کہ حضرت ماجر کی نے حاجی عبدالعزیز کو
شباب صاحب سے ملوایا تھا اور حاجی صاحب ان سے فیض یاب ہونے کے حتمی تھے۔ یہاں تک
تو بہت واضح تھی۔ پھر خیال آتا کہ شباب کون ہے۔ یہ عید نہیں ملتا تھا۔
پھر آخری ایام میں قدرت کی وفات سے چند ایک سال پہلے۔ میرے ایک دوست نے مجھے

کس نے لکھا ہے اس نے پوچھا۔
دفتار میں سے کاند پر نظر دوڑائی دیکھا تو قدرت اللہ نے پہلے ہی حاجی عبدالعزیز صاحب
کے دستخط کاٹ رکھے تھے تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو قصیدہ کس نے لکھا ہے۔

ڈاک سے موصول ہوا ہے۔ میں نے جوت بولا۔
فیض چاہا بولا کسی نے شباب صاحب کی سفارش کرانی ہوگی۔ جسے توہینوں کے چنگے لگائے

ہیں۔ ہاں انداز روایتی ہے۔
چلو کسی کا کلام ہو جائے گا۔ تو کیوں اعتراض کرتا ہے۔ میں نے کلمہ

لوہوں، فیض بولا شباب صاحب بڑے نکالیں ہیں وہ کلام کر دیں گے لیکن اس قصیدے
کے قریب میں نہیں آئیں گے۔

فیض کا ترجمہ چارہ کرہ میں پھر سے سوچ میں پڑ گیا لکھا تھا۔

قصیدہ

۱۔ بہترین سلام ہو ان غریبوں پر جو اس کی فطرت میں شامل ہیں اور اچھی عادتیں ہی قبولیت
کی عمل ہو کر گئی ہیں۔

۲۔ عزت اور وقار کو اس کی ذات سے تخلیق حاصل ہے کیونکہ وہ شباب بھی منزلت رکھتا
ہے اور کوئی ایسی فضیلت نہیں جس میں وہ بیضا ہوا نہ ہو۔

بتایا کہ حلی صاحب اسلام آباد کے ایک بچے میں مقیم ہیں۔
شام کو قدرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: آپ کو پتہ ہے کیا کہ حلی عبدالعزیز
صاحب آجکل اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ ان کے ۳۳ حج مکمل ہو چکے ہیں اور اب وہ مستقل
طور پر اسلام آباد میں سکونت رکھتے ہیں۔

محمد علی شاہ

جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہو تا تو میرے دل میں یہ سوال ابھرتا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ کیا وہ
کسی کلام پر مہور ہے۔ کوئی لیلۃ آفریہ یا سیکرٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ چاہے وہ کالی تھا یا
افرقہ۔ میرے لیے اس بات کا کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ اس کے عہدے کی فضیلت سے میں کبھی
متاثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے بزرگ بننے کی خواہش نہ تھی۔ نہ ہی میں بیعت کرنے کا سعی تھا۔
انسان میں تو خوفِ ذہ تھا کہ کسی قدرت اللہ مجھے ایسا رخ نہ بخش دے جو مجھے کہیں اور لے
جائے۔

میں تو اس کے کردار سے متاثر ہوا تھا۔ اس کے کردار کی عظمت نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔

تکس نے چیکو سلواکیہ سے واپسی پر مجھے دو ایک بار کھانے کی کوشش کی تھی کہنے لگا ہوا
آپ خواتین اور بچوں میں پرے ہیں۔ سیدھی بات ہے۔ شاب صاحب کا مسلک محمدیہ ہے۔ وہ
حضورؐ کے عقلِ قدیم پر چلنے کو شش کرتے ہیں۔ ہر بات پر وہ سوچتے ہیں کہ ان حالات میں حضورؐ
کا طرز عمل کیا ہوتا۔

تکس کہنے لگا: میں نے شاب صاحب سے پوچھا تھا کہ یہ بتائیے کہ افضل ترین مہلت کون
کی ہے۔ انہوں نے کہا میری دانست میں افضل ترین مہلت ہے۔

IDENTIFICATION WITH MOHAMMAD حضورؐ کا تصور کرو کہ
خصوصی حالات میں ان کا رد عمل کیا ہوتا۔ ان کے جذبات کیا ہوتے محسوسات کیا ہوتے۔ تکس
نے کہا ہوا آپ کو کبھی انہوں نے بتایا ہو گا۔ میں مجھے بھی یہی بتایا تھا میں نے جواب دیا۔

وفات

ایک روز قدرت اللہ نے مجھ سے کہا ایک خبر آئی ہے۔ آپ نے سنی ہے کیا۔

میرا خیال تھا کہ جب میں قدرت کو یہ خبر سنوں گا تو وہ حیران رہ جائے گا۔ اس کے برعکس
قدرت نے نہایت اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔ کہنے لگا میں مجھے علم ہے۔ حلی صاحب
اپنے بیٹے کے ساتھ رہتے ہیں۔
کیا وہ آپ سے ملنے نہیں آئے۔
قدرت نے سرائیکی میں بولا۔
تو چلیو ہم جا کر ان سے مل آتے ہیں۔
اچھا۔ چلیں گے۔ قدرت نے بات چل دی۔

میں نے بڑی مشکل سے حلی صاحب کے گھر کا پتہ لگایا پھر یہ خوشخبری قدرت کو بتائی۔
لیکن اس نے ہر بات چل دی۔

ایک روز میں نے قدرت کو پکڑ لیا میں نے کہا: دیکھیے چلنے کا کیا مطلب ہے۔ میں تو حلی
صاحب سے ملنے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں تو آپ کے لیے کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ ان سے
نہیں ملنا چاہتے تو صاف انکار کر دیجیے۔ چلنے کا مطلب۔

میری بات سن کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا: حلی صاحب اب حلی صاحب نہیں رہے۔
حلی صاحب حلی صاحب نہیں رہے میں نے حیرت سے دہرایا۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔
ہاں بولا۔ وہ سیناٹس ہو گئے ہیں۔

پھر تو وہ ہمدردی کے مستحق ہیں میں نے جواب دیا۔
ہاں ہمدردی کے مستحق ہیں۔ وہ بولا۔

دو گنا میں نے محسوس کیا کہ حلی صاحب سیناٹس ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی ہو گئے

تھیں۔

ایسی کیفیت میں ہمدردی کلم نہیں آتی کیا میں نے پوچھا۔

نہیں تو میں نے جواب دیا۔

کہنے لگا: غفور صاحب وقت پا گئے۔

مجھے بری طرح دھچکا لگا۔ میں ایک دم چپ ہو گیا۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

ہاں وہ بولا مجھے بھی یہ خبر سن کر صدمہ ہوا تھا۔ میرا دل بہن و عندلا گیا تھا۔ اسی روز مجھے صدمہ

ایب نے بلا سمجھا۔ مجھے دیکھ کر صدمہ صاحب بولے: شواہب خیر تو ہے۔ تم آج اکڑے اکڑے کیوں ہو۔

میں نے کہا: جناب میرے ایک محسن انتقال کر گئے ہیں۔

کون۔ انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا: جناب وہ میرے ہی محسن نہیں تھے۔ آپ کے بھی محسن تھے۔ پاکستان کے

خیر خواہ تھے۔

کون تھے وہ صدمہ نے پوچھا۔

میں نے کہا: جناب وہی جو آپ کو خط لکھا کرتے تھے اور آپ ان خطوں پر بہت جھنجھکیا

کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو کئی پرانت مانے بیجے تھے کہ تشدد خود تحریف نہ لے جائیے

گاہ پر پشور سے گا، لیکن سیر قاز میں التوا کیجئے گا۔

ہاں ہاں صدمہ بولے مجھے یاد ہے۔

میں نے کہا: اگر آپ ان کی ہدایات پر عمل کرتے تو آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور آپ

پاکستان کے مردِ عالمہ کا نام پاتے۔

ان کے خطوط مکمل ہیں میں انہیں دیکھتا ہوں گا۔ صدمہ نے کہا۔

اب کیا کاغذ ہے اب تو حیرت کن ہے جھوٹ چکا ہے۔

شواہب نے کہا: اس وقت صدمہ صاحب کی حالت قابلِ ترس تھی۔ تھا ہوا، ہارا ہوا، ٹوٹا

ہوا۔ کہنے لگے: شواہب عقل سے مٹ کر باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں کوشش کے باوجود میں

UrduPharaz.com

یہ ہماری پہلی ہے شواہب نے کہا۔ جب کی بد قسمتی ہے کہ آپ کو یقین نہ دلا سکے۔

میں نے پوچھا: شواہب جی یہ آپ کو خبر کیسے ملی۔

قدرت نے کہا: انتقال کے دو ایک دن پہلے انہوں نے مجھے ایک خط لکھا تھا۔ انہوں نے

لکھا کہ لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے داتا صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ داتا

صاحب نے فرمایا کہ ہمارا پیغام شواہب کو پہنچا دو۔ انہوں نے پیغام دیا۔ میں نے عرض کی کہ جناب

فرشاد صاحب کی کرائسیں خط لکھ دوں گا۔ داتا صاحب نے فرمایا: تاخیر نہ کرنا۔ زندگی کا کوئی مجرورہ

نہیں۔

ان کے فرماں کے مطابق آپ کو خط لکھنے بیٹھا تو محسوس کیا کہ یہ پیغام خط میں لکھنے والا

نہیں۔ اس لیے جلد خود آکر عرض کروں گا۔

مجرورہ آپ سے آکر لے میں نے پوچھا۔

نہیں قدرت نے کہا۔ انہیں اتنی صلت نہ ملی۔ غالباً انہوں نے داتا صاحب کے اشارے

کو سمجھا نہیں۔

حیرت کی بات ہے۔ میں نے کہا: اب آپ کو پیغام کے بارے میں کیسے پتہ چلے گا۔ بیٹے

لاہور جا کر داتا صاحب کی حاضری دیجیے۔

قدرت نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ پروتھوں کے منافی ہے۔ پھر قدرت نے ایک دم بات بدل

کہنے لگا: غفور صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ انہیں آپ کو بھی ایک پیغام دینا تھا۔

میرے نام پیغام میری نفسی شکل تھی۔ شواہب صاحب میری کیا حیثیت ہے کہ کوئی بزرگ مجھے

پیغام دے؟ کیوں میرا لائق اڑاتے ہیں آپ۔

قدرت ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا: میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ کے نام کسی بزرگ کا

پیغام نہیں تھا۔ داتا صاحب کی بات نہیں۔ غفور صاحب نے اپنی جانب سے آپ کو پیغام دینا ہو

گا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ اسلام آباد آؤں گا تو مجھے مفتی صاحب کو بھی ایک پیغام دینا ہے۔

وہ آپ کے دوست تھے تا قدرت نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ شاید وہ دوست کی حیثیت سے

پیغام دینا چاہتے ہوں۔

تزوٰخ، الربیع

ایک روز راجہ شفیق آگیا۔ کہنے لگا، تجھے صاحب دار ہے ہیں۔

کیا کہتے ہیں میں نے پوچھا۔

بولے، کہتے ہیں انہیں کہنے اگر فرمت ہو تو آجائیں۔

تو کیا تھا کیا ان کے گھر یا وہ تجھے ملے تھے۔

ہاں وہ بولا۔ میں عفت سے ملے کیا تھا۔ وہاں پہاڑ پہ چلا کہ عفت لاہور پہنچی ہوئی ہے۔

شب اکلیا ہے کیا۔

بالکل دو بولا۔

میں شب کے گھر پہنچا تو وہ جیسا ملاوت کر رہا تھا اس روز رمضان کی ستائیسویں تاریخ

تھی۔

دعوتاً مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی۔ ماویں کو مجھے شب کے ہاں نہیں جانا

چاہیے تھا چونکہ رمضان کی ستائیسویں۔ شب کا عفت لاہور تھا اور میری موجودگی ماحول کی

ایکڑی کے متعلق تھی۔

ایک تو میں روزے سے نہیں تھا۔ دوسرے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ میرے

کپڑے اور جسم کبھی پاک نہیں ہوئے تھے۔ چوں کہ جوانی سے ہی مجھے **Confused** کا لفظ یاد تھا کہ ان گیتوں میں جبکہ غلام محمد کے چچو مرشد کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک روز میں نے غلام محمد سے کہا 'یار اگر جو تو اپنی ٹوٹ بک مجھے دو دن کے لیے دے دے تو میں اس میں سے کچھ گیت لکھ لوں' پھر میں کاپی تجھے لوٹا دوں گا۔

غلام محمد نے میری بات مان لی اور کاپی مجھے دے دی۔

اسی رات دو بجے کے قریب میرا دروازہ بجایا۔ بچہ رہا۔ میں کمری خیرہ سویا رہا۔

پھر میری پردیسوں نے دیوار پر چڑھ کر مجھے آواز دیں۔

کہنے لگے 'باہر آپ کا کوئی مسافر دیر سے دروازہ کھٹکنا رہا ہے۔

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

باہر غلام محمد کھڑا تھا۔

میں نے کہا 'تو غلام محمد۔ اس وقت خیرہ تو ہے۔

بول 'بالکل خیر نہیں۔ تو مجھے میری گیتوں والی کاپی دے دے۔

میں یہ سن کر حیران ہوا۔ کیا رات کے دو بجے تو اپنی ٹوٹ بک لینے آیا ہے۔

بول 'سرکار قبلہ مجھے سوئے نہیں دے رہے۔ بہت ناراض ہیں۔ کہتے ہیں تو نے ہماری کاپی

وٹاب کے سٹک میں ڈال دی ہے۔ ابھی جا اور کاپی لے آ۔

اس روز بجلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ میں پیشاب کا ٹھکانا ہوں۔ ٹیاگ ہوں۔

پہلے یہ احساس صرف جسم تک محدود تھا۔

پھر ۱۹۵۶ء میں جب میں بمبائی جان سے ملا تو مجھے اپنی ذہنی ٹیاگریزی کا احساس ہوا۔ مجھے پتہ

چلا کہ ذہنی طور پر میں کس قدر ٹیاگ تھا۔ جسمانی غلاطت سے کہیں زیادہ ٹیاگ۔

آج تک کو مشقوں کے باوجود۔ میں ان غلاظتوں کو دور نہیں کر سکا۔

ہاں تو اس روز شباب کے گھر پہنچا تو مجھے شدت سے احساس ہوا کہ آج مجھے اس کے ہاں

نہیں آنا چاہیے تھا چوں کہ اس روز ایک تو رمضان کی ستائیسویں تھی اور دوسرے جمعہ کا دن

تھا۔

پھر خیال آیا شاید شباب نے مجھے کام سے بلایا ہو۔ شباب نے مجھے دیکھتے ہی کہا 'یو اچھا ہوا

اب آگے' محنت لاہور گئی ہوئی ہے اور میں آگیا ہوں! اس لیے میں نے آپ کو بلا لیا کہ گپ

ستار دعا

تقریباً ۱۹۳۰ء کی بات ہے جب میں ٹھکری کے گورنمنٹ سکول میں پڑھتا تھا۔ تو میرا ایک

دوست غلام محمد نے جو ان دنوں سبکی میں آٹا کا اچکڑا تھا مجھے احساس دلایا تھا کہ میں ایک ٹیاگ

مفص ہوں۔ غلام محمد میں دو خصوصیات نمایاں تھیں۔ ایک تو وہ سختی سے شریعت کا پابند تھا

دوسرے وہ ستار بچانے کا ریا تھا۔

نماز پڑھتے لگتا تو جانے نماز کے ساتھ ستار رکھ لیتا۔ نماز پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر مصلے

بیٹھے بیٹھے ستار بچانے لگتا۔

ایک دن میں نے غلام محمد سے کہہ دیا ابھی جواب نہیں مصلے پر بیٹھ کر ستار بچاتا ہے۔

وہ بولا 'میں ستار نہیں بچاتا۔ دعا مانگتا ہوں۔

میں نے کہا 'دعا مانگنے کا یہ طریقہ ہے کیا۔

بول 'تجھے نہیں پتہ۔ ستار مجھ سے بجز دعا مانگتی ہے۔ اللہ کی منتیں کرتی ہے۔ ہاتھ جوڑتی

ہے 'پاؤں پڑتی ہے میں اپنا سارا دلکہ در اپنے ترے' ہاتھ ستار میں بھٹکی کر دیتا ہوں اور وہ اللہ

کے حضور میں فریادی بن جاتی ہے۔ غلام محمد اللہ سے یوں باتیں کیا کرتا تھا جیسے اللہ اس سے

سامنے بیٹھا ہو۔ اسے اللہ سے بہت پیار تھا۔ ایسا پیار جیسے چچ اپنی ماں سے کرتا ہے۔

ایک دن میں نے کہا 'غلام محمد تجھے اللہ کیسے مل گیا۔

کہنے لگا 'یہ میرے مرشد سرکار قبلہ کی دین ہے۔ وصال کے وقت وہ فرماتے تھے غلام محمد

تجھے کون سا عقد دیں ہمارے پاس تو صرف ایک ہی چیز ہے۔

انہیں یہ حد تک کرنے کے بعد جب میں مگر آیا تو دیکھا کہ اللہ صوفے پر بیٹھا ہے۔

UrduPhoto.com

پیشاب کا منگنا

غلام محمد کے پاس ایک ٹوٹ بک تھی جس میں گیت غزلیں اور غمروں کے ہول تھے 'و

UrduPhoto.com

OneWorld.com على الموقع طرف ويختارها ويختارها

شپ رہے گی۔

میں نے کہا آج سٹائیسویں ہے۔ آپ کے لیے عہد کا دن ہے۔

عبادت

ہاں ہاں، وہ بولا، عبارت اپنی جگہ ہے کپ شپ اپنی جگہ۔ یوں کرتے ہیں کہ بعد شام بری لیفٹ کی سہ میں جا کر پڑھتے ہیں، پھر وہی اوپر اوپر پکڑ لگتے ہیں۔ انتظار کر کے مغرب کی نماز پڑھ کر واپس گھر آ جائیں گے، پھر بے شک آپ طے جانے۔

پھر گرام کے معاشقین شباب نے شام بری کے چال کما کر انتظار کیا۔ مغرب کی نماز ادا کی اور گھر آ گئے۔

راستے میں میں نے پوچھا 'آپ عہدوت کیسے کرتے ہیں۔'

بولاً، بس اللہ کا نام لیتے ہیں۔ چاہے کیسے بھی لو۔ قرآن کریم کی تلاوت کرو یا کلام پڑھو۔

آپ کیا پڑھتے ہیں، میں نے پوچھا۔

یوں کہ میں تو نفل پڑھ لیتا ہوں۔

میں نے کہا، اگر آپ اجازت دیں تو —————

تو کیا اس نے پوچھا۔

میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کیسے عبارت کرتے ہیں۔

نوابجیکشن، وہ بولا۔ بے شک دیکھ لیں۔

عشاء کی نماز کے بعد ایک بڑے کمرے کے ایک کونے میں اس نے جائے نماز بچھالیا۔

آپ بھی نفل پڑھیں گے، اس نے پوچھا۔

نہیں میں نے جواب دیا "میں دیکھوں گا۔"

کمرے کے دوسرے کونے میں بیٹھ گیا۔

شہابِ نیت باندہ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کا کھڑا ہونے کا انداز ہی انوکھا تھا۔ یوں نہیں جیسے نمازی کھڑے ہوتے ہیں بلکہ یوں

جیسے اللہ تعالیٰ اس کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں۔ وہ سرِ لپا عجز میں کر کھڑا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ابھی دو رکوع میں جائے گا لیکن وہ جوں کا توں کھڑا رہا ہے جس و حرکت
کھڑا رہا اس کے جسم کا بند بند عجز سے پیچھا ہوا تھا۔

دلتا" مجھے خیال آیا کہ میں اپنی موجودگی سے فضا کو ہلکا کر رہا ہوں۔ مجھے بھی کچھ پڑھا ہے مجھے صرف درود آج یاد تھا۔ جب اللہ بخش صاحب کی دینی تھی۔ میں نے درود آج شروع کر دیا۔ ساری رات شب بچوں میں ہر طرح کی پت پت کھڑا رہا۔ رات بھر میں اس دعا ایک بار رکوع اور تکیا کیا ہو گا۔ پھر پچھلے پورو دھڑام سے چلاؤنی پر ڈیر ہو گیا۔

اس نے دو ایک چار میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا لیکن میں اس کے اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ مجھے سمجھ میں آیا کہ دو مجھے چار ہوا ہے۔ قریب قریب آیا تو اس نے ٹیلی فون کی جانب اشارہ کیا۔ میں نے فون اس کے قریب رکھ دیا۔ اس نے ڈائل کیا، پھر مدھم ڈاڑھ میں پتہ نہیں کیا کہا۔ اور پھر رازدہ کر دیگئے۔

میں حیران کھڑا تھا واللہ یہ کیا بات ہے قدرت مجھ سے بات کیوں نہیں کرتی۔ کیا یہ بھی بات کا حصہ ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

اتنے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ موٹر اندر داخل ہوئی۔ ایک صاحب باہر نکلے ہوئے شباب صاحب کہاں ہیں۔

میں نے پوچھا، آپ کی تعریف۔

یوں کہ میں صدر کامیڈیکل آفیسر ہوں۔

میں اسے شہاب کے کمرے میں لے گیا۔

ابھی وہ معائنہ کر رہا تھا کہ ایک اور گاڑی بچلے میں داخل ہوئی۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ فٹ کو دیکھ کر مجھے حوصلہ ہو گیا اور میں بھاگ کر نیچے گیا۔

ایک نہیں سب

ملت نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا 'شباب تو خیریت سے ہیں'، دفعتاً بات سمجھ میں آگئی کہ

شاب تیار ہے۔ اس نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا ہے، لیکن عفت لاہور سے لیے گئے (c)neurd.com سے بڑی محبت تھی اور جب بھی قدرت پر کوئی مصیبت آئے والی ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتا ہے وجہ ہے جہنم ہو جائے ایک بے غم ہے چینی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی۔

قدرت کا کارنامہ حبیب اور میرے درمیان ایک عجیب سا تعلق ہے۔ میرے دکھ درد حبیب کو ٹرانسفر ہو جاتے ہیں اور اس کی خوشیاں میرے غم منتقل کر دی جاتی ہیں۔ میں نے بھائی جان کو یہ بات بتائی تو وہ سخت کنفیوز ہو گئے، کئے گئے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

بھائی جان کو مطمئن کرنے کے لیے میں نے کہا شاید شاب نے یہ بات مذاق میں کہی ہو۔ بھائی جان نے سرفنی میں بلا دیا۔ بولے 'میں' وہ ایسے مذاق نہیں کرتے۔ برصالح اس روز حبیب کی کیفیت دیکھ کر مجھے یقین آ گیا کہ قدرت سچ کہتا ہے۔ قدرت کو بارت الیک کی تکلیف اس قدر شدید ہے حتیٰ جتنی حبیب کے بے چینی میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اس روز میں خود فوج ہو چکا تھا۔ اللہ یہ کیسا خدا ن ہے۔ قدرت پر کچھ واقعہ ہونے والا ہو تو یکدم کو چاروں پہلے علم ہو جاتا ہے اور بھائی کے بے وجہ اور سامان خطا ہو جاتے ہیں۔

ملا جی

پھر مجھے وہ رات یاد آگئی جب حبیب کو گردے میں پتھری کی تکلیف تھی۔ ناقابل برداشت تکلیف اور دونوں بھائی ڈرتے تھے کہ کیس ملا جی کو پتہ نہ چل جائے۔ وہ پریشان نہ ہوں۔ اس وقت دروازہ ہوتا تھا اور ایک صاحب نے دروازے میں کھڑے کھڑے کہا تھا انیس نمبر پلاؤ۔

قدرت اسے نہ پلا تا رہا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد حبیب غسل خانے کی طرف بھاگ۔ پیشاب میں پتھری کے دو ٹکڑے نکل کر باہر گرے۔

دونوں بھائی بہت خوش تھے کہ ملا جی کو پتہ چلا۔ اتنے میں ملا جی داخل ہو گئے۔ حبیب سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں، شکر ہے، دونوں پتھر نکل گئے۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اللہ یہ کیسا خدا ن ہے۔ ایک قدرت ہی نہیں۔ سارے انفرادی کسی ان جاتی طاقت کے زیر اثر ہیں۔ اس روز میں نے محسوس کیا کہ قدرت اللہ گمراہوں کا مرکز تھا۔

شاب تیار ہے۔ اس نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا ہے، لیکن عفت لاہور سے لیے گئے (c)neurd.com سے بڑی محبت تھی اور جب بھی قدرت پر کوئی مصیبت آئے والی ہوتی تو وہ بے چین ہو جاتا ہے وجہ ہے جہنم ہو جائے ایک بے غم ہے چینی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی۔

عفت نے ڈاکٹر سے ہلت کی تپہ چاکر شاب کو دل کا درد پڑا ہے۔ عفت فارغ ہوئی تو میں نے پوچھا 'آپ لاہور سے کیسے آئیں گے'۔ کتنے گلی شاب کو کوئی تکلیف ہونے والی ہو تو مجھے چاروں پہلے پتہ چل جاتا ہے۔ لاہور میں میں نے محسوس کیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ میں نے ایک کھرا حال گروہ کے گوشت پٹا، پھر لی آئی اسے کی ٹکٹ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کل رات کے چھ بجے میں ایک کن کنڈر سیٹ کے لیے میں ایئر پورٹ پر انتظار کرتی رہی، لیکن بات نہ بنی۔ البتہ کچھ صبح کی فحاشیت میں سیٹ مل گئی۔

ابھی ہم بائیں ہی کر رہے کہ پچھلے میں ایک نفسی داخل ہوئی اور قدرت کا چہرہ بھائی حبیب کراچی سے آگیا آتے ہی بولا۔ قدرت خیر ہے۔ قدرت اللہ سے مل کر جب حبیب باہر نکلا تو میں نے پوچھا 'آپ کیسے آئے۔'

کہنے لگا 'کل دوپہر سے میری طبیعت خراب ہوئی شروع ہوئی۔ ایک بے غم ہے چینی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ شام کو بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔ میں نے ایک ٹرانسکریپٹ لائزر لکھا اور لیٹ گیا۔ لیکن بے چینی کم ہونے کی بجائے عذاب بن گئی۔ میں کچھ کیا کہ قدرت کا معاملہ ٹھیک نہیں۔ میں نے پی آئی اے کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے ہفت ایس میں ایک سیٹ مل گئی اور میں چلا آیا۔ جب بھی قدرت کو کوئی تکلیف ہونے والی ہوتی ہے تو میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک بے چینی لگ جاتی ہے پھر وہ اس قدر شدت اختیار کر لیتی ہے کہ عذاب بن جاتی ہے۔

حبیب شاب

حبیب، شیٹ بک میں بلیک ریشمز کا ڈائریکٹر تھا۔ طبعی طور پر وہ جرمٹ تھا۔ وہ ایک متقی آدمی تھا اس کی زندگی میں محض اور دیکل کی بڑی اہمیت تھی۔ ایک شرورٹ تھا۔ اس کا تھا شدت سے حقیقت پسند تھا۔ ہندوستانی لوگوں نے اسے کوئی دل نہیں تھی۔ طبیعت میں مذہبی رجحان نہ تھا۔ یہی وہ نفسیوں کو اچھا نہیں جانتا تھا۔ لاگ لگاؤ کا قائل نہ تھا اس کے

OneUrdu.com سے ہے۔ صرف چیزوں سے ہی نہیں کسی فرد سے بھی ہو سکتی تھی اور حالت سے بھی۔

ان دونوں لائوروں میں ایک الرمی پیپلسٹ آیا ہوا تھا جو تجزیہ کر کے بتاتا تھا کہ الرمی کسی چیز کی ہے۔ وہ مریض کے خون میں عتق چیزیں ڈالتا تھا۔ جس چیز سے خون میں اہل آتیا تک اس چیز کا نام دیتا تھا کہ آپ لپاس چیز سے الریک ہیں۔ اس چیز سے پرہیز کریں۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ لائوروں جاکر الرمی پیپلسٹ کو دکھائوں۔ لائوروں جانے سے پہلے میں قدرت اللہ کے ہم کیا میں نے کہا میں الرمی پیپلسٹ کو دکھانے لائوروں جا رہا ہوں۔ قدرت اللہ نے کہا فرض کیجئے پیپلسٹ کہتا ہے کہ آپ کو گوشت سے الرمی ہے تو!

تو کیا میں نے جواب دیا میں گوشت کھاٹا چھوڑ دوں گا۔

چچا۔ بہت اچھا وہ بولا، لیکن اگر اس نے کہا کہ آپ کو پان سے الرجی ہے تو۔

تو۔ مشکل ہے، لیکن میں کوشش کروں گا کہ پان کھانا چھوڑ دوں۔

چلے جان لیا کہ آپ پان کھانا چھوڑ دیں گے، لیکن اگر سپیشلسٹ نے کہا کہ آپ کو اپنی بیوی سے الرقی ہے تو آپ کیا کریں گے۔

اس پر غمت فتنہ مار کر بس چڑی۔ بولی، آپ ان کی باتیں نہ سنیے یہ تو ویسے ہی اناپ
 شباب بول رہے ہیں۔ آپ مجھ سے بات کیجیے۔ میں ڈاکٹر ہوں۔

ہاں جی تو ڈاکٹر صاحب آپ بتائیے کہ الرمی کیا ہوتی ہے، شباب نے کہا۔

عفت بولی۔ مفتی صاحب الہی کو لے کر ہانڈ درخت کی کسی خوشی پر بیٹھ جاتی ہے۔ آپ سیٹھسٹ سے پہچتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ کوا قلاں خوشی پر بیٹھا ہے، پھر اس پر مار کر اسے اڑا دیتے ہیں، مگر وہ درخت کی دوسری خوشی پر جا بیٹھتا ہے۔ یوں الہی مفتی کو توڑنے اس نے قلاں بدل لی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں نے کہا تو آپ کا مطلب ہے کہ میرا لاہور جانا ہے کار ہے۔

پاکستان، وہ بولی۔

تو پھر میں کیا کروں۔ ساری عمر کھاتا رہوں اور گولیاں پھاکتا رہوں۔

کسی بزرگ سے کہو دعا کرے، عفت نے کہا۔

چند ایک روز کے بعد میں شہاب کا محل جانے کے لیے گیا۔

میں نے کہا آپ کو ہارٹ اٹک کیوں ہوا۔

کہنے کا ہارٹ انیک نہیں ہوا۔

میں نے پوچھا "پھر کیا ہوا۔"

بولو، چینی کی پہلی پرزیدانہ پڑ جائے تو وہ ترخ جاتی ہے، مجھے بات سمجھ میں نہیں آئی، میں نے کہا، بھارت میں نہ بکھو ایسے صاف بات کیجیے۔

بولتا صاف بات ہی تو کی ہے۔ اس رات میں نے خود پر زیادہ دھوکہ ڈال دیا۔ اس لیے ترخ کیا۔

میں نے کما گزشتہ چار پانچ برس میں آپ کئی بار تڑپے ہیں۔

ہاں شاید وہ بولا۔

لیا زیادہ دھڑا لے میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

وہ مسکرا دیا اور پھر اس نے بات بدل دی۔ کہنے لگا 'آپ کی الرمی کا کیا حل ہے۔'

الرجى كاكوا

سیری الرحمی بہت پرانی تھی۔

ہفتے میں دو ایک مرتبہ دور پڑتا تھا۔

جسم پر پھنسیاں لٹل آئیں۔ خارش ہوئی۔ آگ سی لگ جاتی تھی۔ پھر میں انٹی
سمینٹک گولیاں پھاٹکا رہتا۔ پتہ نہیں میں کتنی ہزار گولیاں پھاٹک چکا تھا۔

ڈاکٹر کہتا ہے یہ الرقی ہے۔ مجھے الرقی کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا تھا۔

ان دونوں الٰہی ایک نئی بنیادی تھی۔ جس کی کئی ایک شکلیں تھیں۔ پسندیں تھیں یا پسندیں آئیں یا آنکھ ناک سے لپٹی ہوتا۔ الٰہی کا کوئی مستقل علاج نہ تھا۔ گویا کھانے اور اچھے ہو

”پھر کوئی کہو اور اچھے ہو جاؤ۔“

بس زندگی بحر گولیاں چمکتے رہے۔ گولی کھانے سے پہلے بھنبسور کی تکی ہوتی۔ گولی کھانے کے بعد پھنسیں تو ب جاتی مگر گولی کی تکی شروع ہو جاتی رہے۔ پھر یہ تکی جاتا رہا۔

IndyPhoto.com

بزرگ کہاں دعا کرتے ہیں جو راضی بہ رضا ہوں وہ کیوں دعا کریں گے؟ www.urduphoto.com مست خود آکر میری دلخیز نہیں بیٹھا بلکہ ٹھٹھا کیا ہے تاکہ میری الرئی سلب کر یوں میرا لاہور چالے گا پروگرام ختم ہو گیا۔

مست

ان دنوں میں سبب لاپتہ جان کے ڈی جاک میں رہتا تھا۔ اگلے روز ہمارے گھر کی دلخیز ایک مست آ بیٹھا اس کا چہرہ ڈراؤنا تھا۔ پہلے پہلے اسے دیکھ کر گھبرا آئی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بیماری تھی۔ ہر دو گھنٹے کے بعد وہ چلاؤٹا روٹی روٹی۔ اسے جو بھی دیتے کھا لیتا پھر دو گھنٹے کے بعد چھین مارنے لگتا روٹی روٹی۔

میری بیوی کہنے لگی 'یہ کیا مصیبت آپڑی ہے۔ اسے یہاں سے اٹھو۔ میں نے دو ایک بار مست سے بات کرنے کی کوشش کی کہ پاپا اور بیٹھ جا کر۔ تو نے تو ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ اس نے میری بات کی طرف توجہ نہ کی۔

چند ایک دنوں کے بعد مست نے کھانا شروع کر دیا۔ اس کے جسم پر ہلکے ہلکے چھالے لگ آئے کھانا کھا کر چھالے زخم بن گئے۔

ہم سب خوف زدہ ہو گئے کہ مست کی کھلی گھر کے اندر آجی تو سب گھس جائیں گے، لیکن کوششوں کے باوجود ہم اسے اپنی دلخیز سے اٹھا نہ سکے۔ ایک دفعہ دو گھنٹے داروں نے اسے سمیٹ کر سامنے بند درواخانے کے پیچھے تھلا دیا لیکن اگلے صبح جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ وہ پھر بیماری دلخیز پر آ بیٹھا ہے۔ یوں دس چودہ دن گزر گئے۔

دفعہً مجھے خیال آیا کہ ان دنوں کے دوران مجھے الرئی کا دورہ نہیں ہوا تھا۔ شباب کی طرف گیا تو بریکٹل تھک 'مست کی بات کر دی۔ میں نے کہا 'حیرت کی بات ہے کہ ہم تو رستے تھے کہ مست کی کھلی گھر میں داخل ہو جائے گی، لیکن اس کے برعکس اس ہفتے مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ قدرت نے مست کی بات سن کر اس میں دل بہا لینی شروع کی۔ مست کے حلق کی ایک سوال پوچھتے میری الرئی کے حلق وہ غیر معمولی دلچسپی لیتا رہا۔

میں نے کہا 'شباب ہی مجھے قلم پڑتا ہے۔

کیا قلم پڑتا ہے اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

ہاں وہ بولا 'ہو سکتا ہے۔ شاید بھائی جان نے ٹھٹھا ہو۔

اونہوں میں نے جواب دیا۔ بھائی جان ایسے کتب نہیں کرتے وہ تو عموماً مسخیں ہیں۔

شاید آپ کے سرکار قبلہ سائیں لطف بخش نے سمجھا ہو 'وہ بولا۔

ہاں ہو سکتا ہے۔

آپ بھائی جان سے پوچھیں 'قدرت نے کہا۔

پوچھوں گا۔ مجھے بتائیے کیا یہ لوگ اتنے طاقت ور ہوتے ہیں۔

ہاں 'وہ بولا۔ سنا ہے یہ لوگ بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔

یہ تو بڑی زیادتی ہے 'میں نے کہا کہ ایک شخص کو بچانے کے لیے دوسرے کو روگ لگا دیا جائے۔

جب میں رخصت ہونے لگا تو وہ بولا 'فیرے مجھے بھی شہر چاہا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ موٹر سائیکل میں رہنے دیں۔ آپ کے گھر کا میں بھی مست کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

اس روز خیر از معمول وہ میرے گھر کی فلو ڈی میں در تک بیٹھامست کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر دلی دلی مسکراہٹ تھی۔ اس کے بعد بھائی جان سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں مست کی بات سنا لی۔ میں نے کہا 'بھائی جان ایک بیٹے سے وہ بیٹھے گھر کی دلخیز بیٹھا ہے۔ اس دوران میں مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ لگتا ہے جیسے میری الرئی اس نے سلب کر لی ہے۔ کھانا کھا کر اس کا جسم زخموں سے بھر گیا ہے۔

آم اور درشت

بھائی جان میری باتیں غور سے سنتے رہے۔

میں نے کہا 'جب ایسے لگتا ہے جیسے وہ خود میری دلخیز آکر نہیں بیٹھا بلکہ اسے سمجھا گیا ہے۔

ہے۔

شاید 'وہ بولے 'ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا شاید سرکار قبلہ کا کرم ہو۔
بھائی جان سوچ میں پڑ گئے، پھر پوچھنے لگے، کیا آپ نے سرکار قبلہ کی خدمت میں
درخواست پیش کی تھی کہ مجھے الرئی سے بچانے کے لیے دعا کیجیے۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

سوچتے ہوئے شاید۔

جی نہیں میں نے ان کی خدمت میں بھی گزارش نہیں کی۔

یہ سن کر وہ پھر خاموش ہو گئے۔ دیر تک خاموش رہے پھر سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے
'مفتی بی' آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ آتم کما کیے۔ بیڑ کیوں مگتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ
آپ پر لوگ صبر کرتے ہیں۔ کرم لوانیاں ہو رہی ہیں۔

اگلے روز راجہ شفیع آگیا۔ اس نے مجھے ڈانڈا شروع کر دیا۔ کہنے لگا، 'مفتی یہ کیا بری عادت
ہے تجھے۔ چھوڑ اسے تو آتم کما بیڑ کیوں مگتا ہے۔

یہ میرے بس کی بات نہیں راجہ، میں نے جواب دیا۔

بھائی جان تجھ سے ناراض ہیں۔ کہتے ہیں اسے سمجھا جا کر کہ ہل کی کھل اتارنے کی عادت
چھوڑ دے۔

دراصل راجہ شفیع ایک سچا مرد تھا۔ وہ جانے بغیر ماننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مجھ میں جاننے
کا جو حق تھا ماننے کی توفیق نہ تھی۔

اس کے بعد جب بھی میں شاب سے ملتا تو وہ پوچھتا، 'مست کا کیا حال ہے کیا ابھی بیٹھا ہے۔
کیا آپ کو الرئی کی شکایت ہوئی۔

چار ایک بار مجھے شک پڑا کہ شاید یہ شاب کی شرارت ہو۔ لیکن دل نے کہا نہیں۔ شاب
اس قسم کی شہدہ بازی کو پسند نہیں کرتا۔

مست کا سودا

پھر ایک دن اس میں جو کھرے پھر نکلا تو دیکھا کہ مست موجود نہیں۔

میں نے انہوں سے پوچھا، 'جو کھلی میں کھیل رہے تھے۔

کے تھوڑے پر چار بیٹے پڑا تھا۔
اگلے روز علاقے کی پولیس نے آدراواز کھٹکھٹایا۔ کہنے لگے، 'آپ کے بیانات لیجئے ہیں۔

میں نے پوچھا، 'کس سلسلے میں۔

بولے، 'اس مت کے بارے میں جو آپ کی رپورٹ پر بیٹھا رہتا تھا۔

اسے کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

وہ فوت ہو گیا ہے۔

اگلے دن میں شاب سے ملا تو میں نے کہا، 'بڑا غم ہوا۔

کیا ہوا؟ اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، 'مست فوت ہو گیا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے، وہ بولا، 'اس کا وقت آ گیا ہو گا۔

میں نے کہا، 'پچ نہیں کیوں۔ لیکن میں کھلی محسوس کر رہا ہوں۔

وہ کیوں؟

اس مت نے میری الرئی سلب کر لی اور اپنی جان کر قربانی دے دی۔

شاب نے جواب نہ دیا۔

آخر دس ماہ کے بعد مجھے پھر سے الرئی کی بنیادیں نکل آئیں۔

شاب اس پر مسکرایا۔ بولا، 'ساتھیں جی سے کو شاید وہ کوئی اور مت بھیج دیں۔

میں نے کہا، 'شاب جی۔ یہ تو بڑا منگکا سودا ہوا کہ ہر دس ماہ کے بعد ایک مت کی قربانی

دے۔

Oneurdu.com سے آپ کو بولا 'اونوں' تو چاہے نہ چاہے یہ تو ہو گا جو ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ ایک بار شباب نے بھی مجھ سے بریکسل تذکرہ کیا تھا 'انشاء اللہ ہم اکٹھے جج پر جائیں گے۔ آپ جج پر جانے کی عرضی دے دیں۔

پھر دو تین سال میں باقاعدہ جج پر جانے کی عرضی دیتا رہا، لیکن قریہ اندازی میں میرا نام نہ لگا۔ اس انڈسٹری میں شاب کا پتلا ہو گیا اور وہ پینڈہ چلا گیا۔

جج کا پروگرام

میں نے خط میں اسے اطلاع دی کہ اس سال بھی میرا نام نہیں نکلا۔ جواب میں اس نے مجھے ۳۰ دسمبر ۱۹۸۸ کو خط لکھا جس میں جج کا پروگرام لکھا تھا۔ مجھے اس قسم کی ہدایات دی گئی تھیں۔

۱۔ جج کے لیے درخواست دے دیں۔ اگر نام نکل گیا تو خوب۔

۲۔ اگر نام نہ نکلے تو آپ ہیروٹ آجائیں۔ امریکی ایکسپریس سے کہیں کہ وہ ٹکٹ بنا دیں۔

کراچی سے ہیروٹ

ہیروٹ سے جدہ

جدہ سے ہیروٹ

ہیروٹ سے ایسٹروم لندن ————— ہیروٹ

ہیروٹ سے ایسٹروم

ایسٹروم سے کراچی

۳۔ کراچی سے جوں روانہ ہوں کہ ۳۱ یا ۲۷ کو ہیروٹ پہنچ جائیں باقی جنگ لوہن رکھیں۔

۴۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کی شام کو ہیروٹ پہنچ جائیں گے۔

میں اس پروگرام کے مطابق تیاری کر رہا تھا کہ آخری ایام میں۔ غفور صاحب میری گھر آ گئے۔ ان کی آمد میرے لیے حیرت انگیز تھی چون کہ انہیں میرے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ کہنے لگے 'میں راولپنڈی کسی کام سے آیا تھا۔ سوچا آج سے ملتا جاؤں۔

میں نے جج کی تیاری کے متعلق بات کی تو کہنے لگے 'کیا آپ کو شباب صاحب نے اطلاع

جج، ہارٹ اٹیک، مکان،

پھر جج کی بات چل نکلی۔

دراصل جج کی بات کئی ایک سال سے چل رہی تھی۔

جج کے متعلق میں نے تمام تفصیلات اپنی کتاب لیک میں درج کر دی ہیں۔ جنہیں یہاں درج کرنا مناسب نہیں چند اہم باتیں یہ تھیں کہ

جج پر جانے کی خواہش میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جج پر جانے کی خبر مجھے راجہ بازار کے فوارہ چوک میں کھڑے ایک مست نے دی تھی۔ پھر لاہور چھوٹانی کی ایسٹن روڈ کی کوٹھی میں ایک نوجوان مست نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ شباب اور میں برآمدے میں بیٹھے تھے۔ دفعتاً 'باہر ایک شور مچا ہو گیا۔ بہت سی عورتیں ہاتھیں کر رہی تھیں۔ ان میں ایک مرد کی آواز بھی تھی۔ وہ جج رہا تھا چلا رہا تھا۔

پھر وہ دھڑکی جانب آگیا۔ آتے ہی شباب سے بولا تو اسے جج پر کیوں نہیں لے جاتا۔ لے جاتا پھر اس نے مجھے بہت سا کرنا نہ کھلایا۔ 'لے وہ بولا رکھ لے یہ تیرا خرچہ ہے۔

پھر وہ شباب کی طرف اشارہ کر کے بولا 'یہ شخص ایمان والا ہے۔ عمل والا ہے۔ یہ پانچ جج کرے گا کہ اس کی گاڑی پر بمبڑا لگے گا قاتل بنی ہوئی ہے۔' صرف دھمکا کرتے باقی ہیں پھر وہ

© Oneurdu.com

رکلوئیں

ج کے دوران مجھے چار ایک پاؤں کا پتہ چلا۔

کہ کمرہ میں شباب کو چار ایک بار اٹھایا سنا کا دودھ پڑا۔ دو تین بار اس کے جسم کے جوڑا کڑکے۔ حرکت کرنا ممکن نہ رہا۔ جب بھی کوئی اہم مقام آتا تو اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی۔

ج کے واپسی کے بعد میں نے اس حصے پر چھلکہ کہ مکہ معظمہ میں ایسے علما کیوں آئے تھے۔

مجھے نہیں پتہ وہ بولا، بس میرے راستے میں رکلوئیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔

کس نے رکلوئیں کھڑی کیں، میں نے پوچھا۔

بولا، پتہ نہیں غالباً، دی فورسز ہی پوچھا۔

وہ خیر کی طاقتیں تو نہیں ہو سکتی تھیں۔

اس نے سرنگی میں ہلادوا۔

ایک بات بتاتے ہیں میں نے کہا، آپ کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی۔ آپ خود ہی کہا کرتے ہیں کہ رکلوئیں سے گھبراہٹ نہیں چاہیے۔ صرف اس کا راستہ روکا جاتا ہے جس کے پہنچ جانے کا خطرہ

ہو۔

ہاں، وہ بولا، تو ہونا تو ایسا ہی چاہیے لیکن۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک بات اور ہے، میں نے کہا یہ رکلوئیں صرف مکہ معظمہ میں پیش آئیں۔ مدینہ منورہ میں نہیں۔

توجہ اور مرکز

مدینہ منورہ تو رحمت ہی رحمت ہے، اس نے جواب دیا۔

ج کے دوران قدرت اللہ بار بار مجھے ایک بات سمجھاتا رہا کہ دیکھو یہاں توجہ مرکز سے نہ

میں دی کہ اس سال آپ ج کے لیے نہیں جائیں گے۔ مدینہ شریف سے منع فرمایا نہیں، بلکہ چند ایک روز کے بعد شباب صاحب کا خط ملا لکھا تھا یاد ہو اس سال ہم ج پر نہیں جائیں گے۔

۱۹۶۶ء کے آخر میں شباب واپس پاکستان آگیا اور اس نے مرکزی وزارت تعلیم کے سیکرٹری کا چارج لے لیا اور ۱۹۶۸ء میں ہم دونوں ج پر ملے گئے۔

مرد قدیم

ج میں میرا سب سے بڑا مشاہدہ مرد قدیم تھے۔ مسجد نبویؐ میں جب ہم فجر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے تو مرد قدیم اس جانب سے تشریف لائے جہر مسجد کا بڑا آئندہ قلم۔ اوپر سے مسجد میں داخل ہوئے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

ان کے بڑے کی طرف دیکھ کر میں حیران ہوا۔ ان کے چہرے پر آہنی عزم اور سنجیدگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوہے کے بنے ہوئے ہوں اور اس قدر قدیم ہوں کہ تاریخ کے کسی دور سے نکل کر آئے ہوں۔

برآمدے سے وہ سیدھے ہماری جانب آئے۔ اس وقت ہم فجر کی نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے۔ پیچھے سے آکر انہوں نے ہم دونوں کو الگ کیا اور ہمارے دو میان آکھڑے ہوئے۔

اس بات پر مجھے بڑا فخر آیا۔ ہمیں الگ کرنا کیا ضرورت تھی۔

پندرہ بیس منٹ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہم سے منہ سے کوئی بات نہ کی، لیکن ان کے ہاتھ متحرک رہے اور وہ باتیں کرتے رہے ان کے جسم میں محبت بھری لہریں تھیں۔ اپنی بات تھی، کرم نوازی تھی۔ ان کی شخصیت سے عجیب سی وابہریشنز نکل رہی تھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے قدرت کی طرف دیکھا وہ مجھ کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

لیکن اس کی آنکھوں میں دلی دلی پلمکھڑی چل رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ سمجھتا ہے، جانتا

ہے۔ گردو پیش میں چاہے کوئی واقعہ پیش آئے، کوئی بھڑا ہوا باعث ان کی کوششوں سے غائب ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے سب سے بہتر حل کا بندوبست فرمائے گا۔

۱. علی کھانے کا مڑا

عینہ منورہ میں دو روز صبح چن چن مجھے جگانا اور ہم دونوں جہڑ مبارک کے باہر کیو میں
 مارے ہو جاتے۔ جب مسجد نبویؐ کا جہڑ مبارک والا دروازہ کھلتا تو وہ دیکھنے کھانا ہوا اندر داخل
 ہوا اور جہڑ مبارک میں لٹل کی نیت پاندھ کر کھڑا ہو جاتا پھر زائین کا مڑا اندر داخل ہوتا
 حضرت اشتر کو دھکا لگا اور وہ یہی سے وہاں تک لڑھکتا جا پہنچتا پھر سے دھکا لگتا تو وہ فٹ پل کی
 طرف لڑھکتا ہوا لوہر آ پہنچتا جہڑ مبارک میں نوافل پڑھا پیسے دل گردے کا کام تھا۔ کئی بار وہ
 مارے جا کر کھاتا چوٹ لگتی، لیکن اس کی نیت نہ ٹوٹتی۔

ہندو مندر میں قیام کے دوران تین مرتبہ پاکستان ڈھنڑی کے ڈاکٹر نے قدرت اللہ کو پیغام لیا۔ آج رات کو مسجد نبویؐ خصوصی طور پر قضاۃ اللہ کے لیے چند گفتگو کے لیے کیے گی۔ آپ چاہیں تو آپ بھی ان کے ہمراہ مسجد میں جا کر نوافل لاکر سکتے ہیں۔

قدرت اللہ شب نے ڈاکٹر کاظمیہ لڑا کیا اور معذرت کر دی کہ میری طبیعت خراب ہے
 میں نے یہ حاضری نہیں دے سکیں گے اس کے باوجود تہجد کے وقت اس سے مجھے آج کیا پورا
 حالہ خیر مبارک میں چلے گا وقت ہو گیا اور وہ خیر مبارک میں حسب معمول دیکھ کھاتا رہا
 اگلی مرتبہ جب پھر خصوصی طور پر مسجد نبویؐ کے کھلنے کی خبر آئی تو عنف بگڑ گئی۔ کہنے لگی،
 آپ کو تو دیکھ کھانے میں مڑا آتا ہے۔ ہمیں آپ چلنے سے کیوں روکتے ہیں۔ میں روکتا تو
 نہیں اس نے جواب دیا اگر آپ چلتا چلتی ہیں تو بے شک جائیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کو فون کر
 رہا ہوں۔ وہ خصوصی پاس بجھا دیں گے۔

۶/۱۰/۱۱ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا 'آپ بھی عفت کے ساتھ ہو آئیں۔'

میں نے نفی میں سر ہٹا دیا۔

مفت فیس میں ہولی کیوں آپ کو کیا ہے۔

میں نے کہا، انہیں دھکے کھانے میں مزا آتا ہے۔ مجھے انہیں دھکے کھاتے دیکھنے میں مزا آتا

اتفاق سوزِ واقعہ کچھ بھی ہو اس کو ناس نہ لیں۔ دل آزر دہ نہ کریں، غم نہ کھائیں، غصہ نہ کریں۔ مرکز سے توجہ نہ ہٹائیں۔ ایسے واقعات صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ آپ کی توجہ ہٹ جائے۔

عینہ منورہ کے ہوٹل میں ایک روز میں غم و غصہ سے بھرا بیٹھا تھا۔ الخلق سے قدرت ا
 گیا تیری طرف دیکھ کر بولا، 'کیوں کیا ہوا۔
 کچھ نہیں' میں نے اسے خالنے کی کوشش کی۔
 آپ بڑے ڈسٹرڈ ہیں وہ بولا۔

میں نے کہا، 'سعودی حکومت نے جو افر آپ کے ساتھ بیج کر رکھا ہے، اس کی دیہ
 دلیری پر حیران ہوں۔'

اس نے کیا کیا ہے 'شہاب نے پوچھا۔

ایک پاکستانی لیڈی ڈاکٹر کو پھنسا لیا ہے۔ دونوں نے یہ سنا کر ایک کروایا ہے۔ اعلائیہ
 اٹھتے رہتے ہیں۔ شہاب صاحب یہاں عدتہ شریف میں ایسی اخلاق سوز حرکت۔
 مفتی صاحب اس نے جواب دیا، وہ یہ اخلاق سوز حرکت صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ
 آپ کا جھوٹا کر دیں۔ آپ غم و فزع کا شکار ہو جائیں۔ آپ کی توجہ مرکز سے ہٹ جائے یہ
 آپ کے خلاف ایک سازش ہے۔

عام انسان

جے کے دوران دوسری بات جو قدرت اللہ نے مجھے سکھائی ہے، یہ تھی کہ حسن شریف میں
 دُعا کو عالم انسان کی حیثیت سے دیتا جائیے۔ ہر کسی کا احساس یہاں ہے۔ عہدے کا احساس نہ
 ہو، پڑائی کا احساس نہ ہو صرف انسان کا احساس۔
 قدرت اللہ اس پر عملی طور پر پابند تھا۔

جب بھی وہ حج یا عمرہ کے لیے سعودی عرب آتا تو ایک عام زائر کی طرح کیو میں کھڑا ہو کر
 دیر حاصل کرتا۔ کیو میں کھڑا ہو کر پی آئی اے کی ٹکٹ بنواتا اور قارئین ایکس پیج حاصل کرتا۔

© Oneurdu.com جس میں ایک جالے پچائے ہوئے افسانہ نگار نے لیک کی رونمائی پر یہ عنوان

سیارہ ڈائجسٹ

نکلا۔

ج کی رونمیا دلکھے کامیرا کوئی اراو نہ قلا یہ موضوع اسلام سے تعلق رکھتا قلا اور میں

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سترہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ہزار اور ایک منسل پندرہ لکھا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظمین بار بار شاہد مار ہل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مندی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ماسٹر سیف اللہ صاحب سے سرگوشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ ممتاز مفتی کو صدر گھر میں مرشد کیوں ملا۔ اس کا خبر کے لیے انہیں خائفہوں یا پھر غافلوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے اپنے کالموں میں بار بار اس کا ذکر کیا۔

ترقی پسند

پھر ترقی پسندوں نے اس کتب کے خلاف ایک مہم چلا دی۔ انہوں نے ایک خبر بھیجی کہ ہمسو میں ایک اہلی کانفرنس ہوئی جس میں ممتاز مفتی کے مضمون ”جج بیت اللہ“ پر جو سیارہ احتجاج میں قسط وار چھپ رہا ہے۔ تہہ کیا گیا۔ کانفرنس میں کہا گیا کہ ایسے مضامین لکھے جائیں جو قارئین کو مذہب سے بے زار کریں جیسے کہ جج بیت اللہ۔

اس پر مفتی ڈوگر نے ہفت روزہ ”زندگی“ کے ۳۰ دسمبر تا ۹ جنوری ۱۹۷۲ء کے شمارے میں ایک کالم لکھا جس سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

گزشتہ دنوں روس میں امن بذریعہ قلم کار کانفرنس ہوئی۔ اس میں ایشیا اور افریقہ کے ترقی یافتہ اہل لب و دوس کی پدائیت اور خرچے پر غریب عوام اور ممالک کی جبری ترقی کے ذرائع پر غور و فکر کرتے رہے۔ پاکستان اور بھارت کے بہت سے ”اہل دل“ اور ”اہل درد“ بھی روز ہلانے کے لیے سیر کو گئے۔ پاکستانی کمونسٹوں کے جدِ اعلیٰ جناب سجاد ظہیر اسی کانفرنس میں امن کے بوجھ سے دب کر اس دنیا سے ہل دیے تھے۔ اس کانفرنس میں برصغیر میں پائیدار قیام امن اور بھارت پاکستان کنفیڈریشن کے قیام کے لیے ان لوگوں کو ایک لائحہ عمل دیا گیا۔ اس کی تفصیل

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سترہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ہزار اور ایک منسل پندرہ لکھا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظمین بار بار شاہد مار ہل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مندی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ماسٹر سیف اللہ صاحب سے سرگوشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

تقریبوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ تقریب کسی نہ کسی منہل پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور مقلد کسی نہ کسی مرحلہ پر پہنچ کر قہام ہو جاتا ہے، یہ مضمون بھی بلاخر ختم ہو گیا اور سامعین نے اس کے ختم کے ساتھ گرم جوشی سے تائیں بنائیں۔

اس تقریب میں ایک مضمون ذوالفقار بٹاش نے پڑھا اور کتب سے گزر کر اس شخصیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جس نے اس سترے کو بہت روٹتی بخشی ہے۔ یہ قدرت اللہ شہاب ہیں۔ ذوالفقار بٹاش کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس صاحب کرامت بزرگ کے گرد تین درویش اکٹھے ہوئے ہیں۔ ممتاز مفتی، اشفاق احمد، ابن انشاء ہر درویش مرشد کے حقیقی الگ بیان دیتا ہے اور زلیلا داستان بناتا ہے۔

افجاز حسین بنامی کہتے تھے کہ ہم نے بھی شہاب کو دیکھا اور جانا ہے پتہ نہیں مفتی صاحب نے انہیں کس آگے سے دیکھا اور وہاں کیا جاوہر پلایا۔

اسرائیل کے ایک جریدے ONEURDU.COM PUBLISHED BY AHAARONOT کے کالم نگار کے نام سے جو اسے "اسرائیل کے کالم نگار" کے نام سے شائع کرتا ہے۔ اس کتاب کی رائٹنگ ملتی ہے۔

ساری رات میں سوچا رہا اشتقاق کی کتاب ہے۔ یہ کتاب سیری کتاب نہیں ہے مجھے اس کی اشاعت میں حائل نہیں ہوا ہے۔
اگلے روز میں نے پیش کونسل کے نام پر "کتاب" میں اعلان کر دیا کہ لیک کے حقوق مصنف کے حق میں محفوظ نہیں ہیں۔ جو شخص چاہے اسے مصنف کی اجازت کے بغیر شائع کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر یاربر ایٹشکاف

حال ہی میں ایک امریکی ڈاکٹر یاربر ایٹشکاف نے "ایک" پر تحقیق کرنے کے بعد ہنڈی وار لبریری ٹائمز کیم آسٹریا جون ۱۹۹۰ء کے شمارے میں ایک چار کالمی مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے۔

"BARBRA METCALF QUESTIONS THE ASSUMPTION THAT ISLAM IS MONOLITHICALLY INTOLERANT OF SATIRICAL TREATMENTS OF RELIGIOUS ORTHODOXY AND EXAMINES THE URDU WRITER MUMTAZ MUFTI'S LABBAIK AN ACCOUNT OF HIS PILGRIMAGE TO MECCA, A BOOK CONTINUOUSLY IN PRINT SINCE ITS PUBLICATION IN 1975."

بارٹ ایک

ج سے واپسی کے چند ماہ بعد مجھے دل کا دورہ پڑ گیا۔ رات کے دس بجے کے قریب مجھے چھاتی میں درد ہوا۔ میں سمجھا کہ شاید درد رت ہے۔ مجھے اکثر ہوا کی شکایت ہو جاتی تھی۔ درد بڑھتا گیا بڑھتا گیا حتیٰ کہ نا قابل برداشت ہو گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بارٹ ایک ہے۔

کافر میں اس مقدمے کے لیے پاس کی جانے والی قرار دوا میں کہا گیا کہ "بھگہ دیش" کے قیام کے بعد برصغیر میں عوامی تحریک اور پروٹیکٹری نگر کی کھیلوں کو مزید مضبوط کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان ثقافتی دیواریں توڑ دینا چاہئیں۔ پاکستان اور بھارت میں کثیف ریشہ کی قیام اور پائیدار امن اسی صورت ممکن ہے کہ پاکستان میں جینیاتی ادب اور دہشت پسند تحریروں کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ دہشت پسند کماتوں اور پرانے ہندی ہندی امنی انداز کے انسانوں کی تشویر ہے حد ضروری ہے جس میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا مذاق اڑایا جاتا جائے۔ قرار دوا میں کہا گیا ہے، اس سلسلے میں پاکستان میں روسی سفارت خانے کا تعاون بہت ضروری ہے اور امریکی مراکز اطلاعات سے بھی مدد حاصل کرنا چاہیے۔ کراچی سے نکلنے والے دو رسائل "عالمی ڈائجسٹ" اور "سب رنگ ڈائجسٹ" کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور لاہور کے رسالہ "سیارہ ڈائجسٹ" کے جنوری ۱۹۹۰ء کے مضمون "ج بیت اللہ" کی تحریف کی گئی ہے۔ برصغیر، فلج کی ریاستوں اور مشرق وسطیٰ کے ترقی پسند مصنفین کو اس محل پر فوری جہاد امن شروع کر دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

ایک روز شام اور اشتقاق بازار سے کچھ کتابیں خرید کر لائے تو اشتقاق کئے لگا یا ملتی تھی کتاب "ایک" اولیٰ کتابوں کی دوکان پر نہیں ملتی۔ اسلامی کتابوں کی دوکان پر ملتی ہیں۔ شام بول۔ قرآن کریم اور حدیث کی کتابوں میں رکھی ہوئی ہے۔ حیرت کی بات ہے میں نے کہا میرا خیال تھا اس کتاب پر بڑے اشتقاق ہوں گے۔

ہاں ہوا تو کیا چاہیے تھا اشتقاق نے کہا۔
معلوم ہوا ہے کہ اشتقاق کے ہونے سے اس کتاب کو پھانسی دیا ہے۔

رشتہ ختم کرنے دو تین بار کہا میں ڈاکٹر نے آتا ہوں۔ لیکن میں نے (Dr. Farid) صاحب آپ کی ریکوری تو خوب رہی۔ آپ کا تو سکار بھی نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے میرا سہرا ہے۔ ان دنوں ہم دونوں سیٹلائٹ ٹاؤن میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

میرا ج کراچی پر وگرام بنا تو رشتے نے مجھے سے کہا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد اقبال اور بچے اکیلے رہ جائیں گے چوں کہ کبھی ابھی چیکو سلاو کر کے واپس نہیں آیا تھا۔
 کہنے لگا 'تمہاری کٹی میں ایک مکان خالی پڑا ہے بہتر ہے ج پر جانے سے پہلے مکان بدل لیں۔
 اس کے کہنے پر میں نے مکان بدل لیا تھا۔

مجھے چھاتی میں درد ہوا تو اقبال نے رشتے کو بلا لیا۔ جب درد نا قابل برداشت ہو گیا تو رشتے نے کسی لائے کے لیے بھاگ۔ پھر دفعہ "ہوں ہوا جیسے کسی نے پانی کی منگ مجھ پر گرا دی ہو اور میں بے جان ہو کر چار پائی پر گر پڑا۔

ہولی فلی ہسپتال میں انہوں نے مجھے پے پے ڈین کا ٹینک لگا کر سلا دیا۔

اگلے روز ڈاکٹر آیا تو میں نے اسے بتایا کہ مجھے دل کا دورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا 'آپ فکر نہ کریں۔ ابھی پتہ چل جانے کا پہلے آپ چار ایک شٹ کروائیں۔

تین دن میں کیوں کمزور ہو کر شٹ کروانا پڑا۔ چوتھے دن میں نے ڈاکٹر سے کہا 'جب میں قلم مزدور آوی ہوں۔ گھر چلانے کے لیے سکرپٹ لکھتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ گھر چلا جاؤں اور سکرپٹ لکھنے شروع کر دوں۔

ڈاکٹر نے کہا 'آپ کے دستوں کے نتائج آجائیں گے میں انہیں دیکھ کر آپ کے بارے میں فیصلہ کر سکوں گا۔

اگلے روز وہ گھبرایا ہوا آیا کہنے لگا 'آپ کو کارڈری انفکشن ہوا تھا۔ بہت شدید ہارٹ اٹیک تھا۔ آج سے آپ بیڈ ریسٹ پر ہیں۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب مجھے آپ پر اعتماد نہیں رہا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ پہلے روز ہی اعتیاد کے طور پر مجھے بیڈ ریسٹ کا حکم دیتے۔ اس پر ڈاکٹر ناراض ہو گیا اور میں اس کی اجازت لیے بغیر گھر چلا آیا۔

کوئی کس

چھ مہینے کے بعد میں ڈاکٹر کے کلینک میں گیلہ انہوں نے میرا ای سی جی کیا اور خوشی سے

آپ نے تمہاری دو انگلیاں بڑے اہتمام سے کھائی ہیں۔
 میں نے کہا 'جب میں نے سیانے لوگوں سے مشورہ کیا تھا انہوں نے کہا قلب کے لیے بحسن دوا طب میں نے کی۔ اس لیے میں خیرہ مراد یہ کہنا رہا۔ کلور سٹل کے لیے مجھے بائو کسی میں ایک ایسی دوا مل گئی جو خون نہ کاڑھا ہوئے دیتی ہے نہ چٹا کرتی ہے۔

یہ سن کر ڈاکٹر صاحب سخت جگڑے ہوئے 'آپ پڑھے لکھے ہو کر کوئی کس کی دوا کھاتے ہیں۔

میں نے کہا 'ڈاکٹر صاحب ابھی ابھی آپ فرما رہے تھے کہ کمال کی ریکوری ہوئی ہے۔ سکار تک مٹ گیا ہے۔

اس پر وہ دور ہو گئے۔ بولے 'آپ علاج کے لیے میرے پاس نہ آئیں۔ آپ انہی سے مشورہ کریں جن کی دوا کھاتے ہیں۔

ہارٹ اٹیک کے بعد ہسپتال میں لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آتے رہے۔

مکان

سب سے پہلے میری بیوی آنٹی۔ کہنے لگی 'آپ ہارٹ اٹیک کرا کے بیٹھ گئے ہیں اور تمہارے لیے ابھی تمہی نہیں کیا کہ سر پہانے کے لیے ایک کو فیزی بنا دیتے۔ مجھے اس کی بات سن کر بڑا غصہ آیا کہ میں دل کے عارضے سے پرہیزوں اور یہ بی بی گھر کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

دیسے اس کی بات کہی تھی۔ لاہور میں جو گھر ہمیں ملا تھا وہ ہم چھوڑ کر راولپنڈی چلے آئے تھے۔

پنڈی میں حکومت نے سرکاری ملازموں کو سیٹلائٹ ٹاؤن میں پلاٹ دینے کی سکیم بنائی تھی۔ میں نے بھی ایک مرضی دے دی تھی۔ میرا کلیم منظور ہو گیا تھا۔ ابھی پلاٹ نام زد نہیں ہوا کہ میرا چاولہ کراچی ہو گیا تھا۔

یوں میرے نام کوئی پلاٹ یا مکان ملا تھا۔ میری بیوی کے جانے کے بعد میرا ایک دوست احسان میری خبر لینے کے لیے آگیا۔ احسان سی ڈی اے میں الگوش افسر تھا۔ میں

© neurdur.gov

نے کہا 'تمہارے جیسے دوستوں کا کیا فائدہ ہے۔ دیکھو ابھی ابھی میری بیوی مجھ کو لے کر نکلتی ہے۔ ایک کو غرضی کا انتظام بھی نہیں کیا۔ کہ تم بابت ایک کرا کر بیٹھ گئے ہو اور ہمارے لیے ایک کو غرضی کا انتظام بھی نہیں کیا۔

احسان نے کہا 'ایک عرضی لکھ دو۔

میں نے کہا 'وہاں دل کے مریض سے عرضی لکھواتے ہو۔

اس نے کہا 'ایسا ایک کلچر پر اپنے دستخط کر دو۔ چھ بیٹے کے بعد مجھے ایک خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمہارے نام اسلام آباد کے ایک سیکس سٹریٹس ایک ۳۰ x ۹۰ کا پلاٹ الاٹ کر دیا گیا ہے۔ لہذا پانچ ہزار روپے لدا کر کے پلاٹ پر قبضہ حاصل کر لیں۔

میرے لیے پانچ ہزار کی رقم بہت بڑی رقم تھی۔ پاکستان میں میری ملازمت صرف پندرہ سال کی تھی۔ میری پنشن کمپنیشن کے بعد بے ۲۰ روپے بنی تھی۔ میں نے جون توں پلاٹ تو حاصل کر لیا، لیکن مکان تعمیر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

تین سال کے بعد سی ڈی اے کے نوٹس موصول ہونے شروع ہو گئے کہ اگر آپ نے مکان تعمیر نہ کیا تو پلاٹ ضبط کر لیا جائے گا۔

میں سی ڈی اے کے اصرار سے جا ملتا میں نے کہا 'جہاں میں ایک راکٹر ہوں۔ ہم مزدوری کرتا ہوں۔ مکان بنانے کی توقع نہیں رکھتا' آپ اگر اویس کے حوالے سے مجھے خصوصی اجازت دے دیں کہ جب بھی توقع ہو، مکان بنوانوں تو شکر گزار ہوں گا۔ انہوں نے میری درخواست کو منظور نہ کیا۔

آفرز

پھر پلاٹ کی آفرز آنے لگیں۔ میں ہزار روپیہ، چھ سو ہزار روپیہ، تیس ہزار روپیہ، جب ۳۵ ہزاری کی آفر آئی تو میرا دل ڈل گیا۔

میں پھر سی ڈی اے کے اصرار سے جا ملا۔ میں نے کہا 'علی چاہو' میرا ایمان ڈل گیا ہے۔ پلاٹ کی آفر ۳۵ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

میرا خیال تھا کہ وہ کہیں گے کہ نہیں آپ پلاٹ کو بیچ نہیں سکتے یہ قانون کے خلاف ہے۔

وہ ہم آواز میں بولنے لگے 'بیچ دیجیے۔ بس آپ کو ہر سنت اربع دن ہمارے گاہ

یہ سن کر میرے ذہن کا ٹیوڈ اڑ گیا۔

پھر امین صاحب آگئے۔ وہ مجھے میں لال بھجوا کا ہو رہے تھے۔

امین صاحب۔ قدرت اللہ کے بہنوئی تھے۔

امین صاحب کی شخصیت میں تین اوصاف نمایاں تھے۔ ایک تو وہ سراسر مرلا مستقیم تھے۔ دوسرے خدمت خلق کے دوانے تھے اور تیسرے بڑے فیصل تھے۔

انہوں نے آتے ہی کہا 'میں نے سنا ہے آپ اپنا پلاٹ بیچ رہے ہیں۔ خیردار جو آپ نے پلاٹ بیچا۔

میں نے کہا 'امین صاحب مکان تعمیر کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔

کتنے روپے ہیں آپ کے پاس' انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'صرف چودہ ہزار روپے۔

کتنے گئے 'چودہ ہزار کا چیک کٹ دیجیے ابھی اس وقت۔

اگلے روز میں نے شاپ سے بات کی۔

شاپ کتنے لگا 'آپ کو مبارک ہو۔ اگر آپ کے گھر کی تعمیر کا زمہ امین نے لے لیا ہے تو

آپ کا مکان بن گیا۔ امین اللہ کو گھر تعمیر کرنے کا ذہن ہے۔ وہ لوگوں کے گھر تعمیر کرتے رہتے ہیں۔

مارا دن ہزاروں کی خاک چھلتے ہیں تعمیر کی سستی ترین چیزیں خریدتے ہیں اور باقی وقت لبر کی

پرویزن میں صرف کرتے ہیں۔ میرا گھر بھی انہوں نے بنایا تھا۔ میرے پاس بھی رقم نہ تھی۔

لیکن شاپ صاحب 'میں نے کہا دو لاکھ روپے آئیں گے کہیں سے۔ امین خاں کو کہیں۔

نہ ہی وہ کروڑ پتی ہے۔

وہ مسکرایا ہوا 'اپنے کاموں میں فیصلہ لدا ہو جاتی ہے۔ شاپ نے بیچ کا تھا۔ پتہ نہیں کہیں

کہیں سے رقمیں آئی گئیں۔ انہا نے دیکھے پیدا ہوتے گئے۔ انہا بی بیوں سے رقمیں آئی گئیں

اور ۶۹ میں میرا مکان بن گیا۔



۱۔ تنگ دستی، خوف و ہراس
۲۔ مہیوئی جادو
۳۔ ایلپی کی واپسی
۴۔ دو اپناج

تنگ دستی، خوف و ہراس

بھارتی حکومت کے سربراہین نے
انہوں آتے ہی مارشل لا نافذ کر دیا۔

جنرل یحییٰ

انہوں نے نیکرز کی ایک میٹنگ بلائی جس میں سب افسروں کو سخت جھاڑ بھڑاکی اور
اپنی حکومت کے حلقہ منہ پھاڑ کر دعوے کیے۔ ہم یوں کر دیں گے، ہم دوں کر دیں گے۔
اس پر قدرت اللہ شاہ نے فیروز محمول مارشل لا کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگا، جناب آپ
کے مارشل لا کی کیا بات ہے تاہیں صاف ہو رہی ہے۔ کیاں ماری جا رہی ہیں۔ قلعوں کی
دوکانوں پر جامیاں لگوائی جا رہی ہیں۔ خاک روپ بیکار پر سڑکیں صاف کر رہے ہیں۔
یہ سن کر جنرل کا پارہ چڑھ گیا اس نے نیکرزوں سے کہا اس شخص کا ذہن چل گیا ہے۔
اسے سمجھاؤ۔ ورنہ اسے خیارہ پھینکا جائے گا۔

اس پر یہ دو کرکشی نے شاہ کو گھیرے میں لے لیا اور اسے سمجھائے گئے۔
اگلے روز شاہ نے اپنا اشتیاق پیش کر دیا۔



اور عربی نے شاپ کے چولے کے حکامات چاری کر دیے۔ عقلی کو تعلیم کا نیکرٹری ہنرو
کر دیا اور شاپ کو رنج نبھو بنا دیا۔ اس کے علاوہ جنرل نے چندہ چندہ اکوئیں کو ڈیوٹی لکائی کہ وہ
ہادی ہادی شاپ کو سمجھائیں کہ وہ اپنا اشتغاف واپس لے لے۔ ان میں راجہ محمود آپلہ بھی شامل
تھے۔

جنرل بچی جبرجنگ حم کا آدمی قتل اسے تین پاؤں سے دلچسپی تھی۔ انکسراز آف پاور۔
شراب نوشی اور موٹی عورتیں۔

رات کے وقت شراب نوشی کا دور شروع ہو جاتا تھا کرے میں موٹے گوشت کی دلدل
بجھ جاتی جس میں جنرل یوں لت پت پڑا رہتا جیسے سمندر کے کنارے کچھڑ میں مگرچھ لت پت پڑا
رہتا ہے۔

میں نے شاپ سے کہا یہ آپ نے کیا کیا۔ خواہ مخواہ بھڑوں کے چنے کو چھڑ دیا۔
شاپ نے جواب دیا "ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم سب ہی حضورؐ کے ہیں"
حکومت کا کوئی بھی سربراہ آئے۔ جائز طریقے سے آئے یا ناجائز طریقے سے۔ حکومت کرنے کی
الہیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ چاہے ذلتی ہو، بخوار ہو۔ چاہے جسمانی طور پر مفلوج ہو، صاحب
کردار ہو یا نہ ہو ہم سب ہی حضورؐ کے گرد گھیراؤں میں آتے ہیں اور ذاتی مفاد کے لیے اس کے
کن گاتے ہیں۔ تفریقوں کے پلے پاتھ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حقائق پس پشت چلے
جاتے ہیں اور فینٹسیسی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا جناب آپ نے سانپ کی دم پر پاؤں رکھا ہے۔ اب کیا ہو گا؟ آپ کی مدد کو
کوئی نہیں آئے گا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں شاپ کو یونیسکو سے ملاوا آئیلڈ ڈائریکٹروں کی ایک میٹنگ میں
شرکت کے لیے وہ بیس روانہ ہو گیا۔ کراچی میں وہ عقلی سے ملاوڑ اسے چارنگ دے دیا۔

بیس سے اس نے ڈائریکٹ مفت کو فون کیا کہ "فورا" لندن "چانچو" مفت اور ثاقب چپ چاپ
لندن روانہ ہو گئے۔

بہائی جان نے کہا "انہوں نے اچھا کیا کہ یہاں سے چلے گئے۔ یہاں مفلو پرستوں کا دور دورہ
ہو گا۔ سب ہی حضورؐ کے گھیراؤں میں گئے۔ نفسانسی ہو گی۔ آپا دھاپی چلے گی، لیکن آپ گھبراہٹیں



مستاز مفتی، محمود ہاشمی، رضا عابدی، افتخار عارف اور دیگر کنڈن کے جلسے میں



شاپ اور سیدی

آئی پہنچ سکا۔ کئے گئے، ہمیں بھی ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

اسی شام کو راجہ شفیق آکیہ۔ دو بہت فٹے میں تھا، آتے ہی مجھ سے لڑنے لگے۔ کہنے لگا، میں ہاشی مشکل سے بھائی جان کی توجہ شہاب صاحب کی تعیناتی کی جانب مبذول کرتا ہوں تاکہ وہ انہیں جہد میں تعینات کرادیں، لیکن تم جن کی توجہ دوسری باتوں کی طرف الٹا دیتے ہو۔ میرا کیا لڑا بڑا کر دیتے ہو۔

دراصل راجہ یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے رویے کو بدلنے پر قادر ہیں۔ اس کے برعکس میں یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے پروگرام پر پلٹے پر مجبور ہیں، چاہے وہ اتنے پسند کریں یا نہ کریں۔

میں نے بہت کوشش کی تھی کہ راجہ کو یہ بات سمجھاؤں، لیکن میں بری طرح سے ناکام ہوا تھا۔

راجہ شفیق دراصل رسمی قسم کا مرید تھا۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ چلائی سے بھائی جان کا رخ بدلے اور انہیں اپنی ضروریات کے مطابق استعمال کرے۔ مجھے اس کی روش پسند نہ تھی۔ اس لیے میں محسوس کرتا تھا کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ اس کے باوجود میں راجہ کے غلوں کا معترف تھا۔

فینٹسیسی

شہاب کے جانے کے بعد وقتاً بے وقتہ مجھ میں فینٹسیسی کا ایک طوفان جاگ اُٹھا۔ تصویریں، قلم، تصویریں، نگلی تصویریں۔

میں جوانی سے ہی فینٹسیسی کی بنیادی کاغذات تھا۔ جب بھی میں فارغ ہوتا تو میرے ذہن میں ایک قلم چلنے لگتا، نگلی تصویریں، ہوس سے بھرے ہوئے مناظر، قتل، اعتراض، خیالات، قلم چلنا۔

پہلے میں اس صورت حال میں الزام دیکھی لیتا تھا۔ جب مرد فتنہ اور بھائی جان سے متعارف ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ علامت میری ذہنی غلط کاری کو ہوا دیتی ہے۔ میں نے بھائی جان سے بات کی۔ انہوں نے قریباً آپ کلک پڑھا کریں، پھر میں نے اس کیفیت پر لاجول پڑھنا

نہیں۔ یہ دور صرف ایک یاد سل چلے گا۔

راجہ نے کہا، جناب ہم سب کے حالات خراب ہو رہے ہیں۔ ہم سب مصائب میں گرفت ہوئے ہیں۔

بھائی جان بولے جب مصیبت آئی ہے تو ایک فرد پر نہیں آئی، سارے گھرانے پر آئی ہے۔

تین چیل

راجہ نے کہا بھائی جان مصیبت جب بھی آئی ہے ہمارے گھرانے پر ہی آئی ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ آپ کیوں نہیں کوشش کرتے کہ شہاب کی منصب جگہ پر تعیناتی ہو جائے۔ بھائی جان مجھے قہقہے کر کے بولے، آپ کو علم ہو گا کہ وہ کس جگہ تعیناتی چاہتے تھے۔

میں نے کہا، جناب انہوں نے اس بارے میں مجھ سے بات نہیں کی البتہ راجہ محمود آپ سے کیا تھا۔

کیا کہا تھا، بھائی جان نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا، انہوں نے جہد کی سفارت کے لیے کہا تھا۔ راجہ محمود آپ کو صاحب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ کہنے لگا، فارن سروس میں تین مقام جنرل خانے کے مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ جنرل آپ کو جہد دور چکری۔ جہد کی پوسٹ بے لیں کے برابر ہے۔

پھر شہاب صاحب نے کیا کہا، بھائی جان نے پوچھا۔

شہاب نے کہا، مجھے متصور ہے۔

شہاب صاحب جرنیل صاحب کو بھی حضور یوں کی ضرورت ہے، اگر آپ جی حضور یے بننے کے لیے تیار ہیں تو جہد چاہیں گے، لے گا۔ اگر جی حضور یے بننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو جہد چاہیں گے، لے گا۔ اگر ان کا تار پڑے گا۔

ٹھیک کہتے تھے راجہ محمود آپ، بھائی جان بولے۔

بھائی جان، میں نے کہا۔ شہاب صاحب کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہتے ہیں چٹنی ہوں اور ایک نہیں دو لوں گا۔ جرنیل کو کمری کمری سٹاؤں گا اور جہد کی پوسٹ بھی لوں گا۔

شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس دہائی بیماری میں تخفیف تو ہو گئی، مگر دوبارہ شروع ہو گیا۔

نکلنے بھی بکھار دودھ پڑ جائے۔ میں نے شب سے بات کی۔ اس نے کہا دودھ پڑتا ہے تو پڑے۔
دودھ اسے لذت نہ دے۔ اہمیت دے گا تو اسے تقویت ملے گی۔

اگرچہ شب کا بچا ہوا طریقہ مشکل تھا۔ اس کی نسبت لاجول پڑھنا آسان تھا۔ لیکن لاجول پڑھنے میں حقہ باقدم کی کیفیت تھی اور اس طرز عمل میں دوسرے کو خواہ مخواہ اہمیت ملتی تھی۔

بہر حال چار پانچ سال میں فینٹسی کے دوسرے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ لیکن ان ایام میں پتہ نہیں کیا ہوا۔ ایک دم بادیج فینٹسی کا ایک طوفان چلنے لگا۔ میں نے لاجول پڑھا۔ پتا لاجول پڑھتا تھا ہی طوفان تیز ہو گیا۔ پھر میں نے اس آنکڑ کرنے کی کوشش کی، لیکن عیب۔

میں بھائی جان کے گھر کی طرف بھاگا۔ وہاں مکان پر تالہ لگا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ ان کی بیوی تیار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔

پھر میں راجہ شفیق کی طرف چل پڑا۔

راجہ فیروز معمول رنگ میں تھا۔

میں نے کہا راجہ تجھے کیا ہوا۔

بولاً 'سب چھوٹ ہو گیا۔'

کیا مطلب۔

بولاً 'ایز یو ور۔ میں اپنی اصلیت کی طرف مڑ گیا ہوں۔ سارا دان تاش کھیلے ہوں۔'

سینکس کے ساتھ۔

منہ ڈبالی نہیں۔ کچھل پھٹے پانچ سو جیتے۔

اوسے میں چالیا 'تمہاری زبان میں لکٹ کیوں ہے۔'

ایک چٹکی لی ہے۔ تم لو گے۔ وہ مڑا لمداری کھپٹ کھولا اور بوتل نکال کر میز پر رکھ دی۔

ایک گھونٹ لی او۔ وہ بولا 'پھر چہارے پر جاکر گھاسیں گے۔'

وہاں میری ایک پرانی سبلی رہتی ہے۔

راجہ شفیق سے بات کرتا ہے کہہ رہا تھا۔ اس کی تو اپنی جڑی اپنی چل گئی تھی۔

حبیب شہاب

اوسہ قدرت کے متعلق بڑی پریشان کن خبریں آ رہی تھیں۔ وہ لندن کے مصنفات ہیں ایک چھوٹے سے گھرانے میں رہائش پزیر قلعہ ٹھکانہ بند ہو چکی تھی۔ اسٹیفن مکتور نہیں کیا گیا تھا۔ ہیشن کی لوائیج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ کوئی بک انڈسٹری نہ تھا۔ پرنٹنگ کے آلات انجاس کے لائوٹس پر گزر کر رہا تھا۔ یہ لائوٹس بہت کم تھا۔
قدرت اللہ کا چھوٹا بھائی حبیب شہاب ہوٹل ٹینک میں پبلک ریلیشنز کا ڈائریکٹر تھا۔ ان دنوں قدرت سے ملنے کے لیے لندن گیا تھا اس کے بیان کے مطابق:

قدرت اس کی بیوی ڈاکٹر عفت نور پڑھا تھا اس چھوٹے سے گھرانے میں کیمپری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ صبح ناشتے پر ایک سوکھا نوٹ۔ دوپہر کے کھانے پر ایک تازہ نوٹ چائے میں بھگو کر اور رات کو ایک نوٹ آہستہ کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ان کے ساتھ کسی ایک روز رہنے کے بعد جب میں واپس آیا تو مجھے کھانے سے کوئی رغبت نہ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا۔ جیسے دل اور جینٹ میں کانچ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ کیوں کہ کئی تکلیف دہ مکتور دل و دماغ پر ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔

سات سالہ خاتب پیول یا ٹائیکل پر سکول جاتا تھا۔ سکول جاتے آتے ہر بار اس کا سائیکل برف میں پھنس جاتا تھا۔

برف و باران میں قدرت کا پیدل سفر خود سوا لاکھ لائبریری جانا۔ کھینچ کے لنگے پر کڑے دھوکے۔

عفت کی پریشان حالی 'بے بسی' 'آہیدہ' انجیس 'گرتی ہوئی صحت۔ ان سب مصائب کے باوجود قدرت کی منتظر میں نہ تو کبھی تھی اور نہ اس نے کبھی کسی کے رویہ و ان مصائب کا رونا دھونا کیا تھا۔

حبیب شہاب 'بہا' قدرت اللہ سے مختلف تھا۔ وہ ایک جرنلسٹ تھا۔ سوشل تھا۔ بات

تے دوچار ہوتے ہیں تو حبیب کو پتہ چل جاتا ہے اور آپ کی طرف اٹھ بھاگتا ہے۔

وہ سکرایا بولا "حبیب اور میرے درمیان ایک عجیب تعلق ہے۔ میرے دکھ اور تکلیفیں حبیب کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔"

قدرت نے کہا "وہ ہر مشکل میں میرے کام آتا ہے۔"

بچپن میں جب ہم گلت میں گورنر گمر میں رہتے تھے "ان دنوں مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہاں چھوٹی چھوٹی کتابیں کرائے پر ملتی تھیں۔ میں روز ایک کتاب کرائے پر لیتا تھا۔ حبیب اور میں دونوں گھر سے اپنے اپنے بچے اٹھا کر سکول کے لیے نفلے گاؤں ہاؤسز میں چند ایک کوفریاں خلی پڑی تھیں۔ سکول میں جانے کے بجائے میں ایک کوفری میں گھس جاتا۔ حبیب سے کہتا کہ تو کوفری کی باہر سے کنڈی لگا دے۔ میں وہاں سارا دن کتاب پڑھتا رہتا۔ جب حبیب سکول سے واپس آتا تو کنڈی سکول گرجھے باہر لٹاتا اور ہر گھر دونوں بچے اٹھائے گھر میں یوں داخل ہوتے جیسے سکول سے آئے ہوں۔ کہنے لگا "میں نے حبیب کو دھونس دے رکھی تھی کہ اگر تو نے راز فاش کیا تو کتے مارا کر تیرا بھروسہ نکل دوں گا۔"

میں نے کہا "شباب صاحب یہ بتائیے کہ جب آپ کلک میں باندھ ہاؤس کے بدامرواح کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو کیا حبیب کو آپ نے بلایا تھا یا وہ از خود آیا تھا۔"

از خود آیا تھا "اس نے جواب دیا۔"

پابند

میں نے کہا "شباب صاحب آپ نے جو کلک کے باندھ ہاؤس کا نقشہ کھینچا ہے وہ عام باندھ ہاؤس سے بہت مختلف ہے میں نے بھی چند ایک باندھ ہاؤس دیکھے ہیں "بلکہ ہاؤس میں دھارے کھانے میں کسی ایک مقلات باندھ تھے۔ باندھ ہاؤس میں عجیب نوعیت کے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ کیلا چیلو تو اندر سے ریت پر آمد ہو۔ باندھ ہاؤس میں واکر آسکا ہے "لیکن وہاں کا بچہ نہیں بناتا۔"

شباب صاحب باندھ ہاؤس کا یہ واقعہ اکثر سنایا کرتے تھے "لیکن ہر بار تفصیلات میں فرق پڑ جاتا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ بھوت بولتے تھے بلکہ یہ کہ پورا جی بیان نہیں کرتے

چیت کرنے کا دلداد" میل جول کا شوقین۔ قدرت کی طرح وہ اکثر ورت میں تھا۔ بلکہ اکثر ورت تھا۔ قدرت کی پر اسرار زندگی کو قریب سے دیکھنے کے وجہ سے اسے راز دان کا راز ادا کرنا پڑا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بیانات میں بہت محتاط ہے۔ ہر معاملہ اسے اپنے پیسے بھلی کے کردار کی عظمت کا شرت سے احساس ہے اس مضمون میں جو اشفاق احمد نے اپنی کتاب "اکر شباب میں شائع کیا ہے۔ اپنے پیسے بھلی کے متعلق حبیب لکھتا ہے کہ۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا عظیم انسان نہیں دیکھا جس نے عیشہ ضبط اور کسر نفسی سے کام لیا" جسے اللہ نے ذہانت اور دیانت کی خوبیوں سے نوازا۔ جو فریبوں کا دوست رہا جو عزیز و اقارب و دوست احباب کے لیے شفقت، محبت اور خلوص کی دولت سے مالا مال تھا۔ قدرت کی ذات کی یہ عظمت بچپن ہی سے آشکار تھیں۔ بچپن ہی سے اپنے ہم عمروں میں منفرد نظر آتا تھا۔

اس کے بعد پتہ چلا کہ جزل بکلی نے کچھ فنی افسروں کو لندن بھیجا ہے تاکہ وہ قدرت اللہ کو گرفتار کر کے پاکستان لائیں اگر یہ پروجیکٹ ممکن نہ ہو تو اس کے بیٹے کو اغوا کر لیں "تاکہ وہ پاکستان آنے پر مجبور ہو جائے۔"

یہ خبر قدرت اللہ تک پہنچی مگر چونکہ لندن کے سرکاری معلقوں میں اس کے خیر خواہ بھی موجود تھے۔ قدرت کی گرفتاری کا امکان اس قدر تکلیف دہ نہ تھا جتنا حاقب کا افسر۔ بلکہ کو پتہ چلا تو وہ غم و غصے سے دو بانی ہو گئی۔ حاقب سکول جاتا تو دروازے میں کھڑی رہتی۔ قدرت ہاؤس لگا تو گھر و اس گھر ہو جا کہ اللہ خیر کرے خیریت سے واپس آجائیں۔

حبیب اور قدرت کے تعلقات عجیب سے تھے۔ قدرت کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تو حبیب پر اک بے نام بے چینی طاری ہو جاتی تھی۔ اور قدرت کی جانب اٹھ بھاگتا کلک کے باندھ ہاؤس میں جب قدرت ہر دو محل کے گھیرے میں پھنس گیا تھا۔ تو قدرت نے حبیب کو بلایا "میں تھا۔ حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔ لندن میں جب قدرت تک دیتی کا دکھار ہوا تھا۔ تو حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔

ایک روز میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ کیا اسرار ہے کہ جب آپ کسی مشکل

نے میں پایا۔ میں نے کئی بار کوشش کی تھی کہ شلب سے مل جاؤں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ تیل اور پانی کا غلط ہے۔ ایک گلاس میں دونوں اکٹھے ہو بھی جائیں تو بھی تیل تیل رہتا ہے اور پانی پانی۔

صیہونی جادو

قدرت الٰہیہ شلب نے شلب نامے میں اسرائیل کے دوسرے کے خفیہ مشن کی روایت کو سرسری طور پر بیان کی ہے، لیکن اس نے اسرائیلی جادو کا ذکر نہیں کیا۔ شلب نامے میں کہا ہے کہ جب اسرائیل نے فلسطینی علاقے پر قبضہ کر لیا تو یہ نیکو نے اس پر غایہ کر دیا کہ وہ فلسطینی بچوں کو ان کی مذہبی تعلیم سے محروم نہ کریں۔ فلسطینی اساتذہ انہیں تعلیم دیں اور وہ انہیں سکولوں میں پڑھائی جائیں، جو یہ نیکو میں سے منظور شدہ ہوں۔

اسلام دشمنی

اسرائیل نے حاتی تو بھلی لیکن عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے فلسطینی اساتذہ کو تختہ اچس دے کر گھروں میں بٹھا دیا اور یہ نیکو کی منظور شدہ کتابوں کی بجائے ایسی کتابیں رائج کر دیں جن میں اسلام، سیرت مبارکہ اور عربی تاریخ و ثقافت کے خلاف گمراہ کن پراپے کنڈا رقم قلم شدہ کتابچے نیکو کی منظور شدہ کتاب میں THE HOLY PROPHET OF ISLAM میں بدل لکھا ہوتا ہے اسرائیلی اپنی کتابوں میں THE FALSE PROPHET OF ISLAM میں بدل دیتے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ پیش محل میں ایک سناٹا ظلمی سے بند ہو گیا ہے۔ لڑنے کے بخار کی طرح میرے تن بدن پر پھینکی طاری ہو گئی اور لذت بے اختیار کٹ کٹ بچنے لگے۔ مری کے مریض کی مانند تشنگی میں گرفتار ہو کر آنا "لڑھکا" ہوا میں ایک ایسی ناگہانی تبدیلی میں جا گرا جہاں پر لعل انسانی کی ہزاروں سال کی خوابیدہ تاریخ انگوٹھی لے کر بیدار ہو گئی اور کنگھن کی طرح جگمگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ذی شان شخصوں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تھی تاکہ ان کو اپنے کچھ غائبانہ قدرت دکھائے۔

اسی مسجد میں قریش سے عرش تک دوری فرشتوں نے وہ راستہ منور کر دیا جس پر نبوت کا سطر اقتدار کے حضور ﷺ نے رسالت کی معراج کو چلایا۔ مدورۃ المننہی کے پاس جس کے قریب جنت اللہائی ہے۔ جب اس مدورۃ المننہی کو پلٹ رہی تھی۔ جو چڑچڑاہٹ رہی تھی لگاؤ نہ تو اٹھ لی اور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے غائبانہ دیکھے۔

خبر نہیں وہ وصل کی گھڑی تھی یا فراق کا لمحہ کہ میں اس وقت فضائیں اڑان کی تہوار گونجی اور زمین میں کہیں پڑھا ہوا یا پرانا شعر مجھے بے اختیار یاد آ گیا۔
خدا کچھ موزن سے کہ ٹوکا میں عشرت میں
چمکی مجھ پر چلا دی نوا اللہ ہو آکر سے
جس شخص کے مسجد اقصیٰ کے حلقے میں جذبات ہیں جو مندرجہ بالا کو عیش میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ وہاں سونے کے لیے نہیں جائے گا۔

عربوں کو اسرائیل کی اس چال پہ چل گیا۔ انہوں نے یونسکو کو رپورٹ دی کہ میں جب بھی یونسکو کی انگوٹھی پادری اسرائیل جاتی تو اسرائیل جیسے فلسطینی مسلمانہ کو بلا لیتے اور سکونوں سے اپنی کتابیں نکال لیتے اور یونسکو کی منظور شدہ کتابیں بچوں میں بانٹ دیتے۔
یونسکو کا ادارہ سمجھتا تھا کہ عربوں کی شکایت تصعب پر مبنی ہے۔
اس صورت حال میں عربوں نے قدرت اللہ شباب سے درخواست کی کہ وہ اسرائیل کا خفیہ دورہ کرے اور اس بات کا ایسا ثبوت لے آئے کہ یونسکو کو یقین آجائے کہ عربوں کی شکایت درست ہیں۔

شباب ہائے میں اس خفیہ دورے کی تفصیلات موجود ہیں۔
بہر صورت قدرت اللہ نے اسرائیل میں دو کام کیے۔
۱۔ یونسکو کے لیے قلبی ثبوت حاصل کیے۔
۲۔ اور ایک رات مسجد اقصیٰ میں تن عذاب برسی۔

مسجد اقصیٰ

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے لیے اسرائیل گیا تھا۔ تعلیم سے متعلقہ ثبوت حاصل کرنے کے کام لے اسے موقع فراہم کیا۔
اگر اس کا مقصد قلبی ثبوت حاصل کرنا ہو تا تو اسرائیل اس سے اس قدر خوفناک انتقام نہ لیتا اور قدرت دو سال کے لیے صیوونی جادو کے زیر اثر ایک پانچ دیو دار گوشت کا ٹوکڑا نہ بنا رہتا اور جب پاکستان واپس آتا تو آدھا آدمی نہ ہوتا۔

شباب نامہ میں قدرت لکھتا ہے کہ میں مسجد اقصیٰ میں صرف اس لیے گیا تھا کہ وہاں رات بسر سو کر اپنی نیند پوری کر سکوں۔ یہ بات قتل یقین نہیں ہے تن عذاب کا عظیم الشان پڑھت مسجد میں جو ہمارا قبلہ اول ہے سونے کی غرض سے چلنا میری محض اسے تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں شباب کا اہتیاان ہے کہ۔

قبلہ اول کی چار دیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے مہیب سانے نے مجھے سر سے پاؤں تک خراب سے نکل لیا۔ مجھے

شاب نامہ میں ان صوفیوں اور اہل اللہ کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے، جن سے یورپ میں ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔

انہوں نے اپنے خفیہ دورہ اسرائیل کی اصل غرض و عاقبت بیان نہیں کی۔ انہوں نے نہیں بتایا کہ ان کی یودی واکٹر عفت کی علات کا اصل باعث کیا تھا اور یہ کہ علات کے دوران عفت نے کس حیرت انگیز قوت برداشت، صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ مرض الموت میں انہوں نے کس طرح انگلستان کے واکٹروں کو حیران کیا کہ ان کے واکٹر انہیں WONDER LADY کہنے لگے تھے۔

شاب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ نہیں بتایا کہ دورہ اسرائیل کے بعد صوفی انگلیٹون نے کس طرح ان کا تعاقب کیا، ان پر تشدد کیا اور انہیں ایسی پٹریوں میں جٹا کر دیا جن کے ساتھ انہیں باقی زندگی ایک مسلسل لذت کے ساتھ گزارنی پڑی۔

شاب صاحب نے اپنی آپ بیتی میں یہ بھی نہیں بتایا کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کن روحانی ہستیوں سے ان کا ربط خاص تھا اور اس ربط کی نوعیت اور عاقبت کیا تھی۔

حجاب

یہ سب باتیں وہ کیوں ضبطِ تحریر میں نہیں لائے۔ میرا خیال ہے کہ شاب صاحب اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کا باعث ان کی ذات کا انکسار اور خود شہی کا احساس تھا۔

انہیں اپنی ذات کا بول بالا کرنے کا مطلق شوق نہ تھا۔ وہ ہر اس بات سے گریز کرتے تھے جو انہیں دوسروں میں نمایاں یا ممتاز کر سکتی ہو۔ وہ حجاب کے آدمی تھے اور حجاب میں رہنا انہیں اچھا لگا تھا۔

بھید نہ کھلے

گمان غالب ہے کہ اسرائیلی راہبوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں ایسا عمل کر گیا ہے، جو اسرائیل کے لیے جانی کا باعث ہو گا۔ اس لیے اسرائیلی جلد قدرت اللہ کے خلاف حرکت میں آ گیا۔

میری داستان میں تعلیمی نصاب کا مسئلہ اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا چونکہ یونیسکو زیادہ سے زیادہ علم جاری کر سکتا تھا لیکن اسرائیل کو اس پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ تعلیمی مسئلہ اس قدرت اہم نہ تھا کہ اسرائیل قدرت اللہ کو خوف ناک جلدی کر گرفت میں بکزیلات۔

پھر یہ بھی ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اسرائیلی جلدی کا تذکرہ کیوں نہ کیا حالانکہ یہ قدرت اللہ کی زندگی کا الٹاک ترین واقعہ تھا۔ اسرائیلی جلدی کی وجہ سے جب وہ وطن واپس لوٹا تو وہ آدھا آدمی تھا اور اسرائیلی جلدی کی وجہ سے واکٹر عفت فوت ہوئیں۔

میرا اندازہ ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں یہ بھید نہ کھل جائے کہ مسجد اقصیٰ میں اس رات کے دوران میں اس نے کیا عمل کیا اور یہ بھی کہ اس کے اسرائیلی دورے کا بنیادی مقصد مسجد اقصیٰ میں وہ عمل کرنا تھا۔

صرف میں ہی ان خیالات کا حامل نہیں ہوں اور لوگ بھی ہیں جنہیں قدرت اللہ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوا اور وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذکر شاب میں ذوالفقار احمد تابش اپنے معنون قدرت اللہ شاب میں لکھتے ہیں کہ:

ذوالفقار تابش

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے شاب نامہ کے کئی اہم واقعات زیادہ تفصیل سے شاب صاحب کی زبانی سنے ہیں اور میں بعض ایسے واقعات کا بھی سامع ہوں جو انہوں نے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنی انوکھی طبع کے باعث شاب نامے میں تحریر نہیں کیے تھے۔ انہوں نے

اس قدر قدرت اللہ سے کہنے لگا آپ کو جو چاہتا ہے۔ ہم بھی اوجھار رہے ہیں۔
اپنے تحریف لائیے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پچھلے اذکھول دیا۔ قدرت کار میں داخل ہوا تو
اس نے دیکھا کہ پچھلے سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے ہیں۔ قدرت اللہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔
انہوں نے فوراً بعد اس سے محسوس کیا کہ نقصا کہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے
مردوں کی ایک لمبی سوئی اس کے جسم میں بھونک رہی تھی۔ پھر اسے ہوش نہ رہا۔ پتہ
نہیں اس کے بعد قدرت کو کہیں لے جایا گیا اس پر اس کی کیا کیا۔

اگلی صبح پولیس نے دیکھا کہ اسی شاہراہ پر بس آپر قدرت اللہ ہے ہوش پڑا ہے۔ اس
کی جیب سے ہونٹ کا پتہ برآمد ہوا۔ پولیس پہلے اسپتال لے گئی۔ جب ہوش آیا تو اسے
وہاں میں پہنچا دیا۔

قدرت کا بیان ہے کہ جب سے وہ سوئی میرے دم میں داخل ہوئی۔ میں محسوس کرنے لگا
چہ۔ میں گوشت کا ایک ٹوٹرا ہوں۔ مجھ میں اٹھنے چھلنے کی ہمت نہ رہی۔ یوں جیسے ریڑھ کی
ہڈی جسم سے نکال دی گئی ہو۔

شراب کی بوتلیں

ڈاکٹر مفت کا بیان ہے کہ اسرائیلی جلدو کا سرے پہلا اثر یہ ہوا کہ ایک روز میں نے
لمباری کھولی تو اس میں دو شراب کی خالی بوتلیں پڑیں۔ میں حیران ہوئی کہ یہ بوتلیں کہاں
سے آئیں۔ میں نے دونوں بوتلیں اٹھائیں اور باہر ڈرام میں پھینک دیں۔ اگلے روز میں
نے پھر لمباری کھولی تو اس میں شراب کی دو اور خالی بوتلیں پڑی تھیں۔

ڈاکٹر مفت سوچ میں پڑ گئی۔ لوہر شراب کی بہت قحی کہ چار پانی پر لاش کی طرح پڑا
رہتا تھا۔ ڈاکٹر مفت کے دل میں شکوک پیدا ہوئے۔ قدرت اللہ شراب شراب کے نشے
میں دم توڑ نہیں رہتا۔

اگلے روز پھر لمباری میں دو شراب کی بوتلیں پڑیں۔ شکوک کو تقویت ملنے لگی۔
مجھے اس بات کا علم نہیں کہ قدرت نے بتیم کرا لیا جلدو کا واقعہ سنایا تھا یا نہیں۔ لیکن
مناہ ہے کہ اس نے کالی موٹر لور لمبی سوئی لور سہائی کی بات مفت سے نہیں کی تھی۔

چنانچہ شباب نامہ میں ان کا لہجہ بڑا مودب، انکسار بھرا بلکہ معذرت
خواہانہ رہا۔

وہ دوسروں کی تحریف اور توصیف اور ان کا کردار بیان کرنے پر تو
خوب زور قلم دکھاتے ہیں، لیکن جو کسی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جس میں
ان کی اپنی ذات کی کوئی برائی یا صفت ظاہر ہوتی ہو تو وہ طرح دے جاتے
ہیں یا بہت ہی ساٹ لہجے میں اسے بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

شباب نامہ میں انہوں نے جہاں اپنے خلیہ دور اسرائیل کا احوال
بیان کیا ہے ان کا انداز بیان قدرے دبا دبا ہے، جیسے انہیں یہ فکر دامن
گیر ہو کہ ان کی بدنامی ظاہر نہ ہو جائے۔

پھر وہ ہمیں یہ بھی نہیں بتاتے کہ دور اسرائیل میں انہوں نے جو
ایک شب مسجد اقصیٰ میں گزاری تھی، اس کا اصل مقصد کیا تھا۔

لقب

ان دنوں یو نیسکو کی میٹنگ میں شرکت کے لیے قدرت اللہ کو پیرس میں رکنا پڑا تھا۔ بڑی
محنت کے بعد قدرت نے پیرس کے کسی کو نہ کسی ایک چھوٹا سا کامیاب ہوش و حواس نکالا تھا جس
میں ایک چھوٹا سا کمرہ موجود تھا جس کا کاروبار بہت کم تھا۔

چوں کہ وہ دن بڑی تنگ دستی کے دن تھے۔ سارے گھر کا خرچہ یو نیسکو کے ملاؤں پر پڑا
تھا۔ اس لیے قدرت کی کوشش ہوئی کہ پیرس کے قیام کے دوران کم سے کم خرچ ہو۔

ہوٹل کا مالک قدرت کی سہولگی اور سچائی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے تنگ جگہ کی دیا
کہ یہ چھوٹا کمرہ کسی اور گاہک کو نہ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مشر شراب آجائے اور اس کے پاس
رہنے کے لیے کوئی مکان نہ ہو۔

اسرائیل سے واپسی کے بعد قدرت نے تمام ثبوت جو وہ اسرائیل سے لایا تھا یو نیسکو کے
سامنے پیش کر دیے۔ انہی دنوں جب وہ شاہراہ پر بس سٹاپ پر کھڑا یو نیسکو جانے کے لیے بس کا
انتظار کر رہا تھا تو ایک لمبی کالے بھنڈے والی موٹر کار اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ کار کا

© Neurdu.com

کون سے کون سنائے

۱۴ مئی ۱۹۸۷ء

بیارے ممتاز

السلام علیکم

بیارے ممتاز آپ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر اسرائیل چلا گیا تھا۔ میرا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔

وہ دن اور آج کا دن۔ اللہ اللہ۔ قیام کا علم تو صرف خدا کے پاس ہے لیکن جس دن میں میں یونیکو میں اپنے دورے کا اعلان کیا اس دن سے یسوعیوں کے ہارونی ماروقی جلد سے مجھے بری طرح دبوچ لیا۔ مجھے برت سے اٹھے بھی اور برے بھی روحانی تجربے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہولناک تجربہ بدلا کی روح کا تھا جس کا ایک چھوٹا سا حصہ میں نے ۱۸ سال لائن میں بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک مری ہوئی مظلوم لڑکی کی بیچ و پکار تھی جو صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹیوں کو اس کے اپنے دھرم کے مطابق پروا آتش کیا جائے۔

لیکن اب کے تو مجھ غریب کا واسطہ مسوئیت کے اس زندہ عفریت سے پڑا جو دلدی اور دیگر اطوار پر ساری دنیا پر کسی نا کسی طرح چھایا ہی ہوا ہے۔

جو کچھ مجھ پر گزری۔ وہ دن سننے اور کون سنائے۔ میرے گوشت پرست کا ریشہ ریشہ پٹنے اور ٹوٹنے۔ کھڑی کے چالے کی طرح۔ بار بار بٹنے اور ٹوٹنے لگے۔ میرے تن بدن میں میری ہڈی ہڈی کو سڑک کے پتھر ڈونے والے مزدور کھٹا کھٹ۔ کھٹ کھٹا توڑتے گئے۔

عفت پہلے مصائب کا ظہار تھی۔ بیٹے کے انوار کے خوف کی وجہ سے وہ سوکھ کر کالٹا ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ مسلسل قاتلوں سے اس کا برا حال تھا۔

اوسر شباب حتی الوبح دوسروں کو کافیت دینے سے احتراز کرتا تھا۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ قدرت نے عفت سے اسرائیلی جادو کی بات نہ کی تھی اور وہ غلامی میں اس عذاب کو بھیل رہا تھا جو اسرائیلی جادو نے اس پر طاری کیا تھا۔

اور بات

پھر ایک روز بچید کھل گیا۔ عفت الماری سے دو پلوں اٹھا کر باہر ڈاسٹ بن میں پھینک دلیں آئی اور اتفاق سے پھر الماری کھولی تو وہاں دو اور پلوں پڑی تھیں۔ پھر جتنی بار وہ الماری کھولی اس میں دو پلوں پڑی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر اس نے شکوک رفع ہو گئے اور اسے خیال آیا کہ یہ تو کوئی اور بات ہے۔

بجز وہ اور بات کھل کر سامنے آگئی۔

ایک روز اس نے ٹٹکا کھولا تو پانی کی بجائے خون چلنے لگا۔ عفت ڈر گئی پھر گھر میں جب تک بکری کے کئی ہوئی سیریاں نظر آنے لگیں۔

زیادہ دو سال قدرت جلد سے اس عذاب میں مبتلا رہا۔ اس کی بیٹیوں پر ہتھوڑے چلے رہے۔ اس کے جوڑوں میں سٹیکس کھنچی رہیں۔ لوگوں کو اس کے جسم سے بدبو آتی تھی۔ اس میں ٹیٹا تو لوگ باک پر رول رکھ لیتے تھے۔

زیادہ دو سال کے بعد جب اس نے اللہ کے حضور میں التماس کی تو جلد کا ظلم ٹوٹا اور پھر نئے کی طاقتوں نے اس کے اعضا کو جوڑنے کا عمل شروع کر دیا۔

جب تک جلد کا ظلم چلتا رہا اس نے اپنے خنوں میں اس کا ذکر نہ کیا۔ یہ جتنی تنصیحا

لوہ دی گئی ہیں۔ ان کا علم مجھے قدرت اور عفت کے واپسی پر ہوا۔

لیکن جب اسرائیلی ظلم ٹوٹا تو اس نے ایک خط میں کچھ تفصیلات لکھ بھیجیں جنہیں زیادہ میں حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ ایک ہولناک خط تھا۔ اس خط کی کبھی نقل میں کتاب کے آخر میں

ضمیمہ میں پیش کر رہا ہوں۔ یہاں اس خط سے اقتباسات درج ہیں۔

کھٹا کھٹ ہتھوڑا

جب میں چلتا تھا تو واقعی مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی ایک پانڈ، ایک پائیک، چٹم لپاچ، لوٹی ہوئی پڑیوں کے پوسے کو کھینچتا ہوا، مگر تپا، کالیاں کھاتا۔ کالیاں دیتا، اسی اپنے ایک پاؤں پر اسی ایک جگہ کھڑا ہو۔

پیارے ممتاز۔ میں کیسے بتاؤں مجھ پر کیا کیا جاتی اور کیسے کیسے جتی۔ جب میں اپنے اندر شبو پاتا تھا، لوگ مجھ سے یوں بھانکتے تھے جیسے میں سزا ہوا کوڑھی ہوں۔ جب میں اپنے اندر بدلو سوگھتا تھا، لوگ مجھے مغل بھکتے تھے۔ سوائے مفت اور غائب کے۔ غائب تو خیر پچہ ہے، لیکن مفت تو سرکیف واکٹر بھی ہے۔ چند بار وہ ضرور یہی کے سوانوں اور جواہروں سے دو چار ہوئی ہوگی۔ تین چار دلدہ اس کی استغنیاء لگاہوں نے مجھے گھورا اور اس کی ذمہ خوردہ شگک نظروں نے مجھے الزما دیکھا بھی، لیکن خدا اسے خوش رکھے انجیم کار اس نے مجھے دی گروانا جو میں واقعی ہوں یا نہیں ہوں۔

عفت واقعی گرت ہے۔ اس سے اچھی یہی کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔ اس نکش سے نگ آکر ایک روز میں نے اللہ میاں سے عرض کیا کہ 'اپنی تیری بے شمار عبادت میں سے ضرور یہ بھی ایک عبادت ہوگی، لیکن میرے اللہ میں تو مر چلا۔ اگر تو نے خود کشی حرام نہ کی ہوتی تو اللہ تیری قسم' میں ضرور خود کشی کر لیتا۔

بس وہ دن اور آج کا دن وہ چاروٹ کیلہ مری کے گھروں کی چھتوں پر ٹانگیں دیکھی ہیں آپ نے۔ اب ہر روز یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہی سڑک کے چکر کوٹنے والے مزدور میرے تین بدن کی فکرت ٹائیلوں کو چوہے اور سینٹ سے جوڑ جوڑ کر دوبارہ ٹھوک رہے ہیں۔

ہائے اس زور پشیم کا پشیم کا ہونا (خاک بدن)

رسمہ پورہ دلائے دلے بچہ گذشت

یقین جانتے۔ توڑنے اور جوڑنے کے علم میں۔

بھوڑی برابر کی چلتی ہے۔

انست دونوں میں ہے

ایک میں دوری۔

دوسرے میں لذت کی۔

آپ کا
ق

قدرت اور میں

سوال یہ ہے کہ قدرت نے یہ خط مجھے کیوں لکھا۔

اپنی قلبی وار دات، روحانی مشاہدات اور وجدان کی کیفیات کو زبان پر لانے کی اسے عادت نہ تھی۔

میں نے اس نوعیت کی قدرت اللہ کی جتنی بھی باتیں اپنی تحریروں میں قلم بند کی ہیں، وہ میں نے بڑی چلائی سے انگوٹھی تھیں۔

جب بھی وہ کیفیت میں سرشار ہوتا۔ میں دیکھتا کہ پیالہ بھرا ہوا ہے۔ لہاب ہے۔ تو میں ایسی بات چھیڑتا تھا جس سے چمکن پیدا ہو جیسے اڑیں۔

ہم دونوں کا تعلق، مجیب ماحقق قلہ

وہ میرا ساقی نہ قلہ ہمارے مشاغل الگ الگ تھے۔

وہ میرا مرشد نہیں قلہ مجھے کسی کو رو بہ رہنے کی خواہش نہ تھی۔

میں اس کا مرید نہ تھا چوں کہ خواگی اور پردگی کے جذبے سے بلاوقف قلہ مجھ میں پردگی کی اہلیت نہ تھی۔

ہمارے راستے الگ الگ تھے۔

پھر راجہ جسے میں چلیا، بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔

بھائی جان نے کچھ جواب نہ دیا۔

راجہ بولا۔ لوحہ شب صاحب پر ہتھوڑے چل رہے ہیں۔ ادھر ہم سب

AS YOU WERE ہوئے جارہے ہیں۔

بھائی جان سر ہٹا کر بیٹھے رہے۔

راجہ نے والی سے پوچھا، وانی تم پر کیا بیت رہی ہے۔

وانی نہایت افسوس سے بولا۔ اللہ کا احسان ہے۔ بس اتنا سا ہے کہ مجھے شب صاحب فجر

کی نماز پڑھنے نہیں دیتے۔

بھائی جان چونکے۔ شب صاحب نماز پڑھنے نہیں دیتے؟ انہوں نے پوچھا۔

جی، وانی بولا۔ صبح جب میں جاگتا ہوں اور اللہ کر وضو کا ارادہ کرتا ہوں تو شب صاحب

سانے آنکھ سے ہوتے ہیں، بس یوں ہوتا ہے جیسے میرے جان نکل گئی ہو۔ مجھ میں اٹھنے کی

مکت نہیں رہتی۔

آپ کا وہم ہے، بھائی جان بولے، شب صاحب نماز سے کیسے روک سکتے ہیں۔

شاید وہم ہی ہو، وانی بولا۔

لورہ یہ متقی جو ہے، راجہ چلیا، اس سے پوچھئے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔

ہم سب پر بیت رہی ہے، بھائی جان نے کہا، میں بھی آپ کا بھائی ہوں۔ میں بھی شامل

ہوں، وہ بولے پھر کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ پھر سر اٹھا کر بولے، پتہ نہیں انہوں نے

مسجد اقصیٰ میں کیا کچھ کیا ہے کہ مہینہ میں شریعت پر ہو گیا ہے۔ ہم سب کو جھینا ہو گا، حصہ بھرت

ہے۔

دو مجبور

آپ فن کی مدد کیجئے گا، راجہ بولا۔

ہم بھائی کی باتوں میں دخل دینے والے کون ہیں، وہ بولے۔

میں نے اپنے خط میں یہ سب باتیں شب صاحب کو لکھ دیں۔

وہ میرا دوست نہ تھا، ہم میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔

وہ مراد مستقیمہ قتل میں قتل ہو کر۔

وہ سراسر عمل کا قاتل تھا، میں سراسر نہ دیکھتی۔

وہ نہ کہنے پر مجبور تھا، میں کہہ دیتے پر۔

وہ عقیدے کا قاتل تھا، میں عقیدت کا مارا ہوا تھا۔

سیانے کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی راز سے بھر جاتا ہے تو وہ دماغ سے باتیں کرنے پر مجبور ہو

جاتا ہے۔

مگر غالب ہے کہ میں قدرت کے لیے ایک دیوار تھا۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مجھے تیس سال کیسے گوارا کیا۔ اس ضمن میں میرا خیال

ہے کہ قدرت ذات کا دھولہ قتل اس نے سرور ایک میلہ چٹ کپڑا دیکھا اور اسے اٹھا لیا، پھر

تیس سال وہ اٹھا لینے کی لالچ پاتا رہا۔

مگر اسے اس جادو کے متعلق اس نے اشتقاق احمد کو بھی خط لکھا ہو۔ چوں کہ اشتقاق احمد

اس کا دوست تھا، لیکن اشتقاق احمد نے مجھ سے کبھی اس کے بارے میں بات نہیں کی۔

حصہ بقدر بہتر

قدرت اللہ کا خط پڑھ کر میرے ہمارے سے چوک نکل گئی تھی اپنا فینٹسی کا طوفان

بھول گیا۔

الٹق سے اسی روز راجہ شیخ کا ٹیلی فون آگیا کہ بھائی جان مری سے آئے ہوئے ہیں۔ اس

لے کل صبح دربار پر پہنچ چلا۔ اگلے روز دربار میں بھائی جان وانی راجہ لورہ میں بیٹھے تھے۔

میں نے بھائی جان سے کہا، جناب میں تو پہلے ہی فینٹسی کے طوفان کے محلے سے بچ

ہوا، بیٹا تھا کہ کل شب صاحب کے خط نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ میں نے خط بھائی جان کی

طرف بڑھا دیا۔

بھائی جان نے کہا آپ اسے پڑھ کر سب کو سنا دیں۔

خط سن کر محفل پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ذرا تک خاموشی طاری رہی۔

ایلی کی داپسی

ایلی کی آنکھ کھلی گئی۔

محسن میں کھانسی کی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

چند ایک چار پائیوں پر لوگ چل رہے تھے۔

رات کی رات کی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ ہاتھ

اُسے وہ چونکا اس کے قریب والی چار پائی پر کوئی چاروں میں لپٹ پڑا تھا۔

اس کا بازو سہانے تھے دبا ہوا تھا اور سرانے سے متاثر ہوا ہاتھ مٹھی بن کر باہر نکلا ہوا تھا۔

شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑک شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر جیسے اس کا دل

دھک سے رو جاتا تھا۔

صرف شہزاد کا ہاتھ ہی نہیں۔ ایلی کو سائی ہاتھوں سے عشق تھا۔ رات چلتے ہوئے جب بھی

اُسے کوئی عقلمند نظر آتی تو چہرے کے بعد اس کی نظرس کے ہاتھوں کو تلاش کرتی۔ اگر ہاتھ

دبے پتے ہوتے تو اس کی دلچسپی ختم ہو جاتی۔ اسے چنے سفید بھرے بھرے ہاتھوں سے عشق

تھا۔

جواب میں قدرت نے مجھے بھڑا چادری۔

اس نے ۲۳ جون ۱۹۷۱ء کو جس سے مجھے خط لکھا جس سے اقتباس ملاحظہ ہو:

آپ کا خط پڑ کر کچھ دیر متذہب دہل کے کچھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک

محض ذاتی تجربے کو اسنے لوگوں تک پہنچانا چاہیئے تھا یا نہیں۔

پھر تسلی ہوئی کہ آخر کیا مضائقہ ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ جب سے وہ عمر نوٹاس کی فکشنل دن بدن بڑھتی جا رہی

ہے۔

قلبی، ذہنی اور روحانی دھم تو بالکل صحت یاب ہو گئے ہیں، لیکن جسم کی

نیس بست ہوئے ہوئے شتم ہو رہی ہیں جیسے ٹوٹی ہوئی پڑی جڑے

کے بعد بھی عرصہ دراز تک نرم رہتی ہے۔

اس کے جواب میں میں نے قدرت کو دو خط لکھا تھا: "یہ میرا مختصر ترین خط تھا۔ لکھا تھا۔"

عالی جاہ میں بار بار آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔

کہ ہم اپنی چیز کو وجہ سے مجبور ہیں۔

آپ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

میں کمرہ دینے پر مجبور ہوں۔

۱۔ اصل خط غیبی ملاحظہ کریں۔ خط نمبر xvii

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کروٹ بدل لی۔

ہاں شہزادہ بیٹھ ہاتھ چمڑا کر کروٹ بدل لیا کرتی تھی۔ پتہ نہیں شہزادہ کو اپنا ہاتھ پکڑا دینے سے کیوں انقباض تھا اور اصل شہزادہ کو کسی قسم کے جسمانی قرب سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی دور بیٹھائی لکھوں سے اس پر پوجا کے پھول برساتا رہے۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ جب اہلی زیادہ ہی ضد کرتا تو وہ بدستور اقباضے انداز میں اس سے پوچھتی، کیا ہے تجھیں؟

کچھ بھی نہیں، وہ خراب رہتا۔

کیا چاہے ہو؟ وہ چپ کر سکتی۔

اہلی کی نگاہیں اس کے ہاتھ پر مرکوز ہو جاتیں۔

ہاتھ پکڑ کر کیا کرے؟

وہ پھر خاموش ہو جاتا۔

اچھا۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر کہتی، جیسے جان چمڑا رہی ہو۔ پھر وہ اپنے کلم میں یوں لگ جاتی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے اس ہاتھ سے اسے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جسے اہلی نے تمام رکھا ہو کہ چمک بدلے سے باہر نکل آیا۔ اہلی چٹکت۔

اگر وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ساتھ والی چار پائی کے سرہانے سے وہی ہاتھ بھر دے گی باہر نکلا ہوا تھا۔

اس نے پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے تمام لیا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادہ پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر کروٹ بدل لے گی، لیکن ایسا نہ ہوا وہ ہاتھ جوں کا جوں اہلی کی گرفت میں پڑا رہا، بلکہ اور بھی ڈھیل پڑ گیا جیسے خود کو اس کے حوالے کر دیا ہو۔ دیر تک وہ ہاتھ تھمتے پڑا رہا۔

پھر کوئی آہستہ سیٹی دی اور شہزادہ کے ہاتھ نے اہلی کے ہاتھ پر محبت بھرا دوا ڈالا۔ اور پھر ایک ہو گیا۔

عالم بی بی

وہ غافلانہ جس نے اہلی کو بھرتے بگاڑا تھا اور اس کا ہاتھ دیا کہ کروٹ بدل لی تھی۔ ایک مسلمان عاتق تھی۔

شہزادہ تو خیر ساری کی ساری پیاری تھی اور وہ کئی ایک سال خاموشی میں اس کی پرستش کرتا رہا تھا۔ شاید اہلی کو اپنے بندھے کا افسار کرنے کی کبھی ہرارت نہ پڑتی۔ اگر اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس کے ہونٹوں کے اس اس قدر قریب نہ آ جاتا۔

اور وہ چھوٹی طرح ڈنک نہ مارتا۔

اس رات گھر کے سب لوگ جاگ رہے تھے۔ وہ سب شہزادہ کے گھر کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔

اہلی کی دوا کی حالت بڑی بگاڑ تھی وہ آخری دموں پر تھی۔ سب اس انتظار میں تھے کہ کب تو آواز پڑے اور وہ کونسا پھیلاؤ کر طلی اترے کہ گھر جا کر میت کے گرد بیٹھ کر قرآنِ خوانی کریں۔

اہلی بھی صحن کے ایک کونے میں کھولی پر پڑا تھا۔ دوا کی موت ڈنک کی بات نہ تھی چونکہ وہ نوے یا سو سال کی عمر یا کچھ تھی اور اتنی لمبی عمر بٹانے کے بعد اگر وفات ہوتی تو دستور کے مطابق محلے والیاں رونے کی بجائے خوشیاں منایا کرتی تھیں۔ لیکن اہلی کو دوا کی موت کا بڑا صدمہ تھا۔ گھر میں دوا کی وہ واحد فرد تھی جس نے اہلی سے محبت کی تھی۔

اہلی کو پیاس لگی۔ اس نے پڑے پڑے آواز لگائی، کوئی ہے اللہ کا بندہ جو مجھے پانی پلائے۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ یا اس کی بہن اس کے لیے پانی لے آئے گی۔

آواز لگانے کے بعد وہ پھر دوا کی خیال میں گھو گیا۔

پھر دھنسا۔ اس کے ہونٹوں پر لپس محسوس ہوا۔ اہلی نے آنکھیں کھولیں لیں۔ شہزادہ کے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں کے اس قدر قریب دیکھ کر وہ تھکے کا چھوٹے ڈنک مارتا۔

وہ دوا نہ دار اس ہاتھ کو پکڑ کر چمڑے لگے۔

چمک کی چاندی میں شہزادہ حیرت سے بتی کھڑی تھی۔ دوا اہلی۔ اہلی دوا۔

اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس قدر قریب دیکھ کر اس نے اپنا شوق بھرا ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔

دھنسا۔ ساتھ والی چار پائی پر شدید حرکت ہوئی۔ کسی نے ہاتھ چمڑا کر بازو سمیٹ لیا اور

میں راستے کی طرف جانے کا ارادہ کرتا تو راجہ میرے دہمزد آکر آہوتا پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے جا کر لہاری کھول کر اس میں سے بوتل نکالتا اور کہتا "چھوڑ مطلقاً ان باتوں کو ایک چٹکی بھر اور پھر ہم اپنے لباس کے پاس جا کر اس سے گناہتے ہیں۔ کیا کیت سنائی ہے۔ دلو تو سننے تو پاگل ہو جائے۔ بول ہیں۔"

وہ شیشہ ہائے بیکشی
کہ مصلحت اس میں تھی
جنینیں وہیں پڑے پڑے
وہیں کی خاک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہوں میں

پھر قیصر میرے دہمزد تو کر آکر آہوتا کہتا

ابے لو میں نے تجھے کہا نہیں قتل کہ یہ تو کن لوگوں سے شیر و شکر ہونے کی کوشش کر رہا ہے 'تو شباب کے پیچھے پیچھے کیوں چل پڑا ہے۔ تو میں نے یہ ساتھ نہیں نبھے گا۔ تو ذات کا اہلی ہے 'ہر جہز اپنی اصلیت کی طرف مڑنے سے بچھے۔ تو کسی ہائی کے چوہارے کی دہلیز پر جا کر بیٹھ وہی تیری جگہ ہے۔ گوئے کو دہلیز داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اوپر سے سفیدی اتر جائے گی۔ اور پھر وہی کلا رنگ 'ہی کا نہیں کا نہیں۔

پھر ایک روز مسعود قہر لے آیا۔ مسعود سے میں بات کر سکتا تھا۔ ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔

میں نے کہا 'یار مسعود میں تو ہمارا ایک

بولا 'بہی خوشی کی بات ہے۔

میں نے کہا 'میں بخیر ہوں۔

بولا 'میں بھی بخیر ہوں۔ دیکھ مطلق۔ زندگی کی لذت خلق جینے میں نہیں۔ مسلسل جینے میں نہیں۔ بلکہ جینے مرنے جینے مرنے میں ہے۔ اور دیکھ ایک بات یاد رکھ ہم تجھے پاس صرف اس لیے آتے ہیں کہ یہاں گنہگار کی محفل تھی۔ گنہگار کی محفل چھوڑ کر جانے کو کس کا جانی چاہتا

انگلے روز جب وہ رخصت ہونے لگی تو اس نے مجھے خدا حافظ کہہ اس انداز سے کہا ہے وہ خدا حافظ نہ ہو۔

بلکہ جی آتیاں ہوں کہہ کر رہی ہو۔ جیسے وہ انعام نہیں بلکہ آواز ہو اور جب وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو بات کے بغیر مجھے بلا گئی۔ ضرور آئے گا۔

وہ اوجیز عمر کی غفلت تھی۔ چراچ کو رکھ آکھیں لگاڑی کی بیگ سے بھری ہوئی تھیں۔ رنگ نہ گورا تھا نہ سفید۔ گٹھا تھا جیسے ہلدی ملی ہوئی ہو۔ وہ درختوں میں ایک عجیب سی مٹاس تھی۔ طبیعت میں شدت نہ تھی، سختی نہ تھی، خوشی نہ تھی، آواز مدھم مدھم 'انداز گھبرا گھبرا۔ میں نے اندھ بیڑی کی بیڑی مودی سے پوچھا 'یہ کون تھی۔

وہ بولی 'یہ ہماری پردوس ہے 'عالم لی لی۔

عالم لی لی 'یہ بھی کوئی نام ہے۔

کہنے لگی 'عام تو علیحدہ علیحدہ ہے۔ یہاں مشکل عام ہے۔ میں تو اسے عالم لی لی کہہ کر بلاتی ہوں۔ ہمارے محلے رام نگر میں گھر کے پاس ہی ایک سکول میں پڑھاتی ہے۔ میاں فوت ہو چکا ہے۔ بچے جوں ہیں۔ طبیعت کی بڑی اچھی ہے۔ ہالی مشکلات میں گھری ہوئی ہے 'ہے چارے۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا اس روز سے مجھے عالم لی لی ہو گئی۔ اٹھتے بیٹھے میرے سامنے وہ ہاتھ لگا رہتا۔ اور وہ ہاتھ بولتا مجھے قہم لو قہم بھی لو اب۔

ساری رات خواب میں وہ ہاتھ میرا ہاتھ قہمے رکھتا ہٹا سا دباؤ۔ بالی سی بیگ 'لور لگاڑی لگاڑی۔ صبح جاگتا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے لگ جاتے گھٹے گھٹا تو کاغذ پر لکھ جاتا پڑتا تو کتب کے صفحات پر چھائے رہتا۔

ایک بات بڑی عجیب تھی 'وہ یہ کہ بات الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔ زندگی بھر میں ہاتھ کا طالب رہا تھا اب وہ ہاتھ خود طلب سے بھرا ہوا تھا وہ مجھے زور آتا تھا 'بانا تھا 'آسا تھا۔

اس ہاتھ نے پتہ نہیں کیا کہ وہ میرے ذہن میں سائیں اللہ بخش 'بھائی جان لور قدرت

UrduU.com

UrduU.com

UrduU.com

میرا جی چاہتا تھا کہ میں راجہ شفیق سے جا کر ملوں اور اپنی ہاتھ جین اسے سناؤں 'لیکن جب

کی۔

اگلے روز بھانڈا پھوٹ گیا۔ بھید کل میلہ عالم لی بی سامنے آکھڑی ہوئی۔

ہوس بھرا قرب

پتہ نہیں تھے کیا ہوا۔ ہوس میرے بند بندہ سے پھوٹ نکلی۔

ابلی نے زندگی میں کسی محبت کی تھی، لیکن ان تمام محبتوں میں ہوس کا عنصر پیش پیش نہیں ہوا تھا۔ انسانی اپنی محبتوں میں جسمانی قرب سے خوفزدہ رہتا تھا۔ اس کے لیے محبت ایک انسانی کیفیت تھی، ایک سرشاری اور جس۔ عالم لی بی نے تو گویا بیس میں آگ لگا دی۔

رات کے وقت وہ کوفٹا پھلانگ کر عالم لی بی کے پاس جا پہنچا۔ جب وہ آدھی رات کے وقت کونے کا پردہ پھلانگ کر جاگت تو اسے اچھی طرح احساس ہوا کہ نیلیم اور بچہ جاگ رہی ہیں اور وہ منہ پر لوڑھی ہوئی چادر میں، دیہ بان ہٹا کر دیکھ رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں کہ اس ۶۶ سالہ بڑے کو کیا ہوا کہ آدھی رات کو پردے پھلانگ رہا ہے۔

اور عالم لی بی کا جسم لٹا ہوا تھا۔ ظاہر تھا کہ کئی ایک سکندر اعظم حملے کر چکے تھے۔ وہ کئی ایک بار یہ مکمل مکمل چکی تھی۔ اور اب وہ جسم اس حد تک مضروب ہو چکا تھا کہ اسے طلب نہ رہی تھی، 'مرہو' ہے جس۔

وہ اس عمر کو پہنچ چکی تھی کہ اب کسی سکندر کے حملے کی امید نہ رہی تھی۔ ابلی کے اس ہاتھ نکلنے سے وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ اس حیرت میں خوشی کا عنصر اس قدر بھرا ہوا تھا کہ اس کے جسم کے بند بندے پھول کھل اٹھے۔

نیلم بچہ

نیلم اور بچہ یہ دیکھ کر چپکلیاں مارنے لگیں۔

نیلم اور بچہ دونوں ہی بڑی سرٹلی تھیں۔ گلے میں شہدہ مڑ بھری ہوئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں میں تل تھی۔ سارے جسم میں لے تھی۔ جب وہ تل کر نکلیا کرتی تھیں تو سماں بندھ جایا کرتا تھا۔ ان دونوں کی پھوٹی بہن بیٹری تھے ہم سب کو کہا کرتے تھے 'سو کے کاٹھ' جسم کی مانگ

ہے۔

اور یاد رکھ ملتی، تو اگر صالح بن کر بیٹھ گیا تو ہم تیرے پاس نہیں آئیں گے۔

پھر وہ ہاتھ حرکت میں آگیا۔ کبھی میری چہرے کو سلاتا، کبھی پاؤں میں انگلیاں پھیرتا اور کبھی جسم کو تھپتھپاتا۔ میں نے شدت سے محسوس کیا کہ وہ شہزاد کا ہاتھ نہیں تھا۔ کیونکہ شہزاد کے ہاتھ نے کبھی آکسیلا نہ تھا۔ پھر اردو بورڈ سے بلدا آگیا۔

ان دنوں شباب کی سفارش پر اشتقاق احمد نے مجھے اردو بورڈ میں ایڈیٹر کی آسامی پر لگا رکھا تھا۔ جب بھی بورڈ کی میٹنگ ہوتی یا کوئی اور امور قابل توجہ ہوتے تو ڈائریکٹر اردو بورڈ ایڈیٹروں کو بلا لیتے۔

وہ گھر یہ گھر

۱۹۳۷ء سے جب بھی میں کسی کام سے لاہور جاتا تھا تو ہمیشہ اشتقاق احمد کے ہاں فصر تھا۔ پہلے دو مزنگ روڈ میں، جہاں اشتقاق کے والدین اور بھائی بہن رہتے تھے۔ پھر اشتقاق کی شادی کے بعد اشتقاق بانو کے گھر۔

اشتقاق بانو کے گھر پہنچتا تو میں یوں محسوس کرتا جیسے تلخ کتاب میں آگئی ہو۔

ان دنوں احمد بیٹری بھی لاہور میں رہتا تھا۔ احمد بیٹری نے ہمیشہ سے مجھ سے بڑی محبت کی ہے، اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے، لیکن میں کبھی احمد بیٹری کے ہاں فصر نہ تھا۔ جب بھی لاہور جاتا احمد بیٹری سے ملنا ضرور تھا۔

احمد بیٹری اس بات پر بہت کڑھتا تھا کہ اسے اشتقاق کی طبیعت پسند نہ تھی۔ اہتمام میں وہ مجھ سے کہا کرتا تھا 'یار مجھے بات سمجھ میں نہیں آتی، اشتقاق کی طبیعت تم سے قطعی طور پر مختلف ہے' پھر تم اس گھر میں کیسے رہتے ہو۔ میں کہتا اس لیے کہ وہاں ہوا ہے۔ کسی 'سیری' توئی ہے۔ ای ہے اور وہ گھر۔ مجھے ان گھر سے محبت ہے۔ احمد بیٹری کی بات سچی تھی۔ اس کی طبیعت بالکل میرے عین تھی اور نیلیم بچہ مودی سب میری دوست تھیں۔

اس مرتبہ وہ ہاتھ میری ہانڈ پکڑ کر احمد بیٹری کے گھر لے گیا۔

میں سوٹ کیس اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔ تو سارے گھر میں حیرت بھری خوشی کی لہر دوڑ

امہ بھیر کے اپنے والدین کے ساتھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ والدہ سے اہل بوسہ بلیسی تھی۔ والد سے لگتا تھا لیکن اس کے والد مرلا مستقیم تھے اس لیے ان سے بلی نہ تھی۔

امہ بھیر کے والد سمجھتے تھے کہ میری وجہ سے ان کا پیارا لڑکے سے بھگ گیا تھا۔

اسی بنا پر پروین سے میرا میل جول نہ ہو سکا۔

پھر پروین کی شادی ہو گئی۔

جب امہ بھیر بنا پڑا فلم بنا رہا تھا تو ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں ایک حسین و جمیل لڑکی بیٹھی تھی۔ میں نے امہ بھیر سے پوچھا یہ کون ہے۔ امہ بھیر نے کہا: تم نے پروین کو نہیں پہچانا کیا۔

میں نے کہا: یہ وہ بیٹو ہے جو بی چوڑ تھی۔ میں 'میں' میں ماندا۔

پروین بولی: شکر ہے آپ نے پوچھا تو۔ میں بھی کتنی شرم میں آگئی۔

پھر پروین امہ بھیر کے گھر آئے جانے لگی۔

جب اسے پتہ چلا کہ میں عالم لی کے لیے ان کے گھر آتا ہوں تو وہ بولی: اللہ اس لی بی کا بھلا کرے اس گھر میں اپنی زندگی بھر رہا تو فرمایا۔

فلم بچہ کوئی عمری جیمیل تھیں۔ پروین پھلجھڑیاں چلاتی۔ مودی چرتی چڑھا سنے جوتی۔ امہ بھیر قہقہے مارتا۔ اہلی عالم لی کے کھیرے لیتا رہتا۔ یوں دن گزرتے۔ کیا دن تھے وہ۔

باز آ

پنڈی پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ چلو قدرت اللہ کو اطلاع دی دے دو کہ بیخ کتاب میں پہنچ گئی۔ فضا میں اڑنے والے نیچو خدا حافظ ساتھ ہی میں نے عالم لی کا قصد بیان کر دیا۔ جو بات میں قدرت اللہ کا ۵ جولائی کا کھوا ہوا ایک خط موصول ہوا۔ جس میں سے اکتسابات دست لیں ہیں۔

تھی۔ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ ہر وقت اپنے لنگرے استو کے ساتھ بچوں کے پروگرام کی تیاری میں لگی رہتی تھی۔

گاہے میں فیلیم بہ فضا تھیں۔ بی بی سے بی بی مشکل بندش کی نقل اتارنا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ ان کی اسی مودی تو کراچی میں پیارنگ سے موسیقی کی تعلیم بھی لیتی رہی تھی۔

جب بھی عالم لی بی ان کے گھر میں قدم رکھتی تو دونوں بی بی سنجیدگی سے گانے گاتیں میرا بی گھر آیا۔ آیا مری میرا بی گھر آیا۔

مودی، عالم لی بی کے بدلے ہوئے انداز، اکثری ہوئی گردن اور پھلجھڑیاں چلاتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر چڑچلاتی۔ یہ کیا کھٹک چلا ہوا ہے۔ انہوں نے، وہ کتنی، لیکن امہ بھیر بچہ کو ایک جگہ بٹاکر ڈانٹ دیتا تھا کہ خرابار ممتاز کو کچھ نہ کہتا جو وہ کرتا ہے اسے کرنے دو۔ اس کاراست نہ کاٹا۔ طعنہ نہ دیتا۔

فیلیم بچہ کے انداز میں ایک مفرح حوالہ دیتا تھا۔ وہ ایک پھلجھڑی سی چلا دیتی تھیں۔

ٹی چوچو۔ پروین

اور پروین عاتق کی تو بات ہی اور تھی۔ اس کی باتوں میں پیارنگ رس تھا۔ ۱۹۳۵ء میں جب میں پہلی بار پروین کے پاس اشفاق حسین سے ملا تھا تو اس کے ہاں کیا تو میں سرکلی کے لیے تھا، لیکن وہاں بیٹہ جو گیا، ایسا بیٹا کہ آج تک اللہ نہیں سکا۔ میرا بیٹہ جاساں لیے نہیں تھا کہ اس کے گھر میں موسیقی کی محفل لگتی تھی، بلکہ اس لیے میرا بیٹہ تھا کہ اشفاق حسین کی باتوں نے مجھے افسانہ نہ دیا تھا۔

اشفاق حسین کے پاس کوئی خصوصی بات نہ تھی۔ اس کے پاس بات کرنے کا انداز تھا۔ وہ انداز بڑا چاؤب تھا۔

پروین عاتق کی غزلی یہ تھی کہ وہ باتوں کی پھلجھڑیاں چلانے میں ماہر تھی۔ عام سی بات کرتی۔ اس میں بات چاہے بہت ہی کم ہوتی، لیکن پھلجھڑی چل جاتی۔

پروین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا تھا جب وہ بی چوچو تھی۔ اعضا بے کئے اور بے ڈھنگے تھے۔ ان دنوں وہ اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

spirit of wilful defiance - there is always hope. The faintest flicker of healthy fear in the depth of consciousness keeps this hope alive. It is small things - like this flickers - that swings. The pendulum of mens faigh and destiny. So be of good cheer.

10. I no longer insist that you meet Bhai Jan immediately. Take your own time. Meanwhile write to be quite frequently.

کالے مول نہ ہونے کے

اب میں اس خط کو پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک عظیم خط ہے اور لکھنے والے کو وسعت قلب کا آئینہ دار ہے، لیکن ان دنوں جب مجھ پر عشق نہیں، محبت نہیں، بلکہ ایک جنون سوار تھا، میں نے اس خط سے کوئی اثر نہ لیا۔ قدرت کے لیے میرے دل میں جو عقیدت تھی وہ اس قدر مدہم پڑ چکی تھی کہ میں نے لانا خود کو اس بد روشی اور بھیست پرست کہ وہ ۶۵ سال کی عمر کے بدو میں نے ۲۱ سال کے نوجوان کے مضامین لپٹا لیے۔

رات کو میں کوٹھے پہلا نکلتا۔

چوروں کی طرح عالم بی بی کے گھر کی دیواروں میں چھپا رہتا کہ گھر والے صدمہ دروازہ بند کر لیں۔ عالم بی بی کے نوجوان بیٹے جو جائیں تو باہر نکل کر چپکے سے عالم بی بی کی آغوش میں جا بیٹھیں۔ حالانکہ عالم بی بی کی آغوش لٹی پٹی تھی۔ وہ میرا انتظار نہیں کرتی تھی۔ اسے جسمانی قرب کی خواہش نہ تھی اور وہ اپنے نوجوان بچوں سے سخت خائف رہتی تھی۔ لیکن میں تو عالم بی بی کی خوشبو کا دیوانہ تھا، چاہے وہ انفلیکٹ کرے نہ کرے، لیکن مجھے اس کے قرب کا احساس رہا۔

شور اور ہنسی میری اس کا یا پلیٹ پر حیران رہ گئے۔ شور تو اپنی طبیعت کے مطابق اندر ہی اندر

6. In my judgement all thoughts and possibility of marriage must be fully and irrevocably averted. Family circumstances on both sides are such that matrimony cannot but fall in the purview of para No. 5 above weighing in the scale of prudence adherence to para No. 4 in the oft. repeated commission of sin (Will be far preferable to the complex consequences) of para no. 5, emanating from marriage. At our age and maturity we ought to be able to abide by this simple arithmetical calculation.

گلز گریس

7. I am emphasising against matrimony because this thought can spring at any time on the crest of desire, love, sex, compassion, or just self pity and morbid remorse. so be on the guard.

8. Please keep me informed at short intervals, write in symbols because there is no need for anybody else to know any thing about it.

9. It is easy to enter in the realm of God's grace. But it is exceedingly difficult to fall out of it. Frail mortals may violate divine injunction a hundred times but if it is not in a

ہوں اور اس سے اپیل کی جائے کہ وہ مفتی کو سرزدل کرے۔

انہیں علم نہ تھا کہ میں نے ابتداء میں ہی قدرت کو مطلع کر دیا تھا کہ آپ نے جس کڑوی کوئی پر شوگر کوٹھک کی تھی۔ وہ اتڑ گئی ہے اور کڑواہٹ پھر سے اپنے جوں پر ہے۔
پھر عالم بی بی کی بات کمرنگ تھی۔ میری بیوی مجھے سے بہت ہن گئی۔ بیٹیوں نے بات کے بغیر خاموش پر دست کیا۔ صرف عکس خاموش رہا یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

راجہ شفیق کی وفات

میں نے سوچا چلو راجہ سے بات کرو۔ میں یہ چاہتا تھا کہ عالم بی بی خود آئی تھی یا کبھی کئی تھی۔ میں خود کرا تھا یا دیکھا دیکھا تھا۔

راجہ کے گھر گیا تو پتہ چلا کہ وہ دوسرے پر جہلم گیا ہوا ہے۔

دوبارہ گیا تو پتہ چلا کہ راجہ بیمار ہے، جہلم کے ہسپتال میں داخل ہے۔ پھر ایک روز جب ہم بھائی جان کے ساتھ دوبار میں بیٹھے تھے تو دھنیا بھائی جان کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تڑپ کر رہ گئے۔ پھر وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ آخر بولے: کئے گئے ذرا راجہ کے گھر جا کہہ دو تو لگائیں۔

راجہ کے گھر گیا تو گھر مشعل قلعہ پر دوسری نے بتایا کہ سب لوگ جہلم گئے ہوئے تھے۔

اگلے دن خبر آئی کہ راجہ فوت ہو گیا۔

ہم سب دفوانہ وادہ راجہ کے کھڑن کی طرف بھاگے۔

راجہ کو دفنانے کے بعد جب میں واپس آ رہا تھا تو مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ خود کو دفنانے کے بعد واپس آ رہا ہوں۔

راجہ کے جانے کے بعد میں ہانگل میں آ گیا اور گیلہ

پھر ایک روز ایک نواز محلہ ہوا۔

میں نے عالم بی بی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ عالم بی بی نہ تھی۔

تھلی کے پر جھڑ گئے تھے، پیچھے سے سڑی نکل آئی تھی۔

میں حیرت میں ڈوب گیا کیا اس عورت کے لیے میں نے زندگی کے تین سال کوا دیے۔

سکتا رہا۔ دھواں دیتا رہا۔ پتو پٹہ کر رہ گئی ہوئی، مفتی جی یہ کیا ہوا۔

کون مفتی بی کی بات کر رہی ہو۔

اپنے مفتی بی کی، وہ ہوئی۔

مفتی لد کیا کہ کوئے نے جو مور کے پر لگا رکھے تھے وہ اٹار پیچھے۔ اب اپلی سے بات کرو۔

پتے تھے حیران تھے کہ مفتی اور اپلی کا قصہ کیا ہے۔

پتو بی، شایب صاحب کو پتہ چلا تو وہ کیا کہیں گے۔

کہیں گے، کالے مول نہ ہوئے ہے۔

بھائیوں سوسن ملان لگے۔

پتو بی بی نے بی بی ہے کون۔

میں نے کہا ایک عام سی بھٹی عورت ہے۔

یہ سب اس بی بی کا پہیلیا ہوا شر ہے۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ اس بے چاری میں شرکوں سے کیا۔ وہ تو خود مظلوم ہے۔

آپ بھی مظلوم ہوں گے اس نے طعن دیا۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ شریں خود ہوں۔ قدرت نے میرے اندر کے شر کو دیا

دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ موتہ کی ناک میں رہا اب اس نے شیخو مار دیا۔

پھر ایک روز میں نے عالم بی بی کو اگلی لگائی اور اسے پتو کے کمرے لے گیا۔ اے دیکھ کر مارا

کا سارا گھر بکا کا رہ گیا۔

اشفاق احمد، بشیر اور سودی کو عالم بی بی پر غصہ آتا تھا۔ صرف پتو ایک واحد فرد تھی جسے اس

مادر نے پر دیکھ ہوا۔ غصہ نہیں آیا۔

پھر احمد، بشیر اور اشفاق احمد مل بیٹھے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی مل بیٹھے نہ تھے۔ ان

دونوں کی شاخ میں مل بیٹھے کا مضر سہ ہے۔ سوچو ہی نہ تھا۔

ان دونوں نے کہا یہ مفتی تو جوڑ میں ڈوب گیا۔ اسے دلیل میں ات پت ہوئے کی لت پڑ

گئی ہے۔ اپنے لیے چلا گیا۔

دونوں نے فیصلہ کیا کہ قدرت اللہ خدا کو لکھا جائے، جس میں اس واقعہ کی تفصیلات درج

انہوں کو تاراض کر لیا۔ گھر کی آبیاری کو تلف کر دیا۔ پلو کو دھکی کر دیا۔ کیسی 'میری' ٹولی کو چھیننے کے رکھلہ احمد بشیر اور سودی کو دھکی کیے رکھلہ

یا اللہ! میں نے پہلی بار بڑے عجز سے عرض کی 'یا اللہ کیا میری آنکھیں میری ہیں یا یہ نورسز لی یا نکی کلاچ ہیں۔ کیا یہ دیکھ رہی ہیں جیسے میں چاہتا ہوں یا دیکھ جیسے وہ چاہتی ہیں۔'

۱۔ داستان میرائے

۲۔ محشر رسول نگر

۳۔ پیر خانہ

۴۔ پاکستان

۵۔ چھوٹا منہ



مناقبہ سیم الدین



رفیق دہرو



سویلا، نسیم، نقش ابیہیں

دو ایپا، بج



میرزا اسلم خان

میں پاس کلاٹ کر جب وطن واپس پہنچے تو وہ ۱۹۴۷ء کے ۳۰ سال پہلے یہاں سے
انگلستان روانہ ہوئے تھے۔ پٹھان روہیت نظر آتے تھے، لیکن اندر ان کا بندہ ٹوٹا ہوا تھا۔
جب ذوالفقار علی بھٹو ملک کے سربراہ بنے تو انہوں نے پہلا حکم یہ کیا کہ قدرت اللہ کی
چٹن کی منظوری دے دی اور انہیں وطن واپس آنے کا مشورہ دیا۔

جب وہ وطن واپس آئے تو بھٹو نے کہا کہ جتنے سال آپ نے انگلستان میں گزارے ہیں۔
اتنی مدت کے لیے ہم آپ کی ملازمت میں توسیع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ چٹن لے
لیں۔ لیکن قدرت اللہ نے بھٹو کی اس آفر کو تسلیم نہ کیا۔ بھٹو کی خواہش تھی کہ قدرت اللہ
بیکٹری کے محکمے پر فائز رہے۔ قدرت اللہ فوری طور پر چٹن پانے کے حق میں تھا۔ قدرت
اللہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھٹو کی خواہش کو رد کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت نے ہینشٹر
بننے کے بعد ایک سال کے کنٹریکٹ پر ملازمت کرنا تسلیم کر لیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو اطلاع
دیے بغیر اسٹنٹن دیے بغیر پاکستانی باغی میں ایک مضمون شائع کرا کر کہ ”سی ایس پی ملازمت میں
میں نے کیا بلایا کیا کھوٹا“ مگر آجیٹل۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو علم نہ تھا کہ یہ وہ کیوں شباب نہیں ہے جس کے ساتھ انہوں



میرزا اسلم خان

اور کیا تھا۔

بہر حال اگر قدرت شباب ثانی میں آخری باب شامل نہ کرتا تو میں اللہ عظمیٰ نہ لکھتا۔
بہر حال عفت کو علاج کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قریبی عزیزہ چلی گئی۔
ماہ دہ کے بعد لندن سے ایک نر آیا۔ لکھا تھا۔

Iffat resisting death come

اس نر کو دیکھ کر شباب اور اس کا بیٹا حاقب دونوں چلے گئے۔
تقریباً ایک مہینے بعد ۱۰۔۱۱۔۱۲ لکھا ہوا شباب کا خط ملا۔ جس کا ایک اقتباس درج ہے۔

اسے فریڈ

ہم یہاں پہنچے تو عفت کو ما میں تھی۔
پانچ چھ روز تک حاقب کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی۔
اس بار حملہ سب سے شدید تھا۔
لاہور سے کئی سوگنا زیادہ۔

دو روز میں بے چاری کا دل بارہ مرتبہ رکھ مٹھوں سے Revive کیا گیا۔
خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ لب دو رو صحت ہے۔ ابھی چھ سات ہفتے اور ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔

اس کے بعد خبر آئی کہ قدرت اللہ دیل گاڑی میں کنیشہری کے ہسپتال میں جاتا ہے۔
عفت داخل ہے۔ مٹھوں عفت کے پاس چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔
عفت کی بڑوں میں نے دیکھ کر کہا لی بی بی تیرا یہ بٹے فریڈ تھ سے بڑا پیار کرتا ہے۔
میں بھی تھ میں کرنا اور پھر آکر مٹھوں تیرے سامنے بیٹھ رہتا ہے۔
عفت نے کہا یہ میرا میں ہے۔

اصل خط میں سے ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXV

ہی چھالے نکل آئے تھے۔ منہ میں چھاپے زبان پر چھالے ملے تھے۔ لکھا تھا چھوٹا تھا۔
تھا۔ کھانے پینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ سانس مشکل سے آتی تھی۔ پورے بارہ دن لکھا تھا۔
بہر حال ڈاکٹروں نے کہا تھا۔ ذہنی ٹیوٹ ہو گیا ہے۔
بانو کے کمر میں عفت بار بار کوما میں چلی جاتی تھی۔
قدرت اللہ شش و پنج میں پڑا تھا کہ لندن لے جائوں یا نہیں۔
میں ایک ڈرپاک آوی ہوں۔ کراس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں لاہور سے بھاگ گیا۔

اور عفت لندن چلی گئی اس کے ساتھ اس کی ہمیشہ تھی۔
بانو اتنے دن کھال میں پڑی رہی کہ گھٹیل کر پانی ہو گئی۔ وہ لندن چلے گئے تو بانو بھلا چٹک کر چھینٹے بن کر بھر گئی۔

آخری باب

بانو شباب کی نگاہ میں اس قدر کچھ ہو چکی تھی کہ ہر بات میں اس سے پوچھتی تھی۔
کروں۔ ہم سب میں صرف بانو ہی کو شباب پر حق الثقلین تھا۔
کچھ میں نہیں آتا کہ پھر بانو نے حوا برشم میں ایسے واقعات کیوں نہ درج کیے جو شباب
ناچنے کے آخری باب کی تصدیق کرتے۔
بانو نے یہ چشم دید واقعات شاید اس لیے بلکے آؤت کر دیئے کہ قدرت اللہ نہیں جانتا تھا
کہ اس کی زندگی کے ایسے واقعات کو شکر کیا جائے، لیکن اگر قدرت چاہتا تھا کہ اس کی زندگی
ایسے واقعات کو راز رکھا جائے تو اس نے شباب ثانی میں آخری باب کا اضافہ کیوں کیا۔
قدرت اللہ نے آخری باب کے علاوہ شباب ثانی کے تمام باب ہمیں پڑھ کر سنا ہے۔
آخری باب میں نے قدرت کی وفات کے بعد پڑھا۔ اگر وہ آخری باب مجھے سنا دیتا تو میں خدا
کے بیٹا جانا کہ میری جان لا تو اس آخری باب کو حذف کر دیتیے اور شباب ثانی کے سارے
باب از سر نو لکھتے۔
میرا اندازہ ہے کہ قدرت کا آخری باب لکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ آخری باب لکھنا اس پر مار

ملات کرے گی۔

پڑوس بولی میں نہیں جانتی کبھی غلام بھی بیوی سے لڑا لکڑا رکھتے ہیں۔

عفت کی وفات

پھر خاموشی چھا گئی، اندر سے کوئی خبر نہ آئی۔ البتہ انواہیں سننے میں آتی رہیں۔ میرٹ آباد جانے والے نے لکھا کہ عفت کی بیماری اسے چھوڑ گئی ہے اور اب وہ بالکل صحت مند ہے۔ شاپ، عفت اور جاقب ایک مکان میں رہتے ہیں۔ وہ تینوں بڑے "مطمئن" ہیں، آرام سے زندگی گزار رہے ہیں، یوں جیسے کچھ بے ہوش۔

مجھے ان خبروں پر یقین نہیں آتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چلو کاٹھریوں اڑ جائے۔ اگر چلو کاٹھریاں داخل بھی ہو جائے تو مرنے لوتے ہوئے اعضا کو جوڑنے والے تصور ڈا چلا رہے ہوں گے۔

جیسے شاپ سے ہوا تھا۔

شاپ کا کوئی خط موصول نہ ہوا کہ راز کھلے۔ شاید شاپ بات بتانا نہ چاہتا ہو۔

میں انتظار میں بیٹھ گیا کہ کبھی آئے گا اور چکلن کی صورت پیدا ہو گئی تو شاید بات کھلے پھر دھتار "خبر آئی کہ عفت وفات پا گئیں۔

پتہ چلا کہ کوئی بیماری نہ ہوئی۔ ہارٹ ایکٹ نہ ہوا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ ایک دن الطبعی طور پر پانی پر لیٹ گئی اور فوت ہو گئی۔

عفت کی وفات کے بعد جب قدرت واپس آیا تو میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔

پہلے جب وہ واپس آیا تھا تو آرمیا آری تھا۔

اب وہ محض ایک ایسا لکھکا تھا۔ جس میں سے شہ چر گیا ہو۔

پھر جلد ہی چکلن ہوئی۔ اتفاق سے میں موجود تھا۔

میں نے عفت کی بات پھیر دی۔

وہ میری باتیں سن رہا، لیکن خاموش بیٹھا رہا۔ آنسو آتے رہے اور وہ بیٹھا رہا۔ میرٹ آباد

مشہور لکھ "مہم دسے برات ہر در پر دیش" کا نقشہ کھینچ گیا۔

میں نے کہا، شاپ صاحب آپ تو کہتے تھے کہ آپ چلے جائیں گے اور جاقب کی

کیا میں نے کہا تھا، وہ حیرت سے بولا۔

ہاں میں نے جواب دیا۔ آپ نے مجھ سے نہیں دین سے کہا تھا۔

میں کیا کر سکتا تھا، وہ بولا۔ عفت مدینے شریف سے احکامات لے آئی تھی۔ میں مجبور ہو گیا۔ ساری بات الٹ ہو گئی۔

پھر ہنڈ نوٹ گیا اور بات مکمل کر سامنے آ گئی۔

بولا، جب ہم لندن پہنچے تو عفت کو کہا میں تھی۔ انہوں نے کہا، ملاقات بے کار ہے کما سے ہا کے گی تو آپ اسے مل لیا۔

ڈاکٹروں نے شک دیا۔ جو ممکن عمل ہو سکتا تھا کیا، لیکن کما نہ ٹوٹا۔ چند ایک دن گزر گئے۔

پھر ہم نے دوبارہ درخواست کی تو ڈاکٹر ملن گئے بولے

ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما ٹوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ آپ اسے دیکھ لیتے ہیں ہم سمجھتے تو وہ بے ہوش پڑی تھی۔

در تک ہم خاموش کھڑے رہے۔ اسے دیکھتے رہے پھر جاقب کا ممبر نوٹ گیا۔ اس نے چلا کر آواز دی۔ اسی عفت نے آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹر جرنلن ہو گئے۔ یہ کیا ہوا۔

ساری رات ہم باپ بیٹا لٹکے کے حضور سرگرم رہے۔

منتیں کرتے رہے۔

اگلے روز ڈاکٹر نے بتایا کہ عفت کی بیماری دور ہو چکی ہے۔ لیکن شدت کی کمزوری باقی

ہے۔ اسے چھ ہفتے ہسپتال میں رہنا ہو گا۔ اس کے بعد وہ گھر جا سکتی ہے۔

یہ کیسے ہوا میں نے قدرت سے پوچھا۔

مسلط

پتہ نہیں، وہ بولا، شاید اللہ تعالیٰ کو ہماری منتوں اور تزلزلوں پر ترس آ گیا اور انہوں نے

ملت عطا کر دی۔ ہم باپ بیٹے کی صرف اپنی سی درخواست تھی کہ یا باری تعالیٰ ہم تینوں کا

باپ اور بیٹا بھی اطمینان اور سکون سے گھر میں نہیں رہے۔ ہمیں ملت عطا کر کہ ہم تینوں ایک

گھر میں آرام و سکون سے کچھ عرصہ اکٹھے رہیں۔

جب مفت ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو ہم تینوں ایک مکان میں آرام اور سکون سے رہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے قدرت اللہ شلب کا ملائی جب پڑھا تھا تو فوراً وضو

کر کے ملائی کی روح کو ایسا ٹوٹ پھٹا تھا شلب کی تحریریں اور میرے اس

ہنر میں کیا تعلق ہے۔ میں نہیں جانتا صرف بیان کر سکتا ہوں۔

.....

بولی نہیں تھڑکی نہیں۔ مجھے ہر دم ان کی سلامتی کا گھر رہتا ہے وہ گھرے ہوئے ہیں۔ اس نے فون بند کر دیا۔

میں اٹھ کر کپڑے پہنے لگا۔ ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ کہیں جاؤں کہ فون پھر بجے۔ میں نے چونکا اٹھایا۔ شب بول رہا تھا۔

کہنے لگا: آپ تکلیف نہ کریں۔ میں صبح سلامت گھر پہنچ گیا ہوں۔

میں نے دھیمی آواز میں پوچھا: کوئی فرائض تھی۔

ہنس کر بولا: نہیں۔

میں نے کہا: تو دوسری مل تھا کیا۔

بولا: نہیں۔ وہی فورسز بیٹاؤ۔

میں نے کہا: یہ چکاڑیں بھی تو فورسز بیٹاؤ کی لکھت ہیں۔

بولا: کلی بات کریں گے اور فون رکھ دیا۔

ابتدائی ایام میں میں نے ایک دن صفت سے کہا تھا۔

میں نے کہا: اکثر مجھے ایک بات بتاؤ گی۔

کہنے لگی: پوچھیے۔

میں نے کہا: کچ بچ بتائے گا وعدہ کرو تو پوچھوں۔

بولی: کیوں جسوت بولوں کی خواہ خواہ۔

میں نے کہا: یہ بتاؤ کہ قدرت اللہ شب کون ہے۔

وہ سٹپٹ گئی۔ بولی: کیا مطلب۔

میں نے کہا: لگتا ہے قدرت اللہ شب کوئی ہے۔

He is some body لیکن کیا ہے۔ کون ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی: میری بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ————— ملتی ہی

جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں میری تو مت ماری گئی ہے۔ کبھی کسی کمرے سے تازہ پھولوں

داستان سرائے

اپنے مضمیتوں کے دوسرے مجموعے "اود لوکے لوگ" کا انتخاب میں نے "داستان سرائے" کے نام کیا ہے، جس میں نے زندگی کے بہترین لحاظ گزارے ہیں۔

میں تذبذب میں پڑا تھا۔ کیا تھا پھر جاننے لگا۔ پھر جان گیا۔
پھر جاننے لگا، یوں نہ تھا نصیب ہوا نہ چاہا۔
شب کی وقت کے بعد مجھے لندن سے ملایا آگیا۔
الحظ گو ہر نے افکار عارف کے اورد مرکز کی جانب سے بلایا تھا۔
مجھے لندن دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ سوچا چلو دوستوں سے مل آؤں گا۔ الحظ گو ہر تھا۔ یوں ہی
تھا، افکار عارف تھا، محمود ہاشمی تھا، پروین بھی ان دنوں وہیں تھی اور ڈاکٹر مزل ملحق تھا۔
لیکن سب سے زیادہ تمنا مجھے مفت کی قبر دیکھنے کی تھی۔
میں نے پروین عارف کو خدا نکھلا۔ اللہ کے واسطے وہیں رہا۔ چلی نہ آتا۔ میں آ رہا ہوں۔
اگر تم نہ ہوئی تو اس فیض عمل میں کھو جانے کا۔
وہاں میں صرف آٹھ دس دن رکھا۔

الحظ گو ہر نے اپنا پبلک ریلیشنز اسر مسٹر جان کو میرے پاس بھیج دیا کہ چٹو ملحق کو جیتیں
دکھا دو۔ مجھے جیتیں دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ مجھے زبردستی دست فترا یہے میں لے گیا۔
.....

شروع کیا تھا۔ اس پروگرام میں اشفاق نے شادی کا رد لیا۔

اشفاق احمد اچھا اور اکر بھی ہے۔ اس کی وجہ اس کا نام ہے۔ اس کا نام عام لوگوں سے زیادہ سناتا ہے اور اس کا ملحق سنی ہوئی آواز کو ہو سو رہی پر دوجہ س کر سکتا ہے۔

پتہ نہیں یہ کیسے ہوا کہ اشفاق احمد نے پروگرام کے شاہ صاحب کو ایک مثنوی کردار عطا کر دیا۔ "خس" مردم آزار۔ منہ پر لور، پیٹ پر کچھ اور عام طور پر ریڈیو والے دیکھیں جوش کرتے ہیں انہی اور اشفاق۔ انہوں نے بھی مثنوی کردار جوش کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ لیکن اشفاق احمد کا شاہ صاحب ہل نکلا۔ سامعین نے شاہ صاحب کے منہ سے اپنے اندر کی خباثتوں کا ذکر سنا تو نمل ہو گئے۔ پھر اس پروگرام کا نام تلقین شاہ رکھ دیا گیا۔ اور اشفاق چھان سے سید بن گیا۔

یہ پروگرام اس قدر پاپر ہوا کہ بات کمال تک جا پہنچی۔ ہوا یہ کہ ایک روز پروگرام کے دوران شاہ صاحب نے اپنے غلام برایت اللہ سے کہا کہ ٹوکرا لے جاؤ اور مانگے اور کتوں کے چنگے جس بھی پرے نہیں "انہیں ٹوکرا سے ڈال کے لے آؤ۔"

برایت اللہ نے پوچھا "شادی چلے آگئے کرنے کا کیا فائدہ ہو گا۔"

شادی نے کہا "الحق تجھے نہیں پتہ ہم ان چنگوں کو اپنے صدر دروازے کی سائیڈ پر ڈھیر کر دیں گے۔"

برایت اللہ نے پوچھا "آؤ اس کا کیا فائدہ ہو گا۔"

شادی بولے "مجھے والے دیکھیں گے۔ ان کے دلوں میں ہماری لہرت کا رعب پڑے گا۔ ہمارا وصل شیش لٹکے لوں گا ہو گا۔"

یہ پروگرام ریڈیو سے رات کو نشر ہوا۔

شیخ اشفاق احمد باہر نکلا تو دیکھا کہ صدر دروازے کی سائیڈ پر مانگے اور کتوں کے چنگوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

شرت کا ٹھکانہ

اشفاق احمد یہ دیکھ کر چلے۔ "نہن" نہن ہو کر رہ گیا اس کے اندر کا ٹھکانہ بچ گیا۔ پھر وہ ٹھکانہ باہر بجا جاتی کہ لیلی دین کے اور دروازوں کے دوران ٹھکانہ کے ساتھ مرنگ بھی

خدمت اس نے کی ہے، کسی اور نے نہیں کی۔ جتنی اپنائیت مجھے کسی میری نوکی ہاتھ کے چوں نے اور اس کی اہی سزینہ نے دی ہے کسی اور نے نہیں دی۔

اردو لب میں میں نے اشفاق احمد سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

جب میں ریڈیو مفت کے بعد ملی مشکلات میں گر رہا تھا تو اشفاق احمد نے اردو بورڈ میں مجھے ایڈیٹر کی آسانی پر قیادت کر دیا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قدرت اللہ شاہ جو میری زندگی کا عظیم ترین مشاہدہ ہے۔ وہ بھی اشفاق احمد کی دین ہے، چونکہ بنیادی طور پر وہ اشفاق احمد کا دوست تھا۔

اشفاق احمد کی نہیں اس کے سارے بھائی، قادیان اور ملاپور کے مالک ہیں۔

اشفاق احمد کے والد بڑے خان خوب آدمی تھے۔ ان کی قابلیت بخت رشتی تھی۔ ساتھ ہی وہ بڑے چارہ بہت دی چلی تھے، جب وہ گھر میں پاؤں دھرتے تو سنا جاتا تھا۔ ان کے حکم کے بغیر پتا نہیں مل سکتا تھا کہ گھر میں سب سے بڑی پر اہم یہ تھی کہ کس طریقے سے بڑے خان صاحب کو رام کیا جائے۔ غالباً اسی وجہ سے سب بھائیوں میں امتیاز، مصلحت اور دنیا داری کی خصوصیت پر روشنی پائی۔ صرف ایک بھائی کے اندر ری ایکشن پیدا ہوا۔ اسے کہہ دینے کی عادت نہ تھی۔ منہ پر کہہ دینے کی۔ سچ کہہ دینے کی۔ دنیا داری سے بے نیاز، فنیل، عمل کا متوال۔

اشفاق کو ابتداء سے ہی دل کی بات کہہ دینے میں چنگا پٹ محسوس ہوتی تھی۔

میری دانست میں اشفاق احمد کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کی شادی پاؤ قدیر سے ہو گئی۔ اگرچہ بظاہر اس شادی کی وجہ سے دونوں میاں بیوی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

تلقین شاہ

UrduPhoto.com

اشفاق کی شخصیت دو حصوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔ ایک تو وہ دور جس میں وہ اشفاق احمد غالب اور دوسرے وہ جب وہ شاہ صاحب بن گیا۔

وہ ایک عام ساریڈیو پروگرام تھا، "حضرت تھیر" جو اشفاق نے سکرپٹ رائٹری حیثیت سے

بناپتی اور اصلی

وہی قدرت اللہ آجائے بڑے لوب سے پاؤ کی خدمت میں عرض کرتے۔ بیکم صاحب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے میاں کو دو گھنٹے کے لیے باہر لے جاؤں۔ یقیناً جہاں سے وہ کھنے کے اندر اندر آپ کے میاں کو واپس واپس کر دوں گا۔
پوچھتی: آپ کھانا کھائیں پھر بے تک۔

نہیں محترمہ! وہ جواب دیتا: کھانے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کہیں باہر سے تان کباب کھائیں گے۔

جب بھی میں لاہور جاتا تو پاؤ مجھ سے شکایت کرتی تھی: کبھی: اشفاق کا ایک نیا دوست بنا ہے جب بھی آتا ہے ہم سے بات نہیں کرتے۔ ایک بیگانہ انداز سے اجازت مانگتا ہے اور خان کو باہر لے جاتا ہے۔ ہمیں گھاس نہیں ڈالت۔

کوئی بڑا حق ہے، میں اسے جواب دیتا: جو تم جیسی خاتون سے رابطہ نہیں رکھتا۔

وہ ہنسی: ملتی جی آپ مجھے کھن نہ لگایا کریں۔

میں کہتا: میں کیا لگاؤں گا وہ تو اللہ نے لگا کر بھیجا ہے۔

پاؤ بہت بڑی طاقت ہے اس کے پاس وہ بہت ملک اختیار ہیں۔ انکیشن اور خدمت۔

آہستہ آہستہ اس نے قدرت اللہ کو رام کر لیا۔ یہی تک کہ وہ اسی بارہوی خانے میں جڑی پڑ کر سرسوں کا ساگ: پائے اور وال چاول کھانے لگا۔

پھر قدرت اللہ سے میں حصار ہو گیا۔ اشفاق نے تعارف کرا دیا۔ پہلے تو اس نے ملنے سے گریز کرنا دیکھا۔ چونکہ میں بڑا اچھی طور پر چھوٹا آدمی ہوں اس لیے بڑے افسروں سے الگ ہوں۔

پھر آہستہ آہستہ مجھے پتہ چلا کہ بڑا افسر ہونے کے باوجود وہ بھی میری طرح چھوٹا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں بناپتی چھوٹا ہوں! وہ اصلی چھوٹا ہے۔ اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ پر اسرار آدمی ہے۔ اسے بڑا بات ملتی ہیں۔ لہذا ضرور وہ کسی منصب پر فائز ہے۔ خصوصاً جب ہماری جان نے کہا کہ سرکار قبلہ نے اس کی دستار بندی کی ہے تو میں بے حد متاثر ہوں۔

گو تھیں اس کے بعد اشفاق احمد کی شخصیت کا وہ سراور شروع ہو گیا۔ اس کے پرانوں نے اسے ہوا دی۔ قیادہ اہمر۔ اہمر تاکید۔

اشفاق احمد بنیادی طور پر ایک شریف النفس انسان ہے۔ اس کے اندر خیر کا عنصر حاوی ہے۔ اسے غصہ ضرور آتا ہے، لیکن وہ اسے نکالنا نہیں جانتا۔ لہذا اندر چڑچڑھوتی رہتی ہے۔ بغیراری دالے بغیر ہوتی رہتی ہے۔ اس کا غصہ خود کو ضرب لگاتا رہتا ہے۔ لہذا ملنا کرتا ہے۔

اشفاق احمد کسی کے خلاف سازش نہیں کر سکتا! اپنی پارٹی میں بنا سکتا۔ چل نہیں پھیلا سکتا۔

اسے شہرت کھائی۔

کہنے لگا: لوب کا مکتبہ بہت چھوٹا ہے۔

میرا پیغام وسیع تر ہے۔

اس لیے میں میڈیا کا آدمی ہوں۔

ان دنوں اسے علم نہ تھا کہ میڈیا تو سرکاری پابندی ہے فی دی شہرت کا ہمارا تو لگاؤ دیتی ہے! لیکن مجرمانہ طریقے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے راکھ کی طغی رہ جاتی ہے۔

شہرت نے ہم دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کر دی! پھر بھی ہمارے تعلقات جوں کے توں قائم رہے۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ وہ سلف سفسٹنس اور سلف سینٹر ہو گیا۔ وال کا وہ دائرہ بن گیا جو کھانے میں۔ پھر بھی میرے لیے کوئی فرق نہ پڑا۔ اس کا گھر تھا۔ پاؤ تھی: مزینہ تھی: میری قہا کہیں قہا: ٹائیڈ تھی: ذی قند اس مہمت سے مجھے کوئی ٹھل نہ سکتا تھا۔
قدرت اللہ بھی اشفاق کے گھر آکر آتا تھا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب داستان سرائے فقیر نہ ہوا تھا۔ اشفاق اور پاؤ کھن آہلہ کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ چھوٹا سا بارہوی خانہ تھا۔ اس میں دو تین بیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دو ایک کھلی بیاد بیٹیاں چولے پر پڑھی رہتی تھیں۔ ایک فرانی جین نور ایک لوبے کی کڑوا دیو اسے لگی رہتی تھی۔

میں اس بارہوی خانے میں غصہ کھٹا کر بیٹھ جاتا۔ پاؤ کھانے اور ہم کھاتے۔

اس دن سے میں نے داستان سرائے میں بیٹھ کر یہ چار کرنا شروع کر دیا۔ میں نے بار بار پڑو اور اشفاق سے کہا: پیارو یہ ٹھٹھا آؤی جو تم پر اس قدر مہربان ہے۔ صرف ٹیک انسان ہی نہیں، یہ اللہ ہی افسری نہیں۔ بھائی جان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بلند پاسے کا بزرگ ہے۔ یہ قہداری خوش قسمتی ہے کہ وہ تم کو دوست رکھتا ہے۔

پھر میں قدرت اللہ کی شخصیت کی پر اسرار باتیں سناتا رہتا۔ اشفاق اور پڑو بڑے انصاف سے میری باتیں سنتے رہتے اور اس سے بیگم جاتے، لیکن پھر وہ اپنے پر ہلکا پڑاتے اور پھر سوکے کاٹھ ہو کر بیٹھ جاتے۔

دو تین سال میں یوں رہا وہ سنتے رہے۔ لیکن بات جہاں دھری تھی وہیں دھری رہی۔

غالباً شوق پڑو مجھے ایک جذباتی مجذوب سمجھتے تھے۔ اس لیے میری باتوں پر انہوں نے کان تو دھرا، دل نہ دھرا۔

دیے بات بھی درست تھی۔ میں ایک جذباتی آدمی ہوں اور مجھ میں مجذوبیت کا عنصر موجود ہے۔ لیکن غالباً انہوں نے میرے غلوں کی جانب توجہ نہ کی۔

قدرت اللہ کے مرتبے کے متعلق انہیں احساس دلانے میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا۔ مجھے ایک خزانہ ملا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میرے دوست بھی اس لوٹ کے بل میں حصہ دار بن جائیں۔

نور بیلا کا ڈیرا

پھر نور بیلا کا قصہ چل نکلا۔

نور بیلا ایک بزرگ تھا۔ اس کا ڈیرہ لاہور چھوٹی میں کیو لری روڈ پر تھا۔ نور بیلا کے دو کام تھے۔ بنیادی کام یہ تھا کہ وہ ہر آئے والے کو گوشت روٹی کھاتا تھا۔ اس کے ڈیرے پر آجھ نو بیسی بیسی داڑھیوں والے بابے کام کرتے تھے۔ چار ایک صبح شام روٹیاں پکاتے رہتے۔ وہ ایک ہانڈی پکاتے پر ہموار تھے۔ اور وہ ایک چھوٹے موٹے کام کرنے پر۔ نور بیلا کا دوسرا کام دوا دار کا تھا۔ ڈیرے پر وہ بڑے بڑے بارکھ بنائے ہوئے تھے۔ ایک بہت کھانسی تھا۔ ایک بے چینی

مومن کے ایک جانب ان دور مریضوں کا وارڈ تھا۔ جہاں چار بیویوں پر مریض آسمان تلے لیئے رہتے تھے۔ نور بیلا دن میں دو بار وارڈ کا رٹوٹ لگاتا۔ ہر مریض کا حال پوچھتا اور دوا تجویز کرتا تھا۔ نور بیلا نذا کے ذریعے علاج کرتا تھا۔ کتنا تھا نذا دوا سے بہتر ہے چونکہ اس میں شفا کا عنصر داخل ہوتا ہے۔ زیادہ تر مریضوں کا علاج ملت ہو آتا تھا۔ صاحب حیثیت مریض کو اجازت تھی کہ وہ نذا کی دوا کی قیمت لودا کر دے۔ دوا کی قیمت 'قیمت خرید کے مطابق لی جاتی۔

نور بیلا اپنے ڈیرے میں بیلا بن کر نہیں بیٹھتا تھا۔ بلکہ چاروں طرف گھومتا پھرتا۔ کسی کو پانی پاتا۔ کسی کے لیے گرم روٹی لے آتا۔ کسی کا حال احوال پوچھتا۔ ڈیرے میں اس کی حیثیت ایک کالی کی تھی، بیلا کی نہیں۔ ڈیرے کا خرچ کیسے چلتا تھا اس کا علم مجھ نہیں۔

پتہ نہیں کیسے اشفاق سے یا دیوے ہی ایک روز اشفاق نور بیلا کے ڈیرے پر جا پہنچا۔

شوق تحقیق

اشفاق کی عادت ہے کہ اسے کوئی نئی چیز مل جائے تو وہ اس کی تحقیق میں لگ جاتا ہے۔ اس کے اندر گھس جاتا ہے۔

جب وہ مکان بنوا رہا تھا تو فن حیر کے اندر گھس گیا۔ جب ننگے گھوڑا رہا تھا تو اس نے ٹوٹیوں کے متعلق تہم معلومات حاصل کر لیں۔ کون کون کتنی ٹوٹیاں بناتی ہے۔ ٹوٹی کا منہ کتنا کھلا ہوتا ہے۔ اس کا داخل کتنا دیر ہوتا ہے۔ ان دنوں وہ براہِ رتھ روڈ پر جا پہنچا اور اس تحقیق میں لگ گیا کہ وہاں کیا کیا ہوتا ہے، کھس کھس جاتا ہے۔ کیا کیا باہر سے آتا ہے۔ کیا کیا خانہ ساز ہے۔ اشفاق احمد تحقیق کا موالد ہے۔

نور بیلا کے ہاں پہنچا تو وہاں بھی، دلی میں جگہ ذہنی تحقیق میں لگ گیا کہ روحانیت کیا ہے۔ ہے۔ تصوف کیا ہے۔

نور بیلا دیکھنے میں تو ایک عوامی فرد تھا۔ وہ بچوں اور مرشدوں کی طرح مسند پر نہیں بیٹھتا تھا۔ مسئلے نہیں چھانٹتا تھا۔ سرکار قبل بن کر ارشادات قرآن کے اعلیٰ نہ تھا۔ وہ ایک لمبا سا چنڈ پنہ رکھتا تھا۔ ننگے پاؤں یوں گھومتا پھرتا جیسے کوئی خدمت گار ہو، لیکن جب بات کرتا تو بڑی بڑی

میں اس لیے پر دستخط کیے تھے۔

صوفیانہ: 'پائیاں چھوٹے چھوٹے جملوں میں برکتیں لکھ کر کہہ جاتے۔ اس کے پاس ایسے بیسیں

جملے تھے، جنہیں سن کر دانش ور چونک جاتے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

مجھے بلایا یہ بات بہت کھلی۔ اتنا بڑا دعویٰ اور یوں بڑا۔ اور پھر اتنا خفا۔

کسی نے کہا: 'یاد رکھیے جو پاکستان ہے یہ کیا اسلامی مملکت ہے۔

یاد رکھو کہ یہ ابھی تو بیچ پڑا ہے، ابھی بونے لکے گا اور جب بونے پر پھول لگا تو ساری دنیا حیرت

میں دیکھے گی۔

یہ جملے Aphorisms تھے۔ مثلاً: 'ماتے کے لیے جتنا ضروری نہیں۔ علم سمجھنے کی چیز

افورازمز

وہ مسکرایا ہوا میں اس عقل ہو آتا پھر آپ کی منت کیوں کرتا۔

میں نے پاؤں سے بات کہہ دی۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ اس جتنی جھگڑے نے یہ بات میاں کو تباہی ہو گئی، لیکن اشفاق پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

انادوہ شہاب کی مودودی میں نور ہلائی کہیں کچھ زیادہ ہی ہنڈے سے منانے لگا۔

پھر یہ نہیں کیا ہوا۔ کچھ ہو گیا۔

پاؤں پر دھنسا "اکشف ہوا کہ قدرت اللہ ایک بڑا بزرگ ہے۔ پاؤں کے نیچے عقیدت کے ہنڈے سے پھٹکے گئے "قدرت اللہ نے اپنا گمنام" اُتار دیا۔ جب بھی قدرت اللہ لاہور جاتا تو پاؤں شوشیری "سبز جڑ پاؤں کے تمام بیٹے بیویوں سب قدرت کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے" پھر مسئلے مسائل چل پڑتے۔ سوال پوچھتے جاتے۔ قدرت اللہ ان سوالات کے جواب دیتا۔ بات کی وضاحت کرتا۔ فیصلے مل کر۔

ایک سال کے اندر اندر قدرت واستان سرائے پر ایک بزرگ کی حیثیت سے چھایا۔

واستان سرائے والے انتظار کرتے کہ کب شہاب صاحب لاہور آئیں۔ خود شہاب کی خواہش ہوتی کہ وہ لاہور جائے۔

دراصل جب سے وائزر مفت فوت ہوئی تھیں قدرت کو "ہوم" نصیب نہ ہوا تھا۔

بے گھر

وہ اپنی ہمیشہ کے گھر رہتا تھا۔ اس کا بہنوئی لٹن "ہمشیرا محمود اور ان کے بیٹوں بچے گزری۔ بلو اور پیکل سب اس کی عزت کرتے تھے۔

ایٹن پور فقیر کا قافلہ تھا وہ خود ایک مراد مستقیم تھا۔ وہ قدرت اللہ کو ایک نیک آدمی کہتا تھا اور بس۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ قدرت اللہ نے اپنے گھروالوں کی نظر بندی کر رکھی تھی کہ ان کو قدرت کی اصلیت کا پتہ نہ چلے۔ طاقت قدرت کا معمول تھا کہ وہ حج تین بچے جاکر تھوڑا کرنا

پھر سولی پکڑ کر باہر نکل جاتا اور وہ کھٹے اسلام آباد کا پکڑ لگاتا "پھر گھر آکر فجر کی نماز پڑھتا اور پھر سو ہاتا۔ گھروالوں نے کبھی نہ سوجھا تھا کہ وہ کوئی رات کے وقت شہر کا پکڑ کیوں لگاتا ہے۔ وہ وقت نہ چل تھی کہ ہوتا ہے نہ جاگتا گا۔

ایک دن میں نے قدرت سے پوچھا "آپ جو رات کے تین بجے اسلام آباد کا پکڑ لگاتے ہیں تو شہر کے کتے آپ کا استقبال کرتے ہوں گے۔

ہاں اس نے جواب دیا۔ بڑے کتے ہیں اس شہر میں۔ مگر اس وقت میرے گرنے کا پورا عرصہ آتا ہے۔

میں نے کہا "شہاب صاحب آپ انسانی ذہن کی تو جہنم نہ کیا کریں۔

اس نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

میں نے کہا "شہابی یا تو بات کہہ دیا کیجیے اور یا چھپانا مقصود ہو تو ایسے چھپائیے کہ چھپ جائے۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا کچھ علم نہ تھا کہ کوئی ابراہیم علیہ السلام بھی ہوتا ہے جو چلتے چلتے پڑھا جاتا ہے۔

اس نے کہا آپ نے کبھی حج سیرے چل تھی کی ہے۔

میں نے کہا جناب حج کے وقت مجھ پر شیطان غالب ہو آئے۔ رات کو نیند آئے نہ آئے۔ حج کو وہ تھک تھک کر سلا دیتا ہے۔

بہر حال وہ مگر جس میں قدرت رہتا تھا اس کے لیے گھر نہیں تھا۔ گھروالوں کو علم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔

میرا گھر

کبھی کبھی میرے گھر بھی آیا کرتا تھا۔

میرے گھر میں صرف وہ افراد اسے جانتے تھے "ماتے تھے" کسی اور میں۔ میری بیوی شجلی ہے۔ شیخ نو مسلم ہیں۔ وہ صرف اللہ کو مانتے ہیں۔ کسی بزرگ یا فقیر کو نہیں مانتے۔ بزرگ کو نا میری بیوی کے نزدیک بت پرستی کے مترادف ہے۔ کرامت کی بات سن کر وہ خنجر سے منہ دیتی ہے۔ حقیقت کا وہ مذاق الماتی ہے۔ اور مجھے کولاف زنی سمجھتی ہے۔

اس قدر بظہار تھا کہ بڑی شدت سے دکھ رکھنا کا متوالہ تھا اور تیسرے محبوب صراحتی اور بوقت کا دلدادہ تھا۔

بی ایم اڑ نے میری کسی تحریر پر کتبہ چسبی کی تھی۔ غالباً وہ تحریر قدرت اللہ سے متعلق تھی۔ اس نے مجھے ایک خط لکھا کہ جناب آپ بافق الغفرات باتیں کر کے کیوں اپنا وقار اور قارئین کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ایسے خط مجھے اکثر آیا کرتے تھے۔ جن کا میں نے کبھی جواب نہ دیا تھا۔ پتہ نہیں بی ایم اڑ کے خط کو دیکھ کر مجھے کیوں غصہ آگیا اور میں نے جواب میں لکھا کہ محترم سر! اپنے محلے میں بھونکا اچھا کیا ہے۔ میں اپنے محلے اہلی دنیا میں بھونکا ہوں آپ بھی اپنے محلے صحافت میں بھونکیے۔

میرے خط کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا اور مجھ سے ناراض ہو گیا۔
کسی کی پرچی کو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ اگر اڑ نہ ملتا تو کیا ہو گا۔

حمینہ

بہر اتفاق سے میں نے حمینہ کو دیکھ لیا۔ حمینہ بہت ہی ذہین لڑکی تھی۔ بڑی ایکسٹروورٹ۔ جرات سے بھرپور۔ منہ پھٹنے کا قلیت میں اپنے آپ جیسی۔ باپ کی پرستار۔ لیکن لوہی نہیں والی۔ محبت کرنے والی، ساتھ ہی فضیل۔ بھانجیاں لگنے والا غصہ۔ وہ تو انورا کر نے والی تھی۔ ہونے والی نہیں۔

یہ تو مشکل پڑ گئی، میں نے سوچا اگر بی ایم اڑ نے انکار کر دیا تو اس لڑکی کو انورا کرنا تو مشکل ہو جائے گا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اڑ کو خط لکھا کہ اگر تم وسعت قلب سے کام لو اور گذشتہ گستاخی کو معاف کر دو تو میں بعد احرام تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کروں کہ اگر تم میرے بیٹے کی مفتی کو اپنی فرزندگی میں قبول فرماؤ تو یہ میرے لیے باعث اعزاز ہو گا۔

اڑ نے کھلے دل سے معافی دے دی اور کسی حمینہ کی شادی ہو گئی۔ حمینہ پڑھی لکھی تھی۔ لوہی ناگ والی تھی، وایت اور لی اینڈ تھی۔ اس نے ہمارے گھر میں آکر شہاب کا تذکرہ غارتہ سوچنے لگی کہ یہ شہاب کیا شے ہے جو اس گھر پر محبت کی طرح سوار ہے۔ اسے شہاب

میری تین بیٹیاں ہیں۔ سورا، نیلا، شعلہ، بیان کی شادی کے سلسلے میں ذہر دست رکھنا میں کھڑی ہوئی تھی۔ میری بیوی ان رکھنوں کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ پھر بغیر کسی کوشش کے بغیر کسی وجہ کے وہ تمام رکھنوں باری باری دور ہو گئیں۔ یوں دور ہو گئیں۔ جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس پر میری بیوی حیران رہ گئی، لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ اس میں شہاب کا ہاتھ تھا۔ میری بیٹیوں کو احساس ہے کہ شہاب نے مدد کی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے پتہ اڑنا اس بات کو تسلیم نہ کیا تھا۔
کبھی کبھی میں جوش عقیدت سے سرشار ہو کر گھر میں شہاب کی بزرگی کی بات کرتا تو میری بیوی صبر افاق اڑاتی۔

اس کا بے لوب رویہ دیکھ کر میں غول زدہ ہو جاتا۔ یوں گھر میں شہاب کی بات کرنا میرے لیے ممنوع تھا۔
۱۹۷۲ء میں کبھی کی شادی ہو گئی۔

میں نے کسی کو صاف کہہ رکھا تھا کہ میں حیرے لیے رشتہ تلاش نہیں کروں گا۔ جس لڑکی سے تو شادی کرنا چاہتا ہے اس کا ہم اور پتہ ایک پرچی پر لکھ دے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دے۔ اگر لڑکی والوں نے رشتہ قبول کر لیا تو بہت خوب۔ کیا تو ہم لڑکی کو انورا کر کے لے آئیں گے۔

بی ایم اڑ

کسی نے ایک پرچی پر بی ایم اڑ کی بیٹی حمینہ کا نام لکھ دیا۔ بی ایم اڑ کو میں جانتا تھا۔ وہ ایک جانا پہچانا دانش ور تھا۔ سب سے پہلے ہماری ملاقات اشفاق کے گھر میں ہوئی تھی۔ ان دنوں ہم اسے ڈپٹی کمار کرتے تھے۔

پہلے وہ ڈپٹی تھا۔ پھر کرمنٹ کالج میں اقبالیات پڑھانے لگا۔ یہ پروفیشن بھی اسے جذبہ کر سکا تو وہ انگریزی روزنامہ بی ایم جی میں صفائی بن گیا۔ اس کے کالوں کو اپنے بیٹوں کی مدد مانگ گئی۔ پھر سول لیڈ ٹریننگ گزٹ بند ہو گیا۔ تو وہ تربیل میں پیپک ریلیشنز آفیسر بن گیا۔ تربیل ایک انٹرنیشنل شہر تھا۔ اس شہر میں حمینہ بی بی بی ایم اڑ کی بیٹی تھی۔

بی ایم اڑ کی شخصیت میں تین خصوصیات نمایاں تھیں۔ وہ ایک پڑھا لکھا قاتل آدمی تھا۔

اگلی بار دورہ پڑا تو تہینہ نے آدھے دل سے قل پڑنے شروع کیے۔ جوں جوں وہ قل شریف پر صحن کی، کھسی کی گردن کی حرکت مہم پڑتی تھی۔
تہینہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ آیات ہیں یا چاند ہیں۔
سات آٹھ دن کے بعد کھسی کے دوسرے ختم ہو گئے۔
یوں تہینہ بھی شباب کو بچھ ماننے لگی۔ اس طرح ہمارے گھر میں شباب کو ماننے والے دو کی بجائے ڈھائی ہو گئے۔
پھر بھی ہمارا گھر شباب کے لیے ایک بیگنہ جگہ تھی۔

مروا برہم

آخری چند ایک سال کے دوران داستان سرائے شباب کا گھر بن گیا تھا۔ پاؤں کی بست بڑی میرہ تھی۔ سیری نے خود کو مکمل طور پر شباب کے حوالے کر رکھا تھا۔ اس دور میں پاؤں نے جتنی خدمت شباب کی کی، کھسی اور نے کبھی اس کی اتنی خدمت نہیں کی ہو کی۔
جب پاؤں نے مروا برہم کی تحفیف کا اعلان کیا تو میں بہت خوش ہوا کہ کوئی تو ایسے واقعات بیان کرے جن سے شباب ہمارے کے آخری باب کی تصدیق ہو۔
نی دی پر پرگرام ہوا تو اشتیاق اچھ نے شباب کی بزرگی کا تذکرہ نہ کیا۔ پاؤں کی مروا برہم اتنی تو محسوس ہوا، جیسے کتاب صرف اس لیے لکھی گئی ہو کہ یہ ثابت کیا جائے کہ شباب سے جتنے قریبی تعلقات پاؤں کے میں اور اس کے بچوں کی تھے اور کھسی کے نہ تھے۔
کتاب پڑھ کر میں سمجھا میں اسے تعجب بھری نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر ٹیلی فون آنے شروع ہو گئے۔

ملحق 'پاؤں نے یہ کیا کیا! اتنی بڑی معنفہ ہوتے ہوئے یہ کیا کیا۔
کیا کیا! میں پوچھتا۔
اپنے گھر کے کوہنوت کرنے کے لیے کتاب لکھ دی۔
کیا مطلب۔

کتاب کہتی ہے کہ قدرت اللہ شباب کے جس قدر قریبی تعلقات علی صاحب اور بچوں

کے ہم سے چڑھ گئی۔

پھر چند ایک ماہ کے بعد ایک عجیب حادثہ رونما ہونے لگا۔ کھسی رات کے وقت چارپائی سے اچھٹا پھر کرتا پھر اچھٹا کرتا۔ یوں جیسے کوئی اٹھا کر پھر دے رہا ہو۔ وہ گھبرا گئی، یہ کیسی بھاری ہے۔ اس نے کہا میں ڈانکڑ کو ڈال دیتی ہوں۔ کھسی نے منع کر دیا۔
پھر اس 'اچھٹ کر' نے قفل پل دی اور اس کی گردن مڑنے لگی۔ جھٹکا لگا تو گردن ہائیں سے دائیں جانب مڑ جاتی۔ پھر جھٹکا لگا تو دائیں سے بائیں جانب مڑ جاتی۔ تہینہ نے کھسی سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے تو کھسی نے اصل کرتا رہا۔

اسرائیلی چھینے

پھر اس نے تہینہ کو بتایا کہ چیکو سلود یکہ میں ایک شام وہ کمرے میں بند بیٹھا پڑا تھا کہ دروازہ بجلا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک حسین و جمیل خاتون کھڑی تھی۔ وہ از خود اندر داخل ہو گئی۔ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بولی میرا نام زہرا ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ دراصل میں اپنی سہیلی کا ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ لڑکی بائیں کرتی رہی اور ساتھ ہی کمرے کی دیوار پر اگلی سے کچھ لکھی رہی۔ کھسی نے کہا وہ بڑی شہرہ آفرین لڑکی ہوتی تھی۔ زہرا کے چہلے کے بعد۔ مجھ پر ایک 'دہلی کیفیت' طاری ہو گئی۔ میں ایک فیض میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ عداں کے باہر شدت سے برف پڑ رہی تھی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ یہ بڑا باقصد ہے۔ کھسی نے کہا 'اس عداں سے مجھ پر ایسی کیفیت وارد ہوئی رہتی ہیں۔ تہینہ یہ سن کر خوف زدہ ہو گئی۔
میں نے تہینہ سے کہا تو قدرت اللہ کے پاس جا' اے ساری بات سننا شاید وہ مدد کر سکے۔
وہ فیس میں چلائی۔ قدرت اللہ کیا ڈانکڑ ہے۔ کہ وہ مدد کرے لگا۔ آپ لوگ پڑے کیسے ' کر کھسی بائیں کرتے ہیں۔

افق سے اسی روز قدرت اللہ ہمارے پاس آگیا۔ تہینہ نے اسے ساری بات بتائی۔
کہنے لگا 'آپ قرآن کریم پڑھی ہوئی ہیں کیا۔

ہاں 'وہ بولی۔
کہنے لگا 'جب کھسی پر ایسی کیفیت طاری ہو تو آپ چاروں قل شریف پڑھا کریں۔

سے تھے اور کسی سے نہ تھے۔

یہ بالکل سچ ہے، میں جواب دیتا۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن ملحق اس بات پر کتب تو نہیں لکھی جاتی۔

مجھ میں آج تک اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ ہاتھ کو یہ بات لکھوں۔

محشر رسول نگہی

عفت کی موت کے بعد ایک دم سکوت چھا گیا۔

یوں جیسے بجڑ چلنے کے بعد ایک دم خاموشی چھا جائے۔ ویرانی بھری، مروئی بھری خاموشی۔

یہ بجڑ ایک جھٹکے سے رک گیا۔

شاید اس جھٹکے کی وجہ سے بھائی جان بیٹھے بٹھائے آئے، "فلاں" رخصت ہو گئے۔

جب قدرت اور میں بھائی جان کی قبر بیٹھے تھے تو میں نے کہا، یہ کیا ہوا، "فلاں"، کسی کو

خبر نہ ہوئی۔

قدرت نے مدغم آواز میں جواب دیا، "میں انہیں خبر تھی۔"

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

بول، چند دن پہلے ان سے ملا تھا۔ انہوں نے مجھے انوداع کسی تھی۔ کہنے لگے ہم جا رہے

ہیں۔ ملحق کو خبر نہ دیتا۔ صرف تمہارا سلام پہنچا دیتا۔

ویرانگی، مروئی

اس کے بعد ایک ویرانگی چھا گئی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہے۔ بخیرے ہوا ہے۔

لیکن مجھے یہ پتا نہ چلا تھا کہ وہ کون ہے۔

یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ کسی کام کرنے کے لیے آیا ہے۔

کسی عظیم شخصیت کی آمد کے لیے جگہ بنائے بھیجا گیا ہے کہ جا چاکر دریاں بچھا کر سیاں لگاؤ
ڈانکس سہلہ کے اسے دلالت ملتی ہیں۔ سرزنشیں ہوتی ہیں۔ شرکی طاقتوں کے حکم سے 'اس کے
گرد چنگوڑیں بھیجے' یعنی رقتی ہیں کہ اس کی رگوں کاٹیں۔

یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر اندازے لگائے تھے، لیکن مجھے یہ علم
نہ ہو سکا تھا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ میرے شعور کا بند بند کوئی دھچکا کہ قدرت اللہ کوئی ہے
لیکن کیا ہے کون ہے، کس منصب پر فائز ہے، اس کا مجھے پتہ نہ لگ سکا تھا۔
کوئی لگا لگا کر میں ہار گیا تھا اور پھر میں نے بن لیا تھا کہ وہ پڑا انسان ہے اور بن لینا بھی تو
موت ہے۔

میں نے جانے بغیر اپنی کشتی اس وسیع سمندر میں ڈال دی تھی۔ مجھے علم نہ تھا کہ میں کس
جا رہا ہوں۔ میری منزل کیا ہے۔ بس پانی ہی پانی چاروں طرف پانی ٹھہرا ہوا پانی، نہ بھلا، نہ
حرکت، نہ رخ۔

پیر بھائی

جب وہ سب ساتھ والے کمرے میں چائے پینے کے لئے چلے گئے تو اس نے میری ہانہ پکڑ
لی۔ بولا، بیٹھ جاؤ۔ اس کا قد چھوٹا تھا، جسم لاغر تھا، انداز غیر بزرگانہ تھا۔ انھیں کوئیوں کی طرح
دیکھ رہی تھیں۔ آواز میں دمب تھا۔
میں بیٹھ گیا۔

بولا، تمہیں پتہ ہے کہ ہم اسلام آباد میں کیوں آئے ہیں۔

میں نے سرٹٹنی میں ہلا دیا۔

کہنے لگا، ہم اپنے ہی بھائی سے ملے آئے ہیں۔ صرف اسے دیکھنے کے لیے، اس سے ملنے
کے لیے ہم نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک اتنا لپٹا سڑ کیا ہے۔

جیسے تماشائے موت کے بعد 'دی لینڈ' کی حقیقت آجاتی ہے۔

جب صفت کی وفات کے بعد قدرت لور تھا تو وہ 'وہ قدرت اللہ نہ تھا جس سے ہم واقف
تھے۔ ایک ایسا بڑا ڈھانچا، جو لاگ لگاتے ہو باہر آچکا ہو۔ جسے کچھ ہونے کی پروا نہ رہی ہو۔ کچھ
کرنے کا فکر نہ رہا ہو۔ ایک ایسا کالی جو دریاں بچھا چکا ہو، ڈانکس سہا چکا ہو۔
اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا ہو اور اب اپنی مصلحت کے دن گن رہا ہو۔ اور دعائیں مانگ رہا ہو
کہ انعام بخیر ہو۔

پہلے قدرت اللہ انظریت سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا ہر کام مندر قہل یہاں تک کہ اس کی
عملیات کا انداز بھی مندر قہل خدمت خلق کا تصور مندر قہل اللہ کا تخیل مندر قہل
انظریت کے علاوہ اس میں بے پناہ "فؤہ" تھی کچھ کرنے کا خاموش عزم۔ وہ ہر وقت
چاکر و چمندر رہتا تھا۔

وہ ایک دریا تھا جو پہاڑی علاقے میں بہہ رہا تھا۔ گرا پھلتا، جھکے کھاتا، سر ٹھکاتا، چوٹیں
کھاتا، پرے جانے چوٹ کھاکر وہ گمراہ ہو جاتا تھا۔

صفت کی وفات کے بعد جیسے وہ پہاڑی دریا۔ سمندر میں جا کر لہ سمندر بن گیا۔ نہ بھلا رہا
نہ سمت رہی، نہ حرکت رہی، نہ اچھل رہی، نہ چمکن۔

شاید اس کا سر ٹھم ہو چکا تھا۔ وہ منزل پر پہنچ چکا تھا اور منزل کیا ہے۔ انعام، 'دی لینڈ'
موت۔

میں بھی وہ ممتاز مفتی نہ تھا جو 1989ء میں پہلی بار قدرت سے ملا تھا۔

پانی ہی پانی

میں نے اتنا کچھ دیکھا تھا، اتنی دیر گزیر میں لگا رہا تھا، محض کے گھوڑے دوڑائے تھے، پوچھ
کچھ کی تھی، ایسے اصحاب سے بھی ملا تھا جو جانتے تھے، لیکن میں سب کچھوں کے بلوہ و کچھ
کچھ نہ پڑا تھا۔

مجھے صرف یہ پتہ چلا تھا کہ قدرت اللہ ایک عظیم انسان ہے۔ ہاردار آدمی ہے۔ اللہ کو
کدھوں پر بٹھائے پڑا ہے۔ حضور اعلیٰ علیہ السلام کا کوئی ترین نظام ہے۔ بخش دینے والا ہے۔ دیا

کی 'میں نے جواب دیا۔

کتنے لگا 'تمہیں پتہ ہے ہمارا یہ بھائی کون ہے۔

جی نہیں 'میں نے جواب دیا۔

تم ہمارے یہ بھائی ہو 'وہ بولا۔ تم۔

میں ————— محشر صاحب میرا تو کوئی یہ بھائی نہیں ہے۔ نہ میں کسی کامرید ہوں۔

ہے 'تمہارا یہ ہے۔ اس نے مجھے ڈانٹا۔

میں نے کہا جناب میں نے کسی کو یہ بتایا ہی نہیں۔

یہ بڑے نہیں جانتے 'وہ بولا۔

آپ کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہیں 'محشر صاحب۔ آپ تو خود بزرگ ہیں۔

کون کتا ہے میں بزرگ ہوں 'وہ بولا۔

میرے دوست مجھے یہاں زبردستی لائے ہیں کتنے تھے 'تو 'تمہیں ایک بزرگ سے ملا

لائیں۔

سمندر

وہ قریب تر ہو گیا۔ بولا۔ وہ سب اصرار ہیں۔ افسس کیا خبر۔ دیکھئے ہم نے آپ کی کتاب

"ٹیک" پڑھی ہے۔ اس میں ایک فقرے نے ہمیں چٹکا دیا۔ آپ نے لکھا تھا "کاش کہ میں اپنی

کشتی 'کشی' نہ دی یا دریا میں ڈال دیتا ہوں۔ میری خنجر کھلی ہے'

لیکن میں نے اپنی کشتی سمندر میں ڈال دی۔ اب مجھے پتہ نہیں چلا کہ میری سب کیا ہے 'میری

خنجر کھلی ہے۔ وہ رک گیا 'پھر بولا 'ہمارا بھی یہی حال ہے۔ ہم نے بھی اپنی کشتی سمندر میں

ڈال دی تھی۔ اب نہ کوئی سب ہے 'نہ خنجر 'بس ہمیں سمجھ میں آ گیا کہ تم ہمارے یہ بھائی

ہو۔ اور ہم یہاں صرف اپنے یہ بھائی کی زیارت کرنے آئے ہیں۔

محشر کی بات سن کر میرے ذہن کا لیزر اڑ گیا۔

محشر سے ملنے کی مجھے قفسی طور پر خواہش نہیں تھی۔

میرے دوستوں نے زبردستی مجھے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا تھا 'جیسے میں ہمیں کی ایک بوری

ہو یا یہ کہ رات کے آٹھ بجے فور سیکورٹ نے میرے گھر پر دھوا بول دیا۔ سرداروں کے دن

تھے 'میں لاف میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔

کہنے لگے 'چلو 'تمہیں ایک بزرگ سے ملا لائیں۔

میں نے کہا 'نہ بھائی مجھے کسی بزرگ سے ملنے کی خواہش نہیں ہے۔

مروا 'یار تو 'تو بزرگوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔

نہ بھائی 'میں نے کہا 'ایک سے ملا ہوں۔ جب سے توبہ کر لی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

مسعود نے قہقہہ لگایا اور وہ چلے گئے۔

محشر کے ہاں پیچھے تو انہوں نے پوچھا۔ دیر سے کیوں آئے۔

وہ بولے 'مضور 'ایک دوست کو ساتھ لانا چاہتا تھا۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا۔

مسعود نے کہا 'وہ کتا تھا۔ مجھے بختر۔ ملی انڈوری ہی بھلی۔

علا بولا 'وہ کتا تھا جب سے ایک بزرگ سے ملا ہوں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔ خدا محفوظ

رکھے۔

محشر نے قہقہہ لگایا۔ بولا 'سیانا معلوم ہو تا ہے۔ ہم بھی اگر توبہ کر لیتے تو آج پھانسی پر نہ لگے

ہوتے۔

وہ بھی کئی ایک سال سے پھانسی پر لٹکا ہوا ہے۔ مسعود نے کہا۔

کیا ہم سے اس کا محشر ہے پوچھا۔

مستاز مفتی 'افغانی نے جواب دیا۔

مستاز مفتی 'محشر بولے 'اسے تو آنا پڑے گا اسے کو اگر سیدھی طرح سے نہ آیا تو ہم

بلوا بھی جانتے ہیں۔

اگے دو دو فور مسکینرز پھر آگئے۔ کہنے لگے 'بچہ سیدھی طرح سے چل پڑو نہ محشر

صاحب بلوا بھی جانتے ہیں۔

رند بزرگ

محشر رسول عمری ایک رنگ رنگیلا طرح دار رند بزرگ تھا۔ سارے ریڈیو پاکستان میں اس

اس وقت اس پر عجیب کیفیت طاری تھی۔

اس وقت وہ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

دکان پر پہنچا، مٹھی لیکن بے حد چاک و چوند۔ ذہین، تیز طرار، یوں بیدار جیسے کوئی سپاہی جو ہاروں طرف سے دشمنوں سے گمراہ ہوا۔

بھلا ہر وہ آرام فرما رہا تھا لیکن آرام اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کی یونی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

اگرچہ اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ تراشی ہوئی۔ مٹھی بھر، لیکن ایسے گنتا تھا جیسے بے داڑھی ہو۔ بائبل بے اثر۔ نہ وہ عمر کا متحر تھی نہ معززت نہ بزرگی کا۔ گنتا تھا جیسے منڈوے کی ہو۔ جو ایکڑ لگاتے لگتے ہیں۔

اسے دیکھ کر میں نے محسوس کیا جیسے چھوٹے سے نحیف و نزار جسم میں اتنی زیادہ جان ڈال دی گئی ہے کہ سارنا مشکل ہو رہا ہے۔

اسے دیکھ کر مجھ پر خوف سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو تجھوڑاؤں میں نے کہا مشرقی میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ مجھے اسلام آباد بخش رہے ہیں۔

اس نے غصے سے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا مجھے اقتدار نہیں چاہیے۔ بزرگی کی طلب نہیں۔ میں تو ایک انسان کلاما ہوا ہوں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بزرگی کی طلب کے بے یارو، ہم بھی تو انسان کے مارے ہوئے ہیں۔

مسعود بولا۔ تم دونوں مرام گزیدہ آپس میں فیصلے کر لو تم تو چلتے ہیں۔

اگلے دن قدرت نے فون کیا کہنے لگا کل رات کہیں گئے ہوئے تھے آپ۔

میں نے کہا اپنے بھائی سے ملنے گیا تھا۔

آپ نے کسی کو بھی بھائیا ہے کیا اس نے پرچہ ملے۔

نہیں، میں نے جواب دیا، وہ کہتا تھا، جی ہائے نہیں جانتے، میں جانتے ہیں اور جو ہائے جانتے ہیں وہ چلتے نہیں۔

بڑی دلچسپ بات ہے، قدرت بولا۔

کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کی کرکٹ کے چرچے تھے۔ جو بھی آتا اسے انگلی لگا کر ساتھ لے جاتا۔ وہ ہر کسی کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ اس کی محفل ہمہ وقت بھٹی رہتی تھی۔

ان دنوں وہ سعادت کے گھر میں مہمان تھا۔ بہت سے لوگ اسے ملنے آتے تھے۔ ہر وقت چائے، بکٹ، سموے، کباب پلتے تھے۔ اندر سے کھانے یوں پک کر آتے تھے جیسے اندر بیچ کی جگہ کوئی بوش کا چیف بیٹھا ہو۔

سعادت ایک خوش شکل باریب اور خوش لباس شخص تھا۔ وہ ان دنوں کسی سرکاری کارخانے کا ٹینک ڈائریکٹر تھا۔ اسے دیکھ کر جین میں آتا تھا کہ بڑی فقیری اور کرکٹ کا قائل ہو سکتا ہے، لیکن جس ذوق اور غلوں سے وہ محض اور اس کے دوستوں اور مریدوں کی خدمت میں لگا رہتا تھا، دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

سعادت

میں نے اعلیٰ سے پوچھا، یار یہ دونوں کیا چیزیں ہیں۔

کون سی چیزیں، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، یہ محض اور سعادت۔

کہنے لگا، یہ محض تو کوئی ادنیٰ چیز ہے، اس کا بھید کسی نے نہیں پایا۔ غصے اور بزرگ کا مرکب معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ سعادت۔

سعادت نے سی ایس ایس کا امتحان دیا تھا چونکہ بلوچستان سے تھا، پاس ہونا اور سلیکشن میں آنا جتنی تھا۔ لیکن۔ انٹرویو میں غصے ہو گیا چونکہ بھلا نا تھا۔

اگلے سال سعادت کے باپ نے محض کو انگلی لگائی اور ساتھ لے گیا۔ انٹرویو میں سعادت

بھلا بھول گیا۔ پاس ہو گیا سلیکٹ ہو گیا۔ اسٹنٹ کوشنگ کیا، پوٹینٹیل ایجنٹ بن گیا۔ اب وہ محض کے گرد بچرے لیتا رہتا ہے۔ کوئی مشکل آئے تو محض کو کون سے پکڑ کر لے آتا ہے۔

اسلام آباد سے رخصت ہونے لگا تو محض نے کہا مفتی ہم نے تجھے اسلام آباد کا چارج دے

دیا۔ جامونگ کر۔

وہ 'نہا تھا تیرا' اور بھی مسند رہے، میرا بھی مسند رہے۔ نہ ہمارا کوئی رخ ہے نہ سمت ہے نہ
خصل۔

وہ کون تھا قدرت نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون تھا میں نے جواب دیا، لیکن وہ مجھے اسلام آباد پاڈشلہ بنا گیا ہے۔ اب
آپ مجھ سے بائیں پلاٹہ ہو شمار ہیں۔

چند روز کے بعد چیمبر خلی کے لیے میں نے محشر کو ایک خط لکھا کہ وہ اعلیٰ جناب آپ تو
مجھے اسلام آباد پاڈشلہ بنا گئے تھے۔ یہاں کا تو سپاہی بھی مجھے گھورتا ہے۔ مرنے مروڑتا ہے اور
گھورتا ہے۔ کم از کم جانتے ہوئے پولیس کو تو بتا جاتے کہ میں کون ہوں۔

محشر نے جواب دیا۔ آپ بائیں پرست ہیں۔ پرانے خیالات میں جکڑے ہوئے ہیں۔
پرانے زمانے میں پاڈشلہ حکم کرتے تھے اور رعایا قہقہہ کرتی تھی۔ آج کل لوگ حکم کرتے
ہیں اور پاڈشلہ قہقہہ کرتا ہے۔

میں نے وہ خط قدرت کو دکھایا وہ مسکرایا۔

بولتا 'جگہ کہتے ہیں۔ پہلے مرشد آگے آگے چلا تھا اور مریدوں کا رخ بدلتا تھا۔ گنگا ہے، جیسے
اب حکم ہے کہ پیچھے پیچھے چلو اور رخ بدلو۔

چند دنوں کے بعد محشر کی جانب سے ایک کتاب موصول ہوئی۔ عنوان تھا 'مشعل خرمی'۔
دیکھا تو وہ محشر کے مرشد کا تذکرہ تھا۔

مشعل خرمی

اس تذکرے کا پڑھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔

مجھے ان 'اسلامی کتابوں سے کوئی دل نہیں جو قلعے بیان کرتی ہیں۔ مسائل پر بحث
کرتی ہیں یا دو مخالف اور ان کے حیرت انگیز اثرات کی بات کرتی ہیں۔

مجھے صرف تذکروں سے دل بہنسی ہے۔

وقت یہ ہے کہ تذکرے سرکار جنابوں کے ہوتے ہیں، اس معرقلوں کے ہوتے ہیں۔

مردوں میں اردشولات ہوتے ہیں۔ گرائیں ہوئی ہیں اور ان پر احرام کا اتار کاڑھا توام کا

ہونا ہے کہ گنگا ہے جیسے صاحب تذکرہ ہم میں سے نہ ہوں، بلکہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتے
ہوں۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا، جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

مشعل خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا، جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

مشعل خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

تبصرہ

| | |
|-----------|------------------------------|
| ہم کتاب : | مشعل خرمی۔ |
| مصنف : | محشر رسول محمدی۔ |
| ناشر : | سہیل پبلی کیشنز۔ کوئٹہ۔ |
| پرتر : | پاکستان پریس چینل روڈ۔ کوئٹہ |
| صفحات : | ۳۵ صفحات۔ |
| قیمت : | دس روپے۔ |

شہنشاہ خراسانی ایک تذکرہ ہے۔

کتب کا عنوان بذات خود اس حقیقت کا مظہر ہے کہ یہ تذکرہ دسی میں بلکہ اس نوع کی دوسری کتابوں سے مختلف اور منفرد ہے۔ مصنف کے زلویہ نظر اور اسلوب بیان میں سادگی ہے تکلفی خلوص اور روانی ہے۔

اس تذکرے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ محشر صاحب نے صاحب تذکرہ اپنے سرکار قبلہ اور خود کے درمیان دسی احترام کی فک بوس دیوار کھڑی نہیں کی۔ بلکہ جذبہ احترام کو سمیٹ کر اپنے دل کی گہرائیوں کے بند بند میں دھپایا لیا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ صاحب تذکرہ قادری کے سامنے ایک انسان کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ ایک ایسا انسان جو ہمارے درود مند پر بیضا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔ ہر دوری محبت اور خدمت کے احساسات سے سرشار مساوات کے جذبے سے پیچھا ہوا۔

محشر صاحب نے اپنی تعریف کا جو نواز پیش کیا ہے وہ بھی منفرد اور اچھوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضور (ﷺ) کی سیرت

”حضور اعلیٰ علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں۔ اگر ہمیں نظر نہیں آتے تو یہ ہماری نگاہوں کا قصور ہے۔“

”جس طرح قدرت نے اپنے آخری رسول کی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحے کو تاریخ عالم کے اوراق میں محفوظ کر دیا ہے اسی طرح اس نے یہ اہتمام بھی کر رکھا ہے کہ ہر دور میں ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہیں جن میں رسول مقبول کی سیرت و اخلاق کی مختلف جھلکیاں فروزا فرمائی جائیں۔“

گویا قدرت نے چاہا کہ قیامت تک ہر دور میں آنحضرت کے علق عظیم کے آئینے چہرہ نکلی کرستے رہیں اور مہمان حق کے پردے میں حضور علیہ السلام کی ایک ایک اوجاز دکھائی دے جس طرح صدیق اکبر میں آنحضرت کے بتل فاروق اعظم میں آپ کے جلال۔ مطلق فوج میں آپ کی حیاء و استقامت سلمان و ابوذر میں آپ کے فقر و

مشق۔ معصیت میں آپ کے نطق۔ غلامی میں آپ کی شجاعت۔ بالائے میں آپ کی خوش لوائی۔ زید و حبیبہ میں آپ کی استقامت۔ علی میں آپ کی جنت قاطع اور شیر میں آپ کے جذبہ تسلیم و رضا کی جھلک پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اس امت میں قہود اولیٰ کے بعد بھی ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نایاب جھلک موجود تھی اور وہ اس کے نور سے اہل عالم پر حق کی رحمت کاظم کرتے رہے۔“

”اے اللہ والے آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی ہر دور میں موجود رہیں گے تاکہ آنحضرت کی رحمت اللعالمین کی تصدیق ہوتی رہے۔“

”اس کتاب میں امت محمدیہ کی ایک ایسی ہی صاحب دل شخصیت کا ذکر مقصود ہے۔“

ان الفاظ میں مصنف نے گویا (MOHAMMAD HOOD) کا تخیل جھلکایا ہے جس کی جھلکیاں بزرگان دین اور صوفیاء کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ ایک اچھوتا تخیل ہے۔ حرف اول میں مصنف نے حتمی طور پر برکتیں تذکرہ اپنے خاندان کے متعلق ضروری حقائق بیان کر دیے ہیں جو ان کے فنی رجحانات پر روشنی ڈالتے ہیں اور مصنف کے زلویہ نظر کو گھنے میں مدد دیتے ہیں۔

محشر صاحب کے آپا واپاد خود پر گزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ لہذا طلب حق کی تڑپ محشر نے ورثہ میں پائی، لیکن حاشا کی سمت کا تئیں کرنا بہت مشکل تھا۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

”چوں کہ آج کل ملت کا دور ہے اور لوگوں کو جان سے زیادہ تن عزیز ہے۔ اس لیے مہمان خدا امت بھی اپنے آپ میں پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

جو خون معرفت پہلے سب کے لیے عام تھا اب صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جن کے دلوں میں حق کی حقیقی پیاس ہو۔

امت مسلم کے لیے یہ کس قدر محرومی کا مقام ہے کہ ان ہی فیضان معرفت کے چشمے موجود ہیں، لیکن قدرت نے ان کو اپنی کبریائی کی حصار میں اس طرح چھپا رکھا ہے کہ عوام ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔“

عام طور پر تذکرے میں مروج کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں اور کلمات کا ذکر کیا

جانا ہے۔ ساتھ ہی ان کے اقوال زریں درج ہوتے ہیں۔

کچھ تذکرے ایسے بھی ہیں جن میں حالات زندگی کی نسبت اقوال کو ولایت حاصل ہوئی ہے۔ قوال کی روشنی میں صاحب تذکرہ کا کردار خود بخود ابھرتا ہے۔

اس ضمن کے تذکروں میں تذکرہ غوثیہ سر فرست ہے۔ ایک روز ارشد ہوا کہ قوت صاحب تذکرہ کی شخصیت کو اتنی خوب صورتی اور تاثر سے اچا کر کیا گیا ہے کہ قاری اڑ سے بیگ جاتا ہے۔

معرصہ صاحب نے زیر نظر تذکرہ کو ایک نیا اسلوب بخشا ہے۔ صاحب تذکرہ کے حالات زندگی کا ذکر کرتے ہوئے بریکسل تذکرہ وہ قصوف کے بے بے اور اہم مسائل پر تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ تبصرے ساری کتب میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں۔ انداز بیان بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار نہیں کرتے۔ بڑے بڑے حقائق کو سرسری انداز اور کچھ پھٹکے الفاظ میں لدا کر دیتے ہیں جو قاری پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ افکار و مسائل پر منتقلی کے پادہ و کتب پوچھ نہیں ہو پاتی۔

مثلاً "مہلوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"زندگی کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر اداری کرنے کا اہم مہلوت ہے۔"

عشق

عشق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

"عشق ملت سے ہے۔"

ملت نکل ہے جو کسی درخت سے چٹ جائے تو اسے خشک کر دیتی ہے۔

الحاصل کے نزدیک عشق جنوں کی ایک قسم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ

نے عیبت اعتقاد کے باعث ایسے کلام میں عشق کا لفظ استعمال نہیں

فرمایا۔

"قرآن کریم اور احادیث نبوی میں متعدد مقامات پر "حب" کا لفظ

استعمال ہوا ہے جو لفظ تعالیٰ کی اپنے بچے اور نیک کار بندوں سے محبت پر اور بندوں کی اپنے مولائے محبت شدید پر دلالت کرتا ہے۔ گویا بندہ اللہ تعالیٰ کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔"

مہلوت اور عشق کے باہمی تعلق کی وضاحت یوں کرتے ہیں:-

"لفظ تعالیٰ کی محبت بھی مہلوت کا ایک فرد ہے۔ عشق کامل کا معلوم مہلوت میں شامل ہے۔ گویا عشق مہلوت کا ایک بڑا ہے۔

قرآن اور سنت سے پیچھے نکلنے کے عشق الہی کا ایک مجازی تصور پیدا کر لیا ہے جس کا سراغ حقیقی صوفیاء و فقہاء کے ہاں نہیں ملتا ہے۔

اس مجازی تصور سے سکر کو حاصل عشق سمجھا جانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اس میں گرفتار ہوئے وہ سکر سے بے حال ہو گئے اور رفتہ رفتہ مہلوت کے قرآنی مضمون کو پورا کر کے سے معذور ہو گئے۔ ان کی

دیکھا دیکھی نظموں نے شرعی حدود کی پابلی کر دیا۔"

معرصہ صاحب کا اسلوب بیان بہت دل نشین ہے۔ زیر نظر تعقیف میں انہوں نے بڑے اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً کتب کے چند ایک ابواب کے عنوان ملاحظہ ہوں۔ مثلاً "حق" کرالت کا تصور "انجاز خودی" ایمان پائیب" مقام عبودیت وغیرہ کتب میں کل سترہ ابواب ہیں۔ آخری دو ابواب فقہری سلسلے کے بزرگھان کے بارے میں ہیں۔

آخر میں صاحب تذکرہ کے بارے میں چند کوائف قائل توجہ ہیں:-

آپ کا اسم گرامی محسن الدین شمسو قاد و من مالوف کبرگزاری تھا جو مردان سے ذریعہ میل کے فائز ہے۔ واقع ہے۔ میزک پاس کرنے کے بعد آپ نے پولیس میں ملازمت کرنی، لیکن جلدی انہیں پتہ چل گیا کہ فرنگی کی حکومت کے تحت ان سے ایسے فرائض لدا کر کے کا مطالبہ کیا جاتا رہے گا جو جذبہ حب الوطنی کے منافی ہے۔

لہذا آپ عہدہ پولیس سے مستعفی ہو گئے۔ اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن گئے۔

اس دوران میں آپ سید حسین شاہ قادری سے فیض حاصل کر چکے تھے لہذا اہل ذمہ

خدمت میں گزار دی۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ یہاں کوئی ذکر خلفائے ہے نہ گدی نشینی نہ دستار بندی نہ کوئی سرکار قبلہ ہیں نہ مریدان خدمت گزار۔ ہمدردی اور خدمت سے سرشار ایک ڈاکٹر ہے جس کا مسلک خدمت خلق ہے۔

محشر صاحب بھی دسی مرید کا کردار ادا نہیں کرتے۔ وہ اپنے سرکار قبلہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں جیسے ان کا پاسی رشتہ دوستی کا ہو۔

"شہداء حسن صورت سے متصف و قہاے، لیکن وہ حسن سیرت کا

بھی مالک قلم میں نے پہلی ہی صحبت میں اس کی شخصیت میں بے پناہ

کشف اور ایسی محبوبیت پائی کہ جس کو میں افلاطون میں بیان نہیں کر سکتا۔

یہ محبوبیت حقیقہً اس لیے تھی کہ وہ خدا کی نظر میں محبوب قلم

جس کا باعث صرف خلق خدا کی خدمت کرنا تھا اور اس نے اپنی پوری

کمالی لوگوں کی امداد کرنے پر صرف کر دی۔ ڈاکٹری محض رضائے الہی

کے حصول کا ایک ذریعہ تھی۔"

اپنے پیر و مرشد کے متعلق اس غیر دینی انداز سے بات کرنا مصنف کی انفرادیت، غلوں اور

دسم خلفائے کے خلاف ایک جہاز ہے۔

محشر صاحب کوئٹہ کے ایک معروف شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں صوفیانہ رنگ ہے۔ آپ

کی طبیعت میں زہد رنگ کے بجائے انداز زندان کا رنگ ہے جو ان کے صوفیانہ مسلک کو اچانچ

کا ایک پردہ ہے۔

کتب کی کتبالی چھپائی میں کوئی نمائش محض نہیں۔ غالباً اس لیے کہ مصنف کا مقصد صرف

تشریح حق ہے۔

یہ تذکرہ چاہ کر میں نے محسوس کیا کہ واقعی ہم دونوں پر بھائی تھے۔ میرا ہی چاہتا تھا میں

بھی ایک ایسا ہی تذکرہ لکھوں۔ لیکن ہم دونوں کے سببوں میں ایک فرق قلم محشر ابتدا سے ہی حلیم

و درضا تھا جس شک و شبہات کی دلدل طے کر کے نکلا تھا۔

پیر خسانہ

در اصل قدرت اللہ اسی روز فوت ہو چکا تھا جس روز اس نے کینسر دہری کے قبرستان

میں عفت کا تابوت لحد میں اٹارا تھا۔

اس کے بعد چارہ سال وہ گویا ایک کھنگا تھا جس سے شدہ چہ چکا ہو، ایک دسی بزرگ،

معمولات، معمولات، معمولات۔

پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا۔ تہجد پڑھنے کے بعد اسلام آباد کا چکر لگاتا، ساتھ کچھ

پڑھتا، فجر کی نماز کے بعد لیٹ جاتا، آٹھ نو بجے اٹھ کر غسل کرتا اور پھر دوپہر کے کھانے تک

قرآن کریم کی تلاوت کرتا۔ عصر کے بعد پھر لیٹ جاتا، پھر نمازیں، نفل اور پتہ نہیں کیا کیا۔

رضوان شریف کے سینے میں خصوصی مہارت کے لیے قدرت مری میں قیام کرنا تھا۔ مری

میں وہ ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا جس میں محشر سا ملان رکھا ہوا تھا۔ جب بھی خصوصی

مہارت کا موقعہ آتا وہ مری چلا جاتا تھا۔

فقط اللہ ہو

ایک روز میں نے کہا، شباب صاحب وہ جتنے پردے آپ نے ٹوڑ رکھے تھے، سب اتار

گئے۔

کئے گا میں سمجھائیں۔

میں نے کہا: وہ دن بھی تھے جب آپ چھپ کر غصے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر میں کسی سے کہہ دیتا کہ آپ بزرگ ہیں تو آپ کو غصہ آتا۔ قبلہ جب میں نے لیک لکھی تھی تو آپ مجھ پر سخت ناراض ہوئے تھے۔ اب آپ تنگ ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اب آپ ایک چھوٹی سی بات پر ایک گھبراہٹ اور ڈھکے میں پھنس گئے ہیں اور جانتے بوجھتے ہیں۔

وہ مسکرایا: ہاں کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ کسی روز میں سرعام بیٹھا ہوں گا میرے سامنے کالی سیڑی کی دوات ہوگی ہاتھ میں پلاس کا قلم ہوگا اور میں تصویر لکھ رہا ہوں گا۔

میں نے کہا: معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اغراض پند نہیں، وہ صرف روایتی بزرگ پند کرتے ہیں۔ شب صاحب آپ بنیادی طور پر انتہائی تھے۔ یاد ہے۔

جب کہیں انتخاب ہوتا تھا
قدرت اللہ شب صاحب ہوتا تھا

وہ مسکرایا۔

پھر آپ مار کھا کھا کر رات پر آگئے اور غصے میں آگئے۔ جب پڑے تھے تو آپ اس قدر جذبات نظر آتے تھے کہ اب تو ثابت ہو گئے ہیں۔ قطعاً اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

پابند اور آواز

میں نے کہا: آپ مجھ پر ناراض ہو کر آتے تھے کہ میں بات کہہ دیتا ہوں۔ یاد ہے۔

قدرت نے سر زبانت میں پایا۔ کئے گا اللہ تعالیٰ کو اغراضے راز پند نہیں۔

میں نے کہا: شب صاحب میں اللہ تعالیٰ میں ہوں۔ میں اس کا ایک حقیر بندہ ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے گن گاؤں، چنگیاں مار مار کر نکالوں کہ وہ کتنا عظیم ہے۔ وہ میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔ قدم قدم پر مجھ پر کرم نازل کیا کرتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے عظیم بندوں کی عظمتوں کو بیان کروں۔ ذرا بھلا بھلا کر بیان کروں۔ شب صاحب آپ اللہ کے بندے ہیں۔

آپ پابند ہیں۔ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

میں ایک عام آدمی ہوں۔ آواز ہوں۔

آپ بے شک نہ کہیں، لیکن مجھے کہنے دیجیے۔

وائی وائی کرنے کے لیے میں کوں لگاؤں۔

آپ کے گن میں لگاؤں گا۔ آپ کی محنت صرف اس لیے ہے کہ آپ اللہ واسطے ہیں۔

شب صاحب سب تعریف اللہ کی ہے صرف اللہ کی، پھر ہم کیوں نہ بولیں۔ کیوں نہ بتائیں۔

کیوں نہ ذمہ لیں۔

اس روز میں جلال میں تھا۔ پتہ نہیں میں کیا کیا پورا پورا رہا اور وہ چپ چاپ سنا رہا۔

چچا

پھر معمولات کی بنا پر قدرت کا چچا ہونے لگا۔

پڑوس میں رہنے والی خاتون ایک روز اپنی جوں بچی کو ساتھ لے کر قدرت کے پاس آگئی۔

کہنے لگی: میری بچی کے لیے دعا کریں۔ اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ کوئی رشتہ نہیں آیا۔

قدرت نے کہا: بی بی آپ اس کی ماں ہیں۔ جو دعا میں اپنے بچوں کے لیے کر سکتی ہے کوئی

دوسرا نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ کے حضور میں دعا کریں۔ اللہ اللہ قبولیت حاصل ہوگی۔ البتہ آپ

بچی سے کہیں کہ کسی نماز کے بعد یہ کلام اتنی مرتبہ پڑھے۔ خاص وقت پر خاص جگہ پر۔ وقت نہ

بدلے جگہ نہ بدلے۔ پابند نہ ہو۔

حسن اتفاق کہ دس دن کے اندر اندر اس لڑکی کے لیے رشتہ آگیا۔ بات طے ہو گئی۔

نکاح ہو گیا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

پھر سارے محلے کی باتیں کیوں کہ شب صاحب کے گھر کے باہر اکھڑی ہوئیں۔

محلے کے بعد بات سکولوں، کالجوں میں پھیلی۔ ایک میلہ لگ گیا۔

سویرا نیلو نقش

شب کا پاپے گاڑا کرنے میں میری اپنی بیٹی بھی شامل تھی۔ میری معمولی بیٹی اسلام آباد

نورپور میں ہے۔ اے اے پاس کرنے کے بعد بینک کی دی آئی بی برانچ میں کام کرنے لگی۔ پھر وہ

امریکی ہوا کھٹی میں ڈکٹیشن پڑھنے پر مجبور ہو گئی۔

چہ سات ماہ کے بعد میرے ایک عزیز دوست نیاہ جلدھری نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا
ملتی صاحب آپ قاری ہیں کیا۔

میں نے کہا ہاں ہوں۔

یوہا ہم آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا پیارے میں کیا میل کلاہنی کشر لگا ہوا ہوں کہ ملنے کے لیے مجھ سے اجازت
طلب کرنا ضروری ہے۔

وہ دھبی آواز میں یوہا میرے ایک دوست آپ سے ملنے کے خواہاں ہیں۔ وہ رشتے کے
میلے میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے دم آواز میں جواب دیا نیاہ صاحب میں بڑا محق ہوں۔ میں نے اپنی اولاد میں
یہ پراپے گزار کر رکھا ہے کہ میں بڑا وسیع القلب باپ ہوں۔ اس وجہ سے میں نے زندگی میں
بڑی مار کھائی ہے۔ کیا کروں مجبور ہوں اب بدل بھی نہیں سکے اس لیے مجھے اپنی بیٹی سے پوچھنا
پڑے گا۔

جب مجھ سے چلا کہ جناب مذہب و زانج اسی لڑکے کے والد ہیں جس سے نیلو نے وعدہ کر رکھا
تھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

میں نے نیلو سے پوچھا میں نے کہا تو تو کتنی حق کر لڑکے کے والد کے حکم کے بغیر گھر میں
پتا نہیں مل سکے یہ پتا کیسے مل گیا۔

بولی پتہ نہیں۔

میں نے کہا ہم میں کوئی فن سے ملا تھا کیا۔

نہیں تو اس نے جواب دیا۔

کیا لڑکے نے باپ سے بات کی تھی۔

اس میں اتنی جرات نہیں ہے۔ اس لیے اس کا مکان نہیں ہے۔

پھر تو نے کسی سے بات کی تھی کیا۔

بولی 'شباب صاحب کو بتاؤ قند اس لیے کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا قند میں ان سے بات
پہچان سکی۔

حیرت اور غصے میں بھرا ہوا میں شباب کے پاس چلا گیا۔

ہم لوڑمل کلاس کے لوگ ہیں۔ لوٹنے رشتوں کے معنی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود کوئی
رشتہ نہ آیا۔

لوگوں سے تعلقات پیدا کرنے میں ہم دونوں ہی نفل ہیں۔ میں بھی میری بیوی بھی۔ انہوں
نے کہا بھی کچھ کرو۔ اشتہار دو کوئی مافی تلاش کرو۔ ہم نے شدت کی کوششیں کیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ چھ سات رشتے آئے۔ میری بیٹی نے پاری پاری سب روجکت کر دیئے۔
اس پر مجھے بڑا غصہ آیا۔ لڑکی مجھ سے مکمل کر بات ہی نہیں کرتی تھی۔

کبیس سے شباب نے یہ بات سن لی۔

ایک روز میری عدم موجودگی میں وہ میری بیٹی سے ملا۔

پوچھا آپ کو کوئی رشتہ پسند نہیں آیا کیا۔

جی نہیں وہ بولی۔

ابھی نہیں تھے کیا۔

خاصے تھے۔

پھر آپ نے ٹاپنڈ کیوں کیے۔

شباب صاحب جی وہ بولی میں نے ایک لڑکے سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں شادی تم سے
کروں گی۔

تو اس سے کر لیجئے شادی 'شباب نے کہا۔

کر نہیں سکتی وہ بولی۔

آپ ابو کو ان کے گھر بھیجیں۔

ابو تو چلے جائیں گے وہ بولی پر لڑکے کے ابو نہیں مانیں گے۔ وہ بڑے جبر جگ ہیں۔

جانک جلی کے بیڑ ہیں۔ ان کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں چلا۔

وہ خاندان سے باہر شادی کے خلاف ہیں۔

ایسا تو ان کا خرافہ ہے دروغ تو اسے 'شباب نے کہا۔

لوں تو اس میں اتنی جرات نہیں کہ ابو سے بات کرے۔

قدرت اللہ ہے سن کر گھبرا گیا کہنے لگا 'ان طرح تو آپ کی شادی ہو گی ہی نہیں۔

نہ وہ بولی میں نے وجہ نہ دیا ہے 'شباب جی وہ کیسے توڑوں۔

اس کا کام پر یقین نہ رہے گا۔ لیکن ڈول جائے گا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔
میں نے کہا شاپ صاحب آپ پاگل کی کہہ رہے ہیں۔ ہم اسے قادر مطلق تو کہتے ہیں۔
مگر صرف ہونٹوں سے 'دل سے نہیں۔ ہم کہتے ہیں یا اللہ تو کیسا اللہ ہے۔ میں چہ سینے سے
تیرے حضور میں آؤ داری کر رہا ہوں، لیکن مجھ پر اثر ہی نہیں ہوگا۔ وہ میرے اللہ۔ کیا خدا کی
اس طرح کی بات ہے۔

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر بولا 'تو کون کے ایمان کو حیران کرنے کا ہمیں کوئی
حق نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

میں نے کہا 'شباب کی میں اس مسئلے کا حل تلاش۔

بولے 'نیک۔

میں نے کہا 'آپ ایک وعید کر لیں۔ اللہ سے منگوری لے لیں۔

کیسی منگوری 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'آپ اللہ سے التجا کریں کہ یا اللہ میرے در پر صرف اس سائل کو بھیجنا جس کا
کام تو نے کر دیا ہو۔ میں نے کہا 'دیر کی بات ہے۔ مجھے ایک پلا پلا قلم کتابت قلم ہم نے منگوری
لے رکھی ہے۔ ہمارے در پر صرف وہی سائل آتا ہے جس کا کام ہو جاتا ہو۔

اتحاد بولا 'تو پھر اس بابے سے خدا کی کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

میں اس کی طنز کو نہ سمجھا 'چہ نہیں 'میں نے جواب دیا۔

کلام نہ ہو 'قدرت نے کہا 'تو اس میں ایک غلطی بھی ہوتی ہے کہ سائل کو احساس ہو جانا
ہے کہ کلام کرنے والا پلا نہیں ہوگا۔ کلام ہمیں ہوتا صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ کا کام

آپ اللہ کی ذات کے وجود کا احساس دلانا چاہتے ہیں 'میں نے کہا۔

بھئی اس کام میں مصروف ہیں 'وہ بولا 'آپ بھی۔

میں بھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں آپ بھی 'وہ بولا۔

میں نے کہا 'شباب کی کہیں جموت بول رہے ہیں آپ۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر جموت

میں نے کہا 'یہ کیسے کیا آپ نے؟

کیا ہوا؟ اس نے پوچھا۔

نیلو کے رشتے کی بات بھی ہو گئی۔

کلم 'اس نے پوچھا۔

جس نے چاہتی تھی۔

یہ تو ہی خوشی کی بات ہے 'وہ بولا۔

پر یہ کیسے ہوا آپ نے کیا کیا۔

اس نے بات بدل۔ بولا 'اب تو رقم کا فکر کرنا چاہیے شادی کے لیے۔ آپ کے پاس کچھ

پیسے ہیں کیا۔ اگر نہیں تو بے غلغلا مجھ سے قرض لے لیں۔ قرض حرام۔

یا اللہ۔ یہ تیرے بندے کیسے انسان ہیں 'میں چلا۔

صرف نیلو کی ہی بات نہیں۔ میری دوسری بیٹیوں سو اور شخص کی شادیوں میں بھی ایسی

ہی رکاوٹیں مائل ہو گئی تھیں۔ وہ سب ایسے ہی حیرت انگیز انداز میں دور دور کہیں۔

میرج پیورو

نیلو نے اپنی بیٹیوں سے بات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو چار لڑکیاں میرے مگر آئیں۔ کتنے

گلیں 'میں شاپ صاحب سے ملاد۔

یا اللہ یہ کیا مصیبت ہے 'میں نے سوچا 'کیا شاپ نے میرج پیورو کو مل رکھا ہے۔

اگلی مرتبہ جب میں شاپ سے ملا تو میں نے کہا 'کیوں تاہم میرج پیورو کو مل لیں۔ یہ تو

موج ہو گئی۔ ایک ہزار روپے کی فیس دیکھ لیں۔ دس برس سن میرا وہاں آپ کا پانچا بن کر

پراپے گئے اکروں گا۔ چند مہینوں ہم کر ڈیوٹی ہو جائیں گے۔

وہ مسکرایا۔ بولا 'مطلق صاحب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ سلسلہ بند کر دوں۔

پوچھا۔ وہ کیوں۔

کتنے لاکھ مجھے پیسے خیر کیا تو میں خوف زدہ ہو گیا۔

کس بات پر۔

مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی لڑکی چہ سینے بلا بیٹھ دیکھ کر کہے 'لیکن مقصود حاصل نہ ہو تو

پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسا ہوتا تھا، لانا ہوتا تھا، جب بھی میں قدرت سے کوئی خاص معلومت حاصل کرنے کے لیے کچھ پوچھتا تو کچھ ٹا کچھ ہو جاتا کوئی ایسی بات کہ ہماری توجہ لٹ جاتی۔

مدیقِ راعی

اس روز مدیقِ راعی اکلیل سلام کرنے کے بعد وہ ایک کونے میں موہناٹہ بیٹھ گیا۔ رکی خیر رعایت کے بعد کئے گئے۔

جب تک وہ آگیاں پڑایات کے مطابق گذشتہ تین سال سے میں دغلیہ پڑھ رہا ہوں۔ کبھی غلط نہیں کیا جگہ نہیں بدلی۔ وقت اور احوال میں ہوا اب دوسرا سبق عطا فرمائیے۔ قدرت کچھ دیر غاموش رہا پھر کہنے لگا، "میں مدیقِ صاحب ابھی آپ کا سبق کچا ہے۔ پکا ہو جائے گا تو بات کریں گے۔"

مدیق نے کہا، جب دلا مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ سبق پکا ہو گیا ہے۔

قدرت نے بڑے اچھے سے کہا، ہم خود آکر بتائیں گے۔

اسے یہ کیا ہوا، ایک دم قدرت کا اندازہ بدل گیا، لہذا بدل گیا۔ میں سے ہم ہو گیا۔ وہ تو خاص بن گیا۔

شاید مدیق کے علاوہ اور لوگ بھی ہوں، جو قدرت سے سبق پڑھتے ہوں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، "صرف مدیق ہی ایسا فرد تھا، جس نے قدرت سے درخواست کی تھی کہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے عطا کیجیے۔"

قدرت نے پوچھا تھا، "آپ کس مقصد کے لیے پڑھنا چاہتے ہیں۔ میرا کوئی مقصد نہیں، مدیق نے جواب دیا تھا۔"

مدیقِ راعی۔ ایسا راعی کا بھائی ہے۔ وہ جنگ کے رہنے والے ہیں اور قدرت اللہ صاحب کو اس زمانے سے جانتے ہیں جب وہ جنگ کا وہی کشتہ قتل جب وہ ایک موہی کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ کتا تھا، یہ موہی نہیں، نہ بھی ڈپٹی کشتہ ہے، فرق یہ تھا کہ یہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

جب علاقے کی کسی دو شیروہ کے گھریب صاحب کی چھڑی نازل ہو جاتی تھی تو قدرت نہ

بولتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ میری تحریروں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے علی پور کا ایلی لکھی۔

آپ نے کہا، "علی پور کا ایلی" ایک سرکس ہے جس میں ممتاز مفتی ہنر پار کی مشیت رکھتا ہے۔ یاد ہے۔

اس نے سرانجام میں ہلا دیا۔

پھر میں نے "دوغی بنیلے" لکھی تو آپ کے صدارتی کلمات کیا تھے، یاد ہیں۔

آپ نے کہا تھا ممتاز مفتی۔ پچاس سال سے کہتا ہوں لکھ رہا ہے۔

اتنی محنت اور کوشش کے بعد اس نے کیا ڈسکور کیا۔

عورت۔ سبحان اللہ کیا ڈسکوری ہے۔

دومن

وہ غاموش بیٹھا رہا۔

میں نے کہا، صاحب صاحب میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اللہ کا نام لوں۔ وہ جو میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اس نے قدم قدم پر مجھ پر کرم فرمائیں کی ہیں۔ صاحب صاحب جی میں شکرگزاری کے جذبے سے اس قدر مجرا ہوا ہوں جیسے کوئی پانی سے مجرا ہوتا ہے، لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیسے اس کا نام لوں۔ صاحب جی دلائل دروں کے مجھے میں رہتے ہوئے اس کا نام لینا بڑا مشکل ہے۔ کاش کہ کوئی مجھے سکھادے کہ میں کس طرح اس کا نام لوں۔ ایسے کہ بات پہنچ جائے دونوں میں کب جائے۔ صاحب جی آپ اشتقاق احمد کے اور ذرا ہوں کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں، کرتے ہیں بلکہ آپ اشتقاق احمد مجھ سے زیادہ قابلیت کا مالک ہے۔ اس کی تحریر میں اثر ہے، اس لیے کہ وہ آپ کا دوست ہے، آپ سے قریب تر ہے، لیکن اگر آپ مجھے اختلاف رائے کی اجازت دیں تو کہوں کہ مجھے اس قسم کے مجھے پرانے گٹھے سے اتفاق نہیں ہے۔ ایسے ذرا سے تو پڑے لکھوں میں ری لکشن پیدا کرتے ہیں۔

اشتقاق کتا ہے کہ، "ایسے ذرا سے عوام پر اچھا اثر ڈالنے ہیں۔ صاحب جی ہمیں عوام پر اثر نہیں ڈالنا وہ تو پہلے ہی اللہ ہو، اللہ ہو سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اثر تو دلائل دروں پر ڈالنا ہے یونین میگزین۔"

دل آخر وہ دھیری حسن آباد کے رحیم پلائے کے ہاں جا پہنچا جو سالوں کو اپنے حقے کا پانی پلایا کرتا

ایک روز صدیق نے پیاسے عرض کی کہ 'حضور مجھے غلاموں کی قبرست میں شامل کر لیجیے۔

رحیم پلائے کہا 'تیرے اپنے گھر میں جو بزرگ ہے اس کے پاس جا' دارا دقت کیوں منافع لے رہا ہے۔

اس پر صدیق پھر شاباش کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ کہنے لگا۔

مجھے رحیم پلائے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

شاباش نے کہا 'یہ بابے بونشی لوگوں کو اپنے سر سے ٹالتے ہیں۔ یہاں کوئی بزرگ نہیں

صدیق نے کہا 'مجھے کچھ پڑھنے کے لئے عطا کیجئے۔

شاباش نے بھی ٹالنے کے لئے کچھ پڑھنے کے لئے دے دیا۔

پتہ نہیں کتنے سال وہ ستن پکا تارہ پھر ایک دن جب وہ پڑھ رہا تھا تو ایک آواز سنائی دی یا

ایک ایک احساس ہوا۔ ٹینک ہوئی کہ ستن پکا ہو گیا ہے۔

پھر یہ ستن بادی چلتی رہی، چلتی رہی حتیٰ کہ یہ مقام آگیا کہ قدرت اللہ صدیق کی راہ نکلتی

لے لگا ٹٹا شاباش کا صدیق کے نام ایک ایترائی خط عطا فرمایا۔

دلایات

برادر عزیز

اسلام علیکم

خط ملا۔ وظائف میں بھی کبھی دل بھی اور یکسوئی کے ساتھ دل نہ

لگتا ایک قدرتی امر ہے، اسے اصطلاحاً 'قبض' کہتے ہیں۔ اس کا واحد

علاقہ یہ ہے کہ اس کی جانب التفات نہ کیا جائے اور دل لگے یا نہ لگے

کو شش کر کے اپنے معمولات جاری رکھیں۔

رفتہ رفتہ قبض کی حالت بسط میں بدل جاتی ہے

عام طور پر یہ بھی ترقی کا ایک ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے

بلانے دو شیڈز کے گھر جا پہنچا اور پھر صاحب اسے دیکھ کر سرسے سمیت وہاں سے بھاگ جاتے۔

ایک راہی کے قدرت سے اچھے تعلقات تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ عیانی تھے۔

ایک روز ایئر نے کہا 'شاباش میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ بچاؤ ریلوے میں کرک

ہے۔ اسے کوئی اچھی نوکری دلا دیجئے۔

شاباش نے کسی کی مت کر کے صدیق کو نیک ڈک میں لے کر گئے کی نوکری دلا دی تھی۔

نیک آدمی

صدیق کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ نیک آدمی تھا۔ نیک آدمی میں یہ غرابی ہوتی

ہے کہ وہ توقع رکھتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی نیک ہوں۔ نیک نہ ہوں تو اسے غصہ آتا ہے یا کم

از کم دل میں فحشیت پیدا ہوتی ہے۔

سیانے کہتے ہیں اسنے اپنے نہ نوک دوسرے میلے نظر آئیں۔ صدیق لگا اچھا تھا کہ وہ کر دو

پیش پکلی ہوئی کرپشن کو برداشت نہ کر سکتا تھا اس کا غصہ پھوٹتا تھا۔ اس نے نیک ڈک میں

ساتھیوں اور افسروں سے اس پکلی ہوئی کرپشن کے خلاف احتجاج کیا 'چٹا' چٹا اور پٹا خراشٹے

دسے کر گھر آ جیٹا۔

شاباش کو پتہ چلا تو چرچیک صدیق کے لیے جہول میں گنڈول تھی وہ ختم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا

کہ صدیق نوکری کے لیے چاروں طرف بھکاری بن کر گھوما پھرا۔ خواہ ہوا، لیکن نوکری نہ ملی۔

میں قدرت سے جا کر لڑا، میں نے کہا 'شاباش بی آپ بزرگ ہیں۔ غصہ کھانا آپ کا کام

نہیں۔ کمزورت پانا میرا کام ہے' آپ کا نہیں۔ آپ کا کام معاف کرنا ہے۔ آپ جن کے غلام

ہیں وہ مرا سر رحت تھے۔

قدرت نے کہا 'آپ صدیق کو سمجھائیں کہ غصہ نہ کیا کرے۔

میں نے جواب دیا 'شاباش بی میں کیسے سمجھاؤں میں نے تو خود گڑھ کھلیا ہے' کہا تا رہتا ہوں۔

آپ اس کے لئے گنڈول پیدا کریں۔ اسے لٹھڑا کریں۔

پھر صدیق کو ایک چھوٹی نوکری مل گئی، لیکن اس کی نیکی کا تقاضا اور غصہ ویسے ہی رہا۔

پھر پتہ نہیں کیوں اسنے یہاں کے پاس جانے کی لت پڑ گئی۔ کئی ایک یہاں کے در پر پڑا

سلام پھیرنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھ کر ایک تسبیح یہ دعا پڑھیں۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِقِينَ

یہ دعا سورہ انبیاء کے پچھنے رکوع میں ۸۹ ویں آیت ہے۔ وہاں پر اچھی طرح دیکھ کر اعراب درست کر لیں۔

ایک تسبیح یہ دعا پڑھنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد پھر ایک تسبیح یہ دعا پھر گیارہ بار درود شریف۔

اسی طرح تیسرا کعبہ کا وقت ہوئے یا عصری کا وقت آنے تک یہی کرتے رہیں۔ پھر اپنے صدق دل سے لولہ کی دعا مانگیں۔

پھر تہجد کے کچھ نفل پڑھ کر صبحی کھائیں اور فجر پڑھ کر سو رہیں۔ اس دعا کی برکت سے حضرت زکریہ علیہ السلام کو سو برس کی عمر

میں فرزند عطا ہوا تھا۔ اگرچہ ان کی اولیہ بھی عاقرہ تھیں۔ ستائیسویں کی شب کو سورہ انبیاء پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہی

کچھ پڑھیں جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ یہ خط لٹنے کی اطلاع ضرور دیں۔

امید ہے آپ بعد بیگم خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند
قدرت اللہ شہاب

شاید ایسی ہدایت اور اطلاعات قدرت اللہ کسی اور کو بھی دیتے ہوں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔

محروم خوش قسمت

جہاں تک میرا سوال ہے، میں نے قدرت کو ابتداء میں ہی کہہ دیا تھا کہ شہاب ہی مجھے اس جہنمت میں نہ ڈالیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ میں استحکام نہیں ہے۔ میں ایک ہلکا فرد

برے خواب آتے ہیں تو آتے ہیں، نہ ان کی طرف دھیان دیں نہ پریشان ہوں۔

آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ دفتری معاملات بھی سلجھتے ہی رہیں گے۔
ایثار صاحب کو سلام

نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

میرا اندازہ ہے کہ صدیق سے قدرت اللہ کی دل دہی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں استقامت تھی۔ صدیق نے بھی ناخوش کیا تھا۔ یہ بات قدرت کو بہت پسند تھی۔ اس خوشنودی کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرت ہر سال صدیق کو یلینہ اللہ کی جنگی خبر دیا کرتا تھا۔ مثلاً ذیل کا خط ملا تھا۔

مری

۱۰ جون ۱۹۷۳ء

عزیز بہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ شعیب گری کے باوجود آپ کے معلومات جاری ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور ان کو بدستور جاری رکھیں۔

یہی آپ کی سب سے بڑی کمائی ہے جس کا اجر انشاء اللہ آپ کو کسی وقت ایسا ملے گا جو آپ کے خواب خیال میں بھی نہیں۔

رمضان المبارک کی ایک سو سو شب کو رات کے گیارہ بجے سے فجر کی نماز تک جاگتے رہیں۔ گیارہ بجے دو رکعت نماز نفل پڑھیں۔ ہر

رکعت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھیں اور تین بار آیت کریمہ بھی پڑھیں۔

۱۔ اصل خط مجھے میں ملا تھا کہ جس خط نمبر XXI

ہوں۔ مجھ میں کثافت اٹھانے کی ہمت نہیں۔ آرام طلب ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ بزرگ بننے کی طلب نہیں اگر آپ میں اتنی طاقت ہے تو مجھے ایک اچھا انسان بنا دیں۔ دیا کریں۔

یہ بات میں قدرت کے سامنے مسلسل دہراتا رہا تھا۔

اس کے بلوغت آخری ایام میں وہ میری توجہ کلام کی طرف مبذول کراتا رہا۔ لیکن مجھ میں کلام اپنانے کی توفیق پیدا نہ ہوئی۔

شکر ہے نہ ہوئی ورنہ مجھ پر پابندیاں عائد ہو جاتیں اور میں یہ کوائف آپ کی خدمت میں پیش نہ کر سکتا اور اس عظیم انسان کے لیے ہذبہ شکرگزاری کا اظہار نہ کر سکتا۔ وہ عظیم انسان حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لائق ترین مقام تھا۔

مثیل کے طور پر ذیل کا خط ملاحظہ ہو جو قدرت نے مجھے مری سے لکھا۔

مری

۲۶ جون ۱۸۳۰ء

محترمی ممتاز مفتی

السلام علیکم۔ کل صبح میں آپ کی طرف آنے والا تھا۔ ٹیلی فون پر معلوم ہوا کہ آپ رفیق صاحب سے ملنے پھڑکی گئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہد رفیق صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے۔

نئی اثبات کا رد کرنے کے لیے آپ کے لیے ایک نہایت آسان طریقہ سمجھ میں آگیا ہے۔ اس میں نہ کوئی وقت اور نہ کوئی جگہ مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی خاص طریقہ پر بیٹھا بھی نہیں۔ جس وقت آپ فارغ ہوں۔ فوراً سانس باہر نکالتے ہوئے Exhale

۱۔ چیمے میں خط نمبر XXiii ملاحظہ کریں۔

۲۔ اصل خط چیمے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXii اور XXiii

خاموشی سے زبان ہلا کر لا ایلہ کیس۔ اور سانس اندر کی طرف لاتے ہوئے Inhale اسی طرح خاموشی سے زبان ہلا کر لا ایلہ کیس۔ اسی طرح ہر سانس کو Exhale کرتے ہوئے لا ایلہ اور Inhale کرتے ہوئے لا ایلہ کہتے رہیں۔ اسے پاس اٹھاس کہتے ہیں۔ یہ چلنے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، لیٹے ہوئے فارغ الوقت میں کرتے رہیں۔ اس کو اس طرح پکائیں کہ یہ بالکل عادت بن جائے۔ جہاں فرصت ہوگی وہیں سانس کے آنے جانے میں خود بخود نئی اہلیت شروع ہو گیا۔ صرف حسل خانے میں حاجت ضروری کے وقت ایسا نہ کیا جائے۔ کچھ لوگ اس میں ایکی مشق بیچ پھیلاتے ہیں کہ حسل خانے میں زبان داخل تلتے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ ذکر جاری نہ ہو جائے۔ وضو کی کوئی قید نہیں۔

اگلے چند تک خوب مشق کریں اور بتائیں کہ کوئی مشکل تو دور پیش نہیں آ رہی۔ اگر اس پر کسی قدر عبور حاصل ہو جائے تو ساری عمر کے لیے سب امور کے لئے کافی ہے۔

والسلام

نیاز مندہ۔ قدرت اللہ شہاب

میں نے چند ایک روز کوشش بھی کی تھی۔

لیکن جو فیصلہ جیسی کامیابی ہو۔ جس کا ذہن خرافات سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ لہذا میری یہ کوشش سب سے لا حاصل ثابت ہوئی۔

حیرت کی بات ہے کہ میری ان کیوں کیوں کے بلوغت قدرت اللہ مجھ سے بایں نہ ہوا۔ اس نے زندگی بھر مجھ پیچھے چلاک ٹھکانا کر گوارا کیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

گنا ہے کہ وہ سمندر تھا۔ جس و خاشاک اور لطافت اسے چلاک نہیں کر سکتے تھے۔

چون واپس باب

مل سے ہم دونوں ایک گلاس میں پڑے ہیں۔ لیکن الگ الگ وہ تیل ہے میں پانی ہوں۔

وہ چمکا۔

اشفاق کی شکایتیں کرتا ہوں تو ہاتھ کو دکھ ہوتا ہے، وہ ٹھیس میں کھتی ہے، کیا میرے خاں صاحب میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں، اس میں تیسریوں خوبیاں ہیں۔ مجھ نے زیادہ خوبیوں کا مالک ہے، پر دیش بن کر رہتا ہے، پانی نہیں بنتا۔

وہ چمکا۔

میں نے کہا، مجھے آپ سے بھی شکایت ہے کہ تیل کو پانی میں نہ بدل سکے۔

نظر نہ کریں، وہ بولا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کب ہو جائے گا۔ آپ نے کھجور کا درخت لگا بھی دیا تو کیا فائدہ۔

صوفی برکت علی

اس نے بات کا رخ بدلا۔ کہنے لگا۔ اگر لاہور میں آپ کو فرصت ملے تو صوفی صاحب کو سلام کر آئیں۔

وہ کون ہیں، میں نے پوچھا۔

سلاور والے جانیے۔ سب پتہ چل جائے گا۔

میں نے حالی بھر لی۔ جی اچھا۔ لیکن میرا ارادہ نہیں تھا کہ صوفی صاحب کی خدمت میں ماضی دوں۔ مجھے کسی اور بزرگ سے ملنے کی خواہش نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ قدرت پوچھے گا تو تیل دوں گا۔ بہانہ بنالوں گا۔

داستان سرائے میں پہنچا تو عیاشی کا ایسا نشہ آیا کہ صوفی صاحب کی بات ہی دہرے سے نکل گئی۔

رات کو دس بجے فون بجلا، اشفاق سے میں فون کے پاس تھا، چونکا اٹھا۔ میرے آپ دوست یوسف بول رہے تھے۔ انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ بولے، آپ یہاں ہیں۔

میں نے کہا، ابھی آیا ہوں۔

بولے، ملاقات ہونی چاہیے۔

پاکستان

میں نے فون کا چرنگ اٹھایا۔ قدرت بول رہا تھا۔

آپ لاہور جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا، جی جا رہا ہوں۔

کسی کام کے لیے جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا، کام نہیں۔ عیاشی کرنے جا رہا ہوں۔

کیسی عیاشی۔

تیل اور پانی

داستان سرائے میں قیام کرنا بذات خود عیاشی ہے۔ وہاں میری ماں ہے۔ وہ مجھے چونکا دیتی ہے۔ یعنی ہوئی بات کی دہلی۔ مٹی روٹی۔ کڑا ساگ، چھت سیرے والی کاجریں، جو ہاتھ سے ہاتھ ہوں گی۔ ہاتھ ہی ہاتھ۔ ہاتھ ہی ہاتھ۔ قدرت اللہ کی باتیں۔ اشفاق کی شکایتیں۔

UrduSunnat.com

اس لیے کہ وہ مجھ سے دل کی بات نہیں کرتے۔ کسی سے دل کی بات نہیں کرتے۔

کی کتابیں خرید رہے تھے تو ایک کچھ غلوں آئی۔ بڑی بے تکلفی سے ہمیں پچھنے لگی۔
کہ آئے نس پاکستان توں۔

میں نے کہا لی تجھے کیسے پتہ چلا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں۔
کہنے لگی: توڑے منہ سے جو کھلیا ہوا ہے۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

ہوئی، چلو بازار وچ جا کھڑوئے۔ نس تو لوکل دے منہ کنڈا، حد سے منہ روتی ہووے
تے کنڈا ہووے بس جان لو کہ لو، پاکستانی اسے۔ سلائی تے کچھ وچ نہیں اونڈا۔ حالات
بجڑے، نے، پر چریاں تے روتی اسے، بازار وچ روتی اسے، پیسے دی بھر مار اسے۔ چڑا دی
بھر مار اسے۔ سڑکوں تے موزوں اسی موزوں۔ دکلاں وچ ملی اسی ملی۔ سڑکوں تے کچھ نہیں
لودی اسے کی ہو رہا اسے۔

میں نے پوچھا لی آپ کیا کرتی ہیں۔

ہوئی، میں انٹر انڈیا دی ہو شس آں۔

۱۹۸۶ء میں میں نے پاکستان پر ایک مضمون لکھا تھا جو درج ذیل ہے۔

مملکت خدا داد

اگرچہ پاکستان ایک جمہوریت ملک ہے لیکن بڑا بے ہمار ہے۔ حسین مناعہ سے ملائی، رنگارنگی کا
جواب نہیں۔ کسی جانب زرخیز مناظر اور میدان پھیلے ہوئے ہیں کسی جانب پہاڑوں کی سر پہ
چڑیاں سرافٹے کھڑی ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں ہری بھری وادیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ چشے
پھوٹ رہے ہیں۔ پھول ہی پھول رنگ رنگے پھول۔ کسی جانب ریت کے صحرا ہیں۔ کسی جانب
شگافاں دیوانے۔ مناظر کے لحاظ سے پاکستان گوناگوں ہے، ملائی ہے۔ یہاں ہر قسم کی آب و ہوا
ملتی ہے۔ ہر قسم کی جانبت طرح طرح کے چمکے پھندے۔

یہ علاقہ بڑا قدیم ہے۔ پتہ نہیں ملتی نہ ہی بیس قائم ہوئیں، پہلی پھولیں اور پھر چہو
گئیں۔ آج بھی یہاں جگہ جگہ ڈھیریاں موجود ہیں۔ جنہیں کھودو تو آثار کی دولت نکل آئے۔
میراثہ انکی ملتی جلتی حلی میں ہیں، گیت تو وہاں موسیق کیر نیل سے ملا۔

موسیق کیر نیل بین الاقوامی شہرت کا مالک، آثار قدیمہ کا ماہر ہے۔ قیام پاکستان کے وقت وہ

میں نے کہا، ہونی چاہیے۔

بولے، لیکن میں تو کل جا رہا ہوں۔

میں نے کہا، مت چلو۔

کہنے لگا، چلا ضروری ہے۔

ضروری ہے تو چلو۔

بولے، ایک صورت ہے۔ میں صبح چلوں گا شام تک واپس آچوں گا کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ آپ میرے ساتھ چلیں راستے میں کپ شپ رہے گی۔

میں نے پوچھا، چنا کیوں ہے۔

کہنے لگے، صوفی برکت علی صاحب کی حاضری دینی ہے، سلاڑ والے۔

میں نے سوچا، دیکھو کس چلائی کے مجھے پتہ نہ کروا دیا ہے۔

اگلے روز ہم کار میں سلاڑ والے جا رہے تھے۔ میرا دوست لور ایک بہت بڑا اہلی، اسلامی

شاعر عبدالعزیز خان۔

ہم تینوں ہمیں راستے ہوئے سلاڑ والا پہنچ گئے۔

وہاں صوفی صاحب کو دیکھا تو میں حیران ہوا۔ ایک نحیف و زہار مٹھی کوئی، جس میں ایک
من جان ٹھوس رکھی تھی۔ تک کر بیٹھا مشکل ہو رہا تھا اندر خون کی جگہ پارہ
بھرا ہوا ہے۔ اتنی بے چینی نہ نہست کر رہے تھے۔ کہ گرد و پیش سے سمجھا کے اٹھ رہے
تھے۔

بعد کی نماز پڑھانے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا۔

”موجود جان لو کہ ایک ایسا دن آئے والا ہے جب یہ امین لو کوئی قدم
اٹھانے سے پہلے پاکستان سے پوچھے گی، ”کیا میں یہ قدم اٹھاؤں؟“ اس
وقت ہم تو رخصت ہو چکے ہوں گے، اگر ایسا نہ ہوا تو آکر ہماری قبر
تھوکتا۔“

میں تو ششدر رہ گیا، یافث، اکتوبر ۱۹۷۱ء کی بزرگ کی زبان سے۔

یافث، یہ پاکستان کیا تھے ہے۔ کیوں لوگ اس کی محنت کی باتیں کرتے ہیں۔

جب میں ہجرت ہاتھ لگے لگے گیا قاور و شفق حسین لور میں ایک دکان سے ہو میو دھنکی

لاشون تک نہیں رہے گا۔ اس لیے آؤ ہم سب اپنے بچے محفوظ کر لیں۔ اس پر بہت سے کموں نے لوک ورڈ کے ادارے بنائے۔ خوش قسمتی سے پاکستان نے بھی لوک ورڈ کا ادارہ قائم کر لیا۔

پاکستان کے بڑے بڑے شہری اس ٹیچر کی بیخفا سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس کے علاوہ فرنگی میل سے رخصت ہوتے ہوئے نو آپدائی روایت کا بچہ لیا جس کی وجہ سے گورا صاحب کے چلنے کے بعد کلا صاحب نے اس کی گدی سنبھال لی۔ فرحیت ختم نہیں ہوئی اس نے روپ بدل لیا ہے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے شہری علاقوں میں ہماری روایت کمزور پڑ گئی۔ ہماری مثلی طرز تعلیم نے روایت کو اور بھی کمزور کر دیا ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ روایت ہی ہماری پہچان ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود حیرت کی بات ہے کہ پڑھے لکھے شہروں میں جدیدیت کی گرد کے نیچے اسلامی جذبہ جوں کا توں قائم ہے اور اگر جیسی کے دقت گرد کو ہٹا کر یوں گرد سے باہر نکال دیتے ہیں تو چاند لگتا رہا ہو۔ اگرچہ یہ جذبہ عمل سے محروم ہے مگر یہی ایک جذبہ ہمارا امتیاز ہے۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے لیکن جہاں تک ڈولچینٹ کا سوال ہے۔ ارباب اختیار نے عیدہ شہری علاقوں کو ترجیح دی ہے۔ لیڈر مظاہر سنی پار آئیں، چکیں مگر میں لیکن برسے ہندو ملی گئیں۔

ہماری سیاست کا انداز فقیری میں بلکہ ترقی ہے۔ ایسے لیڈر ہمیں بہت کم ملے جو اس کو
 قوی مفاد پر قربان کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ ہمارے معاشرے کا نظام ابھی تک جایز و نارائے
 ہے۔ اسلامی یا مغربی جمہوریت سے بے گناہ ہے۔ لہذا ہمارے زیادہ تر لیڈر واپس اپنی ذات کے
 ملک ہیں۔ وہ ملکیت کے دلدل میں ہیں اور "میں" کے حوالے کے بغیر سوچنے کی صلاحیت میں
 رکھتے۔ اسی وجہ سے ہم نے اس مملکت کو دلدل کا ایک بڑا ٹکڑا بنایا۔

ہمارے بہت سے بھائی روزی کمانے کے لیے ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ حصول روز

یہاں کے آثار قدیمہ کا اکثر کثرت جنرل قلعہ کراچی کا مینیم اسی نے بنایا تھا۔ دو تھکی سے مل کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ اچھا تو تم پاکستان سے آئے ہو مگر پاکستان کا علم تو اٹھایا ہونا چاہیے تھا۔ یہ نام دراصل سکندر اعظم نے رکھا تھا۔ دو ریاض سندھ کو انیس کا نام دو اور اس سے پچھلے علاقے کو انضیا کلہ موسیٰ نے کہا پاکستان جو وجود کا علاقہ ہے۔ زندگی کا نشان ہے۔ حرکت برکت کا علاقہ ہے۔ لوگ آتے رہے جاتے رہے۔ جنرل آئے شیشہ آئے۔ محققین آئے، صوفی آئے سیاح آئے اس نے پچھلا علاقہ تو تمام کا علاقہ تھا۔ فخر کا علاقہ۔

بھروسہ نے لکھی ہے چچا کیوں تو جوان کیا ہمیں پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا احساس

۱۹۷۷ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی ساڑھے آٹھ کروڑ کے گنگ بنگ ہے۔
۲۷ میں سے ۷۷ مسلمان ہیں ۲۷ میں سے ۷۷ دہشت میں رہتے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے پاکستان
دنیا کے تمام ملکوں میں نویں نمبر پر آتا ہے کئی علاقوں میں آبادی چھٹیاں ہے۔ کئی بستی کم آباد
ہیں۔ کسی محلہ کو میٹرز میں ۲۷۹ افراد بستے ہیں کسی صرف ۲۷ پاکستان پر لٹھ کا بڑا اثر کم ہے۔
میں عورتوں کا تناسب کم ہے یہ چھوٹی ہی تفصیل ملک کے لحاظ پر بڑا اثر رکھتی ہے۔
پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ہے سندھ، سرحد، بلوچستان اور پنجاب۔

ہر صوبے کا رہن سن نور روایات مختلف ہیں۔ سرحد نور بلوچستان کے کھڑا ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس طرح سندھ اور پنجاب کے رہن سن میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ ہر بھی ہے کہ ہر صوبے کے اندر ایسے غلطے موجود ہیں جن کا رہن سن نور روایات مختلف ہیں۔ اس خور میں تضاد بھی ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ روایات کے اس تضاد میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس ہم آہنگی کا مادہ اسلام ہے۔ یاں سمجھ لیجئے کہ یہ رنگ برنگ پہول ایک نامک میں پردے ہوئے ہیں اور یہ اکا اسلام کی روح ہے۔ میل اسلام کے لیے جذب عام ہے۔ یہ جذب ان علاقوں میں طاقتور ہے۔ چنیو، آبپار، املوا، حیدرآباد، ملتان، قذافی آباد، راجستھان

Per Capita اگم بڑھتی جا رہی ہے۔ پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں جگہ جگہ پاکستان کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ پالٹو یہ بھیہ کیا ہے؟

ایک طرف اپنی زبان مٹا دوسری جانب خوشحال۔ ہم کائنات پر رہے ہیں پھر پھول کیوں اگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے دو رخ ہیں۔ ایک تو حقائق کا رخ اور دوسرا پراسرار رخ جو کچھ میں نہیں آتا۔ حیران کن سہی مگر بہت واضح ہے۔ حقائق کے زاویے سے دیکھیں تو

تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دروازے کھلے تو منافع دیکھ کر تاجروں کی آنکھیں پٹ پٹ گئیں۔ وہ منافع کی شرح بڑھاتے گئے۔ ذخیرہ اندوزی کرتے گئے۔ دراصل ابھی تک مسلمانوں کا مزاج کاروباری رنگ میں نہیں رنگا گیا۔ کاروبار میں وہ آج کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ مستقبل ہیہ کے حوالے سے نہیں سوچتے۔ اس لیے جہتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بڑھتی جا رہی ہیں۔ سرکاری دفاتروں میں رشوت ستانی زوروں پر ہے چھپ چھپ کر نہیں ملانیہ رشوت لی جاتی ہے۔ نور پور اس کے جسے آپس میں بانٹتے جاتے ہیں۔ رشوت کے پالنے مقرر ہیں۔ رشوت لینا

خبر دی تھی۔ ۱۹۵۷ء میں مغرب کے ایک معروف ستارہ شمس ایچ آرنیبلر کی ٹی وی روزنامہ نمبروں میں بھی تھی کہ آرنیبلر نے لکھا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہو گا مسلمانوں کی محنت قائم ہو گی پھر دونوں ملکوں میں اختلافات دریں گے۔ ان کے پاس تعلقات ۱۹۴۹ء سے پہلے دوستانہ نہیں ہوں گے۔ ہندو اور دینی انتشار کا شکار ہو جائے گا اور مسلمان دلی تک قابض ہو جائیں گے۔ مغربی ستارہ شمس عرصہ دراز سے پیش گوئی کر رہے ہیں کہ دنیا پر ایک خاص طور پر غاصی کھوار آنے والا ہے اس دور کو وہ انگریزوں کی ایجاد کو لڑاں ایچ کئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا پر عجیب و غریب اور مہارک ستاروں کے کاشی پشتر آئیں گے ہو رہے ہیں۔ مسلمان اس دور کو نشاہ چاہتے کئے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس دور کے آنے سے پہلے، صلح برزخست چلی آئے گی۔

پاکستان کے جو قسمی بھی انہیں غلطو پر پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔ ان میں دہلیزدی کے عجم غازی قسلی ہیں۔

اب بیگم قیام پاکستان کی بات۔ قیام پاکستان عجیب حالات میں عمل میں آیا۔ انگریز اس کے حق میں نہ تھے۔ ہندو اس کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کی چند تحفیں بھی اس کے حق میں نہ تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن حالات میں پاکستان کا قیام ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ قیام پاکستان کے لیے قدرت نے ایک ایسے فرد سے کام لیا جو انگریز فطین کا مالک تھا جو سیاسی ہیرا بھیری کے بخلاف تھا (جو پاکستانی بھیرے سے بے گناہ تھا اور اسلام سے برائے نام واقفیت رکھتا تھا) قائد اعظم میں سب سے بڑی غلپی تھی کہ وہ بلند کردار کے مالک تھے۔ ان کے ہر مقابل کھڑی عملی قیام تھا۔ جو سیاسی ہیرا بھیری میں بہت مشفق تھے۔ سیاسی روش میں بلند کردار کا پانی کا فاضل نہیں ہو گا۔ انابت بڑی رکوت ثابت ہو آئے۔ لیکن اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے کاسیانی عطا کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے صورت حال کا جائزہ لیا کہ قائد اعظم کو ایک اسلامی مملکت کا سربراہ بنانا ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ قائد اعظم کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیم و بس ضروری ہے۔ وہ قائد سے سمجھتی ہیں کہ قائد نے ان کا مشورہ کیا ان کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ساتھی قائد کو اسلامی تعلیم دیتے رہے۔ صوفی صاحب سے ملنے کا بعد لاہور سے

لہریاں پاشد ہندوستان پہنچا
عجم بدی کا رائد زلف چلے
تقسیم ہند گرد و در در حصص ہو
آشوب و رنج پیدا اذکر ازمانہ

ہندوستان کے عجم بزرگ جو حضرت مہاجر کی سے پیام سے چلے جاتے ہیں۔ ان سے مختلف لکھوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ۱۹۵۷ء میں جب ہندوستان میں پہلی جنگ آزادی لڑی جاتی تھی فرنگی نے غدار کا نام دیا تھا۔ جو جناب حضرت مہاجر کی سے ایک علاقہ پر قبضہ کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ یہ اسلامی حکومت کچھ عرصہ قائم کرتی رہی پھر انگریزوں نے اپنا ٹکڑا ہوا شیرازہ از سر نو بن لیا۔ انگلستان سے اسلحہ کی کھپ اور فوجی سکواٹی اور پھر سے کھوٹا ہوا دارہ قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہوں نے حضرت مہاجر کی کی اسلامی ریاست کا محاصرہ کر لیا۔ گوکہ پاری کی لور اس پر تسلط تھالیہ حضور مہاجر کی کو گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت مہاجر کی کا مسلمان ہند میں پیدا اوڑ و رسوخ تھا۔ یہاں تک کہ غیر مسلم بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ انگریزوں کا تھا کہ حضور کی گرفتاری پر حالات خراب نہ ہو جائیں ساتھ ہی وہ اپنا دارہ قائم کرنے کے لیے ضروری سمجھتا تھا کہ ان کی تباہی کرے۔ لہذا انگریز نے حضور کے ہاتھ باندھ دینے اور برصغیر ان کا بلوں نکالنا۔ ایک عجم عظیم سیاح نام مہدوب نے بلوں کا راستہ روک لیا وہ حضور سے خطاب ہو کر بولا۔ دیکھ۔ یہ نہ سمجھو کہ تیری یہ کوشش باطل ہو گئی ہے۔ جو جگہ تو نے بڑا ہے نوے سال بعد اس میں سے کوئی پھولے گی۔ نوے سال بعد قیام پاکستان عمل میں آیا۔

حضرت مہاجر کی صاحب کے آخری مرید جناب ملحق عبدالعیوب سے جن کا حال ہی میں اسلام ٹیوٹ میں اقبال ہوا ہے۔ میں چند ایک پارا ملوں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ۱۹۵۷ء کی جنگ میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ ان دنوں وہ جوتھ تھے۔

شاہ بری لیلیٰ نے کج سے وصال میں سو سال پہلے فرمایا تھا کہ دور پر کے پاس ایک اسلامی شہر آباد ہو گا جو مستقبل میں دنیائے اسلام کا مرکز بنے گا۔

پاکستان کی لبریت اور مملکت کے بارے میں بزرگان دین نے بار بار تذکرہ کیا ہے۔

صرف بزرگ ہی نہیں، نجوم میں اور جوتھشیوں نے بھی بہت پہلے پاکستان کے قیام کی

والہی: میں جبرائیل ہو رہا تھا کہ جالندہ انا بزرگ نور۔ انا پیدا دھوئی، قدرت اللہ کا تو کہتا ہے کہ دھوئی کرنا بزرگ کا کام نہیں۔

چھوٹا منہ

لاہور سے واپس آیا تو میں سیدھا شلب کی طرف گیا۔
گڈی نے کہا: آج ہاں کاموڈ آف ہے۔
شلب کاموڈ آف ہو۔ میں، میں نہیں ہاتا، میں نے جواب دیا۔
بچ کتنی ہوں، وہ بولی۔
شلب کاموڈ ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے، اس میں اچھل نہیں۔
کبھی کبھی چمکتا ضرور ہے۔ لیکن یہ چمکن کسی اور طرح کی ہوتی ہے۔
گڈی بولی، میں ہاں کو جانتی ہوں۔

گڈی

وہ بچ کتنی تھی۔ وہ قدرت اللہ کی ہمشیرہ کی بیٹی ہے۔ گھر میں صرف گڈی شلب کو جانتی تھی۔

میں نے پوچھا: تجھے کیسے پتا کہ شلب کاموڈ آف ہے۔
کہنے لگی: کچھ لوگ ملے آئے تھے۔ انہوں نے پاکستان کا ذکر کیا۔ ہاں کہنے لگے۔ پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ راستے سے بھٹکا ہوا۔ ہم آج تک اسلام آباد

میں کڑے اور جب تک اسلام نافذ نہیں ہو گا پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔ گڈی کئے گئی 'ہاں' کی گواہی میں فخر نہیں تھا لیکن آواز کے پیچھے شدت تھی۔ ناراضگی تھی۔ میں ہاں کے فخر کو پچھتاہی ہوں۔

گڈی کا کرہ شاپ کے کمرے سے ملحق تھا اس روز میں شاپ کے کمرے میں داخل ہوئے لگا تھا کہ گڈی نے مجھے بلایا تھا۔

کئے گئی 'آج آپ ہاں سے امتیاز کے ساتھ بات کریں۔

شاپ کے کمرے میں داخل ہو کر میں نے سلام کیا اور فریاز معمول پڑے اوب سے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

پھر شاپ بولا 'آپ خاموش ہیں۔' خیریت ہے۔ میں نے کہا 'جناب میں امتیاز برت رہا ہوں اس لیے۔'

اس نے سوالیہ نگاہ سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا 'جناب گڈی نے مجھے مشورہ دیا ہے کہتی ہے آج امتیاز سے بات کریں۔' ہاں کاموز آف ہے۔

وہ مسکرایا۔

میں نے کہا گڈی کہتی ہے 'کچھ ملاقاتی آئے تھے' انہوں نے پاکستان کی عظمت کی بات پیڑ دی۔ جس پر آپ نے انہیں جھڑپا دی۔

ہاں 'وہ بولا' لوگ غلط نہیں پھیلاتے ہیں۔ میں نے آپ کا مضمون پڑھا ہے پاکستان پر۔

جی 'میں نے کہا۔

آپ بھی غلط نہیں پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کو ایک بات یاد دلادوں۔' اجازت ہے۔

شباب نے میری جانب دیکھا۔

طراحی

۱۹۹۹ء کی بات ہے میں نے کہا 'جب آپ مرکزی حکومت کراچی سے پڑی لائے تھے۔

UrduPhoto.com

جب میں صدر مگر کا نیا نیا اولیس ڈی با تھا۔ شام کا وقت تھا آپ اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی موجود تھا۔

ایک سائل 'آئیڈ ناپا' وہ تازہ مساجر تھا۔ بڑی کمراری اردو بولتا تھا اس نے اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچا تھا۔ رہنے کے لئے مکان نہ تھا کھانے کے لئے روٹی نہ تھی۔ کئی دن مارا مارا پھرتا رہا لیکن ڈکری نہ لی تھی۔ کوئی پرہیز حال نہ تھا۔

شباب صاحب آپ نے اس سائل سے بڑی ہمدردی جتائی تھی 'اے حوصلہ دیا تھا' فکر نہ کیجیے اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دیں گے۔ آپ کل دفتر آجائے ایک عرض لکھ لائیے۔ شاید کل ہی بات بن جائے۔ حوصلہ نہ ہاریے' آؤ انٹل کے وقت آجائے ہیں۔

جب وہ رخصت ہوئے لگا تو مجھ سے میں بولا 'تم اسٹے ڈیل و خوار ہو رہے ہیں یہی آکر۔' نصرت ہو پاکستان پر۔

شباب صاحب یہ سن کر آپ نے جھکی کی طرح کرسی سے اٹھ کر سائل کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا تھا کٹ آؤش۔ یاد ہے۔

شباب صاحب میں نے آپ کے ساتھ میں جھکیں مل گزاریں ہیں۔ اس دوران میں آپ نے صرف ایک آدمی کو تھپڑ مارا ہے۔ اس لیے کہ اس نے پاکستان کو بد دعا دی تھی۔ اس کے بعد ہماری محفل میں جہاں صدر ارباب نور ہن کے لال کار بیٹھے تھے۔ آپ نے ایک وزیر کو گرمیوں سے پکڑا تھا اس لیے کہ پاکستان کا وزیر ہوئے وہ پاکستان کے خلاف تجویز کرتا تھا۔ یاد ہے۔

ہم تو آپ کے ہاتھ میں شاپ صاحب جو آپ کہتے ہیں۔ جی ہے 'جو آپ کرتے ہیں وہ حق ہے۔ آپ ہی نے ہمارے دلوں میں پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

اود اب آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے حوالے سے بیٹے پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔

شباب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چند روز بعد وہ مری چلا گیا۔ وہ اکثر مہلات کے لیے مری چلا جایا کرتا تھا۔

اس کے دس ہندروہوں کے بعد گنیا والا بلا کا واقعہ رونما ہوا۔

گنیا والا بلا

چلتے چلتے میں نے جو سرائی کو دیکھا تو راستہ غلط نظر آیا۔ میں نے اسے ایستہ دی اور چٹا رہا لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا توں یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں غلطی سے کسی ان جانی سڑک پر نکل آیا ہوں۔ میں نے سوچا کوئی را پکیر لے تو اس سے پوچھوں کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ کچھ دور سڑک سے ہٹ کر ایک بست بڑا درخت تھا جس کے قریب ہی گھاس پھوس کا ایک جموڑا تھا۔ جموڑے کے باہر ایک شخص کھڑا تھا۔ میں نے سوچا اس شخص سے پوچھ لوں۔ جموڑے کے برابر پہنچا تو سبھی سی جتنے کی آواز آئی اور سکوتر کے پچھلے پیچے کی ہوا نکل گئی۔ میں نے سکوتر روک لیا۔ کیا معیت ہے؟ میں نے سوچا اب خائن پیرفٹ کرنا پڑے گا۔ شہنی کو دیکھا تو اس میں بھی ہوا نہیں تھی۔ اب کیا ہو گا؟ میں گھبرا گیا۔

میں نے سرائی کو روک دیا وہی شخص کھڑا تھا جس نے جموڑے کے سامنے دیکھا تھا۔

"کیا ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ ہو گیا ہے۔"

"اسے اور کھڑا کر دے گا" وہ بولا۔

"یہ سڑک کدھر کو جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیس بھی نہیں جانتی" وہ بولا "اور پھاڑی کے پیچے جا کر ختم ہو جاتی ہے۔"

"آس پاس کوئی گاؤں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں" وہ بولا "اور ایک رکھ ہے۔ وہاں سے روزانہ ٹرک آتا ہے۔ ٹرک آئے گا تو تم سے

ہاں میں حرکت ہوئی اور ایک دھلا سفید ریش چڑھا کر نکل آیا۔

اچھے ہی بولا "تو آگیا۔"

"جی" میں نے جواب دیا "میں راستہ بھول کر لوہر اٹکا ہوں۔"

"ہاں" بڑھا بیڑا۔ "اب چاہتے ہیں راستے دے دیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں راستہ بند کر دیتے ہیں۔"

میں نے کہا "جی" میرے سکوتر کی ہوا نکل گئی ہے۔ کچھ ہو گیا ہے۔"

"ہاں" وہ بولا "تم خود میں ہوا بھرتے رہتے ہیں۔ ان کا کرم ہو جائے تو ہوا نکل جاتی ہے۔"

پہلے تو میں اس کی باتوں پر نہ ہنسا "مگر سوچا کوئی مہذب ہے جو ان پ شاپ بول رہا ہے۔"

کچھ دیر کے لیے وہ چپ رہا پھر دم آواز میں بولا "تو جو سنے بت بنا رہا ہے کیا تجھے قسم

اس لیے دیا تھا کہ بت بنائے؟"

قسم کی بات سن کر میں چونکا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ میں لکھتا ہوں لیکن بت تو قلم سے

نہیں بنائے جاتے۔

دھنستا" وہ بڑھا جوش میں آگیا۔ کہنے لگا "کیا حیثیت ہے پاکستان کی۔ ایک جموڑا پھنکی سا

ملک۔ غریب ملک۔ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا پھر آپ ہی چنر

گیا اور یہاں کے لوگ۔ چاروں طرف سے میں میں کی آوازیں آتی ہیں۔ بکسے میں میں کر

رہے ہیں۔ کھانے بارے ہی اللہ کی اس دی ہوئی دیکھ کو کھانے جا رہے ہیں۔

ساتھ اپنا کٹورہ بھرے جا رہے ہیں۔ اپنی اپنی کوفلی میں دانے ڈالتے جا رہے ہیں۔ ضرورت

نہیں۔ مٹا خالص مٹا۔ دوسرے جابے بھوکے مر رہے ہیں۔ ۱۲، ۱۳، ۱۴ کو کھانا بھر جائے گا،

کہ وہ حتیٰ بات کرے۔ وہ طور مطلق ہے، جو چاہے کرے۔ آخری فیصلہ Oneirdu عندہ ہے۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا "تمیں تو" وہ بولا "میں کوئی جمو پڑا نہیں۔"

"تو اور کب آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے" میں رکھ میں کام کرتا ہوں۔ روزانہ اور سے گزرتا ہوں۔ دو بار۔ میں نے کبھی جمو پڑا نہیں دیکھا۔"

"میں کل آیا تھا" میں نے کہا "پہلی در اس جمو پڑے میں بیٹھا رہا تھا۔" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جسے میں پاگل خانے سے چھوٹ کر آیا تھا۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب میں نے پاکستان پر مضمون لکھا تھا۔ اسے شائع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

میں ایک مذہبی مسلمان ہوں۔ میری زندگی محل سے یکسر غلط ہے۔ میری زندگی میں چار ایک ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہیں بیت کر مجھے پتا چلا کہ ہماری دنیوی زندگی کے متوازی ایک روحانی کلام بھی چل رہا ہے۔

لیکن خیالی طور پر میں ایک ایوب ہوں "داؤد اور ہوں۔ میرا وطن شکوک و شبہات سے اٹا پڑا ہے۔ ایسے واقعے سے میں چند ایک روز متاثر ہوتا ہوں، پھر منکر ہو جاتا ہوں۔

چند ایک روز میں سوچتا رہا پھر شکوک و شبہات نے گھیر لیا۔ سوچا شاید میں نے خواب دیکھا ہو یا شاید وہ جمو پڑا اور وہ یوں صاف میرے ذہن کی اختراع ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سڑک پر آنے جانے والوں نے وہ جمو پڑا نہ دیکھا ہو۔ ضرور یہ میرے ذہن کی اختراع ہو گی۔ یوں میں نے خود کو مطمئن اور محفوظ کر لیا۔

پھر دو ایک ماہ کے بعد میں نے اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک مڑا ہوا لٹافہ برآمد ہوا۔ اس میں کافہ کا ایک ٹکڑا تھا "اوپر دسم اللہ" لکھی ہوئی تھی۔ بچے لکھا تھا: "کیا وہ بار صبح چائے کے وقت اور گیارہ بار رات سوئے وقت درد کرو۔ اس کے پیچھے لکھا تھا: "جوامہ پڑی بات۔"

جب میرے مضامین کا مجموعہ رام دین شائع ہوا تو میں نے اپنے مضمون پاکستان میں یہ واقعہ بھی شامل کر دیا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا "آئندہ سے بیڑوں کی باتوں پر قلم نہیں اٹھانا سمجھا؟" اس نے مجھے ڈانٹا۔ پھر دھتکے کے بعد دھتکے آواز میں بولا "ہم جنہیں دو لفظ دیتے ہیں۔ ان کا درد کرتے رہتے قریب پڑے چند کھنڈت سے اس نے کافہ کا ایک ٹکڑا کھوا اٹھایا۔

"میں پاک حالت میں نہیں رہ سکتا" میں نے کہا۔

"کچھ پروا نہیں" وہ بولا۔

"میں غصی نہیں پڑھ سکتا" میں نے کہا۔

"اچھا" وہ رک گیا۔ پھر بولا "ٹھیک ہے" اور کچھ کھینے لگا کھینے کے بعد اس نے کافہ کا ٹکڑا ایک پرانے لفافے میں ڈالا اور وہ لفافہ مجھے پکڑا دیا۔ کہنے لگا "کیا وہ مرتبہ صبح اور گیارہ مرتبہ سوتے وقت اس کا درد کیا کر۔ اب تو چلے لٹھ تھپے کھینے کی توفیق عطا کرے۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ باہر میرا سکوتر سڑک کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے سکوتر اشارت کیا وہ چل پڑا۔

کچھ دور جا کر دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے سکوتر کا پیسہ تو چنگر تھا۔ میں سکوتر روک کر بچے اترانے دیتا کہ دیکھا ہوا ٹھیک خاک تھی، پھر میں نے شفٹی لگا دیکھا وہ بھی ہوا سے بھری ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ مجھ پر حیرت طاری ہو گئی۔ دیر تک اسی عالم میں چلتا رہا، پھر جو ٹکڑا اٹھائی تو دیکھا کہ راست مالوں تھا۔

شک و شبہ

ساری رات میں سوچتا رہا۔ بات سمجھ میں نہ آئی۔ اگلی شام کو میں پھر سکوتر لے کر چل پڑا تاکہ اس سڑک کا پتہ لگاؤں جس پر میں غلطی سے مڑا تھا۔

کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد وہ سڑک مل گئی۔ میں اس پر چل پڑا۔ بڑے درخت کو دیکھ کر مجھے تسلی ہو گئی، لیکن بڑے آس پاس جمو پڑا دکھائی نہ دیا۔ بڑے بچے ایک آوی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ جب وہ فارغ ہوا "تو میں نے پوچھا" "میں کوئی جمو پڑا تھا۔"

کنویں کا مینڈک

© Onurdu.com کنویں کا مینڈک اپنے کنویں میں بڑا خوش تھا۔ سمندر کے مینڈک نے آکر سب قسم کے قتل کر دیے۔

چاہہ

کوئلہ اپنے دوہاں قہم قبیلہ نے کنویں اور شاہروں کا ایک میلہ لگا رکھا تھا۔ اس میلے کی خصوصیت یہ تھی کہ بھیر تو حتیٰ لیکن کھوے سے کھا نہیں جھلتا تھا۔ میلہ ہو اور ساتھ نظم ہو یہ بات میرے لیے نئی تھی۔

کنویں کو حلقہ ہوٹوں میں گھرا لیا گیا تھا اور مینڈکوں کا ایک حلقہ ہر وقت گردش میں رہتا۔ پوچھتا آپ کا قیام مناسب ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو

مینڈکوں کی حلقہ سلاہ بات کرتی تو نہ سے پھول جھڑے زمین دیکھا دیکھا رہ جاتا۔ کھن کوئلے رکھتا کہ دس رکھتا رہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ مجھے کوئی عمل سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ میں تو کوئلے اس لیے گیا تھا کہ مشرے ملوں گے۔ اس سے پچھڑائی رہے گی کہ کھن کا کافی جادہ مجھے کسی عوامی شرکی بدشاہت تلخے اسلام آباد میں اپنی دلی نہیں سمجھتی۔ وہی تو صاحب رہتے ہیں جو ہم چاہتا جانتے ہیں، ہم جانتے ہیں۔

پہلی فرصت ملی تو میں پوچھتا پوچھتا مشرے کھرا پھل۔
میں نے پوچھنے ہی کا مشر صاحب میں تو مارا گیا۔ آپ کے شر میں آکر لگ گیا۔
وہ جہانگیر بن کر بیٹھ گیا 'ہولا' فریادی۔ یونو کس نے لولا۔
میں نے کہا 'غل' اپنی ایک غلوں نے لولا۔
ہولا کون ہے وہ مختصر۔

میں نے کہا 'غل' جادہ ہمارے مینڈکوں کی حلقہ سلاہ ہے۔
ہولا 'فریادی' کیا حسن کے زور پر لولا۔

میں نے کہا 'جناب' دانا ظاہری حسن نے بھی، لیکن اندر کے حسن نے تو چاہی بچادی۔ کئے

قدرت اللہ مری سے دلہن آیا تو میں کوئلے جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔

آپ کوئلے کس سلسلے میں جا رہے ہیں اس نے پوچھا۔
میں نے کہا 'جناب' وہی ایک کوئی عمل ہو رہی ہے انہوں نے چاہا ہے۔ لی آئی اے کا ٹکٹ بیٹھا ہے۔

کئے لگا 'وہی کوئی مضمون پڑھیں گے آپ۔

میں نے جواب دیا 'مضمون لکھنے سے تو بے کر لی ہے۔

وہ کہیں اس نے پوچھا۔

بڑی ڈانٹ پڑی ہے صاحب صاحب۔ کئے ہیں جو تو نہیں جانتا' بے حیثیت ہے تو بے حیثیت بنا کر رہ۔

میں نے شہب کو کنیا والے پایا کا سارا واقعہ سنا دیا۔

وہ بڑے غور سے سنتا رہا۔ تفصیلات پوچھتا رہا، لیکن مجھے ایسا کھتا تھا۔ جیسے اس کی حیرت معنوی تھی۔

میں نے کہا شہب جی ساری فطرت میری ہے۔ میں کنویں کا مینڈک تھا۔ ایک دن کنویں میں سمندر کا مینڈک آگیا۔ کنویں کے مینڈک نے پوچھا تو کہیں سے آیا ہے۔

وہ بولا 'میں سمندر سے آیا ہوں۔ سمندر بہت بڑا ہوتا ہے۔

کنویں کے مینڈک نے اپنے اندر ہوا بھری۔ پھولا کر بولا 'کیا سمندر اتنا بڑا ہوتا ہے۔

سمندر کے مینڈک نے کہا 'میں اس سے بہت بڑا۔ کنویں کے مینڈک نے اور ہوا بھری اور پھولا۔ پوچھا کیا اتنا بڑا؟

شہب صاحب کنویں کا مینڈک اپنے اندر ہوا بھر بھر کر پھاڑ پھٹ گیا۔

میں نے تو بے کر لی ہے۔ شہب صاحب اس دنیا کے اصول زرا لے ہیں۔ جو جانتا ہے۔ وہ

جانتا نہیں جو نہیں جانتا اسے کئے کا حق نہیں۔

شہب صاحب گھبرا گیا 'ہولا آپ مجھے نہیں

میں نے کہا شہب صاحب اتنے سب مل ہو گئے ہیں۔ میں بھی سمجھا بھی تھا کیا۔

سکر کے قاضی صاحب

کئے گا، ہم بھی آجکل قاضی سے یار نہ لگائے بیٹھے ہیں۔

کون قاضی 'میں نے پوچھا۔

بولاً، سکر کا قاضی۔ تم نہیں جانتے سکر کے قاضی کو۔

میں نے سرنگنی میں بلا دیا۔

کئے گا، اسے تو مارا کشتن جانتا ہے۔ سیف الزبیا ہے۔

جو کہتا ہے حکم بن جاتا ہے۔ قاضی خداوند سے ہے۔ بڑا خداوند ہے۔ پتہ نہیں کس کی نظر

لگ گئی۔ کہتے ہیں شہلا باز خنڈر کو سلام کرنے گیا تھا۔

انہوں نے کھلے میں بٹھا دیا۔ بادش دھوپ سردی سب جرم کیا۔ پھر جب دھوم مچائی تو

لوگوں نے ایک مکان میں جا بیٹھا۔

اب ایک جھوم لگا رہتا ہے۔ ہم بھی باقاعدہ حاضری دیتے ہیں۔ ہم پر خاص نظر ممانیت ہے۔

رات کو جب آخری گاڑی کو سڑک کو آتی ہے تو ہم اجازت کی درخواست کرتے ہیں۔ جوب میں

دو فرماتے ہیں بیٹھے رہو۔ دو گھنٹے ٹھہرے رکھتے ہیں۔ گاڑی خیش پر کھڑی رہتی ہے۔

آپ کا انتظار کرتی ہے کیا۔

میں 'اس نے کہا، ہمیں کون جانتا ہے۔

تو پھر 'میں نے پوچھا۔

بس انجمن کی کوئی کل بگڑ جاتی ہے۔

مفتی جیل تھے قاضی سے ملائیں، محشر نے کہا۔

میں نے کہا، کبھی بھر سی۔ اس وقت مناسب نہیں۔

بولاً، کبھی ہات۔

کبھی بات میں سے محشر کے منہ پر نبوت بولا۔

مہذب کا ہم سن کر میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔

پرانی بات ہے شاید ۱۹۳۰ء کی۔

راجہ شفیق لال بادشاہ کا بڑا شیدائی تھا۔

ہیں وہ کوئٹہ کے گورنر کی نیگم ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ گورنر تو حکم چلا کر پھرتا ہے۔

وہ کہنے لگا، اس معاملے میں مابہولت کچھ نہیں کر سکتے۔ اس شر کا پچھ اس محترم کے

مشق میں سرشار ہے۔ اور علاقے کے بڑے بوڑھے محترم کے میاں کے گن گاتے ہیں۔

پہلے کچھ لوگ پھاڑوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ جب ہے یہ آئے ہیں۔ لوگوں نے پھاڑوں

سے اترنا شروع کر دیا ہے۔ دونوں ہی سم قاتل ہیں 'کیا میاں' کیا نیگم۔ میاں نے غلوں کو رام کرنا

اپنا رکھا ہے۔ نیگم نے جبکہ 'شر شر بچوں کی انگوٹیاں چلا رکھی ہیں۔ اور میاں اتنی بڑی اہلی

تحکم قلم قبیلہ چلا رکھی ہے۔

مفتی صاحب آپ تو بڑے اندامدہند ہیں۔ بھائی میرے مقام کو کچھ کر عشق لگایا کریں۔

محشر بھی کیا رہند بزرگ تھا۔ جب وہ اسلام آباد آیا تھا تو اس نے مجھے ڈانٹ لگائی۔ کہنے لگا، تو

تو اپنے محسن کا بیوہ لگنے میں یوں لگا ہے جیسے وہ مجرم ہو، نہ بھائی بیعت نہ لگایا کر۔

تو کیا کرول 'میں نے پوچھا۔

ہم ایک دیکھ دیتے ہیں تجھے۔ دن میں کسی وقت۔ ایک کوئے میں بیٹھ کر اپنے مرشد کو

ساتنے بٹھا لیا کر۔ تصور کے زور پر 'پھر ایک سو ایک مرتبہ یہ آیت پڑھا کر۔

کون سی آیت 'میں نے پوچھا۔

کہنے لگا یہ آیت۔

یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میری ہنسی نکل گئی۔

بولاً، خوش نہیں میں بے حد متحید ہوں۔

اس روز کوئٹہ میں بھی اس نے بڑی بیگمیدی سے کہا دیکھ مفتی۔ اگر تو کسی محترم پر عاشق

ہو جائے تو روز دوبار اس آیت کی ایک تہیہ کیا کر۔

ہوش اڑا دیتا ہے اک خاک کے چلوں کا جیل

خود وہ کیا ہو گا انہیں ہوش میں لائے وہ

UrduPhoto.com

لال بادشاہ مری کا ایک مہذب تھا۔ سارے علاقے میں اس کی دھوم مچ رہی تھی۔
وہ کھلے میں بیٹھا تھا۔ اس کے گرد سانکوں کی بیڑ لگی رہتی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ایک چھری ہوتی تھی۔

جس سانک پر وہ چھری چلائے۔ وہ سانک خوشی سے پھولے نہ سہا۔ کہتا کہ بس اب کام ہو گیا۔ کالیالی بنی کالیالی سارے علاقے میں مشہور تھا کہ جس خوش نصیب پر لال شاہ کی چھری چل گئی اس کی جملہ مشکلات آسان ہو گئیں۔

لال بادشاہ

پتہ نہیں کیسے راجہ نے عفت کو رشامند کر لیا کہ لال شاہ کی خدمت میں حاضری دیں۔ عفت نے شاہ کو بتایا۔ شاہ نے پوچھا کہ لال شاہ مہذب ہیں یا سانگ۔ راجہ نے کہا: پہلے وہ مہذب تھے۔ اب تو سانگ ہیں، سانکوں سے ملتے ہیں۔ ان کے دکھ درد سنتے ہیں۔ پوچھ چکھ کرتے ہیں۔

ہم نے لال شاہ کے ڈیرے پر جانے کا پروگرام بنالیا۔ مری سے آگے پتہ نہیں کون سی سڑک پر۔ راجہ یولا: بس یہاں گاڑی روک لیجیے کسی مناسب جگہ پر پارک کر دیجیے۔

ہم سڑک سے نیچے اتر گئے۔ کافی فاصلے سے گرنے کے بعد ایک کھامیدان نظر آیا۔ اس کے پرلے سرے پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک جانب لال شاہ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے سانک پانچواں قطاروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سانک باری باری شاہ صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اپنی مشکل بیان کرتے، ہم سب دھچکی قطار میں بیٹھ گئے۔

پھر ج میں نے غور سے لال شاہ کی طرف دیکھا تو خوف زدہ ہو گیا۔ ان کے چہرے پر نورانیت کی بجائے کٹی کٹی آنسو بھری تھی۔ اس آنسو نے چرو صبح کر دکھا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور ایک آنکھ میں پھولا تھا۔

پھر ج میں نے قدرت کی طرف دیکھا تو اس پر گہرا ہت ملاری تھی۔ رنگ بادی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور وہ ایک لمبے ترنگے سانک کے پیچھے دیک کر چمپا بیٹھا تھا۔ منہ روہل سے



کیوں تیرہت میں نے مدھم آواز میں پوچھا۔

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ پھر سر سے اشارہ کیا کہ میں جا رہا ہوں۔ آپ کچھ دیر کے بعد آجائیں۔

راجہ نے شاہ کو جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کی ہانہ پکڑ لی۔

کچھ دیر کے بعد جب میں پہاڑ کی لوٹ میں پہنچا تو دیکھا کہ قدرت ایک چتر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر وہی کیفیت ملاری تھی۔ سانس آکھڑا ہوا۔ رنگ زرد تھا، ارے یہ آپ کو کیا ہوا۔

کہنے لگا: انہوں نے ہمیں دیکھا تو نہیں۔

پتہ نہیں میں نے کیا گمان آپ خوف زدہ کیوں ہیں۔

یولا: اسے تو اپنا ہوش نہیں۔

اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔

یہ مہذب لوگ بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں سدھ بدھ نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں ان جانے میں کیا کردیں۔

کبھی کسی طاقت ور مہذب کے پاس نہیں جانا چاہیے۔

مہذویت

میں خود مہذویت سے بہت خائف تھا۔

بھائی جان نے ایک مرتبہ مجھے ہماری نگاہ اپنے چھوٹے بیٹے پر ڈالی تھی۔ وہ چار دن شرم میں

مہذویت کی حالت میں گھومتا پھرتا تھا۔

مجھے شعور تھا کہ مجھ میں مہذویت کا عنصر موجود ہے۔ اس لیے میں خائف رہتا کہ سامنے انڈیا، جس کا بھائی جان کی ایسی نظر نہ پڑ جائے کہ میں کپڑے بچا کر باہر نکل جاؤں۔

پھر مجھے ڈاک کے ذریعے ایک خط ملا۔ لکھا تھا: شرم سے مہذویت کا خطرہ ٹل گیا۔ خط میں نہ لکھتے واسلے کا نام پتہ درج تھا نہ شہر کا نام۔ لٹاٹے پر جو مرگی ہوئی تھی وہ پڑھی نہیں جاتی

مگر بیچ کر میں نے بڑی کوشش کی کہ یہ بات بھول جاؤں۔

سوچا محشر نے مذاق کیا ہے، اگرچہ محشر کا قاضی صاحب سے میل ملاپ ضرور ہے، لیکن محشر ان کا پکا نہیں ہے۔ اس لیے محشر کے اس اعلان کو ثابت دینا سراسر حماقت ہے۔

بیزسویرا

پھر اشفاق سے کوئٹہ کا ایک مشہور ہفت روزہ پرچہ بیزسویرا ہاتھ لگ گیا۔ یہ ایک خصوصی اشاعت تھی جس میں تمام تر مضامین قاضی صاحب سے جھٹکتے تھے۔

پرچہ پڑھ کر مجھ پر لاؤسر نو گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

کوئٹہ کے مشہور صحافی محمد جے شریف نے برطانوی اخباروں میں قاضی صاحب اور محشر کے باہمی تعلق کا وضاحت سے یوں اعلان کیا تھا۔

”قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں کوئٹہ میں ان کے عقیدت مندوں کو پانچابی کا شرف محشر صاحب قبلہ کے توسط سے حاصل ہوا تھا۔ گویا محشر صاحب قبلہ کوئٹہ میں ان کے ہاتھ کردہ نماز کے تھے۔ محشر صاحب اس وقت بھی صاحب محل تھے۔

جنہیں وہ مناسب سمجھتے تھے۔ قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے اور ان کے لیے دعا کی درخواست کرتے۔

قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچنے کی روایت لاہور ہفتہ وار اخبار ہذا کے محشر نمبر کے لئے انہوں نے اپنے مضمون میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اس لیے اس کا درجہ مناسب نہیں، قاضی صاحب نے مجھے اپنے حلقہ میں شامل کر لیا تھا اور اس کی اطلاع محشر صاحب کے ذریعے ہوئی۔ غالباً ۱۹۵۲ء کے لاہور میں مجھے محشر صاحب کے ساتھ قبلہ قاضی صاحب کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہونے کا موقع ملا، اس کے بعد مسلسل محشر صاحب قبلہ کے ساتھ اور کبھی محشر صاحب کی اہانت سے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اپنی ذاتی..... پریشانیوں اور مصائب سے بھٹکارے کے لیے ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہوتے رہے۔

یہ مضمون پڑھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ سیدہ عاقدرت کی طرف بھاگا۔ اسے میں نے سارا قصہ سنایا۔

میری بات سن کر وہ گھبرا گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا، پھر کہنے لگا، آپ کے پاس قاضی صاحب کی کوئی تصویر ہے۔

میں نے کہا، تصویر تو نہیں۔ البتہ بیزسویرا میں ان کا ایک چھپا ہوا ہے۔

وہ لے آئے، وہ بولا۔

میں پرچہ لے کر آیا تو وہ غور سے تصویر دیکھا، پھر کہنے لگا، یہ تو بہت طاقت ور مہذب ہیں۔ بہت طاقتور۔ یہ پرچہ ہمیں رہتے دیں۔ اس پر مجھے اطمینان ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب قدرت اور میں لاہور اشفاق کے ہاں نمبر لے گئے تو مجھے پتہ چلا کہ محشر لاہور آیا ہوا ہے۔ اور سعادت کے گھر گھسرا ہوا ہے۔

سعادت کے گھر کا پتہ لگا کر شاپ اور میں محشر کو ملے گئے۔

محشر کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ محشر نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔

ایک نجیف و نزار آدمی ظلی آنکھوں سے فضا کو گھور رہا تھا۔

شاپ کو دیکھ کر اس نے افسس کی کوشش کی۔ لاؤنگر لایا۔

وہ آدمیوں نے بڑھ کر اسے سارا دیا۔ اس کی ٹانگیں لاؤنگر ڈال رہی تھیں۔

محشر نے رخصت ہونے کے بعد جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو میں نے شاپ سے کہا، یہ وہ محشر نہیں تھا جسے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔

شاپ نے انہیں میں سر ہلایا۔ بولا، لگتا ہے مجھے رخصت ہوتے وقت قاضی صاحب نے اپنی کٹری میں ان کے سر پر دھری ہے۔ یہ اتنا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے۔

کچھ دیر کے بعد خبر آئی کہ محشر کو قلعہ ہو گیا ہے۔

وہ سال وہ چارابی پر بے حس و حرکت سمیڑی کے عالم میں پڑا رہا۔ پھر فوت ہو گیا۔



سید سرفراز شاہ



۵۶۔ ہومیوپیتھی
۵۷۔ چوٹا اور بڑی
۵۸۔ وفات
۵۹۔ کھنوں، رنگنوں

ہومیوپیتھی

سیانے کہتے ہیں یہ کائنات ایک گھنیرا میزابل ہے۔ گنا ہے جیسے کچھ فضیلتیں بھی گائیڈا
میزاکس ہوں جو چلتے چلتے ہے وجہ رخ بدل لیتی ہیں یا رگت بدل لیتی ہیں یا چال بدل لیتی ہیں۔
دنگی سے سرٹ ہو جاتی ہیں یا سرٹ سے پریا۔
میرا دوست مسود قہشی ہے۔ وہ بارہ سنگا قلد سنگ چلا آ تھا۔ بے وجہ اس کے سنگ
مکے اور وہ کیوڑ کی طرح غرغٹ غوں۔ غرغٹ غوں کرے لگے۔

ہمیری ماں نے مجھے ملی ماراں کے عالمی رفیع الدین کی خدمت میں بیعت کے لیے بھیجا تھا اور میں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا تو عالمی صاحب نے فرمایا تھا 'جاؤ والدہ صاحبہ سے کہہ دو کہ جس بات سے وہ خوف زدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی' واصل اڑے کی 'مذلیل ہو گی۔ پھر جب واصل چھٹ جائے گی تو انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں گے۔ رخ بدل جائے گا' سب ٹھیک ہو جائے گا اس وقت میں نے حسرت بھرا افسانہ لکھا تھا۔ ہونہ۔ اچھے لوگ' رخ۔
تقسیم سے بہت پہلے جب میں بی اے کا طالب علم تھا اور ہم لاہور میں شپ شپ لکھتے میں رہا کرتے تھے تو میں ایک ہومیو پیتھ سے حصارف ہوا تھا۔

ڈاکٹر ہومیو مسعود

جس گلی میں میں گوریوں سے ملے چلایا کرتا تھا وہاں ایک دکان میں ایک صاحب بیٹھے ہوتے تھے۔ میرے ہند ایک کتابیں پڑی ہوتیں۔ اناری میں ہند ایک شیشیں اور کرسی کے پاس ایک بیگ۔

ان کی شخصیت میں دو باتیں بڑی نمایاں تھیں 'اکساری' مجز اور خدمت۔ ایک روز میں نے مجھے ٹک سے پوچھا 'جو اسی گلی میں رہتے تھے کہ یہ کون صاحب ہیں کیا پتہ ہے۔

مجید ملک یو لا' یہ ڈاکٹر مسعود ہیں۔

میں نے کہا 'ڈاکٹر دیکھتے تو نہیں۔ ڈاکٹر تو سوچتے مردوز کر بیٹھے ہیں۔ یہ تو درویش نظر آتے ہیں۔

کننے لگا' یہ ہومیو ڈاکٹر ہیں۔

وہ کیا ہوتا ہے۔ ہومیو' میں نے پوچھا۔

کننے لگا' ہومیو یعنی ایک طریقہ علاج ہے۔ مجھے خود تو علم نہیں کہ میں ہومیو یعنی درویشانہ طریقہ علاج ہے۔

پھر تو ڈاکٹر مسعود بڑا موزوں معالج ہے' میں نے سوچا۔

ان دنوں میں نے ڈاکٹر مسعود کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ پہلے ہومیو پیتھ تھے۔ جنہوں نے



ڈاکٹر نفیس نفیس



ڈاکٹر نافیہ سید شہناز امراض خونیہ

ڈاکٹر نافیہ سید شہناز پیدائشیہ اور خونیہ

© 2007 Oneurdu.com

© 2007 Oneurdu.com

وہ چٹا بولا، میں نے تم سے تو اب جانا ہی ہے۔ آج نہیں تو کل۔ سمجھ لو ہم لڑکیاں۔ عذرا مہربان۔
 چٹے ہیں انتظار کر رہے ہیں کہ کب گاڑی آئے۔
 کہنے لگا آپ خود آکر رپورٹ کریں گے۔ -

meern

پوالہ سسٹم روحانی سسٹم معلوم ہوتا ہے۔

آپ کس بنا پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

© Oneurdu.com

ہو میو شمشکی کے اس الجاز کو دیکھ کر بھی مجھے ہو میو شمشکی کو جاننے کی خواہش

meern neurd.com

زندگی میں میں نے ہومیو پتھی کے پوسے پوسے مجھے دیکھے تھے، لیکن اس سسٹر کو جاننے کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی، لیکن اس چھوٹی سی بات نے میرے دل میں ہومیو پتھی کو جاننے کا جنون پیدا کر دیا۔ جن دنوں میں ہومیو پتھی پڑھ رہا تھا، اشفاق حسین کراچی سے اسلام آباد آیا۔ اشفاق حسین میرا پرانا یار تھا۔

اپنا اپنا محلہ

اگرچہ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہے تھے، لیکن اشفاق حسین سے میرا رابطہ نہیں ٹوٹا تھا۔ جب میں نیا نیا پنڈی آیا تھا تو اشفاق حسین کیسٹ پور کے کورسٹ کالج میں پیکچر اٹاس کی طبیعت میں وی ریلیٹی تھی، وی اینڈ پٹر تھا، وی پاؤں کی پھلجھوٹیں تھیں اور وی موسیقی کی نگین ان کے علاوہ وہ سپورٹس میں بن چکا تھا۔ کالج میں ٹینس کا بہترین کھلاڑی تھا۔ مگر میں

اشفاق حسین ایمن آباد کے شیون میں سے ہے۔ تقسیم کے بعد سارے شیخ کراچی چلے گئے تھے اور انہوں نے چند ایک سال میں کراچی کا انٹرموائٹل سے متعلقہ بزنس اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور وہ سب کچھ جیتی ہو گئے تھے۔

اشفاق حسین کو روپیہ جوڑنے سے نہیں بلکہ خرچ کرنے سے دلچسپی تھی اور جسے روپیہ جوڑنے سے دلچسپی نہ ہو وہ بزنس میں نہیں بن سکتا۔

نابا، وہ کراچی اس لیے چلا گیا کہ وہ پروفیسری میں مغلیہ ٹھانڈے سے نہیں رہ سکتا تھا اور مغلیہ ٹھانڈے سے زندگی بسر کرنا اس کی واحد آرزو تھی۔

بہر حال بزنس میں اس نے کئی پاپے دیئے روپیہ بھی کمایا۔ مگر اس کام میں اس کا جی نہ لگا۔ پھر اسے چھوٹا بخار رہنے لگا۔ آٹھ دس ماہ اس نے کراچی کے تمام ہیٹلسٹ چھان مارے،

meern

میں نے کہا 'بھتیاز ڈال دینا تو ہر حلیم کر لیا ہے۔
 بالکل 'قدرت بولا' عام باتوں میں بھتیاز ڈال دینا حکمت ہوتی ہے کہیں حکمت کے لئے۔
 میں بھتیاز ڈالنا فتح ہوتی ہے۔ بھتیاز ڈال دو اور جیت جاؤ، سبھی ہو جاؤ۔

قدرت اللہ کا یہی فلسفہ تھا جس پر وہ زندگی بھر محال رہا کہ بھتیاز ڈال دو۔ بچے دل سے
 بھتیاز ڈال دو۔ ہر جاؤ بچے دل سے ہر جاؤ۔ کوئی بحث کرے تو بولا "بحث نہ کرو" بات نہ بڑھاؤ۔

اس کی بات مان لو۔ کوئی الزام دھرے تو اسے حلیم کر لو اپنی پوزیشن صاف نہ کرو۔ مان جائے
 میں بڑا سکھ ہے اور سکھ جیت کا دوسرا نام ہے قدرت اللہ کہتا تھا 'دوسروں کو سکھ پہنچانے کے' تو
 آپ خود بخود سکھی ہو جاؤ۔ مفت میں۔

شدت

اس روز میں اشفاق احمد کے گھر میں بیٹھا تھا۔ اشفاق نے کہا 'بچے ایک چیز سنائوں۔
 میں نے کہا کیسی ہے۔
 بولا 'سن لے پتہ چل جائے گا۔

اشفاق نے ریڈیو پر ایک کیسٹ لگا دیا۔
 کوئی غصہ بول رہا تھا ارے 'کون ہے بول رہا ہے۔ کیسے بول رہا ہے۔ مدھم۔ بیٹھا کیا
 لے ہے۔ کیا انداز ہے۔ بات کلن سے سیدھی دل میں اتر رہی ہے۔

کون ہے یہ 'میں نے پتہ سے پوچھا۔
 بولی 'رجنیش۔

کون رجنیش۔ وہ جو امریکہ میں پڑھتا بیٹھا ہے۔ امریکی دھڑ دھڑا اس کے مرید بن رہے
 ہیں۔

دسی 'اشفاق بولا۔
 کیا وہ جو قری بیس کا قاتل ہے۔
 ہاں دسی۔

نہیں میں نہیں ہانتا۔ جیسی مغفرت میں اتنی مٹھاس اتنا تاڑ۔ رجنیش کے اس ٹاک کا
 موضوع شدت تھا۔

میں وہ کیسٹ سن رہا تھا ہر بار ہر بار سن رہا تھا اور میں نے زندگی میں پہلی بار جانتا کہ شدت
 قیامی عمل نہیں ہے۔

پھر مجھ پر رجنیش کے کیسٹ حاصل کرنے کا جنون طاری ہو گیا۔ اشفاق احمد نے اس سلسلے

قدرت کا فلسفہ نہ اشفاق حسین اپنا سکا تھا نہ میں۔ اشفاق حسین کے راستے میں میں مائل
 تھی۔ میرے راستے میں میری طبیعت شدت۔

بچپن سے ہی میں شدت کا مارا ہوا تھا۔ میری طبیعت شدت سے سبھی جالیں تھیں۔ 'جاؤ' اشفاق
 احمد 'کسی' میری بیوی 'قدرت۔ اگرچہ قدرت نے کبھی اس کا تہدار نہیں کیا تھا 'لیکن بات کہہ
 چکی رہتی ہے۔

قدرت نے میرے حلقے جو پستلا جملہ کھسا تھا اس میں ہی بات کھل گئی تھی۔ اس نے کہا تھا
 ممتاز ملتی کی دوستی ایک پھوڑا ہے جس کی ٹیٹوں میں لذت ہے۔

اس جملے کے مفہوم کو میں پورے طور پر نہیں سمجھا تھا۔ آج تک نہیں سمجھ پایا۔
 اللہ زندگی بھر میں شدت کو ایک وصف کہتا رہا میں سمجھتا تھا کہ اگر جذبہ شدت ہے تو
 شدت ایک خوبی ہے۔

ساری زندگی میں شدت کو انعام سمجھتا رہا 'ملاؤ کہ دو ایک بار قدرت نے برسمیل تذکرہ
 شدت کی خدمت کی تھی۔

ایک بار جب میں غفور صاحب کے جذبہ کے گمن کا رہا تھا تو قدرت نے کہا تھا 'لو لو لو'۔
 میں اس کو آواز نہیں۔

اشفاق احمد کی عادت ہے کہ وہ ایسی چیزیں سنبھال کر رکھتا ہے جو دوسروں کو حیران کر دیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایسی باتیں یا چیزیں عام کر دی جائیں۔ اس کے برعکس میری یہ عادت ہے کہ کوئی ایسی نئی چیز یا بات مجھے مل جائے تو میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہوں 'کو' 'آجہ' یہ دیکھو یہ کیا ہے۔ ہرمال میں نے بڑی مشکل سے رجنیش کے چند ایک کیسٹ حاصل کر لیے اور انہیں سننے لگا 'سنائے لگا۔

جب کبھی میں کیسٹ سن رہا ہوتا اور قدرت اللہ آجہا تو رجنیش کو سن کر اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر چھا جاتا تھا۔

بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس قدر محاسن بھری آواز 'مہم انداز اور دل میں اتر جانے والے بول۔ پھر ناگواری کیوں۔

ایک دن میں نے قدرت سے کہا۔ رجنیش نے مجھے اتنی بڑے حقیقت کا احساس دلایا ہے کہ شدت تھیری چیز نہیں ہے۔

ہاں 'وہ بولا' ساتھ ہی اس نے آپ کے جذبے میں مزید شدت پیدا کر دی ہے۔

چھوٹا اور بڑی

چھوٹا

السرور کے ساتھ میں کھلے لے گا۔ چھوٹے شرف کے درمیان ایسے ہوں محض، تو کیا تو ہی حضور ہوتا ہے چڑا سوں کو سلام کرنا اس کی پرانی عادت ہے۔ اصر کے ساتھ اس کا پر تو یا تو ہی حضور ہوتا ہے اور یا کچا کچا۔ ممانہ روی سے محروم ہے۔ جی حضور یا ہو تو سراسر جی صاحب! جناب دلی!!

یہ سر!!!

نئے اچھا سمجھ لے پھر اس کی ہر بات میں اچھا نظر آتی ہے۔ دقت یہ ہے کہ شے برا کچھے اس میں بھی اچھائیں نظر آتی ہیں۔ پھر اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ شے میں اچھا نہیں سمجھتا اس میں اچھائیں کیوں نظر آتی ہیں؟

شدت

ممتاز متقی میں شدت ہے۔ اس شدت کا قوم کچھ زیادہ ہی گاڑا ہے۔ ایک عالم کسی حکیم صاحب کی دکان پر گئے۔ پوچھا آپ کے پاس ”شعیر“ ہے؟ حکیم نے جواب دیا ”جناب! شعیر تو ہے پر آٹا گاڑا نہیں۔ ممتاز متقی کی شدت شمیم دلی شدت نہیں، شے والی شدت ہے۔ زندگی بھر وہ شدت کو وصف سمجھتا رہا اس پر باز کرتا رہا۔ لعل سے لعلوں سے الربک رہا۔ سمجھتا رہا کہ جس میں شدت ہے اس میں غلطی ہے، سچائی ہے۔ اسی سبب کا ہوا تو پہلی بار اس نے جانا کہ شدت وصف نہیں، صیب ہے، رکوت ہے اور لعل سے لعلوں کوکوں کے دم کرم سے زندگی ہری بھری ہے۔ یہ بات پہلے اس نے رجنش کے منہ سے سنی، جو جنس آزادی کا پر چارک ہے اور اسی وجہ سے رسوائے زمانہ ہے۔ رجنش کی زبان میں مخلص تھی، مگر ”خا“ تازہ قد۔ ممتاز متقی نے رجنش کی بات سنی، جان لی۔ دل سے سن لی، لیکن اسے ملامت

محض دروازہ ہوا کہ اس نے جان لیا تھا کہ غصہ در حقیقت دوسرے کی خطا پر خود کو سزا دینے کا نام ہے۔ خود کو چائی میں ڈال کر بلوٹنے کا عمل ہے۔ جان لینے کے باوجود، جان لینے کے باوجود آج تک خود کو چائی میں ڈال کر بلوٹنے پر مجبور ہے۔

اس کے غصے کے کراؤں مفرد ہیں۔ مثلاً آپ نے اسے کچھ کہہ دیا۔ جواب میں وہ جی ہاں! جی ہاں! کرتا رہا۔ مگر کراؤ بیٹھے بٹھے اسے خیال آیا کہ آپ نے تو یہ کہا تھا، یعنی آپ نے یہ کہہ کر اس کی توہین کی تھی۔ جواب میں اسے جی ہاں نہ کہنا چاہیے تھا۔ دقت اسے غصہ آ جانے کا، خون سر کی جانب پورش کرے گا، کپٹیاں بیٹھے گلیں گی، ذہن میں آگ لگ جائے گی، ذہنی دھچکا مشتق شروع ہو جائے گی۔

اسے کبھی موقع پر روہرو غصہ نہیں آیا۔ لہذا تو تو میں میں، نہیں ہوئی، ہاتھ پائی کی فورت نہیں آئی۔ اس کا غصہ کمزور اور زور پرک آوی کا غصہ ہے، بے بسی کا اظہار ہے۔ ہاں! اگر ذہنی دھچکا مشتق کے فوراً بعد آپ سامنے آ جائیں تو روہرو اظہار ہو جائے گا، شرک سے غصے کی برقت مکمل جائے گی۔

عورت

عورت کے متعلق ممتاز متقی کا رویہ کٹ مٹا ہے، جسے انگریزی میں لوبیت ریلیشن شپ Love Hate کہتے ہیں۔ متقی میں ایک ریڈار حس کا ریسور لگا ہوا ہے۔ قرب و جوار میں کوئی عورت آ جائے تو وہ تک تک کرنا شروع کر دیتا ہے اور اگر آنے والی باگی تار ہو تو ٹٹوں ٹٹوں کر لے لگتا ہے۔

ممتاز متقی کو ہر عورت سے عشق ہے، بلی لفظ رنگ اور غصہ غل۔ چنے سفید رنگ پر تو اس

کی کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر عالم ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ تعالیٰ دیکھ جائے تو اسے دیکھ گیا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟

اس غیر معزز روزے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پوزیشن حاصل نہیں جسے چھل رٹک کہا جاسکے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، کبھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پادوس کی بے حیائی کی بات پر بھی کچھ نہیں دھرا۔

گھر میں کسی کو لوب سے، خصوصاً اس کی تحریروں سے دلچسپی نہیں۔ بیوی کہتی ہے، تمہیں خود بخود جھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنی عاجت خراب کر رہے ہو؟ ایک انٹرویو میں کسی صحافی نے اس کی بیوی سے پوچھا، آپ کے میاں میں کوئی خوبی تو ہو گی جو آپ کو پسند ہے۔ جواب میں پیغم نے کہا، کوئی ہو تو بتائیں گا، کوئی ہے ہی نہیں۔

دراصل مفتی کو توجہ دینے کے لیے رقت نہیں ملتا اسے بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ کچھ ہانڈی روٹی کے لیے، کچھ لوب کے لیے۔ جو وقت بچتا ہے وہ ہومیو پتھی کھا جاتی ہے۔

اللہ میاں

اللہ میاں سے مفتی کے تعلقات ازلے بدلتے رہے ہیں۔ بچپن میں وہ اللہ سے خوف زدہ رہا، سمجھتا تھا کہ اللہ نے ایک بھٹی بنا رکھا ہے، ہاتھ میں سوٹا پکڑ رکھا ہے اور جو بھی آتا ہے اسے سوٹا مار کر بھٹی میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ لکھ کر وہ اللہ سے منکر ہو گیا، بلکہ اللہ کی بے لوثی کرنے میں لذت حاصل کرنے لگا۔ جب وہ پچاس سال کا ہوا تو ایک بزرگ نے اس پر رقت طاری کر دی۔ چا نہیں کیا ہوا۔ اس کا رخ بدل گیا۔ اللہ نے ڈال ڈال، پت پات میں اللہ نظر آنے لگا۔ آج کل وہ حیرت میں ڈوبا ہوا ہے کہ اللہ اس پر اس قدر مہربان کیوں ہے؟ قدم قدم پر اس کی مدد کیوں کرتا ہے؟

فرقت کے وقت وہ اللہ کو پاس بٹھا کر اس سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ کام کی باتیں نہیں، دوسرے کو رکھ کر گپ شپ: اللہ تجھے پتا ہے آج مجھے ایک لڑکی کا خدا ملا ہے۔ بڑی باگی لڑکی ہے۔ کھیتی ہے، جو تو اٹلی ہے تو میں بھی اٹلی ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ آج کل مفتی کی کتابوں میں اللہ

کی کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر عالم ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ تعالیٰ دیکھ جائے تو اسے دیکھ گیا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اسے بلوہتا رہے۔ اس کی فیئینسیسی شیخ بھلی کی طرح امید افزا یا خوش کن نہیں ہوتی۔ اس میں سختی ہوتی ہے۔ شرمندگی ہوتی ہے، جسنی ہوتی ہے۔ جسنی فیئینسیسی سے بچنے کے لیے اس نے شیخ جلیلت کا سارا لیا تھا، پہلے کر اینڈن سے سٹنی تک ہوائی جہاز چلا تا رہا، پھر دوسرے لوگوں میں ساری لکم۔ سی ایم کو آؤٹ کرتا رہا، پھر اس نے ایک ایسی شعلہ لکھو کر لی جو انٹی ری ایکٹروں کو جام کر دیتی تھی۔ اور وہ ہوائی جہاز پر سوار ہو کر دینا بھر کے انٹی ری ایکٹروں کو جام کرنے میں مصروف رہا۔

ممتاز مفتی اذلی طور پر اکیلا ہے۔ اکیلے دو جسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو جان بوجھ کر الٹرا، ایک رہتا پسند کرتے ہیں۔ محفل لگ جائے تو دوپٹے نہیں، تیرتے رہتے ہیں، دوسرے وہ جو محفل سے گھبراتے ہیں، کھڑتے ہیں۔ اکیلے میں سالم محسوس کرتے ہیں، محفل میں دوسرے۔ اگر آپ ممتاز مفتی کو ایک کمرے میں بند کر دیں، جہاں اس کی ضروریات سے لٹی دیں تو بے شک چھ مہینے کے بعد آکر دروازہ کھولیں، ممتاز مفتی یوں ہشاش بشاش بیٹھا ہو گا جیسے ابھی ابھی روز گارڈن کی سیر کر کے آیا ہو۔

اس نے زندگی بھر باقاعدہ ورزش کی ہے نہ سیر کی ہے۔ پچھلے دنوں واکنز نے کہا، آپ کو چاہیے کہ باقاعدگی سے ہر روز سیر کریں ورنہ آپ تیار ہو جائیں گے۔ مفتی نے کہا، واکنز صاحب! سوچ لیجیے کیونکہ میں نے زندگی بھر سیر نہیں کی۔ واکنز نے کہا، ضرور سیر کریں۔ مفتی نے دس دن سیر کی۔ مگر وہ تیار نہ کیا۔ دو مہینے پڑا رہا۔ ٹانگوں میں درد آج تک نہیں گیا۔ مفتی صمان نوازی سے بڑا اڑک رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ڈرامہ کوئی آندہ جائے، وہ صمان نوازی کیا کرے گا۔ وہ واکنز صمان سے چاہنے یا لٹنا، پتہ بھول جاتا ہے۔ صمان رخصت ہو جائے تو اسے یاد آئے گا کہ لوہا چاہے گا تو پتہ چھائی نہیں۔ لوگ انتظار کرتے ہیں کہ صمان آئے تو کھانا کھائیں۔ مفتی انتظار کرتا ہے کہ کب صمان جائے تو کھانا کھائے۔

مفتی نے عمر بھر کوٹھن کی ہے کہ اس کا بڑا لیا نہ ہو جو معزز لوگوں کا ہوتا ہے۔ مگر میں اس نے بھی خود کو بیٹھ آف جلی نہیں سمجھا۔ اسی وجہ سے اس کی تحریروں میں شوق ہے، بے تکلفی ہے، پھیر ہے۔ اس نے بھی خود سے خود کو اپنے میں نہیں دیکھا، جیسے آئینہ سامنے رکھے

کیوں خود لٹائی کر رہا ہے؟ محفل میں کوئی بات کروں تو کہتا ہے: کیوں زمانہ کی باتیں کرتا ہے؟
کھانے کو ناپسند کروں تو چلاتا ہے: شکرانہ شکر! اس کچیڑی مسلسل کتہ چینی کی وجہ سے مفتی
اپنی تحریروں میں جھوٹ میں بول سکتا مجبوری ہے۔

محبت

مفتی مفتی نے بڑی محبت کی ہیں لیکن بڑی دیر کے بعد اسے حقیقت کا شعور ہوا کہ
در اصل اسے محبت کرنے کے عمل یا کیفیت سے محبت تھی، محبوب سے نہیں۔ "بیتے ہوئے
تصور جانیں کیے ہوئے" کی کیفیت سے محبت تھی محبوب کی اہمیت تو تھی لیکن محض۔

اس کے محبوب میں چند اوصاف کا ہونا لازم ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ رنگ گورا ہو۔
خود غل اہم نہیں۔ عمر رسیدہ ہو۔ خیال ہو۔ نور سب سے اہم بات یہ کہ محبوب میں ہر بات کی
واضح شکایت یا دھونس موجود ہو۔ کسی نیک یا بدکار خاتون سے محبت نہیں لگا سکتے۔ آج کل
کی لڑکیاں اسے انجیل نہیں کرتیں۔ کہتا ہے: محبت لگانا ایک فن ہے۔ یہ کھلی مٹھی پکی لڑکیاں
بھلا کیا جانیں کہ محبت کیا ہے؟

مفتی کے نزدیک محبوب میں متنا کا ہونا ضروری ہے۔ متا بھرے لگاؤ کے ساتھ بے وفائی کی
دھونس کا ہونا بھی لازم ہے۔ اسے طوائف قسم کی عورت سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ نے دیکھا
ہو گا کہ اس کی کمائیوں میں طوائف کا بیادناڑہ ہوتا ہے۔

مفتی کا کہنا ہے کہ محبت میں چار مرحلوں سے گزرنا ضروری ہے: "دوست آپ کے کردار کی
تحقیق نہیں ہو گی۔"

۱۔ کسی سے ٹوٹ کر محبت کرنا۔

۲۔ کھیلانی لڑائی کے محبوب دل و جان سے جھینس لیتا ہے۔ تخت پر بٹھا کر مود چل کرے۔

۳۔ پھر لڑائی مار کر تخت کے نیچے گر ادے تحلیل کرے۔

۴۔ اور آخر میں آپ محبوب سے بے نیاز ہو جائیں۔ دم مندل ہو جائے "یوں جیسے کبھی لگا

ی نہ تھا۔

مفتی کے نزدیک کردار کی تحقیق کے لیے ان چاروں کیفیتوں سے گزرنا ضروری ہے۔

زبردستی آگھستا ہے۔ مفتی میں عقیدے کا فقدان ہے، عقیدت کی بھرمار ہے!
اللہ نہ کرے کہ مفتی کو آپ سے عقیدت ہو۔ ہو جائے تو آپ زنج ہو کر رہ جائیں گے۔
مفتی کو شکرگزاری کی بیماری لاحق ہے۔ قدرت اللہ شباب کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ وہ مفتی کی
عقیدت کا شکار ہے اور اس لیے مظلوم ہے۔

مفتی کو ویسے ہونے پر فخر نہیں ہے "بلکہ معذرت ہے۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ادب
بنے۔ اتفاق سے بن گیا۔ تلی گئی۔ پھر تلی کا ایسا چکا پڑا کہ آج تک گھسنے پر مجبور ہے۔

ادب

مفتی کو اردو نہیں آتی۔ اس نے کبھی اردو ادب کا مطالعہ نہیں کیا۔ جب اس نے لکھنا
شروع کیا تو اہل زبان بڑے غارخ ہوئے۔ انہوں نے شور مچا دیا: مفتی کو زبان نہیں آتی، بند
کرو! لکھنا بند کرو۔ وہ جھجکتے تھے۔ واقعی مفتی کو زبان نہیں آتی تھی۔ وہ کہتے رہے۔ مفتی لکھتا
رہا۔ اس نے کچھ کچھ کر اپنی زبان خود وضع کر لی۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مفتی کے لکھنے کا انداز
منفرد ہے تو اسے یقین نہیں آتا کیوں کہ اب بھی اسے زبان نہیں آتی۔

مفتی نے لکھ کر ادب پر کوئی احسان نہیں کیا، نہ ہی خدمت کی ہے۔ انادب نے مفتی پر
احسان کیا ہے کہ اسے اہمیت عطا کر دی۔ زندگی بے مصرف نہیں رہی۔ وہ سوچنے والے ادب کو
نہیں مانے۔ کہتا ہے: ادب ہنر ہے "سوچ نہیں۔ ادب کا مقصد انسان میں مثبت جذبہ پیدا کرنا
ہے۔ ہمدردیاں پیدا کرنا ہے۔ سوچ کو جذبے میں بھگو کر پیش کرنا ہے "اگر تحریر میں تاثر نہیں"
اگر وہ قاری میں جذبے کی بھیک نہیں پائیں کرتی تو بے کار ہے۔

کچیڑی

مفتی کا بیان ہے کہ اللہ نے مجھ میں ایک کچیڑی لگا رکھا ہے۔ چائیں "اسے اللہ کی دین
کھوں یا عذاب؟ اس کچیڑی نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ یہ کچیڑی میری ہر بات پر اپنے
کو منہ دیتا رہتا ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے بتا دیتے ہیں تو وہ جھج کر کہے گا:
کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ اگر میں کہوں کہ میں نے آپ کی اچھی کمائی کھلی ہے تو وہ بولے گا:

میں نے کہا: آج کل ہر جوان لڑکی کو ڈیڑھ پلٹن کے دورے پڑتے ہیں۔ جن کے حالات ناماز گار ہیں انہیں بھی۔ جن کے حالات سازگار ہیں۔ انہیں بھی۔ ایسا کیوں ہے۔
 کہنے لگی: ہاں۔ یہ بچ ہے، لیکن ایسا کیوں ہے، مجھے معلوم نہیں، جب وہ جانے لگی تو میں نے پریسٹیل بند کر پوچھا: وہ تمہاری ساتھی نہیں آئی۔ کیا نام ہے اس کا۔
 مجھے: وہ بولی: وہ شہزادی ہے۔ سن کی موزن ہے۔ پھر موڈ انگلی دکا کر لے گیا: پہلی مٹی۔
 یہ سن کر میری دل میں اب گرہ سی گئی۔ مجھ کے خلاف۔

دوا میں دعا

کچھ دنوں کے بعد مجھے آگئی۔ کہنے لگی: میری ماں آئی ہوئی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
 تیار ہے کیا میں نے پوچھا۔
 نہیں تو وہ بولی۔
 پھر مجھ سے ملنا کیوں چاہتی ہے۔
 بولی: مجھے معلوم نہیں۔ لیکن کبھی تھی ان سے وقت لے کر۔
 میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا: لڑکی میں کیا یہاں کا اپنی کشتیوں کو لے کے لیے وقت لیتا پڑتا ہے۔

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی: لیکن اکیلے میں ملنا چاہتی ہے۔

ان دنوں میرے پاس لڑکیاں اور خواتین اکثر آیا کرتی تھیں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ مروکی نسبت عورت زیادہ تیار پڑتی ہے۔ مرو تیار ہو جائے تو وہ بے کار ہو کر پڑ جاتا ہے۔ عورت تیار ہونے کے باوجود کام کاج میں لگی رہتی ہے۔ قدرت نے اسے درگاہ صحت عطا کر رکھی ہے۔ وہ تیار کے ساتھ جینے کی ہمت رکھتی ہے۔

لیکن یہ اکیلے میں لے کر بات میری سمجھ میں نہ آئی۔

میں نے کہا: آپ کمال رہتی ہیں۔

بولی: آپ پارہ کے ایک کواڑ میں۔ اس نے پورا پتہ دے دیا۔

محبت میں ممتاز مفتی بہت کمینہ ہے۔ فراخ دل نہیں۔ اس کی محبت میں ملکیت کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اپنی لانا کی وجہ سے وہ خواہی اور پردگی کے عمل سے محروم ہے، اس لیے وہ شک و شبہ کا شکار رہتا ہے۔ محبوب کے غیب کے اثر گہرا رہتا ہے۔ شاید محبت کرنے سے اس کا مقصد یہی ہو کہ محبوب کے غیب کے لوح سے ہونے کا مجھے دل پر چوٹ لگتی رہے۔
 ترہن جاری رہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ درد حد سے بڑھ جائے تو لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ شاید مفتی شک و شبہات اس لیے پاتا ہے کہ درد کی لذت حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

مفتی کو تقاضا سے شدید نفرت ہے سینٹ اسرو Self Assertive خود پسند لوگوں سے وہ الریک ہے۔ اپنے لوگوں سے حتی الوسع دور رہتا ہے۔ کتا ہے: اپنے اپنے ایلے نہ ہو کہ دوسرے کیلے نظر آئیں۔ اپنا گھونسل اٹھا تو چھان نہ بناؤ کہ دوسرے بالشتیہ نظر آئیں۔
 مفتی کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر قدرت اللہ شباب نے ڈالا۔ اسے سنڑی سے سختی بنا دیا اور حیرت کی بات ہے کہ تین سال کی رفاقت میں قدرت اللہ نے اسے کبھی نصیحت نہیں کی۔ کبھی نہیں کہا کہ یہ مت کرو۔

قدرت اللہ سے ملنے سے پہلے وہ کالی بولی رات تھا۔ اس سے ملنے کے بعد بھروسہ بن گیا۔

بڑی

ان دنوں میں حالت مندوں کو ہوس دو آئیں دیا کرتا تھا۔
 پریکٹس نہیں کرتا تھا۔ مفت دو دیتا تھا اور جب دو دیتا تو زیر لب کہتا: یا اللہ جس نے تو اپنا کام کر دیا اب تو جان اور حیرا کام۔

ایک روز دو لڑکیاں آ گئیں۔ ایک دہلی تھی۔ سوالی تھی: دوسری بھروسے جسم کی گوری۔
 دونوں ہی ڈیڑھ پلٹن کی ماری ہوئی تھیں۔ میں نے دوا دے دی اور وہ چلی گئیں۔

دس بارہ روز کے بعد پہلی دہلی پھر آئی۔ وہ کالج میں بیگنار تھی۔ میں نے اس سے کہا: مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا تو اس پر روشنی ڈال سکتی ہے۔

بولی: ہنس بات ہے۔

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوئی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جانتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا ہلکا بولا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
'اچھا' میں نے کہا 'میں آنکڑ آپ پارے جانا رہتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آچوں گا۔
اس روز میں نے غور سے مسجد کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر پتھر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
باد تار تھی۔

رزق بند

آپ بارہ سے واپس آکر میں نے شباب کو فون کیا 'میں نے کہا 'ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
پوچھا 'کون ہے۔
میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ میں نے کہا 'آپ وقت دے دیں۔ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔

بولا 'اچھا کل پہنچوں گا۔

قدرت اللہ کی عجیب عادت تھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو وہ اس کے بارے میں فوری فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ بات کل پر ٹل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بات دیکھ کر بغیر فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں دیکھ کر کرتا تھا۔

اگلے روز وہ خود میرے گھر آیا۔ کہنے لگا 'آپ فارغ ہیں تو میرے ساتھ چلیے۔ مجھے آپ پارے جانا ہے۔ کام ہے ایک۔ واپسی پر اس خاتون سے بھی مل لیں گے۔

میں نے کہا 'آپ کا وہاں مناسب نہیں ہے۔ میں اس خاتون کو میںیں لے آتا ہوں۔
بولا 'میں وہیں مل لیں گے۔

ہم خاتون کے گھر پہنچے تو گھر والے حیران رہ گئے۔
شباب پٹنلی پر بیٹھ گیا۔ میں باہر نکل آیا۔ تاکہ خاتون اکیلے میں بات کر سکے۔

واپس پر میں نے قدرت سے پوچھا کہ کیا کیس ہے۔

بولا 'اس کی مٹی کتنی ہے رزق بند ہے۔ افریقہ میں کسی خاتون نے جادو کر دیا ہے۔ مسجد اہم اسے انکس ہے' لیکن ایک سال سے نوکری کی تلاش میں ماری ماری بھر رہی ہے۔ نوکری

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوئی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جانتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا ہلکا بولا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
'اچھا' میں نے کہا 'میں آنکڑ آپ پارے جانا رہتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آچوں گا۔
اس روز میں نے غور سے مسجد کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر پتھر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
باد تار تھی۔

وہ آپ پارے کے ایک چھوٹے سے قلیٹ میں رہتے تھے۔ کمرے میں کوئی ساز و سامان نہ تھا۔ صرف ایک پٹنلی چھٹی ہوئی تھی۔ دوسرے کمرے میں چند برتن پڑے ہوئے تھے۔
گھر میں تین چار لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔

میں کشمیر تھی۔ بھیجی بھیجی سی۔ مٹا کے پھینٹے اڑ رہے تھے۔ میں پٹنلی پر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

میں بولی 'مفتی جی ہمیں دعا کی ضرورت نہیں ہم تو دعا کی محتاج ہیں۔ ہمیں کسی صاحب دعا کا پتہ بتائیے کہ کہہ کر وہ رک لگی۔

پھر بولی 'خانا ہے شباب صاحب دعا ہیں اور وہ آپ کے دوست ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چلے میری سفارش کر دیجیے۔

یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا اکیلے میں کہنے کی بات تھی۔ میرے پاس تو بہت سے سانس آیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں شباب صاحب سے ملو دیجیے۔

میں شباب کو فون کیا کہ آتا تھا کہ شباب صاحب اب تو آپ کی پرنکس میں لگی ہے۔ اب تو فیس لگا دیجیے چلیے آپ کو گوارا نہیں ہے تو مجھے ہی اجازت دیجیے کہ میں لانے کی فیس وصول کر لیا کروں۔

اس پر شباب ہنسا۔

ایک دن میں نے یہی بات دہرائی تو سیدھی سی بولی 'اگر واقعی آپ کو ضرورت ہے تو گا لیجیے فیس۔

وہ خدا حافظ گویا بندوبست کی گولی کی طرح میرے دل میں اتر گیا۔ ساری رات مجھ پر خدا حافظ کی چاند ماری ہوتی رہی۔

اگلے دن میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کتاب کھول تو سطروں کے پردے سے جھانک کر کوئی کستی خدا حافظ۔ کتنے جھٹستا تو خیالات منتشر ہو جاتے۔ ایسے گنگا جیسے میں خدا اہوں اور صبیحہ نے خود کو میری حفاظت میں دے دیا ہے۔

چاند ماری

دو ایک دن تو میں اس ذہنی کیفیت سے لڑتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیے۔ میں نے اشتقاق حسین کو فون کیا۔ میں نے کہا 'یار تو فارغ ہے کیا۔'

اس نے پوچھا 'کیا بات ہے۔'

میں نے کہا 'میں ایک لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں۔'

ہولا پھر۔

میں نے کہا 'تو مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے چل۔'

ہولا کہل۔

میں نے کہا 'یہ تو رشی میں۔'

یہ تو رشی میں پہنچ کر ہم نے آگیا لگایا۔ صبیحہ کو تلاش کیا اور پھر وہیں یہ تو رشی کے علاقے میں ہم تینوں ایک چمچ کے کنارے جا بیٹھے۔ اور کمرے پالی پر کنگریاں چلاتے رہے۔

اشتقاق حسین صبیحہ سے باتیں کرتا رہا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔

صبیحہ کے خدا وصال سوئے تھے۔ جسم بھاری تھا۔ وہ سنائی نخرے سے سرا سر غلی حق۔ لٹاؤشی نہ تھی۔ توجہ طلبی نہ تھی۔

ترت بھرت نہ تھی۔ اس قدر بے جھجک بات کرتی تھی جیسے لڑکی نہیں بلکہ لڑکا ہو۔ اس کی شخصیت کی تمام تر مٹاس اس کے طبعی شعور اور بے نیازی کی وجہ سے تھی۔

ہم اس چمچ کے کنارے ایک ذریعہ محنت بیٹھے رہے۔ دواغ ہوتے وقت اس نے خدا حافظ کی ایک اور گولی ڈالی۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو اشتقاق حسین کہنے لگا 'اچھی لڑکی ہے مگر بے

نہیں مل رہی۔ تو دس پھلتی نہیں ہیں۔ باپ بے تعلق ہوا بیٹھا ہے۔ مگر میں کمانے والی مرل صبیحہ تھی۔

خدا حافظ

آٹھ دس دن کے بعد صبیحہ پھر آگئی۔ کہنے لگی 'شباب نے کہا تھا کوئی بات ہو تو ملتی صاحب کے در پہ مجھے خبر کر دیتا۔'

میں نے کہا 'پھر۔'

ہولی 'شباب صاحب نے مجھے کچھ پڑھنے کو دیا تھا' لعل پوچھتی ہے۔ کیا میں بھی پڑھوں۔

میں نے کہا 'ٹھیک ہے میں پوچھ کر دتا ہوں گا۔'

ہولی ہم وہ فلیٹ چھوڑ رہے ہیں۔

کہاں 'میں نے پوچھا۔'

ہولی 'انورہ نہیں کر سکتے۔'

پھر کہل چلا گئے۔

کہنے لگی 'میں مندر حرا چلی جائے گی۔ وہاں ہمارا چھوٹا سا گھر ہے۔ ایسا ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ میری چھوٹی بہن یہ تو رشی میں فورجہ انٹر کی طالبہ ہے۔ ہوسل میں اسے ایک کمرہ ملا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس جا رہوں گی۔ اگر وہاں مجھے رہنے کی اجازت مل گئی تو۔'

ورنہ 'میں نے پوچھا۔'

ورنہ یہاں کسی لڑکیوں کے ہاٹل میں جگہ ڈھونڈ رہی گی۔

فلٹ کب چھوڑ رہی ہیں آپ۔

پرسوں 'وہ ہولی 'شباب تک۔'

میں نے قدرت سے بات کی۔

اس نے کہا 'ہاں ہاں میں بھی پڑھے۔' خبر کی کتاب کے بعد 'خاندہ نہ ہو۔' انہیں یہ اطلاع آج ہی

دے دیں۔ میں اسی روز اطلاع دینے چلا گیا۔

جب میں واپس آ رہا تھا تو صبیحہ نے فلٹ کے پردے سے جھانک کر کہل خدا حافظ۔

چند ہی دنوں میں مسیحہ نے گھروالوں کو رام کر لیا۔ وہ ان کے باورچی خانے میں جا کر برتن
انچھ دیتی۔ کھانوں کی صفائی کر دیتی۔ بچوں کے ہوم ورک میں مدد کر دیتی۔

چند دنوں میں وہ اس گھر کی فردین بن گئی۔

اس کمرے میں مسیحہ صرف دو بیٹے رہی، پھر ایک مکان کا پورشن مل گیا۔ یہ پورشن مکان
سے بالکل الگ تھا۔

کردار کے لحاظ سے بتانا میں چھوٹا تھا اتنی ہی وہ بڑی تھی۔

پہلے چند دنوں میں ہی اس نے بات کھول دی تھی۔

کتنے گئی۔ آپ میں اتنی شدت کیوں ہے۔

میں نے کہا، شدت نہیں غلوں میں ہے۔

نہیں، اس نے جواب دیا، غلوں مدھم ہوتا ہے۔ کتنے گئی، پتہ نہیں کیوں مجھے ایسے لوگ
پہنچ نہیں، جن میں شدت ہو۔ مجھے لکھڑے تھے لوگ اچھے لگتے ہیں۔

پھر اس نے مجھے اپنی کھائی سنائی۔ کتنے گئی، میرا باپ ایک معمولی سی ملازمت کرتا تھا۔ پھر وہ
رنگار ہو گیا۔ اور اس نے ایک معمولی سی دکان کھول دی۔

تم تو بھائی بہن ہیں۔ گناہ سے میرے باپ کا بچہ پیدا کرنے کے علاوہ کوئی شغل نہ تھا۔

آنڈیل

بہر حال باپ میرا آنڈیل تھا اور میں اس کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔ اس کے دواڑے
نہارے لیتی رہتی۔ بچپن سے جوانی تک میری علانیں لڑائی جیسی تھیں۔ لڑکوں کے کھیل کھاتی۔

دروازوں پر پڑھتی۔ چنگ اڑاتی۔ مجھے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے دسویں پاس
کر لی تو باپ نے مجھے آگے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا دکان کی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ
مشکل سے پڑھائی روٹی چل سکتی ہے۔ اچھی تعلیم دینا میں انور نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا، 'میرے میری نہیں دے دیجیے باقی اخراجات پارے کرنے کے لیے میں
نوشن کروں گی۔

باپ نے انکار کر دیا۔

میں نے کہا، شاپ صاحب دعا کریں کہ میں فارغ ہو جاؤں۔

پار اور جیت

اسی شام میں قدرت اللہ کے گھر چلا گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس سے ساری بات کروں اور
کہوں کہ مجھے اس تجربے سے رہائی دلا دے۔

قدرت نے چھوٹے ہی مجھ سے پوچھا، اس لڑکی کا ٹیلی فون آیا تھا کیا۔

نہیں، میں نے سرنقی میں ہار دیا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا، 'دیکھئے، اس میں دونوں کا بھلا ہے۔ آپ کا بھی۔ اس لڑکی کا
بھی۔ آپ اسے سارا دیں۔ اس کی مدد کریں۔ اس کا دکھ مٹائیں۔ اس پر احسان نہ دھریں، بلکہ
خود کو اس کا احساس مند محسوس کریں، اس میں صرف دو خطرے ہیں۔ ایک تو خواہش یا اس
بچہ نہ مارے، وہ تو انشاء اللہ نہیں ہو گا۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ آپ اسے جیت لینے کی کوشش
کریں گے۔

محبت جیت نہیں، پار ہوتی ہے۔ پار مان لو۔ خود کو حوالے کر دو۔ اختیار ڈال دو۔

میں حیرت سے قدرت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں کیا کہنے آیا تھا اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔

ساری رات میں سوچتا رہا۔ مجھے شک پڑ رہا تھا کہ یہ خدا مخلوق کی گولی کیس قدرت اللہ نے
تو نہیں چلائی تھی۔ کیس وہ مجھے پار جانے کی تعلیم دے رہا تھا۔ آخر اس کا کیا مطلب تھا
کہ اس میں دونوں کا بھلا ہے۔ اس کا بھی میرا بھی۔ کیا یہ اللہ والے لوگ اتنے طاقت ور ہوتے
ہیں کہ دوسرے کے ذہن کو قس قس کر کے رکھ دیں۔

اگلے روز مسیحہ کا فون آنکھ لگنے لگی، ایف بی سی میں مجھے ایک چھوٹا سا کرا مل گیا ہے۔

وہ کرا ایک رستے تھے گھر میں واقع تھا۔ باپ اپنا بیڑا مگر کے تھے۔ دونوں بڑے مخلص اور

جنا کش تھے۔ بچے لہو جوں تھے۔ صبح سے دو بجے تک مسیحہ نوکری کی تلاش میں بسوں پر اور پیدل

جوتے چلتا تھا۔ دو بجے میں بیچ جا کہ مجرموں کی طرح دروازہ بھاگتا۔

دو گھنٹے ہم اس چھوٹے سے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ کمرے کا دروازہ ہم باہر

کھلا رکھتے۔ وہ مجھے بتاتی کہ دن بھر وہ کہاں کہاں نوکری کی تلاش میں گھومتی رہی۔

پھر رات کے وقت میرے گھر سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسے لگتا جیسے کوئی ٹل رہا ہو۔ دروازے آپ ہی آپ کھل جاتے۔ کوئی کہتا: بھاگ جاؤ ورنہ۔

میں نے ایک افریقی بڑھیا سے کہا: بی بی اگر تو میرے گھر میں میرے ساتھ آ رہے تو میں تجھے الگ کمرائیوں میں لے کر رکھوا دوں گی۔

وہ عورت صرف ایک رات میرے گھر میں رہی اگلے روز ہاتھ جوڑ کر بولی: نہ بی بی اس گھر پر تو کسی نے کالا چادو کر دیا ہے۔ یہ بد رو میں تجھے چھوڑیں گی نہیں۔

اس پر میں اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ نرم فٹم کیے بغیر تو کبری چھوڑ کر پاکستان واپس آ گئی۔ یہاں آئی تو ماں مجھے دو ایک خانوں کے پاس لے گئی تھی، وہ کہتے ہیں اس لڑکی کا رزق بند ہے۔ تو کبری نہیں لے گئی، شادی نہیں ہو گئی۔

دیوانگی

اس کی کہانی سن کر مجھ پر اک پائل بن سوار ہو گیا۔ تو کبری کی تلاش میں سارا سارا دن اسے اپنے سکوتر پر بٹھا کر میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے دفنوں، پرائیویٹ کیمپوں، فارمن ایجینسیوں کے پتھر کاٹا رہا۔ لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ اس بڑے کھوسٹ کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک جوان لڑکی کو سمھانا پھرتا ہے۔

میرے گھر والے اس بات پر غلام تھے۔ میں نے اپنی بیوی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بچاڑا حلق میں ہے۔ لیکن اسے یقین نہ آیا۔ وہ بھی تھی اسے یہ حکایت تھی کہ اگر تعلق نہیں تو اتنی توجہ کیوں۔ میری بیٹیوں مند سے کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن وہ مجھ پر غناؤں تھیں۔

پھر بھی مجھے باپ سے بد روی تھی۔ میں نے سوچا کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر لوں تاکہ گھر چلانے میں لاپاکی مدد کر سکوں۔

پھر اتفاق سے مجھے اپنے باپ کے چیک بنٹس کا پتہ چل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے میں دیا تا سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک خود غرض ادارے پر جس میں فصل تھا۔ آئیڈیل پینا چور ہو گیا۔ ساتھ میرے بھی پر پٹھے اڑ گئے۔ بہتوں تیار پڑی رہی۔ پھر میرے دل میں ایک عزم جاگا کہ میں اپنی تعلیم از خود حاصل کر لوں گی۔

چھ سال قدم قدم پر مصیبتیں آنیں اور میں نے انہیں جھیل لیا۔ لیم اے کرنے کے بعد میں گورنمنٹ کالج میں پیکچرار ہو گئی۔ میں اپنے سارے بہن بھائیوں کو اپنے گھر لے آئی اور سب کو تعلیم اور ادب میں داخل کرا دیا۔ لاپا یہ دیکھ کر بالکل ہی کنارہ کش ہو گئے۔ بھائی بہنوں نے بے حس ہو کر بچاڑا دھوا ڈال دیا۔ وہ محفوزی اتنی بوجھل ہو گئی کہ میری کمرٹ ہو گئی۔

اتنا قرض چڑھ گیا کہ اگر بڑا ممکن نہ تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر افریقہ میں پیکچرار کی ایک نوکری قبول کر لی۔

افریقی جادو

افریقہ میں میں ایک مکان میں تن عمار رہتی تھی۔ خوف تو آتا تھا لیکن مجبوری تھی۔ پھر ایک روز میرے گھراک پاکستانی جوڑا آ گیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ

یہ نہ کرو۔ وہ نہ کرو۔ اس سے نہ ملو۔ ایسے نہ رہو۔ ویسے نہ رہو۔
 صبیحہ دعا اپنی مرضی کی ملک تھی۔ وہ بڑی خوددار تھی۔ وہ میرے روسیے پر خوش نہ تھی
 بلکہ وہ مجھ سے سخت تنگ آ چکی تھی۔ فرائضی غفلتوں نے کہا یہ تیرا دوست تو پاگل معلوم ہوا
 ہے۔

وہ بچ کبھی تھی میں پاگل ہو گیا تھا۔ تین سال یہ پاگل پن میرے سر پر سوار رہا۔ میری ان
 غرابشات تھیں 'ایک یہ کہ اس کا رزق کل جائے' دوسری یہ کہ اس کی شادی ہو جائے۔ میرا
 طرز عمل میں شدت کم ہونے کی بجائے دو چھ ہو چکی تھی۔

نیا جنم

ایک روز ہفتہ شنب کے سامنے ہفتہ بڑا کرکڑی ہو گئی۔ کئے گئی۔ اب بس کیجیے شب
 بھائی۔ مفتی کی تو پڑیاں لٹی گئی ہیں۔
 شنب نے کہا 'مجھے بھی ترس آئے گا ہے۔'

ان دنوں فرائضی غفلتوں کی سفارش پر ورلڈ ویک نے افریقہ میں تحقیق کرنے کے لیے ایک
 گروپ میں صبیحہ کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔ پھر وہ لندن چلی گئی تھی۔
 حلقوں کے جانے کے بعد خدا اکیلا رہ گیا تھا۔ یہ بتائی اس قدر تکلیف دہ تھی کہ میں
 قدرت کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا 'شاب صاحب' اللہ کے واسطے مجھے اس دعا کی ہے پھر کہ
 نکل لیجیے۔

قدرت بہت افسردہ تھا۔ غصہ تھا۔ میں نے دو تین بار اپنی درخواست دہرائی وہ بولا 'مفتی
 صاحب آپ نے ایک بہت اچھا موقع ضائع کر دیا۔
 مجھے اس کا احساس ہے شاب صاحب' میں نے جواب دیا۔

احساس ہے تو ایسا کیوں کیا۔

شاب صاحب میں گڑا ہوں۔ انی طور پر گڑا ہوں 'کیونکہ میں بن سکے احساس کے باوجود
 کوشش کے باوجود میں بن سکے مجھے پتہ ہے کہ میں ہار نہ مان سکا۔ اسے جیت لینے کی خواہش
 جنوں بن گئی۔ بے شک میں گردن ڈالتی ہوں' لیکن اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔

انتہاء کے بعد۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر حقارت کی محک تھی۔ بولا 'بیانیہ لٹی
 پٹی لٹی کو لے کر میں اپنے دفتر کے باؤل کو خراب نہیں کر سکتا۔ لپیٹ اسے گاٹر کیٹ پر کام دے
 سکتا ہوں۔

تکسی کی بات سن کر میرا دل ٹوٹ گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں صرف ایک فرد ایسا ہے جس کو
 مجھ پر احقر ہے۔

پھر میری ہار باری آگئی۔

وہ سب میرا مذاق اڑانے لگے۔

میرا بولا 'مفتی تو پاگل ہو گیا ہے کیا۔'

ہاں' میں نے جواب دیا۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔

اس عرض میں ایک گرل فرینڈ کو اعصابی سکڑ پڑے۔ پھر تپے تپتے بدلتی گاڑ میں سے کیا
 مسعود نے کہا نہیں' میں نے جواب دیا 'مجھے بدلتی گاڑ میں سے ہے۔

ارے' اعلیٰ بولا 'تجھے شرم نہیں آتی۔'

نہیں آتی' میں نے کہا۔

اگر کسی نے شاب صاحب کو بتا دیا تو' مولو نے کہا

شاب صاحب' کون شاب صاحب' میں نے جواب دیا۔

انہوں نے کہہ کر سب چلانے لگے۔ گستا ہے۔ یہ مہذب ہو گیا ہے۔ انتہاء فٹہ شر
 پڑیاں کی ہار باریوں پر طاقت ہو گئی۔

اس اثناء میں ورلڈ ویک کی ایک فرائضی غفلتوں اسلام آباد میں ریسرچ کا کام کرنے کے لیے
 آگئی۔ اسے درود کی ضرورت تھی۔

صبیحہ کا کام دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ فرائضی غفلتوں نے صبیحہ کو اپنا نائب بنا لیا۔ وہ غفلتوں دو
 ایک مرتبہ مجھ سے کہی گئی۔ اس کی آمد پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا۔ انہیں چرچہ دانے بھرنے
 لگا۔

دراصل میں صبیحہ کا خدا بن بیٹا تھا۔ میں اسے اپنی حلقوں سمجھنے کا قند میں اس پر احکم
 چلا آ تھا۔

قدرت دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ اللہ کی خدمت میں مقیم کیجئے کہ وہ آپ کو اس جہنم سے بچالے۔

میں نے کہا گنہ گار آپ نے لڑھکایا تھا کیا اب آپ اسے روک نہیں سکتے۔
میری آپ کی غلط فہمی ہے۔ وہ بولا گنہ گار اسی نے لڑھکایا تھو ہی روک سکتا ہے۔
کیا آپ میری مدد نہیں کر سکتے؟ میں نے پوچھا۔
اس نے سر ہلکی میں ہلا دیا۔ بولا۔ آپ کو خود کچھ کرنا پڑے گا۔
کیا کرنا پڑے گا۔

اس کی منت کرنی پڑے گی، تڑا کرنا پڑے گا، توپ کرنی پڑے گی
کس طرح؟ میں نے پوچھا۔
کلام پڑھنی پڑے گی۔ یا اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ کو نکال دے۔
میں نے کہا شائب صاحب میں ایک ٹپاک آدمی ہوں۔ مجھ سے وعید نہیں پڑھا جائے گا۔
مجبوری ہے، وہ بولا۔

وہ دن میں ہوتا رہا۔ پھر میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ میں نے کہا شائب صاحب آپ جو
فرمائیں گے میں کروں گا اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجئے۔
دو مہینے میں جانا تھا خصوصی اوقات پر خصوصی مقام پر بیٹھ کر اللہ کے حضور منت مہارت کرتا
رہا کہ اسے اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ نکال دے۔

دو مہینے کے بعد ایک روز بیٹھ بیٹھ میں نے محسوس کیا جیسے میرے سر کا بوجھ اتر گیا ہو۔
میں ہلکا ہلکا ہو گیا جیسے میں نے نیا جنم لے لیا ہو۔ میں نے قدرت کو فون کیا۔ میں نے کہا مبارک
ہو۔
کہنے لگا، کس بات کی مبارک۔

میری رہی برکت کی مبارک شائب صاحب میں آزاد ہو گیا ہوں۔
بولا۔ آپ ایک بات کا وعدہ کیجئے۔ اب خدمت کرنی ہو گی۔ جہاں تک ہو سکے۔ احسان کے
بغیر، جتنا سے بغیر عمر بھر، اللہ خود کو اس کا احسان مند سمجھتا ہو گا۔

وفات

آخری ایام میں قدرت اللہ کے معمولات میں شائب نادر کا اثناء ہو گیا تھا۔
وہیں تو قدرت عرصہ دراز سے شائب نادر کچھ رہا تھا۔ وہ شائب نادر کے کئی ایک باب
الہی محفلوں میں پڑھ چکا تھا۔ خصوصاً سلسلہ میں۔

سلسلہ اور رابطہ

سلسلہ اسلام آباد کی ایک الہی عظیم حسی جو ارا جعفری نے شروع کی تھی۔ اس عظیم میں
زیادہ تر ارکان سول افسر اور ان کی بیگمات تھیں۔ اس عظیم کا مقصد عظیم الفرصہ الہاڑوں کو
الہی تعلقات کی جانب مائل کرنا تھا۔

ایک روز قدرت نے مجھ سے کہا اگر آپ قاری ہوں تو چلیے ایک الہی محفل میں ہو آئیں۔
کہیں ہو رہی ہے؟ میں نے پوچھا۔
اوا جعفری کے گھر۔

وہ لوگ جو ساز و صورتی رہی؟ میں نے پوچھا۔
قدرت نے سر ہلاتے میں ہلا دیا۔

پانچ چہ دونوں کے بعد ملاقات ہوئی تو کتنے لگاؤ یہ بتائے کہ میں آخری باب کا نام کیا رکھوں۔
میں نے کہا "شباب صاحب نہ میں اسلام سے واقفیت رکھتا ہوں نہ اردو زبان سے۔ آپ
کسی زبان ولس سے پوچھیے۔"

کئی ایک دن وہ آخری باب کا نام سوچتا رہا۔ لوگوں سے پوچھتا رہا۔ ہر ایک دن فون پر کئے
لگے مجھے نام مل گیا ہے۔ اس کی آواز سرت سے یوں چمک رہی تھی جیسے کسی بچے کو فہارہ مل گیا
ہو۔

میں نے پوچھا "کیا نام ملا۔"

یولا۔ چھوٹا منہ بڑی بات، کیسا ہے۔

میں نے کہا بے حد موزوں ہے۔

وہ کہیے "اس نے پوچھا۔"

میں نے کہا آپ نے خود کو پیشہ چھوٹا سمجھا، مانا اور اسلام کو پیشہ بڑی بات سمجھا۔

شباب نام کی کتاب مکمل کر کے سو دہ تاشر کے حوالے کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔

وفات سے چار ایک دن پہلے میں اتفاقاً "شباب" کے گھر گیا تو وہ ڈاکٹر ڈاننگ روم میں بیٹھا
تھا۔

اسے دیکھ کر میں چرچا۔ میں نے کہا "شباب صاحب یہ کیا ہو گیا۔ آپ ایک دم اس قدر
دلچسپ پتے ہو گئے ہیں۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔"

اس کی آنکھ میں قاتلانہ چمک لہرائی۔ یولا، مجھ پر دم کروا لیں وہ مٹی ہیں۔

کیا میں نے پوچھا۔

مجھے کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز کر دیا کیا ہے "اس نے فرما انہماک سے کہا۔

یہ ہماری آخری بات تھی۔

چونکہ پھر لوگ آگئے تھے بات کی وضاحت دیا ہو سکی۔

وفات

چوبیس جولائی کو شام کے پانچ بجے کے قریب منشا پور آمید کئے لگا، دہلیے میں آپ کو لینے

کیا ہوں۔

کہیں "میں نے پوچھا۔"

یولا، ایک ادبی محفل میں جانا ہے۔

میں نے کہا "منشا پور تھے پتہ ہے۔ میں ادبی محفلوں میں نہیں جاتا۔"

کتنے لگاؤ پتہ ہے لیکن اس محفل میں تو جانا ہو گا۔

میں نے کہا "وہ کس خوشی میں۔"

کتنے لگاؤ میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کو لاؤں گا۔

چلو بھی میں شہناہ تہسار وعدہ پورا ہو جائے۔ کاپے اپنا کپاڑا ہو جائے۔

یہ محفل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں تھی۔ ہاں بھرا ہوا تھا۔ افسر زیادہ تھے۔ ادیب کم

کہ۔ خلدہ حسین کے ساتھ شہناہ منجلی جاری تھی۔

دو ڈھائی گھنٹوں کے بعد جب میں واپس گھر پہنچا تو حسین نے کہا "شباب صاحب کو دل کا

دورہ پڑ گیا ہے۔"

میں نے اس خبر کو خاص اہمیت نہ دی۔ شباب کی زندگی میں دل کا دورہ تو عام سی بات

تھی۔ تیسویں پار سے دل کا دورہ پڑا تھا۔ جب بھی میں اس سے پوچھتا تو وہ کہتا۔ کوئی بات نہیں۔

شیشے کے برتن پر زیادہ دباؤ پڑ جائے تو خرچ جاتا ہے۔

آخری ایام میں ایلو تیشی کی کلاؤں کا کاری انکشن شروع ہو گیا تھا۔ اس نے لندن کے ڈاکٹر

سے رابطہ قائم کیا، اپنی کیفیت بیان کی اور اسے بتایا کہ میں آپ کی تجویز کردہ دوائیاں ہاتھ لگے سے

کھانا رہا ہوں۔ ڈاکٹر حیران رہ گیا۔ کہنے لگا "آپ اتنے برس سے مسلسل دوائیاں کھا رہے

ہیں۔ دوائیوں کا کاری انکشن ہوتا ہی تھا۔"

قدرت نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا "کیا ہو سیمو تیشی میں دل کی ایسی دوائیات ہیں جو ری انکشن

پیدا نہیں کرتیں۔"

میں نے کہا "جیتا" ہیں۔ لیکن دوا کھانے کا قاعدہ۔"

کیوں "اس نے پوچھا۔"

میں نے کہا "مجھے آپ کے دل پر ترس آتا ہے۔ ایک طرف آپ اس پر ضرب لگاتے

بکیت میں تھے، چلتے ہوئے لڑکھا رہے تھے۔ وہاں میں کھت تھی۔ گناہا پیسے پی کر آئے
ہوں۔ دھمت۔

رہتے ہیں۔ دوسری طرف اسے توفیق دینے کے لیے دوائیاں کھاتے ہیں۔

میں نے تین سو سے پچاس شاپ کو کب دور پڑا۔

بعد وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا ہے۔ اس کی باتوں میں صحت کا رنگ نہیں ہوتا۔ حکم نہیں ہوتا۔ دھونس نہیں ہوتی۔ اس کی بات میں منت ہوتی ہے۔ تڑا ہوتا ہے۔

جب میری بیوی کسی رشتہ دار کے خلاف شکایت کرتی ہے تو وہ میرے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھوس دیتا ہے کہتا ہے 'سنیے نہیں۔ لیکن یوں کہ بیگم کو احساس نہ ہو کہ سن نہیں رہے۔ ہاں ہاں کرتے رہتے ورنہ اسے دکھ ہو گا کہ میری بات پر توجہ نہیں دی۔

میرے دوست دانش ور بھی کبھی اپنے کالموں میں میرا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔

حال ہی میں ایک صاحب نے سرٹھی جمالی۔ سنو سنو جادو میں ندی ڈوب گئی۔ فرانیڈ کا بیوکار صوفی بن بیٹھا۔ اس پر مجھے بڑا فضا آ گیا کہ نہ تو اسے فرانیڈ کے مسموم کا علم ہے نہ صوفی کا مطلب جانتا ہے۔ میرے پاس بھی قلم ہے۔ میں بھی ————— قدرت نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ نہ "وہ یولا" اکتور ہم۔ ذیوالین ڈسٹرین۔

دودن میں اسے صوفے پر بیٹھے دیکھتا رہا۔

میں نے سوچا کہ میرا ذہن چل گیا ہے اور مجھے ویلیو سی نیشن ہونے لگے ہیں۔

چلو اچھا ہوا کہ ذہن چل گیا میں نے سوچا۔

یادداشتوں کی چاند باری سے بچنے کے لیے یہ ایک دفعہ کیے نہام ہے۔ انسان اپنے تھکا کے لیے کیا نہیں کرے گا۔

پھر وہ صوفے سے اٹھ کر میرے اندر آ بیٹھا۔

وہ کہتا ہے

جب بھی میری بیوی مجھ پر کوئی الزام دھرتی ہے اور وہ اکثر مجھ پر الزام دھرتی رہتی ہے۔

اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ اسے کہوں کہ بی بی میرا قصور نہیں ہے۔ ————— میں اس

میں کچھ کہہ میں سکے۔

اشفاق احمد نے کتاب اور مصنف کے حلقہ کی باتیں کیں اور پتہ میں کس مصلحت کے تحت آخری باب کا ذکر ہی نہ کیا۔

موتے کا ایک گواہ مخرب ہو گیا۔

میرزا یونس نے اپنی کتاب مرد ابراہیم میں قدرت اللہ پر عزت و احترام کے پہلو برمائے اور اس حقیقت کو بے غائب کیا کہ قدرت اللہ سے جس قدر قریبی تعلقات خان صاحب اور ان کے بچوں کے تھے اور کسی کے نہ تھے۔

میرزا یونس میں بازو قدس نے شباب ہائے کے آخری باب کے حوالے سے کچھ نہ لکھا۔
موتے کا ایک اور گواہ کسی مصلحت کے تحت مخرب ہو گیا۔————— میں اکیلا رہ گیا۔

اصحاب کشف

پھر مجھے خیال آیا کیوں تا کسی صاحب کشف بزرگ سے پوچھوں کہ الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

سب سے پہلے میں نے صدیق رانی سے پوچھا۔ میں نے کہا یا اگر قدرت اللہ سے حیرا رابطہ قائم ہے تو مجھے پوچھ کر تا کہ میں الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

چند روز کے بعد صدیق نے مجھ سے کہا کہ ہاں ہاں لکھیے، لکھنے میں کیا حرج ہے۔

صدیق کی بات میں دوسں میں تھا، خود احمدی نہ تھی۔ مجھے اس کی بات پر یقین نہ آیا۔

پھر میں نے ایک دو اور بزرگوں سے پوچھا۔ انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔

میں نے پھر صدیق سے پوچھا۔ میں نے کہا یا تو مجھے ڈرنا نہیں۔ اگر تو صاحب کشف ہے تو

مجھے صرف یہ پوچھ دے کیا الگہ عمری قدرت اللہ کے لیے آزرہ کی کاہت تو نہ ہو گی۔

چند روز کے بعد صدیق نے کہا کہ پہلی بار جب آپ نے پوچھا تھا تو ناخوشواری کا احساس ہوا تھا۔

اب میں ہول مطلب ہے، اب اجازت ہے۔

صدیق کی یہ بات بھی مجھے یقین نہ دلا سکی۔

کچھ چہیوں نے کہا کہ آخری باب قدرت اللہ شباب کی تحریر نہیں ہے۔ یہ باب ان کے چیلوں ہاتھوں نے تحقیق کر کے شباب ہائے میں شامل کر دیا ہے۔

اس سے پہلے بھی کچھ لوگ اپنے کالموں میں، میں سلسلہ شباب کے چار درویشوں کے طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس پر میں نے سوچا کہ مجھ پر لازم ہے کہ الگہ عمری کھوں اور لوگوں کو بتاؤں کہ یہ آخری باب کا درویش۔ ایک حقیقت تھا اور وہ قدرت اللہ کی تمام زندگی پر ملوی رہا تھا۔
آخر شباب ہائے میں آخری باب شامل نہ کیا جاتا تو میں الگہ عمری نہ لکھتا۔

کشف

بہر حال قدرت کی وفات کے بعد یہ کشف پھر سے جاری ہو گئی کہ کھوں یا نہ کھوں۔ میرے ذہن سے آواز آتی، "دیکھ مفتی الگہ عمری لکھنے سے حیرا متعد اپنی شخصیت کو بوست کرنا نہیں ہے۔ شباب کو بزرگ ثابت کرنا نہیں ہے، چونکہ شباب نے کبھی بزرگی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کے کردار کا بڑو اعظم تو عجز تھا۔ وہ خود کو الگہ عازز بندہ سمجھتا تھا اور حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ترین غلام۔ الگہ عمری میں قدرت اللہ کی تشریف کرنا مقصود نہیں ہے۔ تشریف تو صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ پھر تو الگہ عمری لکھنے سے کیوں چٹکاتا ہے۔

پھر دل سے آواز آتی شاید میری یہ تحریر قدرت اللہ کے لیے آزرہ کی کاہت ہو۔

نہیں میں چاہتا قدرت اللہ کی آزرہ مجھے گوارا نہیں، کسی قیت پر گوارا نہیں۔ میرے لیے قدرت اللہ کی گزند سے بڑھ کر کوئی چیز قابل حصول نہیں ہے۔

موقعہ کے گواہ

انہی دنوں ٹی وی نے شباب ہائے پر ایک پروگرام تشکیل دیا۔ اس پروگرام میں تین شرکاء تھے۔ جمیل الدین علانی، اشفاق احمد اور میں۔ یہ پروگرام شرکاء کے درمیان بات چیت پر مبنی نہ تھا۔ ہر شخص کو الگ الگ کتاب اور مصنف کے حلقہ کی اپنی رائے کا اظہار کرنا تھا۔ جمیل الدین علانی نے کتاب کی اولیٰ حیثیت اور قدرت اللہ کے کردار کی تشریف کی اور آخری باب کے مصنف کہا کہ میں شباب صاحب کے کردار کے اس پہلو سے واقف نہیں ہوں، لہذا اس بارے

محسوس ہوتا ہے جیسے ٹیپ کہ رہے ہوں۔ ہونچے یا لب' یا لاندہ ہو شیاء' عالی جناب' عالم دین
قدم رہنما فرما رہے ہیں۔

شلہ صاحب کو دیکھ کر میرا یقین ایمان کامل میں بدل گیا اور میں نے محسوس کیا جیسے میں ان
کی خدمت میں خود حاضر نہیں ہوا بلکہ بھیجا گیا ہوں۔

شلہ صاحب کا اسم گرامی سرفراز اسے شلہ ہے' وہ ایک معروف کھیتی میں اعلیٰ حد سے ہر فائز
ہیں۔ ان کے مرشد محترم سید یعقوب علی شلہ ہیں جن کا وصال ۳۰ اگست ۱۹۸۹ء کو ہوا' مزار
اندرس لاہور میں واقع ہے۔ ان کا سلسلہ چشتیہ' صابریہ' وارویہ ہے۔ اس سلسلے میں روحانے کے
مطابق خلافت سب سے کم عمر کے مرید کو عطا کی جاتی ہے۔

سید سرفراز شلہ کو خلافت ۱۹۸۸ء میں عطا ہوئی تھی۔ جب سے خدمت فلاح جاری ہے۔
پہلے میں ایک دن سوموار کو مغرب کی نماز کے بعد عبادت مندوں اور سالکوں سے بلا امتیاز اور بلا
الفرق و تفریق ملتے ہیں۔ مشورہ دیتے ہیں' دعا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر خانے کا رنگ سراسر
مستفود ہے۔

انہی دنوں پر اسٹریٹ گیٹلڈ کی وجہ سے میں تیار پڑ گیا۔

میں نے حسب معمول ہومیو پیتھی کا علاج شروع کر دیا۔

چند روز بعد آگے کے بعد لائق ہو جاؤ۔ پھر دورہ پڑ جاؤ۔

یہ دورہ سے بڑے تکلیف دہ تھے اور بار بار پڑتے تھے۔

میری بیٹی نقیض جو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے' اس نے کہا' ابو یہ ایک مکینیکل رکلوٹ
ہے' اسے کٹوائے بغیر چارہ نہیں۔ دو اکام نہیں کرے گی' آپ آپ یقین کروالیں۔

سرجن شمار

ایک روز دو بجے زبردستی ہسپتال لے گئی۔ پھر راتوں سرجن ڈاکٹر شمار سے ملوایا۔

ڈاکٹر شمار کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر نہیں لگتا تھا۔ اس میں روحانیت لہریں لے
رہی تھی۔ آنکھ بھری ہوئی تھی۔ لہریں اٹھ رہی تھیں۔ چیمپے اڑ رہے تھے۔

اگر ڈاکٹر شمار پھر راتوں سرجن نہ ہوتا تو شاید میں آپ یقین کروانے پر رضامند نہ ہوتا۔

ملتی صاحب تصوف یا روحانیت پر کتب آپ کے دسے قرض ہے اور قرض بٹا لو جائے اور
میں ہوتا۔ کتب لکھتے وقت احتیاط کیجئے گا کہ مبالغہ آرائی نہ ہوئے پاسے کہ اسی نے تعلیم یافتہ
ڈاکٹروں کو تصوف سے دور کر دیا۔ حالانکہ یہ شرع پر ۱۰۰ فی صد عمل و درآمد کی ایک راہ تھی۔ تاریخ
اس پر گواہ ہے۔ فقیروں نے کوئی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی تنہا لاکھوں کفار کو مسلمان
کر لیا۔ اس کے برعکس کوئی مولوی آج تک صرف ایک غیر مسلم کو مسلمان نہ کر سکا۔ اپنے تمام
تر وسائل کے باوجود۔ امید ہے آپ کی کتب تصوف یا روحانیت کے بارے میں اکثر شکوک کو
صاف کر دے گی اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔

امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگی۔ فائدہ کھاتے رہیں۔ پیغم صاحب کی طبیعت
کیسی ہے تحریر کیجئے گا۔

حیرت ہے آج آپ کو خط لکھتے وقت بجلی نہیں گئی ورنہ تو بیش آپ کو خط اندر میرے میں
ہی لکھا گیا۔ معلوم نہیں آپ کو کچھ میں آیا کہ نہیں یا آپ موت میں ہی برداشت کر گئے۔

والسلام

سرفراز

ہم میں سے

انہیں دیکھ کر میں سمجھا کہ یہ شلہ صاحب کے کوئی کارکن ہیں۔

اصل شلہ صاحب انہی شریف لائیں گے۔ سفید ریش ہوں گے' لمبا چنڈ نصب تن ہو گا'
انداز مزین سے بھر پور ہو گا' جیسے مروجہ عالم دین' بزرگ یا پھر فقیر ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے کہ ملنے کا نام' بزرگ اور پھر صاحبان کو دیکھ کر محسوس ہوتا
ہے' جیسے وہ ہم میں سے نہ ہوں' جیسے وہ کوئی غلبہ فلاح ہوں۔

شلہ صاحب کے پاس بیٹھ کر میں نے محسوس کیا جیسے وہ ہم میں سے تھے' جیسے میرے پاس
کوئی دوست یا ساجھی بیٹھا تھا۔ اس کے برعکس ملنے دین کا انداز کچھ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر

آپریشن ہوا تو مٹانے میں سوزو کا کینیڈا داخل ہو گئے جو چھپ جاتے ہیں۔ انفکشن ہو گئی۔ پیٹ میں سوزاں کر کے بھی لگا دی گئی جس سے چھٹاب براہ راست تھیلے میں خارج ہو جاتا تھا۔

ہسپتال میں میں تین مہینے پڑا رہا۔

ان دنوں مجھے صرف ایک فکر دامن گیر تھا کیا مجھے اگلے مگر کی عمل کرنے کی صلت ملے گی۔ مرنے کا خوف نہ تھا۔ مرنے کے لیے تو میں عمر دروازے چار بیٹھا ہوں۔ اللہ نے ایک مہر پر زندگی عطا کی۔ اتنی 'سچ' زندگی شاید ہی کسی کو عطا ہوئی ہو۔ صرف ایک خیال دامن گیر تھا کہ اگلے مگر کی اوجھری نہ رہ جائے۔

ڈاکٹر ثار دروازہ دروازہ پر آتے تو میں ان سے کتا ڈاکٹر میرے لیے دعا کرو۔ لوگ پوچھتے تھے کہ یہ کیا اسحق مریض ہے جو ڈاکٹر سے دوا کی بجائے دعا کی بات کر رہا ہے۔ ان دنوں سر فراز شاہ مجھے حوصلہ دیتے رہے۔ مجھے یقین دلانے لگے کہ اگلے مگر کی عمل ہو گی۔ انشاء اللہ بلکہ ابھی تو آپ کو ایک کڑیچہ لگتا ہے۔

اہل اہل

شاہ صاحب اور شریس کے علاوہ ڈاکٹر نقی اور ڈاکٹر اہل اہل جیلا میری صحت بہتر مانتے رہے۔ چھ سات سال گزرے مجھے ڈاک کے درمیان ایک کتاب موصول ہوئی۔ کمال کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب نہ تھی بلکہ کتاب گمے پرف تھے جن پر جلد پڑھا رکھی تھی۔ یہ کتاب کتابوں کا ایک مجموعہ تھی۔ ساتھ ایک خط تھا۔ کما قادم کہ مجھے کتاب اشاعت کے لیے بالکل تیار ہے لیکن یہ پیسے کی نہیں جب تک آپ اس کا نہ پاچے نہ لکھیں گے۔

یہ ایک انوکھا طرز تکلف تھا وہ خط نہیں تھا بلکہ ایک دعوت تھا لیکن اس دعوت سے پہلے میں نے سوچا یہ کون صاحب ہیں جو غلوں میں بھیگی ہوئی دعوتیں دے رہے ہیں۔

اور یہ تو ایک غلاب علم ہے۔ وہ بھی ایم لی بی ایس کا ایم لی بی ایس کے غلاب علم کو تو

سر کھانے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس شخص نے اتنی ساری کتابیں کیسے لکھ لیں اور پھر اس رسوخ کا یہ عالم کہ پیشاب بھی دھو بیٹھا۔ لیڈ۔ بیشتر پر اسے لکھنے والے کو بھی نہیں ملتا۔

کتابیں پڑھیں تو میں ہکا بکا رہ گیا۔ روایتی رنگ میں رنگی ہوئی اتنی چٹل۔ اتنی ہیکے۔ یہ بندہ ہے یا جن ہے اس جن کا نام اہل اہل تھا۔

پھر اہل اہل بتانے مجھے خط لکھنے شروع کر دیے۔ طویل خط اپنے تجربات مشاہدات آپ جیتے واقعات شرارتیں سمجھتیں سب لکھ۔

میں نے اہل اہل کو لکھا کہ آپ کے خط بے حد دلچسپ ہوتے ہیں پر اثر ہوتے ہیں لیکن نہ تو مجھے خط و کتابت کی عادت ہے اور نہ میرے پاس وقت ہے۔ لہذا آپ کو ایک ہاتھ کی تلی بھائی پڑے گی۔

ڈاکٹر بتانے لکھا کہ پھر دو ہفتے میں ہم ایک ہاتھ کی تلی بھائی کے جاویں ہیں۔ ڈاکٹر بتا کہ ایک ہاتھ کی تلی کے جواب میں اگرچہ میرا ہاتھ نہیں ہوتا تھا لیکن دل ضرور ہوتا تھا۔

یہ ایک ہاتھ کی تلی کئی ایک سال بھتی رہی۔ پھر ڈاکٹر بتا کہ اسلام آباد تھل ہائیڈ کوارٹرس ہو گیا۔ وہ دروازہ ہسپتال آتا تھا۔ پیشاب پر امید۔ مجھ سے کتا۔ ابھی تو آپ نے اگلے مگر کی عمل کئی ہے۔

تجربے کیسے پڑے کہ وہ عمل ہو جائے گی۔ مجھے پتہ ہے وہ جواب دیتا۔ میرے اندر کوئی یوٹا ہے۔ کتا ہے۔ مفتی سے کہہ دے یہ کتاب عمل ہو گی۔

پھر کسی کا لکھو بیہ جاگیر آجائے۔ جواب آئی پبلیشٹ ہے۔ ڈاکٹر جاگیر ایک سید۔ مسک فرمے۔ اس کی کسی پہ معلوم ست سے تار جڑی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اک پچھلی چٹائی رہتی ہے اور وہ اپنے مدھم ذریعہ انداز میں کتا ہے یو دل بی کل رائیٹ۔

شاہ صاحب۔ ڈاکٹر ثار۔ ڈاکٹر جاگیر۔ ڈاکٹر اہل اہل جیلا اور ڈاکٹر نقی ان سب نے میرے

دل میں ایسے کی کرن پگائے رکھی۔

اس کتب کی تکمیل شاہ صاحب کی مرہونِ منت ہے۔ وہ مسلسل میرا حوصلہ بڑھاتے

رہے۔

عرفِ آخر

آج میں عمر کے ۸۷ ویں سال میں ہوں۔ زندگی کی گماگمی سے گزر چکا ہوں۔ پلیٹ فارم پر بیٹھا انتظار کر رہا ہوں کہ کب گاڑی آئے اور میں سوار ہو کر رخصت ہو جاؤں۔

مجھے جتنی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں۔

میری زندگی میں دو چار باتیں حیران کن ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جب بھی میری زندگی میں کوئی مشکل مقام آیا تو اللہ نے ہاتھ بڑھا کر مجھے بچا لیا۔ ان دنوں میں ابھی جب میں اللہ کو نہیں جانتا تھا نہیں جانتا تھا اور ان دنوں میں بھی جب میں نے اسے جان لیا۔ مان لیا۔

ایسا کیوں ہوا۔ وہ مجھ پر اتنا مہربان کیوں تھا کیوں ہے۔ مجھ میں ایسا کوئی وصف نہ تھا نہ ہے۔

جس کی وجہ سے مجھ پر کرم فرمائیاں کی جاتیں۔ اللہ میں ایک گڑا ہوا بچہ تھا جیسی ہذات میں لست بہت لو جو ان قلم۔ میرا ذہن تھک و شہست سے بھرا ہوا قلم مغرب زدہ قلم۔

میں منہ زبانی مسلمان قلم میں نے اپنی ساری زندگی قلمور چوسنیبلٹی میں گزار دی۔ میں نے اپنی ہل کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔

مجھ میں کوئی بھی ایسا وصف نہ تھا جس کی وجہ سے مجھے نوازا جائے۔

دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ جوانی میں جب میں نے مجھے مل کے حلقی رفیع الدین کی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہا ہے۔ مجھے ان باتوں پر غصہ آتا تھا۔ کون بڑھائیوں انتظار کر رہا ہے۔ میں میں نہیں چاہوں
گاہ میں چاہوں کو نہیں مانگتا میں ایک آواز آئی ہوں جو چاہوں گا کروں گا۔
پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مجبوراً مجھے لاہور چھوڑ کر راولپنڈی آنا پڑا۔ سائیں اللہ بخش
اور خواجہ جان محمد بٹ دونوں بزرگ میرے شہر تھے۔ انہوں نے مجھ پر رقت طاری کر دی۔ پھر
میرا سفر بدل دیا۔ یہ ایک حیرت انگیز سفر تھا۔ تہذیبی حق۔ چاروں طرف مجھے اللہ ہی اللہ نظر آئے
لگا۔ مجھ پر اتنی بڑی کرم فرمائی کہیں کی گئی اب حیرت کے ساتھ ساتھ میرے دل میں شکر گزاری
کے جذبات پیدا ہو گئے۔ مجھے خواجہ جان محمد بٹ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ پھر بھی میں عقیدے
سے بے گناہ رہا۔

اس کے بعد میرا چلار کراچی ہو گیا۔ کراچی میں پہلی بار میں قدرت اللہ شہاب سے ملد
میں انی طور پر ایک چھوٹا آدمی ہوں۔ اس لیے بڑے افسروں سے ملنے سے الریک ہوں
لیکن قدرت اللہ شہاب کے مجراور وسعت قلب سے متاثر ہو کر میں اس کی چٹک چٹکا چٹا گیا۔
اس کے قریب گیا تو اس کے چند ایک اوصاف دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔
وہ بہت ذہین قلم قلم خود کو کسی شخص سے برتر نہیں سمجھتا قلم اس میں بلا کا مجر
قلم روا داری تھی۔ برداشت تھی۔ مہر تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی میں ایک بے اسرار عنصر ہے۔ اسے
بدایات موصول ہوتی ہیں وارنگ دی جاتی ہیں۔
پھر میں کئی سال اس پر اسرار حاضر کا کونج لگائے میں لگا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی ہے
اس کی کوئی حیثیت ہے۔ بزرگوں میں اس کا کوئی مقام ہے۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا ایک کالی ہے اور کسی خاص کام کو سرانجام دینے
کے لیے مقرر ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون سا کام ہے اور اس کا کیا پیش ہے۔
بہر حال میرا دل اس کے لیے جذبہ عقیدت سے سرشار ہو گیا۔ میرا ایمان ہے کہ میری تمام
تر زندگی کا سب سے بڑا مشاہدہ قدرت اللہ شہاب ہے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم
پر سب سے بڑا کرم کیا تو میں جواب دوں گا کہ سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اللہ نے مجھے
قدرت اللہ شہاب عطا کیا۔

خدمت میں بھیجا جو پیشہ تسلیم کرے بزرگ تھے۔ تو انہوں نے مزاح کر کے فرمایا کہ والدہ صاحبہ
نے کہہ دیجیے کہ جس بات سے وہ خوفزدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی۔ بڑی بدنامی ہوگی رسوائی ہوگی
تذلیل ہوگی یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا لیکن آخری عمر میں انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں
گے۔

مالی صاحب کی بات حرف بحرف سمجھ جاتی ہوئی۔ میری وجہ سے بڑی بدنامی ہوئی رسوائی
ہوئی تذلیل ہوئی اس دوران میں بھی ہر مشکل کے وقت اللہ نے مجھے چاہے بڑھاکر بٹھالیا۔
جب محلے دار اعلیٰوں اٹھائے مجھے تلاش کر رہے تھے تو دھنسا میرے منہ پر انگیریا کے
چھالے لگل آئے جو پھوٹ کر ڈھم گئے اور ایک جراثیم کے پکڑا جا کر میرے منہ پر قہقہ
دیا۔ میرا منہ کھلا ہو گیا۔ محلے دار کی بار میرے قریب سے گزر گئے وہ مجھے پہچان نہ سکے۔
مجھ پر چوری اور دھوکا دی کا مقدمہ چل رہا تھا۔ عدالت میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو میری
خفاقت دیکھ کر مجھے جاننا نہ تھا۔ جو جانتے تھے وہ میرے دشمن ہو رہے تھے۔ میں اس وقت ایک
قلمی دار پند نہیں کہیں سے آگیا۔ اس نے عدالت سے عرض کی کہ جناب میں اس کی خفاقت
دیتا ہوں۔

وکیل نے کہا تم اس کی خفاقت نہیں دے سکتے کیوں کہ تم قلمی دار ہو۔

قلمی دار نے اپنی جگہ انکار کر پڑا رکھ دی بولنا۔

عالی جلالہ اب تو میں خفاقت دے سکتا ہوں۔

وہ قلمی دار کون تھا مجھے علم نہیں۔ اس نے کیوں میری خاطر اپنی نوکری داؤ پر لگا دی۔

حیرت انگیز طریقوں سے اللہ نے مجھ پر کرم فرمائیں کیں۔

پھر تقسیم کے وقت جب میں پاکستان آ رہا تھا تو میں نے کسی عظیم کی ایک ایسے اتفاقات
ہوئے جن کی وجہ سے ہم سب خیریت سے پاکستان میں آ پہنچے۔ کیا وہ اتفاقات تھے۔ میں اس
سارے مثبت اتفاقات نہیں ہو سکتے۔ قدم قدم پر میری مدد ہوئی رہی۔ کیوں؟

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اللہ کو نہیں جانتا تھا۔ پھر بھی مجھ پر حیرت طاری رہی اس
اتفاقات۔ حتمی سے اسے مثبت اتفاقات یہ کیسے ہوا۔ کیوں ہوا۔

پھر سب مجھے کہتے رہے۔ اور چلا جا۔ جہاں جہاں پاؤں ہیں وہاں ایک بڑھالہ تھا اللہ کر



میرے دل میں اس کے لیے جذبہ عقیدت تھا، اس کے لیے باعث پریشانی تھا۔ وہ کتنا تھا۔
عقیدت اچھی چیز نہیں۔ عقیدہ پاؤ۔

مجھ میں جذباتیت تھی، شدت تھی۔ وہ ان دنوں خصوصیات کو "اُس کو ملی ٹیکنیشن" سمجھتا تھا۔

پھر ایک اور بات تھی اس پر بات چھپانا عام تھا۔ دبا "بھی وہ کہنے والا نہیں تھا اس کے
برعکس میں دبا "کہہ دینے پر مجبور تھا۔

مجھے شک پڑا تھا کہ میں اس کی آزمائش تھا۔ اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔

میں صرف آخری باب بچا ہے۔ باقی ۵ ابواب جھوٹ نہیں مگر جی بھی نہیں ہیں۔
 جب میں نے لیک لکھی تو دانش وروں نے کہا کہ مفتی نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ
 یہ ثابت کرے کہ قدرت اللہ شاپ ولی قہد
 عام طور پر ولی قہد افسر ہوتے ہیں۔ قدرت اللہ قہد افسر میں قہد اسے بیکر ٹیٹ سے
 قلع قہد
 قدرت اللہ کی وفات کے بعد اتفاقاً لاہور کے ایک بزرگ سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے
 میرا رابطہ پیدا ہوا۔
 محترمہ صفیہ شیریں صاحبہ وسیلہ بنیں اور میں نے محسوس کیا کہ میں خود شاہ صاحب کی
 خدمت میں حاضر نہیں ہوا بلکہ مجھے ان کی خدمت میں بھیجا گیا ہے۔
 قدرت اللہ شاپ کی کرم لوازیں وفات کے بعد بھی جاری و ساری ہیں۔
 جناب شاہ صاحب مجھ پر بہت مہربان ہیں 'حالا' کہ مجھ میں کوئی ایسا وصف نہیں کہ وہ مجھے
 قتل اعتنا سمجھیں۔
 شاہ صاحب بہت پیسے بزرگ ہیں۔ وہ صاحب کشف اور صاحب دعا ہیں اور جہاں تک
 میں سمجھتا ہوں ان کا مرجہ بہت بلند ہے۔
 صاحبزادہ میں داخل ہونے کے باوجود ایک بڑا خوش نصیب فرد ہوں۔ دعا فرمائیں کہ میرا انجام
 بخیر ہو۔



شاہزادہ قات میں الکوی کے جنابین ممتاز مفتی کو محمد حسین ریکل کی کتاب "حیات محمد مصطفیٰ ﷺ" پیش
 رہے ہیں درمیان میں افتخار عارف ڈی بی الکوی کھڑے ہیں، پیچ پر عزت ملک بیٹھے ہیں (1991)



ممتاز مفتی اپنے اہل خانہ کے ہمراہ (1991)

13. 6. 60

IV meern

..... /

آپ نے اپنے تبادلوں کا میں خوب کما ہے۔ کہ ہو گیا
میں لیا ہے اور نہیں ہو سکا۔ آپ علیہ السلام
کا اسب سے اب تو فیصلہ ہو گیا ہو لا۔ خدا
بہرہ کرے۔

شہاب اسب سے مری بنے گئے سو گئے۔ ورنہ
چن روز ہوئے تو ذرا آیا تھا کہ وہ ایک روز میں
جانے والے ہیں۔ ان پیاروں کو بھی دوسرے
پریشانی اٹھانا پڑی۔ میری بی اور بیاں میں
کی ہیں۔ ہم دونوں کا دنیاؤں کو آکر رہنے تو
علاج کرنا۔ اب بیاں جانے لگیں کہ دوسری
نہ اصل مقدمہ پورا ہو جائے۔ اور ہماری سہیلیاں
بھی دودھ ہو جائیں۔ شہاب جیسے نیک اور شریف
آدمی کو فواء عزا میرے ساتھ اتنا کہہ بیگنا
پڑا۔ پچھلے باقی خاندان کی پریشانی دیکھیں
سے۔ شادی کی تو بہوی بھی کوئی خوشی نہ
دے سکے۔ بہتہ نہیں آتے گناہ میں بھی سزا
مل رہی ہے۔ خدا صاف کرے۔

بہتہ نہیں لیا کیا کہ بی بیوں۔ بعض دفعہ
بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ مدد نہیں
آتا کہ آتا ہو گا۔ ان ارسالوں میں

بہتہ نہیں لیا کیا کہ بی بیوں۔ بعض دفعہ
بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ مدد نہیں
آتا کہ آتا ہو گا۔ ان ارسالوں میں

حیرت کیاں ہیں اب کا تو ہو گیا۔
برسان مال کی خدمت میں سدا۔
میاں جان کی خدمت میں بہتہ بہت۔ سلام
عزیز کر۔ چکا۔

درسد

علاج دعا
عقد

اسلام آباد آپ کو میرے تعلق نیکوئی دیکھنے لگا اور تم کو فرمایا
ہے کہ میں نے دہلی میں دعا کر دی ہے۔ تمہارے خوشگوار
نظر آئے ہیں اللہ کریم برکت فرمائی۔

سبب وجہ گرامی نامہ محمدہ مورفہ $\frac{12}{10}$ کے حصول محمد
نیچے دیکھنے والے ان کی خدمت میں مورفہ $\frac{12}{10}$ کا کوڑا سال کیا تھا
جو کہ غالباً ان کو مل گیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۰۰۰
اتوار کو لی ہو۔ کیونکہ ہمیں ہمشغول نامی ۱۰ سال
عال تھا۔ تو میں انہیں دوبارہ خدا کو دعا دیں۔

بچے کے تعلق سے بھی انہوں نے فرمایا تھا کہ وہی اصل
تیار ہی ہے کہ میں بھی اصل بچے کے بچے جاؤں یا نہ
میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سبوتا
آیات وہ پری ایہیں وجہ کے خوب میں حضور نے دوبار ان الفاظ
میں ارشاد فرمایا۔ اچھا اسے بھیج دو۔ بہت اچھا تم اسے
بھیج دو۔ ایک دفعہ حکم قبول کر کے میں ہوا ہوتا۔ خدا کی نافرمانی
نہیں ہاں یہ ہے تھا۔ نہ وہ خدمت میں ہی رہی تھی کہ نہ ہی ارادہ میں تھا

برادر ختم قید منی حبس

اسلام آباد۔ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا
مورفہ $\frac{12}{10}$ کو غالباً یہاں کوئی کام نہ تھا کہ وہ مورفہ $\frac{12}{10}$ سے $\frac{23}{10}$ کا
کہ نامی کوڑا بند رہنے کے سبب میں خوشاب اپنے گھر سے
آگیا گرامی نامہ اغلب باری غیر عافری میں یہاں پہنچا جو کوٹلی کا
گورنر نے عام ڈاک میں رکھ دیا۔ چند روز چلے میں نے جب
میں عام ڈاک دیکھا تو ان کی فوری نامہ بکروٹھی بھی
چوکی اور ان کوئی پر بھی نہ اگر یہ کوڑا بچے دقت پر رہیتے
تجربہ آپ کو جواب تحریر کر لیتا۔ حالات بالآخر بہت سخت تھے
میں۔

آپ جانچتے ہیں کہ میں کب تک رہا کہ وہ ہنسہ ران نہ ہوں



BOX MAIL

AEROGRAFF

1. 2000年1月1日，某企业所有者权益构成如下：实收资本1000万元，资本公积500万元，盈余公积300万元，未分配利润200万元。该企业2000年度实现净利润100万元，按10%提取法定盈余公积，按5%提取任意盈余公积。该企业2001年1月1日所有者权益总额为（ ）万元。



His Excellency Qudus Gullsh Shadad
Pakistan's Ambassador to
Holland - The Hague
Holland.

Harry M. Gorton Hail
4. Hailball 2 Road 1

1065

Unlabeled, 283

Phyllonotus *Phyllonotus* 1999

neern

تجربہ
۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء

قمری - ابو نعیم

آج آٹھ روزہ تاریخ بھی آگئی جس دن ہم پندرہ سے ذوالحجہ کو گئے۔
پھر کراچی میں آئے اور دوبارہ اور چلی جان لے کر رہے ہیں۔ الحمد للہ ابھی تک کوئی
اسودہ سے کچھ نہ اس کی طبیعت میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہے۔ البتہ تاریخ کی وجہ سے
کچھ ہی ہے۔ سوئے اس کے کہ بات چیت کے لئے مادیات کا ایک جہاں بھی جاتا ہے
بات چیت رہے! (دو روزوں کو) اسی تاریخ کو اعلیٰ مقام پر پہنچے اور پھر
شکست ہوئی اور وہیں ہی خیریتوں کا اتنا ارٹھن ہوا، اور...

اس کی ایک ایسی بات یاد ہے، تو ایسا ہی آپ کے پیار کا ایک
اور جھٹکا اڈھڑ گیا۔ آٹھ روزہ میں تو پھر ہی بہت دھماکا اور کچھ رنجیت کا
خوش ہو سکتا ہے۔ کہیں اور نظر سے گزرے، بھروسہ اور لگائیاں اٹھائیں
یہ کیا جھٹکا اڈھڑ گیا، ابھی نہ سنا ہے۔

پچھلے تجزیہ یہ شکایت تھی کہ جب بھی نماز روزہ، ورد
و غیر میں سستی ہے تو پھر ہی سستی پڑھائی اور ان کی پڑھائی میں ہی
تبعیہ اٹھانے ہوتا ہے۔ "مشتغف" ہوا کہ اس کی حقیقت یہ
کہ وہ اس کی ذرا ذرا نماز روزہ، ورد و غیر کا مقصد

نہ آٹھ روزہ کا رسول - دینی مقصد چھوڑ دینے میں اور ان کی پڑھائی میں
بات نہیں تھی۔ کہیں یا ان کی لغات اور کلام کی بدعت نے ہمیں اس کو
مجھنے سے روکا ہے۔

بیان کی لغات اور کلام کی بدعت ہی آٹھ روزہ کی تعلیمات
میں سے ایک غلط ہے۔ یہی ایک قبح آٹھ روزہ آئی۔ اسی غلطی کی خان
بے نیازی کے ساتھ ہم نے ان کا تہذیبی اور عارفانہ تہذیب
کہیں سنا ہے؟

پچھلے ایک برس میں یہ سب کچھ یاد رہا، نماز روزہ، ورد و غیر
سے متعلق رہا۔ کہیں نہ کوئی چھوڑا ڈھڑ، نہ کسی نے پڑھائی کرے۔
بالکل میں وہ تاریکی چھٹ رہی تھی جس میں چھوڑا پڑا رہا تھا۔ کہیں ظاہر
کی جس کو یہ دیکھ کر اندھا نظر آئے گی۔ وہ سب کچھ اس عام میں سرگرم
پر جائز و حلال ہے، اور آٹھ روزہ، حلال چاروں ایسی کا داروغہ، پھر کو
آئی ہے۔ اور آپ کے پیار کا یہ جھٹکا بھی اڈھڑ گیا۔

خط جانے ابھی تھا، اور کچھ باتیں ہیں، کہیں ترقی ہے اس
زمرے میں سیرت اور شادمانی کا کچھ اور ہی سنا ہے!

اب آدم پر مطلب :-

۱ - شہر کے متعلق آپ کے لکھا انتظار رہا۔ فی الحال اسے دیکھ رہے ہیں۔

۲ - دوسروں کے کامیابی اور دوسروں کے ذل پر مزہ بھی ہے :-

محمد اشرف خان
۷۶۴

قائد پولیس - باغ - آزاد کشمیر۔

۳ - کچھ عرصہ پہلے فرزند کا ذکر کیا تھا۔ چارپہر پانچ سو روپے کا مٹی کا گڑا
آپ نے بھی لیا تھا۔ اسکا رسید ملی یا نہیں ؟

۴ - موسم بہار کے آگے پاس شہر بہار کے علاقوں کا چوکا کر دیا گیا ہے
جس میں پانیس با آئینہ کو بے تکلف لکھیں۔ میں صرف اسی پانچ سو روپے
کرتا جا رہا ہوں کہ آج بھی (دیکھو کہ مسافت میں) تکلف
کام نہ لیتے (دیکھو کہ تکلف ایسا ہی جلد ہے)۔

مازیدہ

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

30/4

دیپ
۲۶ رات

مکرمی - اسلام علی

ابھی ابھی آپ کا چھٹا خط ملا۔ جس پر شاید غلطی سے پانچواں نمبر
لگا رہا ہے۔ اس کی تاثیر کی وجہ سے کل لکھا گیا ہے۔ اس میں غلطی ہو گئی
خدا خدا کہ آپ مشکل مقامی سے نکل آئیں۔ دعاؤں
نے پراساں کیا۔ آج کا دن اچھا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے
دعا سے مل جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی - بھائی جان اور ساسی صاحب
نہیں دعا کرتے ہیں۔

پروانہ خاں آسان جاتی ہیں۔ چھٹا ڈرون وغیرہ
آج آمیرش سے منسلک رہتی ہیں۔ اب دوسری بات ہے۔ اس
تو لکھی دیتی تھی۔ چھوٹی سی خاں۔ اس پر بھی غلطی ہو گئی
آج خدا کا شکر ہے کہ وہ جیت جاتی ہیں۔

آپ کے خطوط میں جو امور جواب طلب ہیں، ان کے
متعلق آج لکھا گیا۔

بھائی جان اور ساسی صاحب سے دعا کی درخواست میں دیر
نہیں۔

نیا رنگ
نور احمد

Let's Post
on 1.9.65

خط سے خبریں معلوم ہوئیں۔ معلوم ہئی یوں، مجموعی تاثر
میں ہلکی سی شہسوہہ، ہلکا سا ہوا۔ چند خبریں ہی ایسی تھیں۔

خبروات پھر بھی بدستور قائم رہتے ہیں۔ وانی سے کنارہ کش ہئی ہونا
چاہئے۔ اس کے ساتھ رابطہ جاری رکھنا چاہئے۔ نہ معلوم
کس وقت قلوب القلوب اس کی حالت بدل دے۔
۴۔ آئی ڈی ڈیٹا ڈیٹا کو ضرور پرتھان ہی ہوا ہوگا۔ اچھی دوسری
بات کا خضرہ ہئی ہے۔ ان کے اٹھانے میں درج ہے کہ ان کا عمل

یہ اہل عجب کو رحم دہندا ہے - مجاہدہ میری ہو تو شوق میں کو مایہ رہ
 جاتی ہے - شوق تیز ہو تو مجاہدہ کھڑو رہ جاتا ہے - ان دونوں

ان کا نام اچھا طرف ، اندر ہی اندر یہ احساسِ شکست
 و مایوسی دوسری طرف : اس تضاد اور خلیج میں

موجودہ ٹرویپ کام کرنا ہے۔ کام اچھا ہو رہا ہے۔ کیسے۔

عنادی اور فسادی عنصر بھی گھات میں لگے ہو رہے ہیں۔

اس لحاظ میں خبروں یا انوائسوں سے مطلع کرتے ہیں۔

4۔ میں اب ہمتی اپنے پردہ نام میں لکھا گیا ہے۔

پچھلے چھ ماہ گویا ہوا۔ tuning کا عرصہ تھا۔ اب

frequency اور wave-length

3.5 جن 1964

ترقی۔ السلام

دہلی کے بٹھائے اب امید ہے کچھ ساکن ہو چکے ہوں گے۔

ان کی ٹیبلت دے دیا گیا۔ زبرد اختیار کرتی ہے۔ کیسے۔

تقری - اسلام علیہ

دونوں خط مل گئے۔ بھائی جان کا ارشاد سن کر
دل مطمئن ہو گیا۔ ان لوگوں کی باتیں وہ توں ہی جانیں۔
ایسا کام تو قطعاً یہ ہے کہ جب تک بشارت نہ سن لیں
فکرتہ ہیں۔ جب سن لیں تو مطمئن ہو گئے بیٹھے جائیں۔
چنانچہ اب بیٹھے ہیں!
بھائی جان اور ساس کی کئی خدمت میں میرا سلام
عرض کرتے ہیں۔

۲۔ 5 جولائی کو مجھے لندن سے بلاوا آیا تھا۔ آٹھ
دن وہاں رہ کر پوسٹوں ہی واپس آیا ہوں۔ [بھائی جان
یعنی تو 5 جولائی ہی کو لوٹے تھے!]

لندن میں اچھی ملاقاتیں ہیں۔ دنیا کا
ہر موضوع زیر بحث آیا۔ کینن واپسی کی بات نہ
سمجھنے لگے اٹھائی نہ میں نے۔ دونوں کا انداز

6۔ دثوق سے کتنا تو محال ہے۔ کینن ذوقاً بھی
اندازہ لگتا ہے انشاء اللہ آٹھ سال ارض منورہ کی زیارت
نصیب ہوئی۔ تھام طویل ہوا یا مختصر، ہر صورت میں
آپ کی شرکت کا اہتمام بھی ضرور ہوتا۔ انشاء اللہ۔

7۔ بیڈی بخیریت پہنچ گئی ہے۔ اب اپنی والدہ کے پاس
برصی جا رہی ہے۔ غصت فریب ہے۔ اور آپ سب کو
سدم ملواتی ہے۔ تاقب لفظ خوش دھرم ہے۔
اکثر "معتی ما حب" اور "وہ ہے صبا" کو یاد
کرتا ہے۔

8۔ آپ کے خط اب دیر دیر سے آنے لگے ہیں۔
وجہ ضرور مصروفیت ہوئی۔ مصروفیت کا لحاظ بھی
لازم ہے۔ کینن تین منچے میں ایک فضا کی رفتار اور
قائم ہو جائے تو شاید زیادہ گزرا نہ ہو۔

9۔ تھارڈ بار میں
منیرہ جڑیں۔ کیا کوئی
ڈاکٹر بتا سکتا ہے کہ اس
کان کے لائسنس نمبر کا آئینہ

کے ساتھ اشتقاق اور تدریس کے متعلق آپ ہاگنے کا
موقع ملا۔

۵۔ راجہ صاحب، خان صاحب کو ہم سب کی طرف سے
بہت بہت سلام۔ اگر دانی صاحب بھی اپنے ذہن کی
غلام گردشوں سے نکل آئے تو ان کو بھی سلام۔
جو کچھ اچھا برا وہ محسوس کرتے رہے ہیں وہ محض
محض متخیلہ کا کچھ نکل ہے۔ علاج اس کا
اللہ کے لئے ہے۔

۶۔ غوث سلام کیلواتی ہے۔ مولوی صاحب بہ سحر
حق صاحب کو اور راجے صاحب کو یاد کرتے ہیں۔
دعائے خیر
خیر اللہ

کچھ ایسا تھا کہ ”مجھے کیا پڑی ہے کہ میں یہ ذکر پھیروں
تہمہ مرض ہو تو بولو۔“ چنانچہ دونوں اس موضوع پر
خاموش رہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ
ہے۔ آسم کو درخت پر لٹا رہے دیں، تو وہ سرد
نہم لٹا کر خود بخود موسم کے مطابق پلتا ہے۔ اگر اس
پرانی میں رکھیں، تو دوسروں کی مرضی کے مطابق پلتا
ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہو، کہ دونوں
ایک دوسرے کی پرانی سے محفوظ رہیں اور فقط اس
واحد ذات کی رضا کا انتظار کریں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ نقوش کا آپ جتنی خبر دیکھا۔ بہت اچھا ہوا
کہ میں کچھ نہ لکھ سکا۔ ورنہ آپ کے معنوں کا آخری
حصہ بے معنی ہو جاتا! اب ہم از ہم آپ کے معنوں
کی وجہ سے کچھ نہ لکھ سکتے تو قائم رہتے۔

۴۔ لندن میں جاوید، بی بی ملاقات ہوئی تھی۔ اس

بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں کچھ
 دوسروں کے لئے۔ کچھ دین کے لئے دعا کرتے ہیں کچھ دنیا کے
 لئے۔ یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ جائز، ضروری اور
 مؤثر ہیں۔ لیکن کچھ لوگ، خالصتاً، اپنے ہی حق جو
 محض اللہ کی رضا کے لئے اس کی عبارت کرتے ہیں۔ جب
 کسی تک یا دو میں دربارِ الہی کے لئے دعا کرتے ہیں، اس
 نوعیت کو کہتی ہے کہیں تباہی نہ ہو۔ دعا اور کوشش
 کوئی کہ پاکستان میں اپنے لوگ غصہ مہو نہ رہیں

۱۔ - نہرستان کے پتھر ٹھیک پش ہیں۔ - میں اٹھواڑی
منڈی میں بھی ایسا اور ایسا ٹھیک پش ہیں۔
ہمارے بچے ابھی آزمائش کا دور شروع ہوئے۔ - صہرہ
۱۔

۵۔ - بچے میرا خیال تھا کہ ۵۔۱۲۔۴۱ قعود رہا ۵۔۵۔۵۰
بوندہ کی اس سہولت کے درخوست دےں - ان دو
جگہوں نے تونی بھائی پتی جیسی بڑا اہم پارک
کھیلنے کے - ان مقامات پر تعمیر کو ایسی نیا د
پڑی چاہئے تو آئندہ بچے سہولت کے مشعل راہ اور

XII

v

 Springer

۲۰ اُخیر ۱۵

مختصری - المصمم

آپ کے پیاروں روئے بہ آبِ شامِ مے ۷ ستمبر
۱۲ ستمبر دے پیروں اور ۲۳ ستمبر اور ۲۵ اکتوبر
دے ملے۔ تاجر لکڑی تھی۔ غائب اب تک جوگی
کے آبِ شامِ مے ۷ ستمبر۔

۳۔ ایک سالہ ایمان پر جو قتل کیا
 ہے۔ وہ تمام شکریہ ہے اور تمام عبرت بھی۔ ہم
 تو بے جوئے جیسے مسلمان ہیں وہ تو ظالم ہیں۔ آپ
 پر عمل نہوائے ہمارے غامض ایمان کی دلچ رکھی
 آزمائش کے وقت جو خوار و ذلیل ہو جاتے ہیں وہ
 مستحق ہوتے ہیں عادتاً نیکی۔ اس لئے ان پر شائبہ
 چھاننا یا آنیدار کے لئے ان پر تکلیف کرنا مناسب نہیں
 اچلی جز تو تیار ہے۔ ان کے لئے عذر ایمان

UrduPoetry.com

۲۰۰۷-۲۰۰۸: افراز و درجۀ آلودگی

1084

UrduPhoto.com

آداب قبائلیہ سے قول عامہ کہ اس کے لیے قوی قعدہ مجبور
مکان یعنی کسی شخص کے لیے قوی قعدہ مجبور آپ خدا نایب میرے لیے
لیس کہ اس کا معنی ہے کہ میں اس کے بدلے - خوش و مبارک
وہ بہت نایب - معنی - خیر و برکت و توفیق و عطا و فضل ہے
خدا نایب آپ پر ہر نعم و فائدہ و نفع
خداوند

2
100
100

نمبر - اسرار علی

دو دنوں خط مل گئے۔ DFP میں بھیجے جانے کی تجویز رکھ کر
نقل ہے۔ "آپ فوراً" کا اسم رضوی سے بات کریں۔ کہ
ساتھ سال ہونے میں فقط ایک برس باقی ہے۔ ذاتی وجوہات
پر یہ عرصہ سب ترارے دیا جائے۔ میری طرف سے بھی
میں پیغام دے دوں۔ نیز رشید سے بھی میری طرف سے
کہیں کہ یہ پروپوزل ختم ہونا چاہیے۔ مزید کوائف سے
بر وقت مطلع کرتے رہیں۔ بابائے پاس بھی ہائے دہائی
پچاسی۔ اور اللہ پر امید رہیں۔ جو کچھ بھی ہوگا اسی
فی رضا سے ہوگا۔ تہہ بہر شرط ہے۔ تدبیر کا حجاب
پوش و قوفی الہی سمجھا جائے۔ ناکام ہوگی تو
بے شک تدبیر الہی ہے۔

۳۔ ساتھوں سال کے بعد کا پروگرام ابھی سے طے کرنا یہ ضرور ہے؟ انشاء اللہ ایسی ایسی باتیں نکلتی ہیں جن کا

۵۔ اگر یہ توقع پوری ہوئی کہ ہلال صبح مدینہ منورہ
جائزہ ہے، تو ان کی ایک نجی کی دلیل ہوئی۔
وہ دربار تو چھپے کھلا ہی رہا ہے۔ خواہ کوئی دین کے
دہن جائے یا دنیا کے لئے۔ البتہ حاضری شرط ہے۔
مقتعد دین ہو، تو خود بلا داتا ہے۔ ورنہ دھیل
دھکیل کر جانا یا بیچا نا پڑتا ہے۔ خدا کے اکابر
کی کوشش کا پیاب ہو۔

۶۔ پرنسپل کا یہ شیوہ نقل ہے کہ اسرائیلی ہڈیاں غنیمت جواز
میں رکھ کر بھڑکے۔ اس لئے کچھ اخباری بیانی بازی
کے کچھ ڈرائنگ ہے۔ اس سے نہ صرف پرنسپل
سلب مقام کا خوف ہے، بلکہ مقتعد کو چھٹس کے
پتو بھی ابھر سکتا ہے۔ طریقہ کی بلند کردہ۔ یا
بیسوں کے ساتھ گھن والی بات ایسے مواقع پر ہی منطبق
ہو سکتے۔ کتنی کی طبع ڈانڈے۔ ورنہ محض اشتراک ہے۔

۷۔ جہاں تک صلاحاتی انتخاب کا تعلق ہے، صدر ایوب
کی کامیابی نہایت اغلب ہے۔ یہ کامیابی ذاتی
زیادہ اور جماعتی کم ہوگی۔ جماعتی کامیابی کا مرحلہ

ہم جیسے بے بغور ہم دُعاں بھی نہیں رکھتے۔ انکا تعالے
اپنے بندوں سے اپنے وقت پر خود ہی کام لیا ہے۔

۳۔ وزیر کے لیا واقعہ ہوا؛ ذرا تفصیل لکھیں، تو ہم
بھی کچھ منرائیں۔

۴۔ ۱۹۶۵ء میں انشاء انکا ملاقات کی قوی امید ہے۔
ہو سکتا ہے کہ پہلے کسی وقت ہنسہ بھرے لئے چھٹی پر
آئیں۔ کہیں فی الحال کوئی امر طے نہیں ہے۔ صرف سال
طے ہو کر پتا ہے۔ پہلے آنا بھی احساس نہ تھا۔
رہا پسند یا بغضوں یا دنوں کا تعلق، یہ اپنے
بس کا بدل ملے ہے۔ آپ میس لیسٹ سے پٹری طلب
کو دیکھنے کی کوشش کریں تو کچھ بھی نظر نہ آ سکتا ہوئے
اس احساس کے کہ مال بد ڈپر کی ہے۔ بڑھوٹا خانہ کہ
پاس لٹھے جو نہ دھیں، تو اسے پٹکا۔ کوئی کتھا
چار سو گز دور ہے کوئی کتھا پانچ سو گز ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ تین سو یا چھ سو گز دور ہو۔ علی ہذا القیاس۔
فی الحال قلعہ پٹوہ ڈاک خانہ تک ہی رسائی سمجھئے !
تعمیر خاتمے کا پلن ابھی اپنی کتاب بندی کا ہے۔

اندیشہ میں۔ کہیں جو کہ بنیادی طور پر خبریہ دین غالب
ہوئی ہے، اس کے تحت اتفاقات کے حوادث کو
نظر انداز کرنا بھی غلطی کے خلاف ہے۔ اتفاقی حادثے
کا رد بار دنیا میں ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں، دین میں نہیں۔

دین کا دامن تمام لمحے سے تقدیر الٰہی بدل
ہو جاتی، جب اس کا محل بدل جاتا ہے۔ جسے
تزلزلہ نفس سے اخلاق طبع میں بدلتے، فقط ان
کا محل ہی بدلتا ہے۔ مثلاً بخل - تنزیہ کے بغیر
نفس پر جائز ناجائز صرف سے بچنا چاہتا ہے۔ کہیں
تزلزلہ کے بعد بعد وہ اسراف سے تو ضرور بچتا مگر
زکوٰۃ سے نہیں۔ چنانچہ بخل کی طبع تو رہی، کہیں
اس کا محل وقوع بدل گیا۔

اسی انداز سے دین، لاطینی، اتفاق،
حادثہ کے تعلق کو بھی سمجھ لیجئے۔

نہایت
نہایت
1095

ابھی باقی رہی ہے۔ اسی آزمائش صوبائی اور مرکزی
مجلسوں کے انتخابات کے وقت ہوئی۔ ضرورت تھی کہ
ہوئی کہ جسے الوب کی ذات ۲ جنوری کو کاغذ پر چھاپا
اصلی مفہوم یہ ہے کہ بعد ازاں ان کو اسمبلی کی بھی اس شکل
کی میسر آئی کہ وہ ملک کا کاروبار بغیر ان کے بغیر چلا
سکیں۔ امید ہے کہ ۲ جنوری کے بعد اہل حق اور اہل
تدبیر اس مسئلہ کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

۸۔ بچے خلیفہ میں نہ بدل جانے کے لیے میں حدوت
اتفاقات کا جو ذکر کیا تھا، دو مطلق فارمولہ
ہیں تھا۔ یعنی اوقات فراست کو مکاشفہ پر
توثیق ہوتی ہے۔ مکاشفہ میں علم غیب کے دعویٰ
کی کسی شکل ہوتی ہے جو عبدیت کے منافی ہے۔ اس کے
اس میں خلل اور محتاط نفس کا اعتبار میں زیادہ
ہے۔ خواہش عین بشری غصہ ہے۔ اس کے اس میں
بشری حدود کے اندر اندر غلطی کا امکان بھی بہت کم

ہے۔ فراست بشری کا تقاضا ہے کہ جس کی لاطینی
اس کی مجلس۔ اس حدوت تک مسئلہ بدل کر کوئی

فان حل نصرته ^{بالحق} فانه له اهل واهل الجاهل
 ولا فخر في الحق من الا ^{من} خير من الفضل ليس بالحق

قصيده

مقام ۳۳ - بکین روڈ -
 لاہور چاندنی
 ۱۷ فروری ۱۹۶۵ء

فان حل نصرته ^{بالحق} فانه له اهل واهل الجاهل
 ولا فخر في الحق من الا ^{من} خير من الفضل ليس بالحق
 وقد كان راي انك لا تملكها
 فامر معالي وصالك
 به اشقت هالند حسن بحد
 من المعسر المنة دامع
 دماك ليحقي بالمرآت بحد
 لدققت بين الحارثي كرها
 ودين الله في الدنيا
 ودين الله في الدنيا
 ودين الله في الدنيا



united nations educational, scientific and cultural organization
 organisation des nations unies pour l'éducation, la science et la culture

2

ہے اور ٹوٹے۔ کٹڑی کھ جائے کی طرح۔ بار بار

نے اور ڈٹے لگا۔ میرے تین جن میں میری

ٹی ٹی ٹی کو سڑک کے پتھر توڑنے والے مزدور ٹھاکہ
ٹھاکہ توڑتے تھے۔ جب میں چلتا تھا، تو داجی مجھے یوں کہتا تھا جیسے
کوئی کیم بازو ہیک یا ایک جسم (پابج) ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی

رہی ہے۔ اور یہ کہ اس نے اپنے آپ کو ایک نیا انسان بنایا ہے۔

پیارے تھماڑ - میں نے تباہوں کو بھگایا ہے۔

ایک ایسے ہی۔ جب میں اپنے اندر خوشبو پاتا تھا، تو ہم کے
ماتھے تلخ جیسے سڑا ہوا کڑھی ہوں۔ جب میں اپنے اندر بدبو

سودھتا تھا۔ لوٹ مجھے معطر کھتے تھے۔

دفعہ اس کی انتہائی نساہتوں کے لئے مجھے ملو، اور اس کی رضی ہوئے

کتاب لغتوں نے مجھے الزام دیا ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ
انجام کار اس نے مجھے دیا ہو۔ جو میں دعا کرتا ہوں۔ یا نہیں ہوں۔
عندہ دعا کر رہا ہے۔ اس سے اجنبی ہوں کہ کوئی بھی نہیں سکتی۔

عقدہ واقعہ بریٹ ہے۔ اس سے اچھی بری کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔



2012年12月15日

United Nations Educational, Scientific and Cultural Organization
 Organisation des Nations Unies pour l'éducation, la science et la culture
 - نس -

سازمان بهار -

اسلام تعلیم - وٹ مور سے میرا فعل کیا مرگا۔

وہ خط رسمی نہ تھا۔ واقعی سوراخ کے ذریعے میں نے اتنی فریادی بے وقار
میں صرف اپنی پیش کش کے ہی فرستے تھے۔ ان کے جواب میں رکھے۔ آپ نے

[illegible][illegible][illegible]



united nations educational, scientific and cultural organization
 united nations conference on the human environment

XVII

23.6.71

25

۷۱ - ۵۲، ۴۴

پیارے ممتاز: اس طرح علم

آپ کا نام ۲۵ مئی کا خط دیکھ کر دل میں مسکایا تھا۔ چند روز بعد میں آپ نے ایک
بریل میں لکھا کہ وہ نہیں جا رہے ہیں۔ اب پھر وہ واپس آئے گا تو یہ میری تمنا ہے۔

فہم لایہ شکر کہ میری نسبت یہ سچ میں سچ آیا تھا۔ ہم آپ کی دعا کی برکت سے
 آج دنوں کے محنت سے تیار ہیں۔ جس کی خوشی ہمیں آپ کی دعا سے حاصل ہے۔ اگلا
 شکر کہ جب یہ وہ عمر آئے، آپ کی شش ماہی میں رہیں گے۔ اسی
 دور دنیا میں آپ کی شش ماہی میں رہیں گے۔ لیکن جس کی شش ماہی میں رہیں گے۔ اسی
 جب تو آپ کی شش ماہی میں رہیں گے۔ اسی دور میں رہیں گے۔

[illegible]

چہ پہنچے جو کہ آیا مگر یہ نیکو صورت سے آج تار
آئی اس کی آمد ہسپتال میں جاری ہے جس سے ایسا بیٹھوں خبر تاروں کو کہ
وہ نہ مر چاہیے۔ جس نے نہ مر چاہی تار اسے ایسا بیٹھوں خبر بھی۔ اٹھ رہ

1101

اس شخص سے شک آکر ایک

[illegible]

برابر کی جلتی ہے۔! اچھوت دواؤں میں ہے۔ ایم پی۔ دہلی۔ دیکھ کر میں لڑتی۔

اب آیت آدمہ اعلیٰ منقذ بہ ہمارے ہوں - اس کے
سلسلہ اعلیٰ ذمہ منقذ - یہ خود عکس یعنی شریعت
چکے توجہ اب ہر کسی کے تہہ برد - اہم ہستی تک پہنچا ہوں -
درہ دہ روزی تہہ تہہ پتہ معلوم ہے - اچھا

مجھے بھی ہسپتال کے کمرے سے اسلٹ مارا گیا کچھ ایشیئم کی بیٹی تھیں۔

۱۰: میں: یا اخی، کیسے ہو؟

۱۱: پیاروں! تمہارے

میں: کیا چارے ہو؟

۱۲: کیسے؟

میں: عجب پیار ہو رہے؟

۱۳: لا علاج ہے، انا کہتا ہوں۔

میں: ہسپتال کے دیگر ڈیپارٹمنٹ؟

۱۴: انشاء اللہ کل یا پھر۔

میں: تمہارے ساتھ۔ تمہاری بیماری غیر متوقع ہے، اس کی وجہ سے تمہاری حالت خراب ہو سکتی ہے۔

۱۵: تمہارے کوئی چہرہ نہیں۔

میں: وہ کیسے؟

۱۶: کل یا پھر میں ہسپتال پر واپس آؤں گا، تو ان کے ساتھ آؤں گا۔

اپنے شاہیوں کا حساب کتاب کر رہا ہوں۔

یہ کام میں رو دیا۔ وہ سٹیفنوں پر قبضہ مارنے لگا۔

۱۷: میں: وہ ستر گیا۔

اسے کیسے کہیں ہو گا؟ اسے جیت مہر و احباب

کہیں اٹھا لیا گیا، وہ سواویں کا غائب ہوئی جو اس میں سوائے اس کے کہ اس کے

ایسٹریٹ پر چلے گا، اس کے ساتھ چلے گا، اس کے ساتھ چلے گا، اس کے ساتھ چلے گا

۱۸: اس کے لئے ارادہ ہے کہ اسے لکھا رہوں۔ چنانچہ

۱۹: اس کے لئے ارادہ ہے کہ اسے لکھا رہوں۔ چنانچہ

۲۰: اس کے لئے ارادہ ہے کہ اسے لکھا رہوں۔ چنانچہ

نوٹیفکیشن

۱۹۶۹ جولائی

مکرمی - اسلام آباد

توفیق میں مولانا رحمہ کے منار کی پیشانی پر ہفتی

کی یہ رباعی درج ہے:-

مانہ آواز آہر آن کہ ہستی باز آ

گر کا فرو گیر و بت ہستی باز آ

اے درگاہ ما درگاہ لومدی نیست

سوار ازل تو بہ شکتی باز آ

مولانا رحمہ بے شک عارف کامل تھے۔ لیذا انہوں نے جو

کچھ لکھا ہے سچ ہی پایا ہوگا۔ پھر ڈر کیسے کوتاہل کا ہے؟

میں پر بہت سے غریب الوطنوں کو شرق و لا کلام

پسند ہے۔ اس کے ارادہ ہے کہ اسے لکھا رہوں۔ چنانچہ

۲۱: اس کے لئے ارادہ ہے کہ اسے لکھا رہوں۔ چنانچہ

11-7-69

1. I have purposely delayed my reply for a few days to avoid the temptation of rushing into some wronging. It is quite easy to be extremely harsh and reasonable and objective about other people's love affairs. But it is different with those who are actually involved in it.

2. I am writing this after picturing myself in the same boat in which you happen to be sinking up and down in the strong ocean of desire.

3. This is quite a natural episode and it can happen to normal human beings alone. Remorse is good only if it does not become morbid. Morbid remorse can be much more debilitating than outright sin.

4. Sin is an affair between man, woman and God. If it gets committed without flourishing it as a virtue, and, if, later, it causes remorse in the innermost

کھود اپنا اور اگلے چوبیا والا مانتا رہا، اسے جیلے صحیح ہے۔ عقلی الب یہ ہے کہ رانی کو پرست سمجھ لیا جائے۔ ایسے قریب میں تھے چوبیا کو ٹہری بات ہے۔ پھر بھی نکل آئے تو بھیت ہے۔

حسنی، محبوب والی باتیں اور مائبہ مائے دل والی دوس
بسمیلا، فی الحال عالم خیال کا وہیم ہے۔ کیوں یہ بھی سچ ہے کہ اگر
صبر میں ثابت اور ایمان میں استقامت مجھے رہا تو برکتِ غیب سے
ایسے عجائب و غرائب نمودار ہو سکتے ہیں، جو اب دخیال فی
دسترس سے بھی ناممکن۔

آپ نے خدا کا شوق سے انتظار کیا ہے۔ پھر بھی
اٹھ قدم بھائی جان سے ملنے کے بعد ہی عین۔ عکس کا حال احوال بھی
کیوں۔ اس ذل کے بعد اس سے اٹھ قدم "ایلی" کے چلے
کی کیفیت تمہاری۔ عت اور شوقِ خوشی میں۔ سلام
پیارے دوستِ الہیہ۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

on both sides, also such that matrimony cannot but fall in the purview of para 5 where: Weighing in the scale of prudice adherence to para 4 in the oft repeated Commission of Sin will be far preferable to the ample consequences of para 5 emanating from marriage. At our age and maturity we ought to be able to abide by this simple arithmetical calculation.

7 I am emphasising against matrimony because this thought can spring at any time on the crest of desire, love, sex, compassion or just self-pity and maternal remorse. So be on the guard.

8 Please keep ~~me~~ informed at secret intervals write in symbols because there is no need for anybody else to know anything about it.

9 It is easy to enter the

vicissitudes of his conscience, then the whole thing can be left to his inscrutable mercy of God. In this context, it is good to take solace from Marlene Ruit's lines I had quoted in my previous letter:

آہ آہ پروردگار منہ پر آہ
 مرگم مرگم پر دہشت پر آہ
 ای دردمند ما دردمند
 سوار آہ تو بہ کشتی آہ

5. But once sex-kin descends to the level of violating human rights of people other than the man and woman involved, it becomes an offense against society, and, as such, culpable by Divine as well as social and penal laws. This must be avoided.

6. In my judgment, all thoughts and possibility of marriage must be fully and irreversibly averted Family circumstances

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

XX

۳۰

۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

محرمی - السلام علیہ

آپ کے دونوں خطوط مورخہ ۱۲ اور ۱۳

دسمبر آنچ آگئے تھے۔

۱۔ حج کے لئے درخواست دیدیں۔ انصاف

نام نکل آیا تو حج کا پاسپورٹ بھی آگئے تھے

تک اور فارن آپلیکیشن بھی۔ اس صورت میں آپ

کس ایسے سمجھ رہی ہیں جسے رد مانیں۔

۲۰ مارچ کے قریب جدہ پہنچاؤ۔ دعا

پر آگئے ہو جائیں گے۔

۳۔ اگر محرمی میں نام میں تعلق تو نہ ہو

آپ اپنا انٹر نیشنل پاسپورٹ بروڈن کر لیں

کہا رہیں۔ میں کام آئیگا۔ جب غالباً مارچ

آپلیکیشن نہ دلائیگی۔ نہ ہوگی۔ اس سے صرف

vention of God's grace — that it is
exceedingly difficult to fall out of it:
Final mortals may violate divine injunctions
a hundred times, but if it is not in
a spirit of wild defiance — there is
always hope. The faintest flicker of
healing fear or remorse in the unfathomable
depth of consciousness keeps him hope
alive. It is small things — like
white flickers — that swing the
pendulum of man's fate and
destiny. So be of good cheer.

9. I no longer insist that you
meet Bhai Jan immediately. Take your
own time. Meanwhile, write to me
quite frequently.

A

سی کوئی شے اپنے لئے اور آپ کے لئے بھی کر دے
 وہ ہیں۔ ہنگامے جب آپ کا قتل بن جائیگا
 تو اس پر ان کو کوئی شے ہو۔ یہ دت سے کچھ
 نہیں کر دے گا۔ اس کے بعد یہ دت سے
 آگیا رہیگا۔

۶۔ امریکی ایلیٹس نے بات کر کے کہیں
 کہ اپنے قتل پر کیا خرچ ہوگا۔ پاسپورٹ جب
 تیار ہو جائے تو اس پر لبنان، سعودی
 عرب، دیگرہ کے ایسے دیگر ایسے ہو جائے
 اور دیگر ملک کے بیسوں کے لئے ۷۰ ملین۔ اس
 میں چھبے مدد دیں۔

۷۔ ہم اپنا پروگرام اس قسم کا بنا رہے ہیں۔

۲۷ مارچ۔ ایسٹرم۔ یہ دت
 ۲۸ مارچ۔ یہ دت سے جدہ
 ۱۶ اپریل۔ جدہ سے یہ دت۔
 یہ دت سے ایسٹرم۔

یہ اس لئے کہ وہ سب سے آپ کو
 سفر کی اجازت دلا دے۔ بغیر آپ کے لئے۔
 آپ نے جو کچھ بھی ہے اس کے لئے اس کے
 exchange دیگرہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۸۔ آپ American Express والوں سے
 بات چیت شروع کریں کہ مندرجہ ذیل رستے کا ٹکٹ

بنوانا ہے:
 Karachi → Beirut
 Beirut → Jeddah
 Jeddah → Beirut
 Beirut → Amsterdam → London →
 Amsterdam → Israchi
 Paris →

گہرائی سے یوں چلیں کہ 26 یا 27 مارچ
 کو یہ دت سے چلیں۔ یہ دت کے بعد باقی
 ساری things کو Open رکھوائیں۔

۹۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کو شام
 ۲۸ کو جدہ

یہ دت سے یہ دت سے جدہ اور جدہ سے یہ دت

۸۔ جیسی چاہتا ہے کہ تیرے میں آپ کا نام نہ
لکھے۔ تاکہ پردہ سے ہی حقیقت پتا چلے۔ تاہم
درخواست دینا ہی ضروری ہے۔ اس کے غور میں۔

۹۔ حج کے بعد شاید آپ کو ٹھوڑا سا عرصہ
ان اطراف میں گزرنا پڑے۔ کتاب کے سلسلے میں۔
اس کے ریڈیو یا TV سے جو آخر آئے، اس
میں دستاویز سے تین چار ماہ کی گنجائش رکھیں۔
آخر اس وقت تک کوئی آخر نہ آئے، تو اب بھی
ایکے۔ داپس کے بعد دکھایا جائیگا۔

بھائی جان یہ سب ایسی جی سے ہی اس پر درگاہ
کے تقدیر کی کہانی۔

میں نے
نہایت

اسم آباد
۲۸ ستمبر ۱۹۸۶

میرا ابو عزیز۔ اسم آباد۔
آپ کا خط ملا۔ چار لک کے یا دہڑے لکھے۔ آپ کا کوئی جواب
میں نے نہیں لکھا۔ آپ نے جواب نہ دیا۔
فائدہ وقت کے تو اس کا شکریہ۔ آخر یہ علی صاحب خان میں
ہوں۔ تو میری جانب سے ان کا شکریہ فرما دیا کروں۔
کوئی تیار تھا کہ کسی اخبارات کے کالمی میں جی آپ لکھ دے
جس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ میری نظر سے بہت سے اخبار میں گزرے۔ مگر آپ نے پڑھا ہے اور
وقت نہ ملے تو بچے ان کے آگے بھی دے دیا کروں۔ جس صاحب اپنے ادارے کا ڈراما انجام دے رہے
ہوئے ہیں۔
مستقل شہریت کی ۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱

۹ اپریل ۶۵

مکتبہ - اسلام علیہ

۸۳ جون ۸۳

محترم عمار مفتی صاحب

اسم سکندر - مکی بیچ میں آپ کی طرف آنے والا تھا۔ لیکن ہر سوام ہوا
کو آپ دین صاحب سے پہلی سے پہلے ہی - یہ بھی سوام ہوا کہ شاید رفیق صاحب کی طبیعت میں
پہلی ہی - اچھا تھا! اپنی خواہش عام ملے -

دونوں خدا سے - کہیں کے نام ایک خدا ہے۔
اگر اس کے کام نہ لگے، تو صاحب کی رائے تجویز کر دیں
تاکہ اسی کے مطابق لکھا جائے۔

۲ - دانی پر خوب بھل ہوا - کبھی بھی سیاست ہی
بست کام آتی ہے - شیخ کے ساتھ بات چیت تو ہوتی
رہتی، خدا کو - دانی کو اس حاضری کا خیر فائدہ ٹانگہ ہو۔

۳ - عرس پس پوری طرف سے ایک سو ایک روپے
حاضر ہیں - بھائی جان سے اجازت لے کر شامل کر لیں -
جواب آنے پر جیسے بھی دیکھا۔

نئی اشاعت کا رد کہ غلط ہے آپ کھلے ایک بنیت آسان طریقہ
کھینچ آئی ہے - اس میں کوئی وقت - نہ کہ ایک قدر ضرورت ہے کہ کسی خاص طریقہ پر
بٹھا ہی ہیں - جس وقت آپ ظاہر ہوں - تو اس میں ہر لحاظ سے (عامانہ) خاص
= زبان کو لا آئے ہیں - اس میں ہر طرف سے ہوتے (عامانہ) اس طرح خاص
= زبان کو لا آئے ہیں - اس میں ہر طرف سے ہوتے (عامانہ) اس طرح خاص
عامانہ کو لے کر آئے ہیں - اس میں ہر طرف سے ہوتے (عامانہ) اس طرح خاص
اچھے چیتے - یہاں پہلے ہر طرف سے ہوتے ہیں - اس میں ہر طرف سے ہوتے (عامانہ) اس طرح خاص
عادت بنائیں جائے - جہاں نصرت ہو گی وہیں سانس کے آنے والے ہیں تو خود نئی اشاعت
شرع ہو گیا - حرف غسل خانے میں عبادت خدایہ کے وقت میں نہ لایا جائے - کہ کوئی اور
ایسی شق ہم پہنچانے ہیں کہ غسل خانے میں زبان انہوں سے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ ذکر جاری
نہ ہو جائے - وغیرہ کوئی چیز نہیں -

۴ - نفسی اعتبار سے دود شریف بگاری ہونے کے لیے
طریق ہیں - ایک عالم اور سید عالم اس واسطے تو یہ
ہے کہ ہر وقت چلتے پھرتے، کلام کرتے، بے کار بیٹھے،

اچھے بھیک تو بہت کر لیں - اور تائیں کوئی شکل و درخشش نہ آ رہی ہو
کسی نہ دھرم عالم ہو جائے اس لیے کہ اس کے ساتھ کافیا ہے - (کلی پندہ) خیر فرماتے

ۛ

شائے کے ہیں، شبہ دوازہ شریف مفرہ ان میں موجود ہیں۔
دردِ حنفی یہ ہے :

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

(اس کے اعراب اور لفظ کسی عربی دان سے پوچھ لے جائیں)

با وضو بلا وضو جب خیال آئے کہ کوئی سبھی سے دعا کرے
یہ مسلسل پڑھتا رہے۔ دوام کے ساتھ ساتھ کثرت بھی
لازم ہے۔ اس میں دیر لگتی ہے۔
دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے :

۱۔ دردِ تاج - سو لاکھ (ایک سو بار)

۲۔ دردِ کھنٹی - سو لاکھ (دوسری سو بار)

۳۔ نمازِ دالہ بغداد - سو لاکھ (تیسری سو بار)

تم، راتوں میں جب یہ تعداد پوری ہو جائے

London
30 Nov 2003

جناب مفتی صاحب !

احقر یتیم - جسے ۱۰۰ روپے عطا فرماتے تھے ابھی اسے ۲۰ روپے عطا کر دیے گئے۔
 امر سوال کی اجازت ہوئی تو آپ سے آپ کا خط طلب لیا۔
 جناب ! آپ کا خط لیا۔ لکھ کر تو مکمل پوچھی اس میں اس کا لکھا ہے جب
 آپ فقیر کو ۲۰ روپے عطا فرماتے تھے۔ اسے تو اسی سے آگے
 کی بات ابھرتی تھی۔

مفتی صاحب ! تعویذ یا دعا نبی پر جناب آپ کے دے
 فرمائیے کہ تعویذ یا دعا نبی پر جناب آپ کے دے
 اشیاء کبھی حکم مبالغہ آرائی نہ جوتے پوچھ جائے کہ اسی نے
 تعلیم یافتہ ذہینوں کو تعویذ سے دھوکہ کھائی حالانکہ ہم
 شیعہ پر ۱۰۰ روپے عطا کر دیے گئے۔ اس کے بعد وہ بھی ۱۰۰ روپے عطا کر دیے گئے۔
 برکات ہے۔ فقیر نے کوئی وسائل نہ جوتے پوچھ جائے کہ اسی نے
 تعویذ لکھ کر مسلمان کر دیا۔ اس کے بعد وہ بھی ۱۰۰ روپے عطا کر دیے گئے۔
 بعد میں ایک غیر مسلم کو مسلمان نہ کر سکا اسے تمام تر وسائل

4, Viners Close,
 Seethingbourne Kent ME1
 10.11.74

پیارا مختار - السلام علیکم

آپ کا خط اور رسالہ امین قلب کے ذریعہ پہنچا۔ مفضل جوہر، چند روز میں
 دوٹو - یہ شخص رسید ہے۔ امید ہے کہ پھر سے والدہ جیہ کی طبیعت بہتر ہو جائے
 ہم یہاں بچے تو عدت کو مایوس بھی کر چکے ہیں کہ روزِ حنا قب و اسکاے فرماں سے جانے
 ایک کی اجازت نہ ملی۔ اس بار خط لکھ کر دیا تھا۔ پھر سے کسی سوگند نہ کیا وہ
 دو روز میں جاری مادل بارہ مرتبہ رکنا۔ کچھ دن سے ۱۰۰ روپے عطا کر دیے گئے۔
 فقیر کے لیے جان بچ گئی۔ اب روایت ہے۔ ابھی پھر سات بچے اور ہسپتال میں رہنا
 پڑتا۔

حاکم محمد دو دن کر دیں کہ اس کا خط مل گیا ہے۔ اس بار پوری قسط نو روپے
 سکوندا۔ البتہ قارئین کے نام آید دو دفعاتی صلے کا معذرت نام پھر سکوندا۔ البتہ قارئین کے نام آید دو دفعاتی صلے کا معذرت نام پھر سکوندا۔
 اسے بھی دوٹو - اسے چاہیے۔ میرا پہلا خط نہ پھا ہے۔ سبب اس کے آج بھی
 میرے خط کے رکھ رکھاؤ - اس کے بعد اس کا باوجود بھی بارگاہی رہا۔
 اسے فوراً ہی لکھیں۔

آپ کی کتاب صلے کے نام پر اس سے وعدہ کر کے کی ضرورت ہے۔ ایک دفعہ اس کے
 قادیان بھیج دیا۔ اور وہ بدعت کے لیے دیا چاہیے۔ صدیق راوی کا نام آج ہے۔
 کسی کو کسی میں رکھنے زیادہ نہ ملے۔ خاموشی کے کام کرے اور سکوندا۔ البتہ قارئین کے نام آید دو دفعاتی صلے کا معذرت نام پھر سکوندا۔
 لائن میں آج بھی۔ پیار و دوستی میں سما دیں۔ نام بھیجے۔ باقی پھر آج
 چلے گی میں بھی۔ اب اس کے لیے ۱۸ میل دے دے۔

meern

© Oneurdu.com

کے باوجود - امید ہے آپ کی کتاب نصرت یا روحانیات کہہ ہمارے
ہی اکثر خلوت کو صاف کر دے گی - اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔
+ امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت محبت ہوگی - خالہ کھانہ ریٹھ
جنگل صاف بنے گی طبیعت کیسی ہے - نمر پر کھینچے گا۔
مرتب ہے آج آپ کو فطرت کھنڈے وقت نہیں لگی - ورنہ
وہ ہمیشہ آپ کو فطرت اندھیرے میں ہی کھاتا تھا - معلوم نہیں آپ
کہ سمجھ ہی آیا کہ نہیں - یا آپ مررت پی ہی ہو راشت کر رہے۔

دانش
کرزا

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

1120 UrduPhoto.com



meem

Oneurdu.

www.ameernews.com

امیر نیوز